خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اپنی طرز کا پہلا ماہنامہ

اپریل 2016

خواتین ڈائجسٹ



سالگرہ نمبر

عنیزہ سید کا مکمل ناول
گیت، پری اور تم

خواتین ڈائجسٹ

بانیِ و مُدیرِ اعلیٰ ـــــ محمود ریاض

مُدیرہ ـــــ نادرہ خاتون

ـــــ آذر ریاض

ـــــ رضیہ جمیل

ـــــ امت الصبور

بلقیس بھٹی

نفسیات ـــــ ...نان

...تہارات ـــــ ...جیلانی

خط و کتابت کا پتہ

خواتین ڈائجسٹ

37- اردو بازار کراچی



MEMBER APNS CPNE

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ----- 700 روپے

ایشیا، افریقہ، یورپ ---- 6000 روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا --- 7000 روپے















اپریل 2016
جلد 43 شمارہ 12
قیمت 60 روپے

خط وکتابت کا پتہ: خواتین ڈائجسٹ، 37 - اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی
Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872
Email: info@khawateendigest.com Website www.khawateendigest.com

مدیر
کی محبت سے

خواتین ڈائجسٹ کا اپریل کا شمارہ سالگرہ نمبر پیش خدمت ہے۔
44 واں سالگرہ نمبر۔
کسی نئے کام کی ابتدا کرنا خصوصاً ایسا کام جو عام روش سے ہٹ کر ہو، مشکل ہوتا ہے۔ اس کے لیے کڑی محنت، اور صلاحیت کے ساتھ ساتھ خلوص نیت اور کامل یقین کا ہونا بہت ضروری ہے۔
آج سے 44 سال پہلے محمود ریاض صاحب نے ایسے ہی ایک کام کی ابتدا کی تھی تو ان کے پیش نظر ایک ہی مقصد تھا۔ خواتین کے لیے ایسے پرچے کا اجرا جو — تفریح مہیا کرنے کے ساتھ بامقصد بھی ہو۔ مثبت راستوں پر ان کی رہنمائی کر سکے۔ خواتین ڈائجسٹ اپنی نوعیت کا پہلا پرچا تھا۔
اللہ تعالیٰ کا کرم اور مہربانی کہ خواتین ڈائجسٹ نے تیزی سے مقبولیت کی منازل طے کیں اور ہر گزرتے دن کے ساتھ بہتر سے بہترین کی راہ پر گامزن رہا۔ خواتین ڈائجسٹ کے بعد کرن اور پھر شعاع اسی سلسلے کی کڑی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی کامیابی بخشی۔
آج خواتین ڈائجسٹ کامیابی اور مقبولیت کی جس منزل پر ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا کرم اور مہربانی ہے۔ اس کے لیے ہم اللہ کے حضور سربسجود ہیں۔
خواتین ڈائجسٹ کی کامیابی میں بڑا حصہ ہماری مصنفین کا ہے۔ ہماری مصنفین ہمارا قیمتی اثاثہ ہیں۔ ان کی سوچ، فکر اور تخلیقی صلاحیتوں نے خواتین ڈائجسٹ کو ایک منفرد مقام دیا۔ ہم تہہ دل سے ان کے ممنون ہیں۔
آج ہماری بہت سی مصنفین جو ہمارے درمیان نہیں، ان کی تحریریں انہیں ہمیشہ ہمارے اور قارئین کے دلوں میں زندہ رکھیں گی۔ ہم ان کے لیے دعاگو ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے۔ آمین۔
ہم اپنی قارئین کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں جو ہر قدم پر ہمارے ساتھ رہیں۔ اچھے قیمتی مشوروں اور تجاویز سے ہماری رہنمائی کی۔ غلطیوں اور کوتاہیوں کی نشان دہی کر کے پرچے کو بہتر بنانے میں مدد دی اور تعریف و توصیف سے ہمیں حوصلہ دیا۔
اللہ تعالیٰ ہمارا اور آپ کا ساتھ ہمیشہ قائم و دائم رکھے۔ آمین۔

سالگرہ نمبر 2،

سائرہ رضا نے سالگرہ نمبر کے لیے خاص طور پر مکمل ناول بھجوایا جو تاخیر سے موصول ہونے کے باعث سالگرہ نمبر میں شامل نہ ہو سکا۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی مصنفین کی تحریریں سالگرہ نمبر میں شامل نہ کر سکے۔ یہ سب تحریریں مئی کے شمارے میں شامل ہوں گی۔ اس طرح مئی کا شمارہ سالگرہ نمبر 2 ہوگا۔

اس شمارے میں،

- عنیزہ سید کا مکمل ناول۔ گیت، پری اور تم، ، نمرہ احمد کا مکمل ناول۔ نمل،
- عفت سحر طاہر اور عقیلہ ایوب کے ناولٹ،
- قرۃ العین خرم ہاشمی، فرزانہ کھرل، بشریٰ احمد، بنت سحر اور نیر کاشف کے افسانے،
- عمیرہ احمد اور آمنہ ریاض کے ناول، ، ملک استاد عمیر جمال سے ملاقات،
- باتیں ماہ وارثی سے، ، دل کشادہ رکھتے ہیں۔ قارئین سے سروے،
- حرف سادہ کو دیا — اعجاز کا رنگ۔ مصنفین سے سروے،
- کرن کرن روشنی۔ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ،
- نفسیاتی ازدواجی الجھنیں اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔

قرآن پاک زندگی گزارنے کے لیے ایک لائحہ عمل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن پاک کی عملی تشریح ہے۔ قرآن اور حدیث دین اسلام کی بنیاد ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن مجید دین کا اصل ہے اور حدیث شریف اس کی تشریح ہے۔

پوری امت مسلمہ اس پر متفق ہے کہ حدیث کے بغیر اسلامی زندگی نامکمل اور ادھوری ہے' اس لیے ان دونوں کو دین میں حجت اور دلیل قرار دیا گیا۔ اسلام اور قرآن کو سمجھنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطالعہ کرنا اور ان کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

کتب احادیث میں صحاح ستہ یعنی صحیح بخاری' صحیح مسلم' سنن ابوداؤد' سنن نسائی' جامع ترمذی اور موطا مالک کو جو مقام حاصل ہے' وہ کسی سے مخفی نہیں۔

ہم جو احادیث شائع کررہے ہیں' وہ ہم نے ان ہی چھ مستند کتابوں سے لی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے علاوہ ہم اس سلسلے میں صحابہ کرام اور بزرگان دین کے سبق آموز واقعات بھی شائع کریں گے۔

کرن کرن روشنی

ادارہ

غیبت کی جائز صورتیں

معلوم ہونا چاہیے کہ کسی صحیح شرعی مقصد کے لیے غیبت کرنا جائز ہے جب کہ اس کے بغیر اس تک پہنچنا ممکن نہ ہو' اور اس کے چھ اسباب ہیں:

1۔ دست درازی کا ہونا۔ چنانچہ مظلوم کے لیے جائز ہے کہ وہ بادشاہ اور قاضی یا ایسے مجاز افسر وغیرہ کی طرف اپنا معاملہ لے جائے جن کے پاس حکمرانی کا اختیار یا ظالم کو سزا دے کر انصاف کرنے کی طاقت ہو۔ وہ جاکر کہے کہ مجھ پر فلاں شخص نے اس طرح زیادتی کی ہے۔

2۔ خلاف شرع کاموں کے روکنے اور برائی کے مرتکب کو راہ راست پر لانے کے لیے مدد حاصل کرنا۔ چنانچہ وہ ایسے شخص سے' جس کی بابت اسے امید ہو کہ اسے خلاف شرع کاموں کے روکنے کی قوت ہے' یہ کہے کہ فلاں شخص یہ برائی کررہا ہے' تو اس کو اس سے روک' یا اسی طرح کی کوئی اور بات کہے اور مقصود اس کا صرف یہی ہو کہ اس برائی کا ازالہ ہوجائے۔ اگر یہ مقصود نہیں ہوگا تو ایسی شکایت حرام ہوگی۔

3۔ فتویٰ طلب کرنا۔ چنانچہ وہ مفتی سے جاکر کہے: مجھ پر میرے باپ نے یا میرے بھائی نے یا میرے خاوند نے یا فلاں شخص نے اس طرح ظلم کیا ہے۔ کیا اسے اس کا حق حاصل ہے؟ (اگر نہیں ہے) تو اس سے خلاصی پانے اور ظلم کے ٹالنے اور اپنا حق وصول کرنے کا میرے لیے کیا طریقہ ہے؟ اور اس طرح کی کوئی بات کرے تو یہ بوقت ضرورت جائز ہے۔ لیکن اس میں بھی زیادہ محتاط اور افضل طریقہ یہ ہے کہ وہ اس طرح سوال کرے کہ ایسے آدمی یا شخص یا خاوند کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ جس کا معاملہ اور رویہ اس طرح ہے۔ اس طرح نام لیے اور متعین کیے بغیر بھی مقصد حاصل ہوجائے گا' تاہم اس کے باوجود تعین (نام لینا) بھی جائز ہے۔

4۔ مسلمانوں کو برائی سے ڈرانا اور ان کی خیر خواہی کرنا۔ اور اس کے متعدد طریقے ہیں' مثلاً: حدیث

کے سلسلہ سند کے مجروح راویوں اور (واقعے کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے) گواہوں پر جرح کرنا۔ اس کے جواز پر مسلمانوں کا اجماع ہے بلکہ بہ وقت ضرورت یہ واجب ہے۔

یا جیسے کسی سے شادی بیاہ کا تعلق قائم کرنے یا کاروبار میں شرکت کرنے یا اس کے پاس امانت رکھنے یا کوئی اور معاملہ کرنے یا اس کے پڑوسی ہونے کے بارے میں ایک دوسرے سے مشورہ کرنا ہے تو جس شخص سے مشورہ کیا جائے' اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ کوئی بات نہ چھپائے' بلکہ خیر خواہی کی نیت سے وہ تمام برائیاں بیان کردے جو اس میں ہوں (تاکہ انسان غلط جگہ رشتہ نہ کرے' بددیانت کے پاس امانت نہ رکھے' نہ کاروبار میں اشتراک کرے اور نہ اس کا پڑوسی بنے وغیرہ۔)

اس طرح جب ایک شخص کسی طالب علم کو دیکھے کہ وہ شریعت کا علم حاصل کرنے کے لیے کسی بدعتی یا فاسق کے پاس جاتا ہے اور وہ یہ اندیشہ محسوس کرے کہ طالب علم کو اس بدعتی یا فاسق سے نقصان پہنچے گا تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کا حال بیان کرکے اس کی خیر خواہی کرے بشرطیکہ مقصد صرف خیر خواہی ہو۔

اور یہ معاملہ ایسا ہے کہ اس میں عام طور پر غلطیوں کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ کبھی تو حسد انسان کو ایسی بات کرنے پر آمادہ کرتا ہے لیکن شیطان اس پر معاملے کو خلط ملط کردیتا ہے اور اس کے دماغ میں یہ بات ڈالتا ہے کہ یہ خیر خواہی ہے۔ (دراں حالیکہ اس میں خیر خواہی کی بجائے حسد کی کارفرمائی ہوتی ہے) اس لیے انسان کو ہوشیار اور بیدار رہنے کی ضرورت ہے۔

یا کوئی افسر اعلیٰ اور حاکم ہو' لیکن ولایت کا صحیح حق ادا نہ کررہا ہو' یا تو اس لیے کہ اس کے اندر حکمرانی کی اہلیت ہی نہیں ہے' یا فاسق ہے' یا کم عقل وغیرہ ہے تو ضروری ہے کہ اس کی حقیقت مقتدر اعلیٰ تک پہنچائی جائے جس کو اس پر غلبہ حاصل ہو تاکہ وہ اس کو ہٹا دے اور اس کی جگہ ایسے شخص کو حکم اور افسر مجاز بنائے جو معاملات کی اصلاح کرے یا کم از کم اس کی اصل حقیقت اس کے علم میں آجائے تاکہ وہ اس کے حال کے مطابق اس سے معاملہ کرے اور اس سے دھوکا نہ کھائے اور یہ کہ وہ کوشش کرے کہ اسے سیدھے راستے پر قائم رہنے کی ترغیب دے یا پھر اسے بدل دے۔

5۔ یا کوئی کھلم کھلا فسق یا بدعت کا ارتکاب کرنے والا ہو' جیسے کوئی اعلانیہ شراب نوشی کرے' لوگوں کا مال لے' چنگی وصول کرے' یا ظلماً" ٹیکس لے اور باطل کاموں کی سرپرستی کرے۔ چنانچہ وہ جو بھی غلط کام کھلم کھلا کرے' اس کا بیان کرنا جائز ہے (تاکہ اس کا ازالہ ممکن ہوسکے) اس کے علاوہ اس کے دوسرے عیبوں کا (جو مخفی ہوں) بیان کرنا حرام ہے' الا یہ کہ اس کے جواز کا بھی کوئی ایسا ہی دوسرا سبب ہو جو ہم نے ذکر کیا۔

6۔ معروف نام سے پکارنا۔ جب انسان کسی لقب کے ساتھ معروف ہو' جیسے اعمش (چندھا)' اعرج (لنگڑا)' بہرا' اندھا اور بھینگا وغیرہ تو اس کے لیے تعارفی نام یا لقب کا استعمال جائز ہے' تاہم توہین و تنقیص کی نیت سے ان الفاظ کا استعمال حرام ہے اور اگر مذکورہ معروف القاب کے بغیر اس کا تعارف ممکن ہو تو زیادہ بہتر ہے۔

یہ چھ اسباب ہیں جو علماء نے بیان کیے ہیں (جن کی وجہ سے دوسروں کے عیب کا بیان کرنا جائز ہے۔) اور ان میں سے اکثر پر علماء کا اتفاق ہے اور صحیح احادیث سے ان کے دلائل مشہور ہیں۔ ان میں سے چند احادیث درج ذیل ہیں۔

دھوکے سے بچانا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اس کو اجازت دے دو' یہ اپنے خاندان کا برا آدمی ہے۔" (بخاری و مسلم)

امام بخاری رحمتہ اللہ نے اس حدیث سے اہل فساد اور مشتبہ لوگوں کی غیبت بیان کرنے کے جواز پر استدلال کیا ہے (تاکہ لوگ ان سے بچ کر رہیں۔)

فائدہ : امام بخاری رحمتہ اللہ کے استدلال کی وجہ ظاہر ہے کہ لوگ ان کی ظاہری حالت سے دھوکا نہ کھائیں۔ گویا جو شخص برے کردار کا حامل ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ اگر لوگوں کو اس کے کردار سے آگاہ نہ کیا گیا تو بہت سے لوگ اس کے دام تزویر میں پھنس جائیں گے جس سے ان کے دین یا دنیا یا دونوں کا نقصان ہو گا' تو ایسے شخص کی غیبت کرنا جائز ہے۔

مشورہ دینا

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ ابوجہم اور معاویہ' دونوں نے مجھے نکاح کا پیغام بھیجا ہے۔ (میں کیا کروں؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"معاویہ تو مفلس آدمی ہے' اس کے پاس مال ہی نہیں ہے۔ اور ابوجہم جو ہے' وہ لاٹھی ہی اپنے کندھے سے نہیں اتارتا۔" (بخاری و مسلم)

اور مسلم کی روایت میں ہے:

"لیکن ابوجہم تو عورتوں کو بہت مارنے والا ہے۔"

"اور یہ تفسیر ہے پچھلی روایت کے الفاظ "وہ تو لاٹھی ہی اپنے کندھے سے نہیں اتارتا" کی۔ اور بعض کے نزدیک اس کے معنی ہیں: کثرت سے سفر کرنے والا۔

فائدہ : اس سے معلوم ہوا کہ رشتۂ ازدواج سے منسلک ہونے کی خواہش رکھنے والے فریقین کو ایک دوسرے کے حالات سے آگاہ کرنا اور ان میں موجود خرابیوں کو بیان کرنا جائز ہے بشرطیکہ واقعی مقصد خیر خواہی ہو۔ یہ غیبت محرمہ میں شامل نہیں ہو گا۔

چال بے نقاب کرنا

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باہر گئے' اس میں لوگوں کو بہت سختی پہنچی۔ عبداللہ بن ابی نے کہا۔

"تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں پر اپنا مال مت خرچ کرو تاکہ وہ خود ہی منتشر ہو جائیں۔ اور اس نے کہا: اگر ہم مدینہ واپس پہنچ گئے تو یقیناً" ہم میں سے زیادہ عزت والا وہاں سے ذلیل کو نکال دے گا۔"

(حضرت زید فرماتے ہیں:) میں یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ کو اس کی بات بتلائی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کو پیغام بھیج کر بلوایا تو اس نے پختہ قسم اٹھا کر کہا کہ اس نے ایسا نہیں کہا۔

لوگوں نے کہا: "زید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹ کہا۔"

چنانچہ میرے دل میں لوگوں کی بات سے سخت رنج ہوا' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میری تصدیق میں یہ سورت نازل فرما دی: اذا جاءک المنافقون (جس میں آگے چل کر عبداللہ منافق کا وہی قول نقل کیا گیا ہے۔) پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (منافقین) کو بلایا تاکہ آپ ان کے لیے استغفار کریں لیکن انہوں نے استغفار سے اعراض کرتے ہوئے) اپنے سروں کو پھیر لیا۔ (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل :

1۔ عبداللہ بن ابی مدینے میں منافقین کا سردار تھا۔ اس نے مذکورہ سفر میں' جو غزوہ بنی **المصطلق** کے لیے ہوا تھا' صحابہ کرام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بدزبانی کی تھی' جسے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے سن لیا اور انہوں نے اسے بارگاہ رسالت میں پہنچا دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ منافقین کی سازشوں اور چالوں کو بے نقاب کرنا غیبت میں شامل نہیں ہے' بلکہ ان سے لوگوں کو آگاہ کرنا اسلام اور مسلمانوں کے مفاد

کے لیے ضروری ہے۔

اجازت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

"ابوسفیان بخیل آدمی ہیں' وہ مجھے اتنا خرچ بھی نہیں دیتے کہ مجھے اور میرے بچوں کو کافی ہو جائے مگر یہ کہ میں خود ان کے علم کے بغیر ان کے مال میں سے کچھ لے لوں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم دستور کے مطابق اتنا مال لے لیا کرو جو تمہیں اور تمہارے بچوں کو کافی ہو جائے۔" (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل:

1۔ ہند رضی اللہ عنہا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔ یہ فتح مکہ کے موقع پر اپنے خاوند حضرت ابوسفیان کے ساتھ ہی مسلمان ہو گئی تھیں۔

2۔ اس سے ایک مسئلہ تو یہ ثابت ہوا کہ حکم شریعت معلوم کرنے کے لیے میاں بیوی مفتی کے سامنے ایک دوسرے کی غیبت کر سکتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ خاوند اگر دستور کے مطابق گھریلو اخراجات کے لیے رقم نہ دے تو بیوی کو اجازت ہے کہ وہ اس کے علم میں لائے بغیر دستور کے مطابق اس کے مال میں سے کچھ رقم لے لیا کرے۔ لیکن اس سے مقصد گھر کے ضروری اخراجات پورے کرنے ہوں نہ کہ فضولیات پر خرچ کرنا یا خاوند کے مال کو اجاڑنا۔

چغلی کے حرام ہونے کا بیان اور یہ فساد ڈالنے کی نیت سے ایک کی بات دوسرے کو پہنچانے کا نام ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "بہت عیب جو یا غیبت کرنے والے اور چغلی کے ذریعے سے فساد برپا کرنے والے کی (بات نہ مان۔) (ن۔11)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "انسان جو لفظ بھی بولتا ہے تو اس کے پاس ہی نگران فرشتہ تیار ہوتا ہے۔" (ق۔18)

چغل خور

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "چغل خور جنت میں نہیں جائے گا۔" (بخاری و مسلم)

فائدہ:

1۔ چغلی کا مفہوم امام نووی رحمتہ اللہ نے عنوان باب ہی میں بیان کر دیا ہے۔ جو شخص چغلی کو حلال سمجھتے ہوئے چغلی کرتا اور لوگوں کے درمیان فساد ڈالتا ہے' درآں حالیکہ اس کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں' ایسا شخص یقیناً کبھی جنت میں نہیں جائے گا۔ ہاں وہ شخص جو اس کو حرام ہی جانتا ہے لیکن بشری کمزوری کی وجہ سے اس سے چغل خوری کا گناہ صادر ہو جاتا ہے تو اگر اللہ نے اس کا یہ گناہ معاف نہ کیا تو وہ پہلے اس کی سزا جہنم میں بھگتے گا اور اس کے بعد جنت میں جائے گا' یعنی ایسا گناہ گار مسلمان پہلے مرحلے میں جنت میں نہیں جائے گا۔ الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف کردے۔

قبر کا عذاب

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دو قبروں کے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے فرمایا:

"ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے۔ اور ان کو یہ عذاب کسی بڑی (یا زیادہ مشکل) بات پر نہیں ہو رہا۔ (پھر فرمایا!) کیوں نہیں' وہ بڑی بات ہی ہے۔ ان میں سے ایک تو چغلی کھایا کرتا تھا اور دوسرا پیشاب (کے چھینٹوں) سے نہیں بچتا تھا۔"

(بخاری و مسلم اور یہ بخاری کی روایت میں سے ایک روایت کے الفاظ ہیں۔)

علماء نے کہا ہے "ان کو کسی بڑی بات میں عذاب

نہیں ہو رہا ہے" کا مطلب ہے: ان کے خیال میں وہ کوئی بڑی بات نہیں تھی (ورنہ شریعت کی نظر میں تو وہ بڑی بات تھی.....) اور بعض نے کہا: کبیر سے مراد ہے کہ ان کا ترک کرنا زیادہ مشکل بات نہ تھی (وہ چاہتے تو آسانی سے اس گناہ سے بچ سکتے تھے۔)

فوائد و مسائل:

1۔ لا یستتر من بولہ "کا ایک دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ پیشاب کرتے وقت وہ لوگوں سے اوجھل نہیں ہوتا تھا' بلکہ بے شرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نظروں کے سامنے ہی پیشاب کرنے بیٹھ جاتا۔ ظاہر بات ہے یہ بے شرمی بھی گناہ ہے۔ بہرحال اس سے معلوم ہوا کہ چغل خوری' پیشاب کے چھینٹوں سے نہ بچنا یا پردے کا اہتمام نہ کرنا' یہ سب کبیرہ گناہ ہیں جن پر گرفت ہو سکتی ہے۔

اس سے عذاب قبر کا بھی اثبات ہوتا ہے۔ جس کا بعض لوگ انکار کرتے ہیں۔

لوگوں کی گفتگو اور باتیں بلاضرورت حکام تک پہنچانے کی ممانعت کا بیان' تاہم بگاڑ یا کوئی نقصان وغیرہ کا اندیشہ ہو تو جائز ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "گناہ اور زیادتی (کے کاموں) پر ایک دوسرے سے تعاون مت کرو۔" (المائدہ۔3)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے صحابہ میں سے کوئی شخص کسی کی کوئی بات مجھ تک نہ پہنچائے' اس لیے کہ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میں تمہارے درمیان اس حال میں نکلوں کہ میرا سینہ (ہر ایک کی بابت) صاف ہو۔"

(اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔)

دو رخے شخص کی مذمت کا بیان

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وہ لوگوں سے چھپتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپتے' حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ راتوں کو ایسی باتوں میں مشورہ کرتے ہیں جو اللہ کو ناپسند ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے عملوں کا احاطہ کرنے والا ہے۔" (النساء ۔108)

نفاق

حضرت محمد بن زید بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے ان کے دادا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا۔

"ہم اپنے حکمرانوں کے پاس جاتے ہیں تو ان سے ایسی باتیں کرتے ہیں جو ان باتوں سے مختلف ہوتی ہیں جو ہم ان کے پاس سے باہر نکل کر کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہم ایسے رویے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نفاق شمار کرتے تھے۔ (بخاری)

فوائد: مطلب یہ ہوا کہ حکمرانوں کے سامنے تو ان کی تعریف کرنا اور آگے پیچھے ان کی مذمت کرنا عملی نفاق ہے۔ اس لیے کہ جو دل میں ہے وہ زبان پر نہیں اور جو زبان پر ہے وہ دل میں نہیں۔ ایک سچے مسلمان کا کردار تو یہ ہے کہ بادشاہ اگر اچھا' متقی اور عادل ہے تو منہ پر بھی اس کی تعریف کی جائے (اگر ضرورت پڑ جائے' خوشامد کے طور پر نہیں) اور پیٹھ پیچھے بھی اسے اچھے لفظوں سے یاد کیا جائے۔ اور اگر وہ برا ہے تو اسے اس کے منہ پر بھی اللہ کی نافرمانی کے انجام بد سے ڈرایا جائے اور آگے پیچھے بھی یہی رویہ اختیار کیا جائے کیونکہ یہی خیر خواہانہ طرز عمل ہے جس کی تاکید ایک مسلمان کو کی گئی ہے۔ اس کے برعکس پہلا رویہ دو رخے پن کا مظہر ہے۔ جس پر سخت وعید گزشتہ حدیث میں گزری ہے۔



ورنہ ہم کراچی کا مسئلہ حل کر دیں گے

انشا جی

ایک دیہاتی بزرگ کے متعلق مشہور ہے کہ شہر میں مہمان گئے تھے۔ وہاں میزبان نے انہیں کھانے کے بعد پان پیش کیا۔ تھوڑی دیر بعد انہیں پیک تھوکنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ میزبان نے ایک چمکیلا مراد آبادی اگال دان ان کے سامنے کر دیا۔ انہوں نے اسے ہاتھ سے پرے ہٹا' دری کا کونا اٹھا کر پیک تھوک دی' دوسری بار پھر یہی ہوا کہ میزبان نے اگلدان آگے کیا اور انہوں نے اسے پرے ہٹا' دری کے کونے سے کام لیا۔ تیسری بار میزبان نے پھر یہی حرکت کی تو مہمان کے صبر کی تاب نہ رہی' بولے۔ "یہ کیا بدتمیزی ہے۔ تم ہر بار یہ برتن آگے کر دیتے ہو۔ اب کے کیا تو اسی میں تھوک دوں گا۔"

ہر چند کہ ہماری طبیعت میں صبر کی اتنی کمی نہیں' لیکن بندہ بشر ہے۔ ہر روز کراچی کے مسئلے پر اتنے بیان اور اتنے کالم آنے لگے ہیں کہ زچ ہو کر ہمارا بھی بنکارنے کو جی چاہتا ہے کہ ختم کرو یہ بیان بازی ورنہ ہم ابھی کراچی کا مسئلہ حل کر دیں گے۔



دیکھا جائے تو کراچی کا مسئلہ کوئی ایسا بڑا مسئلہ بھی نہیں جس طرح ون یونٹ توڑنے پر سب ہی متفق ہو گئے ہیں۔ اسی طرح الحمدللہ زیادہ تر لوگوں کا اس بات پر اتفاق رائے ہو گیا ہے کہ سندھ اور کراچی کو یکجا ہونا چاہیے۔ لوگوں کے بیانات میں ایک باریک اور لطیف سا فرق البتہ ضرور نظر آیا وہ یہ کہ کراچی کو سندھ میں شامل ہونا چاہیے یا سندھ کو کراچی میں۔ ممکن ہے ان دونوں باتوں میں کوئی فرق نہ ہو اور یہ محض لوگوں کے جی کا وسوسہ ہو کہ کسی کی نظر پیسے کی ریل پیل پر ہے اور کسی کی نوکریوں کے کوٹے پر۔ کچھ بھی ہو پاکستان کے دو علاقوں نے 'جھوٹوں ہی سہی ایک دوسرے میں مدغم ہونے کی بات تو کی' ورنہ تو ہمیں یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ اب جو ہر شخص اور ہر علاقہ' فرزند اپنی خودی پہچاننے لگا ہے اور باقی ہر شے کو پہچاننے سے انکاری ہے تو کہیں کراچی کا شیرازہ بھی نہ بکھر جائے۔ یہاں مقامی اور باہر سے آئے ہوئے ہر علاقے کے لوگوں کا الگ محلہ اور پاڑہ ہے اور تنظیم ہے۔ انجمن مسلمانان چکوال ہے۔ بانٹوا میمن سوسائٹی ہے۔ حلقۂ احباب بیلی بھیت ہے۔ ایسا نہ ہو کل روہیل کھنڈ ہاؤسنگ سوسائٹی والے کہہ دیں کہ ہمارا کلچر الگ ہے۔ ہماری سوسائٹی کو الگ صوبہ سمجھا جائے۔ برنس روڈ والے جہاں زیادہ تر دلی کے روڑے رہتے ہیں علیحدگی کی تحریک چلا دیں کہ جو شخص اردوئے معلیٰ نہ بولے اور نہاری نہ کھائے یہاں سے نکل جائے۔ جن لوگوں نے اپنے مردوں کو دفنانے کی گاڑیاں تک علاقہ وار الگ الگ رکھی ہیں' ان کا مل جل کر زندگی بسر کرنا بظاہر مشکل معلوم ہوتا تھا۔ خیر ہمارے اندیشے باطل ثابت ہوئے۔ کوئی محلہ شہر سے الگ نہیں ہوا۔ داخلی خود مختاری اور الگ کرسی تک کا مطالبہ نہیں کیا۔



کراچی اور سندھ آپس میں مل جائیں تو لامحالہ بہت عمدہ صوبہ بن جائے گا۔ دو اسمبلیوں' دو وزارتوں اور دو گورنریوں کا جھنجٹ ہمیں پسند نہیں۔ انتظامی اخراجات میں بہت بچت رہے گی۔ اس پر ہمیں یاد آیا کہ قاضی عیسیٰ صاحب نے بھی پیش کش کی تھی کہ بلوچستان اور کراچی کو باہم ملا دیا جائے تو کیوں نہ کراچی' بلوچستان کو اپنے ساتھ لے کر سندھ میں شامل ہو۔ دیکھیے نا۔ ذرائع رسل و رسائل بھی ایک ضروری چیز ہیں۔ معیشت کے تقاضے بھی ہیں۔ چمن کا انگور اور سردا بھی سندھ اور کراچی ہی میں آ کر بکتا ہے۔ سردیوں میں کوئٹہ سے ٹھنڈی ہوا بھی ادھر ہی کو آتی ہے۔

سندھ میں بہت سے بلوچ آباد ہیں۔ کراچی میں بلوچ میس نام کی ایک عمارت موجود ہے۔ بلوچستان' سندھ' کراچی ... یہ ہمارے نزدیک ایک نہایت قدرتی وحدت ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ بلوچستان آج کل کے مہنگائی کے زمانے میں الگ اسمبلی' الگ حکومت وغیرہ کا بوجھ اٹھائے۔ ان تینوں علاقوں کے لیے ایک مشترکہ انتظامیہ کافی رہے گی۔



ایک قباحت کو ہم البتہ نظر انداز کر رہے ہیں۔ بلوچستان کے بعض علاقوں میں پٹھان بہت بڑی تعداد میں ہیں۔ بولتے بھی پشتو ہیں۔ وہ لامحالہ چاہیں گے کہ دوسرے پٹھان بھائیوں سے الگ نہ رہیں۔ دیکھا جائے تو اس کا حل بھی مشکل نہیں۔ ہم نے سندھ کراچی اور بلوچستان کا جو مشترکہ صوبہ بنایا ہے اس کا دائرہ شمال کی طرف وسیع کیا جاسکتا ہے۔ ڈیرہ اسماعیل خان' بنوں' پشاور۔ کوہاٹ قبائلی علاقے یہ پورا قطعہ کوہاٹ تا کوئٹہ اور کوئٹہ تا کراچی۔ ایک ہی چیز ہے اور ایک ہی ہونا چاہیے۔ کراچی میں جو ہمارے لاکھوں پختون بھائی رہتے ہیں ان کی خوشی بھی یقیناً" اسی میں ہو گی۔ روز روز تو دستوری تبدیلیاں ہوتی نہیں لہٰذا کیوں نہ ابھی سے اس صوبہ عظمیٰ کی داغ بیل ڈال دی جائے۔ ایسے ہی جذبے کے عالم میں تو علامہ اقبال نے مسلمانوں کے ایک ہونے کی خواہش کی تھی' نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر۔ کراچی۔ سندھ۔ بلوچستان۔ سرحد۔ یہ صوبہ خاصا بڑا ہو جاتا ہے۔ لیکن سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی۔ کچھ اور بڑا ہو جائے تو کیا حرج ہے۔ اب لے دے کے پنجاب رہ جاتا ہے۔ کیوں نہ پنجاب سے بھی پوچھ لیا جائے کہ اس نئے صوبے میں شامل ہونا پسند کرے گا؟ مصلحت اس میں یہ ہے کہ دریا مل ملا کر پنجاب ہی سے آتے ہیں۔ یہ نہ ہو کہ کل کلاں پنجاب اور اس نئے صوبے میں پانی پینے پلانے پر کوئی جھگڑا اٹھ کھڑا ہو۔

پنجاب والوں کا یہ فائدہ ہے کہ ان کا سارا مال جو دساور کو جاتا ہے سندھ ہی میں سے گزرتا ہے۔ تاندلیا نوالہ وغیرہ میں خالص پنجاب کا گھی بنانے کے لیے ساری چربی کراچی ہی سے جاتی ہے اور بھی کئی باتیں مشترک ہیں۔ دور کیوں جائیے ہماری اپنی ذات کا بھی دونوں علاقوں سے تعلق ہے کہ رہنے والے پنجاب کے ہیں اور رہتے کراچی میں ہیں اور اس حقیقت سے پوری ذمہ داری سے یہ بیان دینے کو تیار ہیں کہ پنجاب اس نئے صوبے میں شامل ہونے کے لیے بخوشی تیار ہے۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ ہم نے گھر میں بیٹھے بٹھائے خود بخود فیصلہ کر لیا ہے جیسے لیڈر لوگ کر لیتے ہیں۔



گویا صاحبان اب یہ طے ہو گیا کہ ان سارے علاقوں کا جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ ایک صوبہ بن جانا چاہیے۔ اب رہا یہ سوال کہ اس کا کیا نام ہو۔ ہمارے ذہن میں کئی نام آئے تھے۔ وسیع تر کراچی۔ عظیم تر سندھ۔ بڑا بلوچستان۔ سرحد عظمیٰ۔ پنجاب کبیر وغیرہ۔ ان سب تجویزوں کو رد کرنا پڑا کیونکہ بیک وقت ان سارے علاقوں کے لوگ اس پر متفق نہیں ہو پائے۔ ہمارے ایک دوست کا کہنا ہے کہ چونکہ پاکستان سے ان سب علاقوں کو محبت ہے لہٰذا اسے پاکستان ہی کیوں نہ کہا جائے۔ ہمیں یہ نام فی الحال اجنبی اور غیر مانوس سا معلوم ہو گا۔ لیکن شاید چل جائے۔ اب رہی یہ بات کہ اس کا صدر مقام کیا ہو؟ ہمارے خیال میں اس معاملے میں پنجاب کو کچھ فیاضی دکھانی چاہیے جیسی 1947ء میں سندھ نے دکھائی تھی کہ پاکستان کے دارالحکومت کے لیے کراچی کی پیش کش کر دی تھی۔ اب پنجاب والے لاہور کی پیش کش کریں۔ راولپنڈی یا اسلام آباد کی پیش کش کریں۔ ان کی پاس وسیع سکریٹریٹ بھی ہے۔ اور عمارتیں اور ادارے بھی ہیں۔ یہ سب اس نئے صوبے کے کام میں لائی جاسکتی ہیں۔ جس جس بھائی کو ہماری یہ تجویز منظور ہو' ہاتھ کھڑا کرے۔





دل کشادہ رکھتے ہیں

ادارہ

ثمینہ اکرم لیاری..... کراچی

تمہاری سالگرہ کے دن یہ دعا ہے ہماری
جتنے ہیں چاند تارے، اتنی ہو عمر تمہاری

1 ۔ یہ بات تو روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ابتدا سے ہی ادارہ خواتین ڈائجسٹ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ اور آج ایسے کتنے ہی نام شہرت کے آسمان پر چاند بن کر چمک رہے ہیں۔ اس سال بھی بہت سے نئے نام سامنے آئے جیسا کہ بنت سحر، نظیر فاطمہ، سحر ساجد، عائشہ فیاض، ام طیفور، شفق افتخار، نازیہ کنول نازی، مصباح علی، شہناز صدیق، نادیہ احمد اور حرا قریشی شامل ہیں۔ جبکہ میں مصباح علی امت العزیز شہزاد، قراۃ العین خرم ہاشمی، فرزانہ کھرل، عائشہ خان اور ایمل رضا کو اس سال کی بہترین دریافت قرار دوں گی۔ اگر کوئی نام رہ گیا ہو تو معذرت خواہ ہوں۔

2 ۔ صاف گوئی اچھی عادت ہے مگر صاف گو اور منہ پھٹ ہونا دو متضاد چیزیں ہیں اور کہیں نہ کہیں ہمیں مصلحت پسندی سے بھی کام لینا پڑتا ہے۔ مگر غصے میں جب ہم کچھ سچائیوں کا پردہ چاک کر رہے ہوں تو بعد میں اس پر پچھتاوا ہوتا ہے۔

ابھی پچھلے دنوں میں اپنے چھوٹے بیٹے اسود رحمن کے اسکول، پیرنٹس میٹنگ میں گئی۔ وہاں اسکول کی ٹیچرز کی عدم توجہ اور خراب کارکردگی پر مجھے غصہ آگیا اور پھر میں نے انہیں ٹھیک ٹھاک باتیں سنادیں۔ جو کہ تھیں تو سب سچ۔ مگر شاید میری صاف گوئی اسکول انتظامیہ کو پسند نہ آئی۔ اور پھر بعد میں خود مجھے بھی اپنی صاف گوئی پر ندامت ہوئی..... پچھتاوا اس بات پر ہوا کہ میرے الفاظ کسی کی دل آزاری کا باعث نہ بنے ہوں۔ اسی لیے میں نے بعد میں سب ٹیچرز سے معذرت کی۔ انہوں نے بھی مجھے سوری کہا اور یوں معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ معافی مانگنے میں ہی بڑائی ہے۔ اس سے آپ کا ضمیر بھی مطمئن ہو جاتا ہے اور اللہ پاک بھی راضی ہوتا ہے۔

ماہ و سال کی مسافت طے کر کے خواتین ڈائجسٹ معیار و مقبولیت کے اس مقام پر ہے کہ پیچھے مڑ کر دیکھیں تو دور دور تک روشن دیے نظر آتے ہیں' ایک سلسلہ ہے محبتوں کا' روشنیوں کا.... بے شمار نام اور لازوال تحریریں.... ہم اپنی خوش بختی پر جس قدر شکر کریں کم ہے کہ بہترین مصنفین ہمارے حصے میں آئے' ان کی کاوشیں ہمارے پرچوں کی زینت بنیں... اور اس سے بڑھ کر خوش نصیبی کہ ہمیں ایسی قارئین کا ساتھ ملا جو باصلاحیت ہیں' ذہین ہیں اور باذوق بھی.... ان کی صلاحیتوں کے گواہ خواتین ڈائجسٹ کے سلسلے ہیں۔

مصنفین اور قارئین کے اس حلقے میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔ ہر سال ہم نئے مصنفین کو متعارف کراتے ہیں ان کی صلاحیتیں سامنے لاتے ہیں اور ہمیں خوشی ہے کہ پاکستان سے ہی نہیں بیرون ملک سے بھی بہت سی مصنفین کو اپنی تخلیقی صلاحیتیں سامنے لانے کا موقع ملا ہے۔

ہر سال کی طرح اس بار بھی سالگرہ نمبر میں قارئین سے سروے شامل ہے۔ ہم نے پہلا سوال اسی حوالے سے کیا ہے۔ زندگی میں بارہا ایسے مقام آتے ہیں۔ جب ہم دانستہ یا نادانستہ اپنی کسی بات سے دوسروں کا دل دکھانے کا باعث بن جاتے ہیں۔ کچھ لوگ تو احساس سے عاری ہوتے ہیں لیکن حساس دل اگر کسی کو کچھ کہہ دیں خواہ وہ کتنا ہی سچ کیوں نہ ہو تو وہ پچھتاوے کا شکار ہو جاتے ہیں۔ کڑھتے رہتے ہیں' سروے کا دوسرا سوال اسی حوالے سے ہے۔

ٹی وی اب ہماری زندگی کا حصہ بن چکا ہے۔ میڈیا ہماری زندگیوں اور رویوں پر اثر انداز ہو رہا ہے کیا میڈیا ہمارے خیالات ہمارے نظریات بدلنے کی طاقت رکھتا ہے۔ ہمارا تیسرا سوال اسی حوالے سے ہے۔

چوتھا سوال ہم اپنی مصنفین کی تحریروں کے حوالے سے کیا ہے۔

سوالات یہ ہیں۔

1۔ نئے لکھنے والوں کی صلاحیتیں سامنے لانے میں خواتین ڈائجسٹ نے ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس سال بھی بہت سے نام سامنے آئے' آپ کس مصنفہ کو سال کی بہترین دریافت قرار دیں گی؟

2۔ صاف گوئی اچھی بات ہے لیکن کبھی کبھی یہ عادت دوسروں کے لیے بہت تکلیف دہ ہو جاتی ہے۔ کوئی ایسی بات جو آپ نے کہہ تو دی' لیکن بعد میں آپ کو پچھتاوا ہوا؟

3۔ آپ نیوز چینل دیکھنا پسند کرتی ہیں یا آپ کو تفریحی چینل اچھے لگتے ہیں' ٹی وی پر بلند آواز میں تیز تیز بولتے' سیاست دانوں کی ایسی تیسی کرتے چرب زبان اینکرز کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا آپ ان کی باتوں پر یقین رکھتی ہیں یا اپنی رائے رکھتی ہیں؟ کون سے اینکرز بہت برے لگتے ہیں۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ ہماری قارئین نے ان سوالات کے کیا جوابات دیے ہیں۔

3 ۔ جب میرا شہزادہ معیز اکرم حیات تھا تو ہمارے گھر میں ہر وقت نیوز چینل ہی دیکھا جاتا تھا۔ مگر اب تو ٹی وی خاموش ہی رہتا ہے۔ تفریحی چینل بھی صرف ایک گھنٹے کے لیے ڈرامہ (پاکستانی) دیکھنے کے لیے آن ہوتا ہے۔ البتہ اکرم نو بجے رات والا خبرنامہ ضرور دیکھتے ہیں۔ مگر آج

کل جس طرح کی نیوز کو بریکنگ نیوز بنا کر پیش کیا جا رہا ہے' جس طرح کے ٹاک شوز پیش کیے جا رہے ہیں۔ جس طرح کی زبان ایک دوسرے کے لیے استعمال کر رہے ہیں توبہ ہی بھلی۔ عوام کی بھلائی کا تو خیر انہوں نے کیا سوچنا ہے۔ وہ تو اپنے ذاتی مفاد کی خاطر اپنے وطن کی جڑوں کو بھی کھوکھلا کر رہے ہیں۔ لہٰذا ایسے اینکر زپرسن جو نمبروں کی دوڑ کے لیے اپنی چرب زبانی کا استعمال کرتے ہیں' مجھے بہت برے لگتے ہیں اور نہ ہی ان کی کسی بات پر یقین کرنے کو دل کرتا ہے۔ لہٰذا میں تو اپنی رائے محفوظ رکھتی ہوں۔

4 ۔ ہماری مصنفین نے بہت سے غیر معمولی' مضبوط اور جان دار کردار تخلیق کیے ہیں۔ مجھے تو ذہین' باصلاحیت اور نڈر کردار پسند آتے ہیں۔ مجھے "جنت کے پتے" میں جہانیاں کا کردار اچھا لگا۔ "آب حیات" میں "سالار" کا کردار ناول "نمل" میں "فارس" کا کردار "امربیل" میں عمر جہانگیر۔ "متاع جان ہے تو" کا عباد "بن مانگی دعا" کا کردار "معیز احمد" میرے فیورٹ رہے ہیں۔ کتنے مزے کی بات ہے کہ میرے پسندیدہ کردار سب کے سب مرد







گزارتی ہیں۔ کیا کروں جی اپنی پسند تو بس ایسی ہی ہے۔
اب ان میں اپنی جھلک کیسے دیکھوں؟
ہاں مگر کوئی اللہ سے نزدیک کردار، قناعت پسند، شکر گزاری، درگزر اور معاف کردینے کے ہنر سے واقف کردار، نفرتوں کے بجائے محبتوں کی آبیاری والے کردار پڑھ کر دل میں ضرور یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ کاش کہ یہ اوصاف مجھ میں بھی پیدا ہو جائیں۔ ورنہ نمرہ احمد کا کردار تو شاید صدیوں میں تخلیق کیا جاتا ہو۔ مجھے بہت اچھے سے یاد ہے کہ رائٹر قانتہ رابعہ کی والدہ کی زندگی کا احوال پڑھ کر میں نے رو رو کر اللہ پاک سے یہ دعا کی تھی کہ یا اللہ مجھے بھی ان جیسا بنا دے۔ مجھ میں بھی ان کے جیسے شکر گزاری، عبادت گزاری کے اوصاف پیدا کر دے اور شدت سے میں بار بار یہ دعا مانگتی رہی ہوں۔ (آمین) ان کا محبتوں سے گندھا کردار عمر بھر کے لیے میرا آئیڈیل بن گیا ہے۔ اللہ پاک قانتہ رابعہ کی والدہ محترمہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ (آمین)

ملائکہ کوثر۔۔۔بسم اللہ پور

1 ۔ خواتین ڈائجسٹ کا پلیٹ فارم نادر و نایاب گوہر تلاشنے میں ایکسپرٹ ہے بلکہ اسے مزید نکھار کر عقیق بنا دیتا ہے۔ میرے ذہن میں چند ستاروں کے نام آرہے ہیں جو "خواتین" کے افق پر بطور رائٹر جگمگائے۔ حمیرا نوشین، قرۃ العین خرم، ہاجرہ ریحان، مصباح نوشین، بنت سحر اور ایمل رضا۔ لیکن بہترین مصنفہ کا ٹائٹل میں ایمل رضا کو دوں گی۔ جن کو متنوع کہانیاں لکھنے میں اور منظر نگاری میں اوج کمال حاصل ہے۔

2 ۔ بہت کھری کھری باتیں، اپنی صاف گوئی کے باوجود میں کسی سے کہہ نہیں پاتی صرف اس لیے کہ دل توڑنا خدا کو ناپسند ہے مگر انسان ہی ہیں نا، خطا و خاک کے پتلے۔ کبھی کبھار چڑے کی زبان پھسل بھی جاتی ہے۔ پر وہ ہے نا، میرے گھر میں سنسر بورڈ کی نائب صدر ثمرہ (بیٹی) "ماما! ان کا اپنا عمل ہے آپ کیوں کچھ بول کر گناہ اپنے سر لیتی ہیں۔" یہ کہہ کر ایک جھٹکے سے بحر ندامت میں ڈبو دیتی ہے۔ پچھتاوے کا عمل شروع ہونے سے پہلے خدائے ذوالجلال سے معافی کی خواست گار ہو جاتی ہوں۔

3 ۔ میرا مزاج ہی کچھ ایسا ہے اگر بچے تفریحی پروگرام دیکھ رہے ہوں تو وہ دیکھ لیا۔ شوہر صاحب نیوز چینل بدل بدل کر دیکھ رہے تو وہی دیکھنے لگی۔ کچھ اینکرز کی باتیں اچھی بھی لگتی ہیں کچھ کی بری بھی۔ مگر یہ بات سب کی بری لگتی ہے کہ کوئی خبر بریک ہوئی تو بے چاروں کا سارا زور لگا کر ہر کوئی دہائی دے رہا ہے کہ یہ نیوز ہم نے سب سے پہلے بریک کی ہے۔ اب اتنی کلیجہ چیرنے والی خبر سن کر کوئی آپ کو گولڈ میڈل تو پہنانے سے رہا۔ صبح کی جو مورننگ (ہوسٹ) ہیں ان کی ادائیں ہی دلفریب ہیں۔ آج اگر سوگ ڈال کر بیٹھی ہیں دوسرے دن اسی مقام اسی جگہ پر ناچتی گاتی بھنگڑے ڈالتی نظر آئیں گی۔ ایسی اداکاری کے جوہر پر تو آسکر ایوارڈ بنتا ہے نا۔

4 ۔ مطالعہ کرتے ہوئے کچھ کردار اتنے اسٹرونگ لگتے ہیں کہ دل میں بے ساختہ یہ خواہش ابھرتی ہے مگر جب کتاب بند ہوئی بھول گئے۔ بھلکڑ جو ٹھہرے۔ اس کے



یاد جود پیاری و محترم عنیزہ سید کی "جو رکے تو کوہ گراں تھے ہم" کی نور فاطمہ یاد ہے۔ دلچسپ اور مضبوط۔ اس کردار کو پڑھ کر دل ناداں میں یہ خواہش ابھری کاش ہم بھی ایسے بن پاتے۔

روبینہ شاہد.... کراچی

1۔ اس میں تو کوئی دو رائے ہو ہی نہیں سکتیں کہ ادارہ خواتین ڈائجسٹ نے نئے لکھنے والوں کی صلاحتیں سامنے لانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

بات ہو جائے اس سال بہترین دریافت کون قرار پائیں سب ہی محنت کر رہی ہیں اور اپنی تحریروں سے انصاف کر رہی ہیں کوئی ایک نام لینا نہیں چاہتے۔

2۔ یہ سچ ہے کمان سے نکلا تیر اور زبان سے نکلی بات واپس نہیں ہو سکتے، کہنے کو تو وہ بات ہم نے مذاقاً کہی۔ مگر سننے والے کے دل پر لگی۔

یہ ایک صبح تھی جب باد صبا کے لطیف جھونکے مسرور و مسحور کر رہے تھے بجے جا چکے تھے ـــ میں نے اپنا اور میاں جی کا غذائیت سے بھرپور ناشتا ٹیبل پر لگایا۔ وہ آکر بیٹھے اور ایک طائرانہ نظر ناشتے پر ڈالی اور من پسند ناشتہ دیکھتے ہی بولے "اسی لیے تو کہتا ہوں اپنے رب سے کہ زندگی اگر ہزار بار بھی ملے تو ہر بار تم ہی میری شریک سفر بنو۔"

اور میں امیں فخر و انبساط سے ایسی پھولی کہ یہ بھی نہ سوچا کہ میں اتنی رومانٹک بات کا کیا جواب دے رہی ہوں۔ موڈ مذاق کا تھا پر کہہ تو دیا نا میں نے کہا "ہزار بار کیا میں ایک بار بھی دوبارہ نہیں آؤں گی اس دنیا میں جہاں آپ پھر ملنے والے ہوں گے۔" انہوں نے میرے چہرے پر خوشی کے رنگ بکھیرے اور میں ان کے چہرے پر تاریک سائے لہرا دیے۔ میں نے ان کی خاموشی کو نوٹ کیا تو معذرت کرلی مگر بات تو منہ سے نکل کر پرائی ہو چکی تھی نا۔ تب ہی سیانے کہہ گئے "پہلے تولو پھر بولو۔"

ہمارے من کو تو تفریحی چینل بھاتے ہیں مگر سارے ہی نیوز چینل ہمیں جبراً" دیکھنے پڑتے ہیں (وہ جو صاف گوئی ہے ہم نے شوہر نامدار کا دل دکھایا تھا وہ جبراً" نیوز چینل دیکھنے کا ہی نتیجہ تھا) بلکہ ہم دیکھتے کم اور سنتے زیادہ ہیں کیونکہ والیوم اتنا تیز ہوتا ہے کہ ہم بنا دیکھے ہی جان لیتے ہیں کہ کون سا اینکر ہے اور کون سا پروگرام چل رہا ہے۔

ان اینکرز کے بارے میں ہماری ناقص رائے تو یہ ہے سیاستدانوں کے سامنے چیخ چلا کر یا دو فریقین کو لڑوا کر یہ صرف اپنے پروگرام کی ریٹنگ بڑھوانے میں مصروف عمل ہوتے ہیں کہ ان کا گھنٹہ ریٹنگ میں ٹاپ پر آجائے۔ انہیں عوامی مسائل سے دلچسپی ہے نہ ان کے تدارک کی فکر 'کرنٹ افیئرز میں سیاسی دنگل دکھائے جاتے ہیں۔

جو اینکرز ڈرامائی اور سنسنی خیز انداز میں خبروں کو پیش کرتے ہیں وہ تمام ہی ہمیں برے لگتے ہیں۔ لمبی فہرست ہے۔ اس لیے یہ بتاتے چلیں کہ ہمیں کاشف عباسی بہت بہت پسند ہیں اور لہراتے بل کھاتے معصومانہ سوالوں کے ساتھ معصومانہ ادائیں دکھاتے وسیم بادامی بھی پسند ہیں۔ جیو کے شاہ زیب اینڈ طلعت حسین۔



ان کے نام لکھے ہیں جو ہمیں پسند ہیں، جو پسند نہیں ان کے نام ظاہر کرنے سے کیا حاصل۔

4۔ ہم، ہماری بہنیں اور ہماری امی اپنی پیاری مصنفین کے تخلیق کردہ غیر معمولی، مضبوط اور دلچسپ کرداروں پر یوں تبصرے کرتے کہ جیسے یہ جیتے جاگتے کردار ہماری زندگی کا حصہ ہوں۔

رتیں بدلتی رہیں، موسم آتے جاتے رہے اور ہم بابل کے آنگن سے پیا کے دیس آپہنچے۔ خدا نے ہمیں تین بیٹوں سے نوازا۔

پچھلے سال جنوری میں وہ "پیر کامل" لے آئے اور ہماری اجازت سے پڑھنا چاہا کہ سالار کون ہے۔ اور پھر اس ایک سال میں نمرہ احمد اور عمیرہ احمد کے تقریباً تمام ہی ناول ہماری کتابوں کی الماری کی زینت بن گئے۔ میرے تین ایجر بیٹے حسن اور اسد میرے ساتھ ساتھ نہ صرف پڑھتے ہیں بلکہ ہم مل کر خوب تبصرے کرتے۔ میری بہنیں پہلے انہیں "پیر کامل" کے "سالار" اور "جنت کے پتے" کے "جہان" کے ناموں سے چھیڑتی تھیں اور اب جبریل اور حمین پکارتی ہیں، کیونکہ حسن بالکل جبریل جیسا ہے اور اسد حمین جیسا ہے۔

تو ہم نے تو خواہش کی ہو یا نہ کی ہو اس کردار کی طرح بننے کی، مگر ہمارے بیٹے مستقبل میں ضرور کسی کردار میں ڈھلنا چاہیں گے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ایک تو حافظ قرآن ہیں اور دونوں ہی نماز کے پابند ہیں اور باقاعدگی سے فجر اور عشا کے بعد تلاوت کلام پاک کے عادی ہیں مگر ایک سال میں جو اہم تبدیلی آئی ہے وہ یہ کہ قرآن مجید ترجمے اور تفسیر کے ساتھ پڑھ رہے ہیں۔ اور دونوں ہی نمرہ احمد کی تحریروں کے دیوانے ہیں۔

مہناز یوسف.....اورنگی ٹاؤن کراچی

1۔ اس سال نبیلہ رمضان کو پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ اگر نبیلہ نئی لکھنے والی ہیں تو میں نبیلہ کو اس سال کی بہترین دریافت کہوں گی۔ سیدھی سیادی زبان میں بہت بہترین کہانی "مرگ وفا" نبیلہ نے تحریر کی۔ اس کے علاوہ بنت سحر نے بھی اس سال لکھنا شروع کیا۔ الفاظ کا وافر ذخیرہ بنت سحر کے پاس موجود ہے مگر انہیں اپنی کہانی کو بہتر کرنے کی ضرورت ہے۔

2۔ میں بہت زیادہ صاف گو نہیں ہوں۔ صاف صاف بولنے سے مصلحتاً" خاموشی کو زیادہ مناسب سمجھتی ہوں۔ لیکن جو لوگ میرے بہت قریب ہیں ان کی کوئی بات جو کہ مجھے زیادہ نامناسب لگتی ہے، میں اس وقت تو نہیں مگر بعد میں سمجھانے والے انداز میں اس بات کا ذکر کرتی ہوں ۔ میرے قریبی لوگوں میں میرے شوہر اور میری بہنیں شامل ہیں۔

3۔ کچھ دنوں تک نیوز چینل دلچسپی سے دیکھتی ہوں پھر جب ملک کے حالات دیکھ کر مستقل ٹینشن دماغ پر سوار رہنے لگتی ہے۔ تو ڈرامے دیکھنے لگتی ہوں جب ڈراموں کی یکسانیت بور کرتی ہے تو انڈین فلمیں دیکھنے لگتی ہوں اور کارٹون تو روز ہی دیکھنا پڑتے ہیں بچوں کی وجہ سے۔ ٹی وی کے اینکرز کے بارے میں یہی کہوں گی کہ جب ایسا شو ہو رہا ہوتا ہے جس کی میں ہم خیال ہوتی ہوں تو میں دلچسپی سے دیکھتی ہوں ورنہ میں چینل بدل دیتی ہوں۔ ٹی وی



اینکر ز ذہن بدلنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

مجھے شاہ زیب خان زادہ' رؤف کلاسرا' شاہد مسعود اور کاشف عباسی زیادہ پسند ہیں۔ حامد میر نے انڈیا کے چینل پر پاکستانی فوج کی برائی کی تھی۔ اس دن سے مجھے حامد میر نا پسند' نہیں ناپسند تو نہیں کہوں گی بس زیادہ پسند نہیں ہیں۔ انہوں نے لوگوں کے ذہن میں فوج کے لیے نفرت ڈالنی چاہی۔ لیکن جب سے جیو پر پابندی لگی تب سے حامد میر نے فوج کے خلاف بولنا بند کر دیا۔ ملالہ یوسف زئی کو بھی آسمان پر پہنچانے والا جیو چینل ہے۔ ویسے اب جیو کی پالیسی کافی چینج ہو چکی ہے۔ صحیح بات ہے۔ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔

4۔ سائرہ رضا کے ناول کی ہیروئن (نام مجھے یاد نہیں) وہ جو بس میں لگی کنڈیکٹر کے فرائض انجام دے رہی تھی۔ وہ

ہیروئن مجھے بہت پسند آئی۔ (اس کا نام نوال ہے) اور سحر ساجد کی "وہ پاگل سی" کی ہیروئن تو بہت ہی اچھی لگی۔ سمیرا احمید کا "کارل" بہت ہی دلچسپ اور انوکھا کردار لگا۔ اس کے علاوہ سمیرا احمید کی "ہماری کہانی" کے ہیرو ہیروئن بھی کافی اچھے تھے۔ یہ دونوں منگیتر بہت اچھے تھے۔ مجھے سنجیدہ کرداروں سے زیادہ ہنستے مسکراتے زندگی سے بھرپور کردار پسند ہیں۔ مگر ناول "توبہ" کی ہیروئن کا کردار کافی عرصے میرے ذہن میں رہا جسے اسلام دشمن ممالک نے اسلام کے خلاف استعمال کیا۔ جیسا کہ اب ملالہ کو کر رہے ہیں۔ پاکستان کے خلاف کاش ملالہ کبھی "توبہ" ناول پڑھ لے۔

اقصیٰ مریم ملغانی' اسوہ مریم ملغانی۔۔۔ کوئٹہ

1۔ یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے' یعنی بھئی کسی ایک مصنفہ کا نام لکھوں اور باقیوں کی محنت پر پانی پھیر دوں' ایسا تھوڑی ہوتا ہے۔ آپ نے پوچھا ہے تو بتائے دیتے ہیں۔۔۔۔ میری نظر میں اس سال کی بہترین رائٹر بنت سحر رہی ہیں۔ بس ایک گزارش ہے بنت سحر سے کہ کہانی اور پلاٹ پر زیادہ کام اور غور کر کے لکھیں تو اپنا ایک الگ مقام بنا سکتی ہیں۔

2۔ "لو جی کر لو گل" یہ سوال پوچھ کے تو آپ نے محاذ جنگ کھول دیا ہے میری تیز تیز چلتی زبان کے آگے تو سب چپ سادھ لیتے ہیں' لیکن بعد میں پچھتاوا تو ضرور ہوتا ہے فوراً "معافی مانگ لیتی ہوں۔

3۔ نیوز چینلز' اف میری تو جان جاتی ہے انہیں دیکھنے سے۔ میں دوسرے کمرے میں کھسک جاتی ہوں اور کھول لیتی ہوں اپنے من پسند رسالے۔ مجھے تو ان اینکرز کی بھی نری سیاست لگتی ہے' عوام کو الو بنانے کے حربے' کسی بھی سیاست دان کے چھکے چھڑانے کے لیے پہلے اسے تیار کر دیا' گویا ڈرامے سے پہلے ڈرامے کی پوری تیاری گرم کر دی گئی۔ بعد میں جو ریکارڈ لگتے ہیں' الزام تراشیاں' جن کی بوچھاڑ سی ہوتی ہے۔ رفتہ رفتہ ایسی صورت اختیار کر لیتی ہے کہ بچارا اینکر بریک' بریک کہہ کہہ کر تھک جاتا

بقیہ صفحہ نمبر 282



عمیر جسوال سے ملاقات

شاہین رشید

راک میوزیشن، میوزک پروڈیوسر، نغمہ نگار، گلوکار، ٹی وی اور فلم کے اداکار اور اپنی فیلڈ میں انٹرنیشنل ایوارڈ یافتہ **عمیر** جسوال گزشتہ دس سال سے اس فیلڈ سے وابستہ ہیں، لوگ انہیں جانتے ہیں، ان کے کام کو سراہتے ہیں اور انہیں پسند کرتے ہیں۔ مگر جو شہرت انہیں کوک اسٹوڈیو میں گائے گئے گانے "سمی میری وار میں واری" اور ڈرامہ سیریل "مور محل" میں نواب کے کردار میں ملی ہے، وہ گزشتہ دس سال پہ بھاری ہے۔ دس سال کی محنت کا ثمر انہیں ایک گانے اور ایک کردار نے دے دیا۔

عمیر جسوال انٹرویو بہت کم دیتے ہیں، مگر ہمارے میگزین کو انٹرویو اس لیے دیا کہ ایک تو یہ خواتین کا مقبول ترین میگزین ہے اور دوسری وجہ ان کی والدہ کا اس ڈائجسٹ سے لگاؤ ہے۔ بقول **عمیر** کے جب سے میں نے اس دنیا میں آنکھ کھولی تو اپنی ماں کو "خواتین ڈائجسٹ" پڑھتے ہوئے پایا ہے... **عمیر** 20 دسمبر 1986ء میں پیدا ہوئے.....

"کیسے ہیں **عمیر**....؟"

"جی اللہ کا شکر ہے۔"

"کچھ اپنے بارے میں بتائیے اور یہ بھی بتائیے کہ جسوال نام ہے یا کاسٹ ہے؟"

"میرا پورا نام عمیر جسوال ہے۔ میرا استارہ قوس ہے اور 20 دسمبر میری تاریخ پیدائش ہے.... جسوال بنیادی طور پر راجپوت ہوتے ہیں.... پنجاب سے ہمارا تعلق ہے میرے والدین کا تعلق لاہور سے ہے.... اور ہم ماشاء اللہ چھ بھائی اور ایک بہن ہیں اور تین بھائی اسی فیلڈ سے ہیں، میرا بڑا بھائی "فلم میکر ہے" اور میرا چھوٹا بھائی بھی میری طرح میوزیشن ہے اور میں نے Geo Sciences میں ماسٹرز کیا ہے اور اس لحاظ سے میں Geologist ہوں۔"

"آج کل کیا مصروفیات ہیں؟"

"میں آج کل اپنے آنے والے سیریل کی پروموشن میں مصروف ہوں۔ "مور محل" ڈرامے کا نام ہے اور اسے سرمد صہبائی صاحب نے لکھا ہے، جبکہ اس کی ہدایات مصروف ہدایت کار اور رائٹر سرمد کھوسٹ نے دی ہیں اور یہ دونوں بہت بڑے نام ہیں۔ سرمد کھوسٹ صاحب کا "ہم سفر" بھی بہت مقبول ہوا تھا۔ "مور محل" پاکستان کی تاریخ کا سب سے بڑا پروجیکٹ ہے اور اس کی پروڈکشن کوسٹ تقریباً سولہ، سترہ کروڑ روپے ہے۔ اتنا سرمایہ تو پاکستان میں کسی فلم پر بھی نہیں لگایا گیا.... یہ پاکستان کی تاریخ میں سب سے بڑا ٹیلی وژن سیریل ہوگا اور میں اس میں مرکزی کردار ادا کر رہا ہوں "مور محل" کی کہانی اٹھارویں صدی کے مغل نوابوں کے کلچر پر بنائی گئی ہے۔ اور میرے کردار کا نام "نواب آصف جہاں" ہے۔

پاکستان کے لیے بہت فخر کی بات ہے کہ یہ پاکستان کا پہلا ڈرامہ سیریل ہو گا جو "بیک وقت بیس ممالک" میں چلے گا ان شاءاللہ اور اس کی ڈبنگ کا کام بھی ساتھ ساتھ جاری ہے۔

اس سیریل کے علاوہ میں ایک فلم میں بھی کام کر رہا ہوں۔ لیکن ابھی اس کو ڈس کلوز نہیں کر سکتا۔ یہ فلم بھی سب کے لیے سرپرائز ہو گی۔ جس فلم کا میں حصہ بننے جا رہا ہوں وہ بھی پاکستان کی تاریخ میں بہت بڑا پروجیکٹ ہے۔۔۔ باقی کئی پروجیکٹس کے اسکرپٹ میرے پاس ہیں۔ جن کو پڑھ رہا ہوں۔ بہت سارا کام ہے مگر میں کم کام کروں گا لیکن اچھا کام کروں گا تاکہ لوگوں کو یاد رہے۔"

"دوران تعلیم آپ کے کیا خواب تھے کہ آپ کو کیا بننا ہے اور والدین نے آپ کے لیے کیا خواب دیکھے تھے اور تعبیر کس کو ملی؟"

"سچ بات آپ کو بتاؤں کہ میں کوئی بہت اچھا طالب علم نہیں تھا' مشکل سے ہی پاس ہوتا تھا۔ اسکول کی حد تک تو تعلیم کی طرف رجحان نہیں تھا' لیکن جب میں یونیورسٹی میں آیا تو ایک دم سے مجھے پڑھنے کا بہت شوق ہو گیا۔۔۔ اور میں Distinction والا طالب علم بن گیا اور ہر سمسٹر میں گریڈ فور جی پی ہوتا تھا۔۔۔ اور میری محنت کو دیکھ کر میرے والدین کو ایسا لگا کہ میں کوئی بہت اعلیٰ تعلیم حاصل کروں گا' ڈاکٹریٹ کی ڈگری لوں گا۔۔۔ لیکن میرے والدین بہت اچھے انسان ہیں' میں اس لیے نہیں کہہ رہا کہ وہ میرے ماں باپ ہیں' بلکہ وہ حقیقت میں بہت اچھے ہیں انہوں نے ہمیشہ میرے خوابوں کو سمجھا۔۔۔ جو چیز میں نے چاہی' جو کام میں نے کرنا چاہا اس کے لیے انہوں نے ہمیشہ حوصلہ افزائی کی اور کہا کہ محنت کرو۔۔۔ اور ایک بات اور بھی انہوں نے کہی کہ تعلیم مکمل کر لو۔ اس کے بعد جو تمہارا دل چاہے تم کرو اور گریجویشن کے بعد میرا ماسٹرز کرنے کو دل نہیں تھا لیکن میں نے اپنے والد کی خواہش پر ماسٹرز کیا۔۔۔ اور اس کے بعد جب میں اس فیلڈ میں آیا (اداکاری) کی تو انہیں بہت خوشی ہوئی۔

اس فیلڈ میں آتے ہی مجھے دو بڑے پروجیکٹ مل گئے۔۔۔ تو وہ اور بھی زیادہ خوش ہو گئے' میرے والدین میرے بہت بڑے سپورٹر ہیں۔۔۔ گزشتہ دس سال سے میں میوزک میں ہوں۔۔۔ بنیادی طور پر تو میں میوزیشن ہوں اور شروع سے ہی مجھے اپنے والدین کی سپورٹ حاصل رہی۔ کبھی سیکھنے سے منع نہیں کیا' کبھی بجانے سے منع نہیں کیا' کبھی گانے سے منع نہیں کیا۔۔۔ بلکہ وہ خوش ہوتے تھے کہ میں اچھا کام کر رہا ہوں۔۔۔ تو میرا خیال ہے کہ میرے خواب بھی پورے ہوئے اور میرے والدین کے بھی' ان کا تو یہی خواب تھا کہ اپنے بیٹے کو ترقی کرتے ہوئے ایک کامیاب انسان دیکھیں۔

انہوں نے ایسا کبھی نہیں کہا کہ ڈاکٹر بننا ہے یا انجینئر بننا ہے۔۔۔ میں نے انجینئرنگ کی ڈگری لی تو انہوں نے کہا کہ اب تمہاری مرضی ہے' تمہاری زندگی ہے تم جو کچھ کرنا چاہتے ہو کرو۔۔۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور جو بھی کرو اس میں بے حد کامیاب ہو کے دکھاؤ۔۔۔

اور اللہ کا شکر ہے کہ میں نے میوزک میں بہت سارے انٹرنیشنل ایوارڈ جیتے' میں نے کوک اسٹوڈیو تین چار سال لگاتار کیا۔۔۔ اللہ نے مجھے بہت نوازا ہے اور اداکاری میں بھی میں میوزک کی وجہ سے ہی آیا۔۔۔ میں ایک راک میوزیشن ہوں اور اس میں میں نے نام کمایا اور اس کی وجہ سے اداکاری کی فیلڈ میں آیا۔۔۔"

"اس فیلڈ میں آنے کا شوق کیسے ہوا۔۔۔ اور کس طرح آئے؟"

"مجھے دس سال ہو گئے ہیں اسٹیج پہ پرفارم کرتے ہوئے اور جب میں بچہ تھا تو مجھے بہت شوق تھا اپنے آپ کو ایکسپریس کرنے کا' مگر میں بہت شرمیلا بچہ تھا اور ایکسپریس کر نہیں پاتا تھا اپنے آپ کو۔۔۔ بس میرے پاس میوزک ہی ایسا ذریعہ تھا کہ میں اپنی خوشیاں' ایکسپریس کروں۔۔۔ شروع میں مجھے بہت مشکلات پیش آئیں اور میں نے بہت ٹف ٹائم بھی

گزارا۔ مگر اللہ ہمیشہ محنت کرنے والے کے ساتھ ہوتا ہے۔ پاکستان میں ویسٹرن میوزک کوئی سکھاتا نہیں ہے' تو مجھے جو سیکھنا تھا' لوگوں کو دیکھ دیکھ کر ہی سیکھنا تھا تو انگریزی میوزک سن سن کر اپنے آپ سے سیکھتا تھا۔ میرا کوئی استاد نہیں تھا... ویسے تو میں شرمیلا انسان تھا لیکن دوستوں کے لیے میں ایک پرکشش شخصیت تھا کیونکہ بڑا شغل لگاتا تھا' بڑی ہنسی مذاق کرتا تھا اور ٹیچرز کی نقلیں بہت اتارتا تھا' جس پر میرے دوست کہتے تھے کہ میوزک چھوڑو... تمہیں تو اداکار بننا چاہیے۔ تو میں ہنسی مذاق میں ان کی بات ٹال دیتا تھا۔

اب یہ سوال کہ فیلڈ میں آنا کیسے ہوا تو... ایک دن میں کسی مارننگ شو میں بیٹھا ہوا تھا' عید کا دن تھا... سرمد کھوسٹ صاحب نے ٹی وی لگایا... میں میوزک کے بارے میں بات کر رہا تھا... تو جب سرمد صاحب نے مجھے دیکھا تو انہیں شاید مجھ میں اداکاری کے جراثیم نظر آئے۔ تو انہوں نے مجھ سے رابطہ کیا اور ملاقات کے لیے کہا اور سچ بات تو یہ تھی کہ مجھے اداکاری کا کوئی شوق ووق نہیں تھا کیونکہ ٹی وی پہ یا ڈراموں کا جو معیار ہے وہ مجھے متوجہ نہیں کرتا تھا اپنی جانب کہ بہت گھسی پٹی کہانیاں ہوتی ہیں... وہی ساس بہو کے مسئلے وہی میاں بیوی کے مسائل...

خیر... سرمد صاحب نے اپنے بڑے پروجیکٹ میں بہت چھوٹے سے رول کے لیے میرا انتخاب کیا' جس کی اینٹری پندرھویں قسط سے ہوئی تھی... لیکن جب

اس سیریل کے رائٹر مجھ سے ملے تو انہوں نے فوراً ہی کہا کہ یہ تو "مین رول" کے لیے فٹ ہے... تو میں گھبرا گیا اور کہا کہ میں نے زندگی میں کبھی اداکاری نہیں کی اور یہ تو بہت بڑا پروجیکٹ ہے اور اتنی بڑی ذمہ داری مجھے دے دی ہے' کیا آپ کو یقین ہے کہ میں یہ کردار کرپاؤں گا... انہوں نے کہا کہ ہمیں یقین ہے کہ آپ یہ رول کرلیں گے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے آپ کو بتاؤں گا... لیکن اس سیریل کی ٹیم نے' رائٹر نے اور ڈائریکٹر نے مجھے اتنا بیک اپ کیا' اتنا سپورٹ کیا کہ الحمد للہ اب جب لوگ مجھے دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بالکل بھی نہیں لگتا کہ تم پہلی بار اداکاری کر رہے ہو' بلکہ لگتا ہی کہ بچپن سے اداکاری کر رہے ہو۔"

"کوک اسٹوڈیو تک رسائی کیسے ہوئی؟"

"کوک اسٹوڈیو کا کانسپٹ "روحیل حیات" کا ہے جو وائٹل سائن کے حوالے سے کافی مشہور ہیں' انہوں نے ہی کوک اسٹوڈیو بنایا ہے' جب میں نے بین الاقوامی سطح پر تین چار ایوارڈز جیتے جن میں ایک انڈیا میں جیتا "رولنگ اسٹون کا بہترین راک آرٹسٹ کا" اور تین چار ایوارڈ ملائیشیا میں جیتے ہیں ایک ایوارڈ "بیسٹ راک ان ایشیا" جو کہ بہت مشہور ایوارڈ ہے۔ تو جب میوزک کے سرکل میں اس کا چرچا ہوا تو "روحیل حیات" تک بھی بات پہنچی۔

روحیل نے مجھ سے رابطہ کیا اور مجھے مبارک باد دی اور کہا کہ "ہمیں بہت فخر ہے کہ ہمارے ملک میں ایک ایسا بندہ ہے جو ایشیا میں جاکر جیتا ہے تمام راک آرٹسٹوں کے مقابلے میں... انہوں نے کہا کہ ہمیں بڑا اچھا لگے گا کہ اگر آپ ہمارے پاس آئیں اور ہمارے ساتھ ایک گانا ریکارڈ کروائیں... مجھے بہت خوشی ہوئی' کیونکہ میں تو ایک چھوٹا سا میوزیشن تھا اور میری کسی تک رسائی نہیں تھی اور میں تو کسی کو جانتا بھی نہیں تھا... تو پھر "سیزن فائیو" (کوک اسٹوڈیو) میں مجھے بلایا گیا... تو عاطف اسلم کے ساتھ ایک گانا گایا "چرغا نو لکھا"۔

اس کے بعد سے مجھے شہرت ملنا شروع ہوئی' اس گیت کو اوریجنلی نصرت فتح علی نے گایا ہے اور "بلھے شاہ" کا کلام ہے... اس گیت میں میری آواز کو بہت پسند کیا گیا۔

پھر دوسرے سال بھی مجھے بلایا گیا اور تیسری بار میں جب گیا تو اسٹرنگز' پروڈیوسر بن چکے تھے اور میں نے "سمی میری وار" گایا... میری آواز کی یونیک ٹون کو بہت پسند کیا گیا...

جب تیسری بار کوک اسٹوڈیو میں بلایا گیا تو مجھے اس لیے بھی بہت خوشی ہوئی کہ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ

پاکستان میں بھی میری آواز کو بہت پسند کیا جانے لگا ہے ... میری آواز کو منفرد آواز کہا گیا جب "ہمی میری وار" گایا تو مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ سونگ اتنا پاپولر ہو گا اور میں یہ ضرور کہوں گا کہ میری ساری زندگی کا کام ایک طرف اور اس گانے سے ملنے والی عزت ایک طرف ہے۔ بے تحاشا مجھے عزت ملی اور لوگ میرے نام سے واقف ہوئے تو جناب میں خالصتاً" اپنے ٹیلنٹ سے اس فیلڈ میں آیا ہوں۔ میرا تو کوئی جاننے والا بھی نہیں تھا۔"

"ہم تو پانچ منٹ کا گانا سن کر اور واہ واہ کر کے ایک طرف ہو جاتے ہیں۔ آپ بتائیں کہ کتنا ٹائم لگتا ہے ایک گانے کی تیاری میں؟"

"ہمیں تو نظر آتا ہے کہ کوک اسٹوڈیو سیزن ... لیکن در حقیقت یہ بہت محنت طلب پروسس ہوتا ہے اور جو لوگ اس کے لیے کام کرتے ہیں وہ سال سال بھر کام کرتے ہیں ... جیسے ہی سیزن ختم ہوتا ہے وہ اگلے سیزن کی تیاری شروع کر دیتے ہیں تو جتنا محنت طلب ہے اتنا ہی ریوارڈنگ بھی ہے۔"

"آپ نے بیک وقت کئی کاموں میں اپنے آپ کو مصروف رکھا ہوا ہے۔ ان ہی کاموں پر فوکس کریں گے یا سائیڈ میں کچھ اور کام بھی کریں گے؟"

"مجھے سائیڈ پہ کام کرنے کے لیے ٹائم ہی نہیں ملتا، سائیڈ پہ کام کرنے کے لیے ٹائم کوشش اور انرجی درکار ہوتی ہیں ... ویسے بھی میں اپنے کیریئر کے ابتدائی اسٹیج پہ ہوں۔ اللہ نے بے شک بہت عزت دی ہے۔

مگر میں سمجھتا ہوں کہ ابھی تو یہ شروعات ہیں ... اور ان شاء اللہ آگے چل کر میں ملٹی پل چیزوں میں اپنا ٹائم، اپنا پیسہ اور انرجی صرف کروں گا تاکہ سلسلہ چلتا رہے مجھے اپنی روٹین لائف میں ایکسر سائز بھی کرنی پڑتی ہے۔ اپنی فٹنس کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے ... میں سمجھتا تھا کہ ماسٹرز کے بعد پڑھائی ختم ہو جاتی ہے مگر ایسا نہیں ہے اپنے آپ کو ان رکھنے کے لیے پڑھنا تو پڑتا ہی ہے ... تو لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ تم کرتے

گیا ہو؟ تو میں یہی کہتا ہوں کہ میں یہی کرتا ہوں... اور جب میری تعلیم کا پوچھتے ہیں اور میں بتاتا ہوں تو بڑے حیران ہوتے ہیں، لیکن ضروری نہیں کہ جس چیز کی ڈگری لی ہے اسی میں کام بھی کیا جائے... جہاں رزق لکھا ہوتا ہے وہیں انسان جاتا ہے، تعلیم تو آپ کو شعور دیتی ہے... تعلیم کا شعور مجھے میرے ماں باپ نے ہی دیا ہے...“

”فیوچر میں آپ اپنے آپ کو کس چیز میں آگے دیکھنا چاہتے ہیں؟“

”میں نے اپنا ٹائم ٹیبل کچھ اس طرح سے بنایا ہوا ہے کہ جب میں اداکاری نہیں کررہا ہوتا تو میں میوزک پر کام کرلیتا ہوں۔ اداکاری میں کردار کو ادا کرنے کے لیے دنیا سے کٹنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ یہ میری سوچ ہے کہ پچیس کام آپ ایک وقت میں نہیں کرسکتے۔ رہی یہ بات کہ میں فیوچر میں اپنے آپ کو کس چیز میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ تو میں میوزک اور اداکاری دونوں میں اپنے آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں، مگر بیلنس کے ساتھ... دونوں کام بیک وقت نہیں کرنا چاہتا کیونکہ اس سے پھر معیار میں فرق آتا ہے اور ہم کسی سے بھی انصاف نہیں کرپاتے... تو میں دونوں کاموں میں ”نامور“ ہونا چاہتا ہوں۔“

”آج کل ہماری فلموں کا ری وائیول ہوا ہے۔ کیا ہم ہالی ووڈ کا مقابلہ کررہے ہیں یا کرسکتے ہیں؟“

”ایک زمانے میں ہمارا سینما واقعی بہت اسٹرونگ تھا... اور اب ... ری وائیول ہوا ہے۔ کچھ ایسے ایشوز تھے کہ جن کی وجہ سے ہمارے سینما کا زوال ہوا...

لیکن اب ہماری فلم انڈسٹری گرو کررہی ہے... اس وقت پاکستان کو نئے اور اچھے آرٹسٹوں کی ضرورت ہے، جو اپنے ہی ملک کے ہوں، ہمیں ایک نئی سوچ، نئی طاقت اور پوری محنت کے ساتھ آگے بڑھنا ہے اور ہماری فلمیں انڈیا کی کچھ فلموں سے بہت بہتر ہیں۔ انڈیا کی فلم انڈسٹری بہت ڈیولپ ہے، بہت آگے ہے ہم سے... انہوں نے بہت محنت کی ہے اور ان کے لوگوں نے انہیں بہت سپورٹ کیا ہے... ان کی اکنامی اس سے چلتی ہے اور ان شاء اللہ وہ دن دور نہیں جب ہمارے ملک میں بھی اچھی فلمیں بنیں گی... اور ہمارے ملک کی ترقی میں ہماری فلموں کا بھی حصہ ہوگا۔ میں ایک محب وطن آدمی ہوں اور اس انڈسٹری کے لیے اپنی خدمات دینے کے لیے ہر وقت حاضر ہوں۔“

”انڈیا اور ہالی ووڈ سے آفر آئی تو؟“

”اداکاری، اداکاری ہے۔ فن، فن ہوتا ہے، فنکار کے لیے کوئی سرحد نہیں ہوتی، کوئی لکیر ایسی نہیں جو فن کو روک سکے، فنکار یونیورسل ہوتا ہے، آرٹ یونیورسل ہوتا ہے۔ تو مجھے آفر آئی تو بخوشی جاؤں گا۔ میرا فن مجھے کہیں بھی لے جائے میں ضرور جاؤں گا اور اس نیت سے جاؤں گا کہ میرا تعلق پاکستان سے ہے اور مجھے اپنے ملک کا نام روشن کرنا ہے۔“

”کم عمری میں شہرت ملی، اپنے آپ کو ساتویں آسمان پہ محسوس کرتے ہیں؟ لوگ پہچان کر سیلفی بنواتے ہیں اور کبھی آپ کا موڈ خراب ہو تو؟“

”جی اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ خدا مجھ پر مہربان ہے۔ مجھے بہت نوازا ہے میرے رب نے، میں اپنے فینز کا بے حد مداح ہوں، آج میں جو کچھ ہوں ان ہی کی وجہ سے ہوں، میں بہت عزت و قدر کرتا ہوں اپنے ہر فین کی، میں کھانا کھا رہا ہوں اور کوئی ملنے آجائے تو ان ہی ہاتھوں کے ساتھ ملتا ہوں اور ان کے ساتھ Selfi بھی بنواتا ہوں... بہت پیار کرتے ہیں بہت ایکسائیٹڈ بھی ہوتے ہیں، اس بات کا دھیان نہیں رکھتے کہ انسان کبھی فیملی کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور مجھے اس بات کا بہت احساس ہوتا ہے کہ ایک مداح اپنی زندگی کے بہت چھوٹے سے حصے میں آپ سے ملتا ہے۔ آپ کا فین آپ کی زندگی میں دو منٹ کے لیے ملتا ہے اور اس دو منٹ میں آپ سے ہاتھ ملاتا ہے۔ آپ سے گلے ملتا ہے اپنا نام بتاتا ہے۔ آپ کا حال پوچھتا ہے اور ان دو منٹ میں وہ اپنے آپ کو کسی اور ہی دنیا میں محسوس کررہا ہوتا ہے کیونکہ اس کے لیے تو ہم ایک اسٹار، ایک

سیلبرٹی ہوتے ہیں۔ اس دو منٹ میں میں نے اس کے ساتھ جس طرح پیش آنا ہے وہ اس کو ساری زندگی یاد رکھے گا۔

ہو سکتا ہے وہ دن میری زندگی کا ایک مشکل دن ہو' ہو سکتا ہے اس دن میں اداس ہوں' ہو سکتا ہے غصے میں ہوں... کیونکہ میں ایک انسان ہوں کچھ بھی فیل کر سکتا ہوں... لیکن جب بھی میرا کوئی فین مجھ سے ملتا ہے تو میں سب باتوں کو بھلا کر اس سے ملتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میرے فین مجھ سے بہت خوش رہتے ہیں۔"

"شہرت نے کچھ چینج کیا آپ کو؟"

"نہیں بالکل نہیں... میں آج بھی اسی طرح ڈھابے کی چائے پیتا ہوں... شہرت نے میرا کچھ نہیں بگاڑا... کیونکہ اللہ نے مجھے عزت دی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کل وہ یہ عزت واپس لے لے... اس کا نظام ہے۔ مگر میں اپنے آپ کو بدل نہیں سکتا' میں شاپنگ پہ جاتا ہوں' پچاس لوگ مجھ سے ملتے ہیں۔ میرا دس منٹ کا کام دو گھنٹے میں ہوتا ہے۔ لیکن کوئی بات نہیں... اس چاہت کی کوئی قیمت نہیں' میری ماں نے مجھے ایک بات کہی تھی آج سے دس سال پہلے جب میں نے اس فیلڈ میں قدم رکھا تھا کہ "جو پیڑ جھکتا نہیں اس میں پھل نہیں لگتا۔ ہمیشہ جھکے رہے تو تمہارے پیڑ پہ اللہ پھل لگائے گا اور تمہیں نام اور عزت ملتی رہے گی۔"

اور یہ قول میرے دل پہ نقش ہو گیا... اور میں اسی پہ یقین بھی رکھتا ہوں۔"

"عزت' دولت شہرت... اللہ نے سب کچھ دے دیا... اب شادی کے کب ارادے ہیں؟"

ہنستے ہوئے "شادی کے لیے ہر انسان کی زندگی میں جو سب سے بڑی مثال ہوتی ہے وہ اس کے والدین کی ہوتی ہے... وہ دیکھتا ہے کہ ان کے والدین کا رویہ ایک دوسرے کے ساتھ کیسا ہے۔ وہ ایک دوسرے سے کتنا پیار کرتے ہیں... پھر انسان اپنے گھر کا ماحول دیکھتا ہے اپنی فیملی کا ماحول دیکھتا ہے... تو شادی بہت اچھی چیز ہے اور زندگی میں companion ship بہت ضروری ہوتی ہے جو آپ کا ہمسفر بنے جو آپ جتنا ہی بلیو کرے... تو جناب ابھی اندازہ نہیں ہے کہ میری شادی کب ہو گی کس سے ہو گی اور کہاں ہو گی۔"

"ٹپیکل (روایتی) ہاؤس وائف کی خواہش ہے کہ جس کو کھانا پکانا بھی آتا ہو... یا ایسی کہ جو آپ کے شانہ بشانہ چلے؟"

"میری کوئی ایسی خواہش نہیں ہے کہ گھریلو ہو' کھانا پکانا آتا ہو' کپڑے دھونے آتے ہوں... اچھی انسان ہو' میرے والدین کی عزت کرے' میری عزت کرے اور جواب میں اسے بھی عزت اور پیار ملے... اگر وہ کام کرنا چاہتی ہے (جاب) تو سو بسم اللہ... جتنا مرضی کرے' میں کبھی نہیں روکوں گا' کیونکہ میں ان مردوں میں سے نہیں ہوں جو اپنی بیویوں کے گھر میں بٹھا دیتے ہیں... اگر اس میں ٹیلنٹ ہے یا وہ اپنی تعلیم کو استعمال کرنا چاہتی ہے تو ضرور کرے۔ اپنے ٹیلنٹ کو بھی پروان چڑھائے... اگر وہ ڈاکٹر ہے۔ انجینئر ہے۔ گلوکار ہے۔ جو بھی ٹیلنٹ ہو' میں اس کی حوصلہ افزائی کروں گا۔"

"مزاج کے کیسے ہیں... اور فارغ اوقات میں کیا کرتے ہیں آپ؟"

"میرا مزاج زیادہ تر تو نرم ہی رہتا ہے۔ غصہ کبھی کبھار آتا ہے... مگر اتر بھی جلدی جاتا ہے۔ اور فارغ اوقات کہاں ملتے ہیں ہمیں۔ اس مصروفیات کی وجہ سے میری دوستیاں یاریاں کم تو نہیں ہوئی ہیں۔ ختم بھی نہیں ہوئیں' لیکن تھوڑی سی دور ضرور ہو گئی ہیں اور یہ زندگی کی بڑی تلخ حقیقت ہے کہ اللہ آپ کو ایک ہاتھ دیتا ہے تو تھوڑا سا لے بھی لیتا ہے... تو مجھے تھوڑا

سرورق کی شخصیت

ماڈل	حمیرا
میک اپ	روز بیوٹی پارلر
فوٹوگرافی	موسیٰ رضا

سا بھی ٹائم ملتا ہے تو میں اپنے دوستوں کے ساتھ کہیں نکل جاتا ہوں اور کوشش ہوتی ہے کہ ان ہی دوستوں کے ساتھ وقت گزاروں جو میرے بچپن سے ہیں۔ جو بحیثیت جسوال کے مجھے نہیں جانتے وہ بہ حیثیت انسان کے مجھے جانتے ہیں۔ جو میرے ساتھ پلے بڑھے ہیں۔ یہی لوگ مجھے ڈاؤن ٹو ارتھ رکھتے ہیں اور ان کے ساتھ وقت گزارنا مجھے پسند ہے۔"

"کھانے پینے میں کیا پسند ہے؟"

"کھانا پینا مجھے بے حد پسند ہے اور پاکستانی کھانا تو بہت زیادہ پسند ہے اور میری نظر میں جس عورت کے ہاتھ میں لذت ہوتی ہے وہ بہت محترم ہے... ہمارے گھر میں اس بات پر بہت زور دیا جاتا ہے کہ ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کو کھانا پکانا ضرور آنا چاہیے۔ بھلے وہ سسرال میں جا کر کچھ نہ کریں یہ ان کی مرضی ہے۔ مگر اس کو نہ صرف آنا ہو بلکہ بہت اچھا آنا ہو... اور اگر دل سے اور شوق سے کھانا پکایا جائے تو پھر ہاتھوں میں لذت بھی آجاتی ہے... اور میں خود بھی بہت اچھا پکا لیتا ہوں اور چونکہ اپنی فٹنس کا مجھے بہت خیال رکھنا پڑتا ہے تو میں پھر اپنے لیے پرہیزی کھانا پکاتا ہوں... گھر والوں کو تکلیف نہیں دیتا... کھانے میں مجھے بریانی بہت پسند ہے پھلوں میں آم بہت پسند ہے۔"

"کھیلوں سے لگاؤ ہے؟ اور سیاست سے؟"

"بچپن میں میں اسپورٹس کلب کا ممبر تھا فٹ بال کا کھلاڑی تھا اسلام آباد میں فٹ بال کلب ہوتا تھا تو میں وہاں سے کھیلتا تھا مگر جب میوزک میں آیا تو فٹ بال کو چھوڑنا پڑا... کرکٹ سے بہت لگاؤ ہے اور لوگ بہت جذباتی ہو جاتے ہیں، جب ہماری ٹیم ہارتی ہے تو کھیل کو کھیل سمجھ کر ہی دیکھنا چاہیے، ہار جیت تو ہوتی ہی رہتی ہے۔ سیاست سے بھی لگاؤ ہے اور میں ہر اس انسان کو سپورٹ کرتا ہوں جو پاکستان کے لیے اچھا کام کرتا ہے۔ اگر مصطفیٰ کمال نے آ کر کچھ اچھے بیان دیے ہیں تو میں ان کو بھی سپورٹ کرتا ہوں۔ عمران خان ہوں، نواز شریف ہوں... ہر اچھا کام کرنے والے کے میں ساتھ ہوں، اور چاہے فوج ہی کیوں نہ ہو، ہر اچھی سوچ کے ساتھ ہوں۔"

"چلیں جی بہت شکریہ آپ نے ٹائم دیا۔ چلتے چلتے کچھ کہنا چاہیں گے؟ جو میں پوچھنا بھول گئی ہوں تو آپ بتائیے... یا بتانا چاہتے ہوں؟"

"نہیں جی... آپ نے سب کچھ پوچھ لیا اور ہر طرح کے سوال پوچھ لیے اور میں خواتین ڈائجسٹ کے تمام پڑھنے والوں سے یہ کہنا چاہوں گا کہ بہت بہت شکریہ مجھ سے پیار کرنے کا۔ مجھے پسند کرنے کا "مور محل" میں میرے کام کو دیکھیے گا پسند آئے تو مجھے ضرور بتائیے گا مجھے فیس بک پہ فالو کیجیے گا، میں آپ سب کے کمنٹس، پیغام اور ریمارکس بہت شوق اور توجہ سے پڑھتا ہوں اور میں دیکھتا ہوں کہ اپنے کام میں کیسے بہتری لا سکتا ہوں۔ پلیز ضرور اپنی رائے سے آگاہ کیجیے گا اور ضرور بتائیے گا کہ آپ کس طرح کے رول میں مجھے دیکھنا چاہتے ہیں۔ کس طرح کے گانے آپ مجھ سے سننا چاہتے ہیں... اور یہ بھی کہوں گا کہ اپنے لوگوں کو سپورٹ کریں اپنے ملک سے پیار کریں اپنے آرٹسٹوں کی عزت کریں، پیار کریں یہ بہت قیمتی اثاثہ ہوتے ہیں۔ اس لیے نہیں کہ میں خود آرٹسٹ ہوں میں تو اپنے آپ کو آرٹسٹ سمجھتا ہی نہیں ہوں۔

آرٹسٹ کو صرف پیار کی بھوک ہوتی ہے تو جب وہ بوڑھا ہو جائے۔ کام کے قابل نہ رہے تو اسے گلے سے لگائیے۔ اس سے پیار کریں، اس کا خیال رکھیں اس کی مدد کریں۔ میں نے بہت سے پیارے آرٹسٹوں کو مایوس اور اداس اس دنیا سے جاتے ہوئے دیکھا ہے۔ اگر ہم انہیں تھوڑا سا بھی پیار دے دیں تو ان کے آخری دن بہت اچھے گزریں گے۔"



آمنہ ریاض

دشتِ جنوں

قلعہ فلک بوس کا آسیب آیوشمتی.... ایک بھٹکتی روح جس کے اسرار سے کوئی واقف نہیں ہے۔

معاویہ فلک بوس آتا ہے تو اسے وسامہ کی ڈائری ملتی ہے۔

فلک بوس میں وسامہ اپنی بیوی آئے کت کے ساتھ رہتا ہے۔ وسامہ بہت اچھا اور ذہین مصنف ہے۔ وہ باوقار اور وجیہہ شخصیت کا مالک ہے لیکن ایک ٹانگ سے معذور ہے۔ وہ غیر معمولی حساس ہے۔ اسے قلعہ فلک بوس میں کوئی روح محسوس ہوتی ہے۔ آوازیں سنائی دیتی ہیں لیکن کوئی نظر نہیں آتا۔ معاویہ' وسامہ کا پھوپھی زاد بھائی ہے' آئے کت اور وسامہ' معاویہ کو یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ قلعہ فلک میں آیوشمتی کی روح ہے لیکن معاویہ مضبوط اعصاب کا مالک ہے' اسے اس بات پر یقین نہیں آتا۔

کہانی کا دوسرا ٹریک جہاں تین بھائی جوائنٹ فیملی سسٹم کے تحت رہتے ہیں۔

صابر احمد سب سے بڑے بھائی ہیں۔ صابر احمد کی بیوی صباحت تائی جان ہیں اور تین بچے' رامین' کیف اور فہمینہ ہیں۔ رامین کی شادی ہو چکی ہے۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ ملائیشیا میں ہے۔

شفیق احمد کی بیوی فضیلہ چچی ہیں۔ مالی لحاظ سے وہ سب سے مستحکم ہیں۔ شفیق احمد نے ان سے پسند کی شادی کی تھی۔ دو بیٹیاں صیام اور منہا ہیں اور دو بیٹے شاہجہاں اور شاہ میر ہیں۔ بڑے بیٹے شاہ جہاں عرف مٹھو بھائی کا دماغ چھوٹا رہ گیا ہے۔



باسط احمد تیسرے بھائی کا انتقال ہو چکا ہے۔ ان کی بیوی روشن امی اور دو بیٹیاں خوش نصیب اور ماہ نور ہیں.... خوش نصیب کو سب منحوس سمجھتے ہیں' جس کی وجہ سے وہ تنگ مزاج ہو گئی ہے۔ خوش نصیب کی نانی بھی ان کے ساتھ رہتی ہیں۔ خوش نصیب کو دونوں چچاؤں سے شکایت ہے کہ انہوں نے ان کا حق نہیں دیا ہے۔ گھر کا سب سے خراب حصہ ان کے پاس ہے۔ صباحت تائی جان اور روشن امی خالہ زاد بہنیں ہیں۔ صباحت تائی جان کے چھوٹے بھائی عرفات ماموں جو بہت نرم گفتار اور دل موہ لینے والی شخصیت کے مالک ہیں۔ انہوں نے شادی نہیں کی۔ وہ کیف کے ماموں ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا آئیڈیل بھی ہیں۔

کہانی کا تیسرا ٹریک منفرا اور ٹیمی ہیں۔ منفرا امریکہ میں پڑھنے آئی ہے۔ ہاسٹل میں رہتی ہے۔ زیر زمین ٹرین میں ان کی ملاقات معاویہ سے ہوتی ہے۔ منفرا کی نظریں معاویہ سے ملتی ہیں تو اسے وہ بہت عجیب سا لگتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی سفاکی اور بے حسی ہے۔ منفرا چونک سی جاتی ہے۔

چوتھی قسط

"وہ اس لیے کیونکہ میں تم سے بہت متاثر ہوں.... اتنی سی عمر میں اتنی کامیابیاں حاصل کرلی ہیں کہ میری عمر کے لوگ تم سے متاثر ہوئے بنا نہیں رہ سکتے ہیں۔" اس بات پر وہ کھلکھلا کر ہنسا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر منفرا کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔

"ہیلو... آئی ایم معاویہ!" اس نے مصافحہ کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔ منفرا نے اپنا ننھا سا ہاتھ اس کی چوڑی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ معاویہ نے خیر سگالی کے تحت اس کے ہاتھ کو ہولے سے دبایا اور منفرا کو ایسا لگا اس کی ساری جان سمٹ کر ہتھیلی میں قید ہو گئی ہو۔ صرف یہی نہیں معاویہ کی مسکراہٹ منفرا کے دل پر شبنم بن کر برسنے لگی تھی۔ ٹھنڈی، میٹھی اور پر سکون کر دینے والی۔

"ہیلو... میں منفرا ہوں... منفرا اسکندر..." اس نے خود ہی کو کہتے سنا تھا۔





"آپ سے مل کر خوشی ہوئی مس سکندر!" وہ بہت باوقار طریقے سے مسکرایا تھا۔
"مجھے بھی۔" منفرا مسکرائی لیکن اس نے محسوس کیا یہ مسکراہٹ فطری نہیں تھی، پتا نہیں کیوں لیکن مسکرانے کے لیے اسے خود کو مجبور کرنا پڑ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر حیرانی کے تاثرات لپک لپک کر آرہے تھے۔
"منفرا کے بارے میں بتاتا چلوں۔۔۔ سینٹ فرانس کی چند بہترین اسٹوڈنٹس میں سے ایک ہے۔ بس اس نے ایک کام غلط کیا۔۔۔ میری بات مان کر گریجویشن میں سائیکالوجی کے دو میجرز لیے ہوتے تو عنقریب اس کا شمار امریکہ کے بہترین سائیکالوجسٹ میں ہوتا۔" ڈاکٹر ریمسن نے اپنے مخصوص دلچسپ انداز میں کہا تھا۔
"میں ذہانت کی قدر کرتا ہوں۔۔۔ بلاشبہ ان کا تعارف مجھ سے پہلے ہونا چاہیے تھا۔" معاویہ نے بے ساختہ کہا اور متاثر کن انداز میں منفرا کو دیکھا۔ ڈاکٹر ریمسن اور منفرا دونوں بے ساختہ اس کی بات پر ہنسے تھے۔ معاویہ بے شک دلچسپ حس مزاح رکھتا تھا۔
"لیکن سائیکالوجی منفرا کی پسندیدہ فیلڈ نہیں ہے۔۔۔ یہ ہمیشہ سے مصور بننا چاہتی تھی۔"
معاویہ اس بار پہلے سے زیادہ متاثر نظر آیا۔ اس نے ایسے منفرا کو دیکھا جیسے یہ کوئی بہت بڑی خوبی ہو۔
"واقعی؟ سن کر اچھا لگا۔۔۔ مجھے بھی پینٹنگ میں دلچسپی ہے۔۔۔ میں چاہوں گا ڈاکٹر ریمسن! آپ مس سکندر کو کبھی میرے آفس لے کر آئیں اور یہ میری پینٹنگز کا کلیکشن دیکھیں۔"
"ہاں ہاں، کیوں نہیں۔۔۔" ڈاکٹر ریمسن نے منفرا کی طرف ایسے دیکھا جیسے گیند اس کے کورٹ میں ڈال رہے ہوں۔
"یہ میرے لیے اعزاز کی بات ہوگی مسٹر شیرازی!۔۔۔ میں ضرور کبھی آپ کی کلیکشن دیکھنے آؤں گی۔" اس نے مسکراتے ہوئے باوقار انداز میں کہا۔
"مجھے اب اجازت دیں ڈاکٹر ریمسن! آپ سے ملاقات اچھی رہی۔۔۔" معاویہ نے اب ڈاکٹر ریمسن کو دیکھا۔ "امید ہے اگلی بار ہم میرے آفس میں ملیں گے۔"
"ہاں کیوں نہیں۔" ڈاکٹر ریمسن مسکرائے۔ معاویہ نے ڈاکٹر ریمسن سے ہاتھ ملایا، منفرا پر الوداعی مسکراہٹ اچھالی اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ منفرا کی نظروں نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے معاویہ کا تعاقب کیا۔ اس کی چال باوقار اور غیر متزلزل تھی۔ ایسی چال مضبوط قوت ارادی کے حامل افراد کی ہوتی ہے۔ منفرا نے دل میں سوچا۔
ابھی اس نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ ڈاکٹر ریمسن کو کچھ یاد آیا اور انہوں نے معاویہ کو پکارا۔
"اپنا Prescription (نسخہ) لیتے جاؤ۔"
"اوہ ہاں۔۔۔ اس بارے میں تو میں بھول ہی گیا۔" معاویہ واپس آیا۔
"تمہیں کچھ دن یہ دوائیں استعمال کرنی چاہئیں۔ تم بہتر محسوس کرو گے۔" ڈاکٹر ریمسن بات کرتے ہوئے اپنی میز پر ادھر ادھر ہاتھ مار رہے تھے، انہیں جیسے کسی چیز کی تلاش تھی جو انہیں مل نہیں رہی تھی۔
"پتا نہیں میں نے وہ نسخہ کہاں رکھ دیا۔" ڈاکٹر ریمسن نے ایک دو فائلز کو الٹ پلٹ کرتے ہوئے کہا پھر جب وہ مایوس ہو گئے تو انہوں نے اپنا نسخوں والا نوٹ پیڈ اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔
"کوئی مسئلہ نہیں ہے میں، تمہیں دوسرا نسخہ لکھ دیتا ہوں۔" انہوں نے نسخہ لکھ کر معاویہ کی طرف بڑھا دیا۔
نسخہ لے کر بھی وہ متذبذب دکھائی دیتا تھا۔ "آپ کو لگتا ہے یہ دوائیاں کام کریں گی؟"
"بالکل۔۔۔" ڈاکٹر ریمسن نے کہا۔ "تم بے فکر ہو کر انہیں استعمال کرو۔"
"شکریہ ڈاکٹر۔۔۔" وہ چلا گیا۔

تب منفرا جیسے کسی خواب سے جاگ کر ڈاکٹر رحمسن کی طرف متوجہ ہوئی۔
"آپ اسے کیسے جانتے ہیں؟" وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔
"بتایا تو ہے۔ وہ انڈسٹریل مشینری کے کاروبار سے منسلک ہے۔ اور میں اس کی کمپنی کے چند شیئرز کا مالک ہوں۔" ڈاکٹر رحمسن کی چہیتی اسٹوڈنٹ تھی وہ۔
"یہاں کس لیے آیا تھا؟" پتا نہیں منفرا کو کیوں اتنا تجسس ستا رہا تھا۔
"وہ پرائمری انسومنیا Primary Insomnia (نیند نہ آنے کی بیماری) کا شکار ہے۔ اسی بارے میں بات کرنا چاہ رہا تھا۔"
"انسومنیا..." وہ حیران ہوئی۔ "اسے دیکھ کر لگتا تو نہیں کہ یہ انسومنیا کا مریض ہوگا۔"
"پرائمری انسومنیا۔" ڈاکٹر رحمسن نے تصحیح کی۔ "یعنی ہر سات دن میں دو راتیں بے خواب گزرتی ہیں۔"
"آپ نے اس سے وجہ نہیں پوچھی؟"
"ڈراؤنے خواب... اسے ڈراؤنے خواب جاگنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔"
"اس کی فیملی ہسٹری پتا کرنی چاہیے۔" اس نے پرسوچ انداز میں کہا۔ "آپ مجھے اس کے بارے میں کچھ اور بتائیں۔"
"ایک اچھا سائیکاٹرسٹ اپنے پیشنٹس کے راز کبھی کسی دوسرے کے سامنے بیان نہیں کرتا۔" رحمسن مسکرائے۔ "تمہیں یاد ہے؟... میں یہ بات ہمیشہ کہتا ہوں۔"
منفرا جھینپ سی گئی۔ "جی یاد ہے۔"
"اگرچہ معاویہ میرا پیشنٹ نہیں ہے پھر بھی میں اس کے بارے میں زیادہ بات نہیں کروں گا۔ وہ یہاں کسی کاروباری معاملے کے سلسلے میں آیا تھا۔ باتوں باتوں میں اس کی شب خوابی کا ذکر آ گیا تو میں نے اسے دوائیاں لکھ دیں... اب اگر تم اپنی انکوائری پوری کر چکی ہو تو پراجیکٹ کے بارے میں بات کریں؟" ڈاکٹر رحمسن نے اتنا اچانک کہا کہ منفرا بری طرح جھینپ گئی اور اس کے گال سرخ ہو گئے۔ ایسے وہ اور زیادہ خوب صورت لگنے لگی تھی۔



"خوش نصیب!... خوش نصیب!... میری بات سنو۔"
کیف اس کے پیچھے دوڑا آیا۔ وہ رکی نہ پلٹی۔ سیڑھیوں کے عین سامنے کیف اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔
"بات تو سنو میری۔" وہ منت سے کہہ رہا تھا۔
خوش نصیب نے ناراضی سے اسے دیکھا۔ غصے سے اس کا خون کھول رہا تھا۔
"کوئی بات نہیں سنوں گی میں... ہٹو میرے آگے سے... مجھے پتا تھا یہی ہوگا... اس سے پہلے کبھی کسی نے ہمارا ساتھ دیا ہے۔ جواب کچھ ہوتا... پتا نہیں میں تمہاری باتوں میں کیوں آ جاتی ہوں۔"
"میں نے تو اپنی سی پوری کوشش کی ہے۔" وہ بے چارگی سے بولا۔ "اب ابو نہیں مان رہے تو میں کیا کروں؟"
"نہیں منا سکتے تھے تو بڑھ بڑھ کر بول کیوں رہے تھے۔" وہ کاٹ کھانے کو دوڑی۔
"میں مدد کرنا چاہتا تھا۔" وہ جیسے صدمے سے چور ہو کر بولا۔
"اگلی بار کوشش بھی نہ کرنا۔" وہ تڑخ کر بولی اور جانے لگی۔ کیف ایک دم سے سامنے آیا۔
"غصہ جانے دو۔ جذباتی پن سے معاملات بگڑتے ہیں۔" اس نے تحمل سے سمجھایا۔

"کون سے معاملات؟.... وہ جو کبھی ہمارے حق میں تھے ہی نہیں۔" وہ جذباتی بھی تھی اور اس کا دل بھی چھوٹا تھا۔ آنکھوں میں تیرتے موٹے موٹے آنسوؤں نے اس بات پر مہر ثبت کی۔ کیف پہلے ہی شرمندہ سا تھا' آنسو دیکھ کر بالکل ہی بے بس ہو گیا۔

"اب روؤ تو مت۔" منت سے کہا۔

"روئیں میرے دشمن۔" ہاتھ کی پشت سے اس نے ناک رگڑی اور انگلی اٹھا کر بولی۔ "تم دیکھنا.... ایک دن میں تم سب کو رلاؤں گی.... اپنے ساتھ ہونے والی ایک ایک زیادتی کا بدلہ لوں گی۔" لال انگارہ آنکھوں کے ساتھ اس نے غضب ناک انداز میں کہا' سرعت سے پلٹی اور بھاگتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ گئی۔

کیف "صم" "بکم" کھڑا تھا۔

عرفات کسی کام سے باہر آئے تو کیف کو یوں ہونق سا کھڑا دیکھ کر قریب آ گئے۔ پہلے تو اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ وہ سر اٹھائے سیڑھیوں میں کیا تلاش کر رہا ہے' پھر گلا کھنکھار کر اسے متوجہ کیا۔

کیف نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"کیا ہوا؟.... شاہجہان کا کبوتر تمہارا رقعہ لانے والا تھا جو اس طرح انتظار میں کھڑے ہو؟"

کیف نے انہیں دیکھا اور بے چارگی سے بولا۔ "خوش نصیب ناراض ہو گئی ہے۔"

"تو کون سی پہلی بار ہوئی ہے؟.... ہفتے میں سات دن ہوتے ہیں اور جہاں تک میری معلومات ہیں' چھ دن وہ تم سے ناراض ہی رہتی ہے۔"

"ماموں! آپ تو ایسے نہ کہیں۔" وہ منہ بسور کر بولا۔ "پہلے ہی میرا دل عجیب سا ہو رہا ہے۔"

"یار! تمہاری عمر میں بیک وقت مجھ سے دو' دو لڑکیاں ناراض ہو جایا کرتی تھیں۔ میں نے کبھی پرواہ نہیں کی.... تم ایک کی ناراضی سے گھبرا گئے۔" وہ ہرگز بھی سنجیدہ نہیں تھے۔ کیف کو بھی ہنسی آ گئی۔

"میں دو تو کیا چار کو ناراض کر کے پانچویں کے ساتھ خوشی خوشی ڈیٹ پر جا سکتا ہوں لیکن خوش نصیب تو خوش نصیب ہے۔ آپ جانتے ہیں اس جیسی دوسری کوئی نہیں ہو سکتی۔"

"اس میں کیا شک ہے۔" وہ متبسم لہجے میں بولے۔

"اچھا سنو.... یہاں کھڑے رہنے سے وہ مان نہیں جائے گی نہ ہی اس کی ناراضی اس قدر شدید ہوتی ہے کہ جا کر چھت سے چھلانگ ہی لگا دے.... اس لیے بے فکر ہو کر میرے ساتھ چلو.... " اس بار کیف زور سے ہنس دیا۔

"کہتے تو آپ ٹھیک ہیں۔"

وہ عرفات کے ساتھ چل دیا۔



ایک چمکیلی صبح فلک بوس کے دالان میں اٹکھیلیاں کرتی پھر رہی تھی۔ آسمان روشن اور چمک دار تھا۔

آئے کت نے ایک گہری سانس لی اور ماحول کی ساری تازگی کو اپنے اندر اتار لیا۔ پھر آنکھیں کھولیں اور مسکراتی ہوئی پھولوں کو دیکھنے لگی۔ اس کے ہاتھ مشاقی سے سلائیوں کے ذریعے پیٹرن بننے میں مصروف تھے۔ گود اور پاؤں کے قریب پڑی ٹوکری میں دھنک رنگ اون رکھی تھی۔

ساتھ والی کرسی پر وسامہ بیٹھا تھا اور اخبار کی شہ سرخیوں پر نظریں دوڑا رہا تھا۔ وہ بہت پرسکون دکھائی دے رہا تھا۔ آئے کت کا دل اس بات سے خوش ہوا۔ عورت جس مرد سے محبت کرتی ہے اس کا ذہنی سکون بھی عورت کے لیے بہت بڑی مسرت کا باعث بنتا ہے۔ تو آئے کت بھی خوش تھی کیونکہ وسامہ مطمئن نظر آ رہا تھا۔ اس کی خوشی کی دو وجوہات اور بھی تھیں ایک تو یہ کہ معاویہ کی بھجوائی ہوئی ٹننگ مشین کے ذریعے اس نے اتنے پیٹرن

تیار کر لیے تھے کہ انہیں بہ آسانی مارکیٹ میں بھجوایا جاسکتا تھا۔ دوسری اور سب سے اہم بات اُسے یقین تھا اس بار اللہ اس پر کرم کرے گا اور اس کی گود ضرور بھر دے گا۔ یہ وہ واحد خواہش تھی جس کا ذکر وہ وسامہ کے سامنے نہیں کرتی تھی مگر ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کی یہ خواہش بڑھتی جارہی تھی۔

"آئے کت! اگر تم کچھ فارغ ہو تو تھوڑی دیر بعد نیچے وادی میں جائیں گے۔ مجھے اسٹیشنری کا کچھ سامان خریدنا ہے۔"

آئے کت کی سوچوں کے سلسلے کو وسامہ کی آواز نے توڑ دیا تھا۔ وہ وسامہ کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

"ہاں کیوں نہیں! یہ آخری پیٹرن ہے۔ اسے پورا کرلوں پھر چلتے ہیں۔"

وسامہ نے اسے محبت بھری نظروں سے دیکھا۔ "تم بہت محنتی ہو۔۔۔ اللہ تمہیں کامیاب کرے۔۔۔ میں معذور نہ ہوا ہوتا تو تمہیں کبھی اتنی محنت نہ کرنی پڑتی۔" اس کے چہرے پر تاریک سایہ لہرایا تھا۔ آئے کت کے دل کو کچھ ہوا۔ وسامہ ایسا نہیں تھا' وہ برے سے برے حالات میں بھی مایوسی کا اظہار نہیں کرتا تھا۔ وہ ہمیشہ پرامید رہتا تھا۔ لیکن جب سے حادثے کا شکار ہوا تھا ہر تھوڑے دن کے بعد اسی طرح مایوسی کی باتیں کرنے لگتا تھا۔ ایسے میں آئے کت کو کڑی محنت کرنی پڑتی۔ وہ زندگی کے اچھے پہلو وسامہ کو دکھاتی اور ثابت کرنے کی کوشش کرتی کہ وہ ناکام نہیں ہے۔

"آپ معذور نہ ہوئے ہوتے تب بھی اتنی ہی محنت کرتی۔۔۔ کیونکہ اپنا کاروبار کرنا ہمیشہ سے میرا خواب رہا ہے۔" آئے کت نے خوب صورتی سے بات کو ایک نیا رُخ دیتے ہوئے کہا تھا۔

"تمہیں یاد ہے آئے کت! ہم پہلی دفعہ کہاں ملے تھے؟" وسامہ نے گزرے دنوں کی ایک یاد کو ذہن میں تازہ کرتے ہوئے پوچھا۔ وہ زیرِ لب مسکرا رہا تھا۔

"بہت اچھی طرح سے۔۔۔" آئے کت نے سلائیوں پر نیلے رنگ کی اون چڑھاتے ہوئے مسکرا کر جواب دیا۔

"ہم اس اسپتال کے کاریڈور میں ایک دوسرے سے ٹکرائے تھے جہاں میں ملازمت کرتی تھی۔ آپ زخمی ہو کر آئے تھے اور بضد تھے کہ پولیس کی مداخلت سے پہلے آپ کو ٹریٹمنٹ دیا جائے۔"

"نہیں۔۔۔ وہ دوسری ملاقات تھی۔۔۔ اس سے پہلے میں نے تمہیں پھولوں کی نمائش میں دیکھا تھا۔ بہت سارے سرخ اور سفید للی کے پھولوں کے درمیان تم بھی مجھے ایک خوب صورت پھول لگی تھیں۔" آئے کت نے خوشگوار سی حیرانی کے ساتھ اسے دیکھا۔

"یہ بات آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی؟۔۔۔ میں نے اپنی ایک سہیلی کے ساتھ مل کر اس نمائش میں ایک اسٹال لگایا تھا۔ انشرح کو اسسٹنٹ کی ضرورت تھی۔۔۔ اگر وہ مجھے مجبور نہ کرتی تو میں کبھی اس نمائش میں نہ جاتی۔"

"یہ ممکن نہیں تھا کہ تم وہاں نہ جاتیں۔۔۔ اللہ ہمیں ملوانا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے اس ملاقات کی راہ ہموار کی تھی۔"

"لیکن ہم وہاں نہیں ملے۔۔۔ ہم تو اسپتال میں۔۔۔"

"میں نے بتایا نا وہ دوسری ملاقات تھی۔" اب وسامہ شرارت سے مسکرانے لگا۔ "اسپتال تو میں تمہارے پیچھے آیا تھا۔"

آئے کت کو خوش گوار حیرت ہوئی۔ "کیا کہہ رہے ہیں؟"

"ہاں! یہی سچ ہے۔ مجھے کوئی چوٹ نہیں لگی تھی۔۔۔ میں تم سے ملنا چاہتا تھا۔ معاویہ نے تمہارا اتا پتا معلوم کیا۔ اور مجھ کو زخمی ظاہر کر کے اسپتال لے جانے کا آئیڈیا بھی اسی کا تھا۔۔۔ تمہیں یاد ہے اس روز معاویہ اور اس کے دوستوں نے اسپتال میں کتنا شور مچایا ہوا تھا۔"

"بہت اچھی طرح یاد ہے۔" وہ یاد کر کے ہنسی۔ "اور یہ بھی کہ معاویہ چاہتا تھا آپ کی بینڈیج میں ہی کروں۔۔۔ وہ تو شکر ہے وہاں ڈاکٹر نعمان آگئے اور انہوں نے سب کو بھگا دیا۔"

"اس کے بعد ہم کہاں ملے؟" وہ یاد کرنے لگا۔

"اب یہ بھی میں یاد دلاؤں۔" وہ مصنوعی انداز میں آنکھیں نکال کر بولی پھر ہنسی اور ہنستی چلی گئی۔ وسامہ اسے دیکھتا رہا۔ آئے کت کو ہنستے کھلکھلاتے دیکھنا ہمیشہ اس کے لیے ایک دلچسپ منظر ہوتا تھا۔ وہ بیوی بھی تھی محبوبہ بھی۔ اس کا عشق بھی تھی، عزت بھی۔ اس کے لیے وسامہ نے اپنے ماں باپ کو چھوڑ دیا تھا۔ ان کی ناراضی برداشت کرلی تھی۔ اس عورت کے بغیر رہنے کا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ ہنستے ہوئے آئے کت کو عجیب سا احساس ہوا جیسے کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔ اس کے سلائیوں کو حرکت دیتے ہوئے ہاتھ رک گئے اور ہنسی بھی جیسے تھم سی گئی۔ لاشعوری طور پر اس نے گردن گھما کر ادھر ادھر دیکھا لیکن دور دور تک فلک بوس کا سبزہ زار پھیلا تھا اور اس کے اور وسامہ کے علاوہ کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"یہ ضرور میرا وہم ہوگا۔" اس نے سر جھٹک کر اس خیال سے پیچھا چھڑایا۔

"وسامہ! میں یہ اون اور سلائیاں اندر رکھ کر آتی ہوں۔ پھر وادی چلتے ہیں۔" اس نے اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"خاتون بی بی سے کہو۔۔۔ وہ اندر رکھ دے گی۔"

"خاتون بی بی کا کوارٹر یہاں سے اتنی دور ہے کہ اس سے کچھ کہنے کے لیے بھی مجھے ایک لمبا راستہ طے کرنا ہوگا۔ اس سے بہتر ہے میں خود رکھ آؤں۔ کبھی کبھی میں سوچتی ہوں وسامہ! فلک بوس میں ہم کسی مشکل کا شکار ہوئے تو فوری طور پر ایک دوسرے کی مدد کے لیے بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔ ایک تیز رفتار گاڑی ہونی چاہیے جسے فلک بوس کے اندر استعمال کیا جائے۔" وہ مذاق کر رہی تھی وسامہ نے اس کے مذاق سے لطف اٹھایا۔

"پتا نہیں معاویہ کے دادا جان نے کیا سوچ کر اتنی وسیع و عریض عمارت بنوائی ہوگی؟"

"ہنشام کے نواب صاحب نے ان کی خدمات کے عوض فلک بوس انہیں انعام میں دیا تھا۔ تمہیں پتا ہے تہہ خانے میں ایک قید خانہ بھی ہے۔ سنا ہے نواب صاحب وہاں خطرناک مجرموں کو رکھتے تھے۔ بعض کا تو انتقال بھی اسی قید خانے میں ہوا تھا۔"

"توبہ!! کیسی ڈرا دینے والی ہسٹری ہے اس قلعے کی۔"

"ہاہاہا۔۔۔ اب تم ڈر رہی ہو۔" وہ بدلہ لینے لگا اور آئے کت سمجھ گئی وسامہ اسے چڑا رہا ہے کیونکہ وہ اسے چڑاتی رہی تھی۔ وہ ہنس دی۔

"یہ پیٹرن مکمل ہوگیا؟"

"ہاں۔۔۔ بس اندر کی سلائی باقی ہے۔"

"تمہارے ہاتھ میں بہت صفائی ہے۔ اس پیٹرن کو دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ کسی ماہر کا کام نہیں ہے۔" وسامہ نے پیٹرن کے کونے کو چھوتے ہوئے کہا۔

"شکریہ۔۔۔ کاش میں آپ کو اپنی ماما جان کے ہاتھ کے ڈیزائن دکھا سکتی۔ میرا کام تو ان کے آگے کچھ بھی نہیں ہے۔"

دونوں ہی کچھ دیر کے لیے چپ ہوگئے جیسے ایک دل دکھا دینے والا موضوع ان کے درمیان آگیا ہو۔

"میں دعا کرتا ہوں۔ تمہارے ماں باپ کو اللہ جنت میں جگہ دے۔"

"آمین۔۔۔" اس نے آنسو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا اور ٹوکری اٹھا کر اندر کی طرف بڑھ گئی۔

وسامہ نے اسے وہاں سے سر جھکائے جاتے ہوئے دیکھا۔



خوش نصیب اوپر آئی۔ چھت صبح کی دھوپ سے بھری ہوئی تھی۔ اس نے غصے میں جا کر کبوتروں کے ڈربے کھول دیے۔

آن کی آن میں چھت مختلف رنگوں کے کبوتروں سے بھر گئی اور کبوتروں کی مخصوص آوازوں کا شور مچ گیا۔ اس شور سے اس کے غصے کا گراف بڑھنے لگا۔

اس نے باجرے کا لفافہ الٹ دیا۔ کبوتر اپنی مخصوص آوازیں نکالتے ہوئے دانہ چگنے لگے۔

"سب کے سب جھوٹے ہیں... سب... غاصب یتیموں کا حق مارنے والے۔" اس نے غصے سے کبوتروں کی پانی والی کنالیوں کو ہاتھ مارا۔ ساری کی ساری دھڑام سے نیچے گریں اور ٹکڑوں میں بٹ گئیں۔ کبوتر سہم کر اڑ گئے۔ کچھ یہاں وہاں منڈیروں پر جا بیٹھے' کچھ ہوا میں قلابازیاں کھانے لگے۔

خوش نصیب نے ہتھیلی کی پشت سے گال رگڑے' پاؤں پٹخے اور منڈیر سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ اسے ابھی دیر تک اپنا دل جلانا تھا اور خون تو پہلے ہی کھول رہا تھا۔

شور کی آواز سن کر کمرے سے روشن آرا باہر آئیں اور سر پیٹ لیا۔

"یہ کیا کیا تم نے؟"

"جو مجھے ٹھیک لگا' وہ میں نے کیا۔" ناراضی سے بولی۔

"خوش نصیب! پہلے کیا کم پریشانیاں ہیں جو تم نے یہ اور مصیبت اٹھا دی۔" وہ روہانسی ہو گئی تھیں۔

تب ہی کبوتروں کی آوازیں سن کر طوطا دوڑا آیا اور اپنے کبوتروں کی شامت دیکھ کر اس کا منہ بن گیا۔

"یہ کیا ہوا ہے...؟ میرے کبوتروں کو کس نے کھولا... اور... اور یہ کنالیاں کیسے ٹوٹ گئیں؟"

"میں نے کھولے کبوتر... میں نے توڑیں کنالیاں۔" تڑخ کر بولی۔

"تمہارا دماغ خراب ہے کیا؟" اس کا صدمے سے برا حال تھا۔ "سارے کبوتر اڑا دیے میرے..."

"شاہجہاں بیٹا! تم ناراض مت ہو۔ کبوتر آجائیں گے۔" روشن آرا شاہجہاں کے ردعمل سے زیادہ اس کی اماں کے ردعمل کا سوچ کر پریشان ہو رہی تھیں۔

"کیسے آجائیں گے چچی...! یہ آپ کی بدتمیز بیٹی..." وہ غصے سے بولا۔

"ایک منٹ... ایک منٹ۔" خوش نصیب کمر کس کر میدان میں آئی۔ "یہ بدتمیز کسے کہا ہے؟ اور میری روشن امی سے ذرا آہستہ آواز میں بات کریں۔"

"ایک تو تم نے میرے کبوتر اڑا دیے اوپر سے ایسے بات بھی کر رہی ہو۔"

"کبوتر تو کیا... میں تو سارے طوطے بھی اڑا سکتی ہوں۔" وہ دانت کچکچا کر بولی۔

"خوش نصیب! تم خاموش رہو۔" روشن آرا آگے آئیں مبادا بات نہ بڑھ جائے۔

"آپ مجھے کیوں خاموش کروا رہی ہیں؟ ابھی تو میں کچھ بولی ہی نہیں۔"

"جاؤ اور جا کر نیچے سے باجرہ لے کر آؤ۔" شاہجہاں نے سختی اور ناراضی سے کہا۔

"ملازمہ نہیں ہوں میں آپ کی... جائیں اور خود لے کر آئیں۔" وہ پلٹی۔

"خوش نصیب! بھائی جو کہہ رہا ہے وہ کرو۔" روشن امی نے سختی سے کہا۔

"کون بھائی؟ کس کا بھائی؟"

"چپ چاپ جاؤ اور باجرہ لے کر آؤ۔" اب روشن امی نے اتنے غصے سے کہا کہ خوش نصیب کی ساری اکڑ نکل گئی، لیکن غصہ نہ گیا۔ شاہجہاں کو کھا جانے والی نظروں سے گھورتی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

روشن امی شاہجہاں سے کہہ رہی تھی۔

"خوش نصیب کی حرکت کے لیے میں معافی چاہتی ہوں شاہجہاں بیٹا۔۔۔!"

خوش نصیب کے سر پر لگی تلووں میں جا کر بھی نہ بجھی۔

"اونہہ۔۔۔ معافی چاہتی ہوں۔ ان معافیوں تلافیوں ہی نے ان سب کو سر چڑھا رکھا ہے۔" وہ تیزی سے سیڑھیاں اتر گئی۔



آئے کت گول طرز کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں ٹوکری تھی جس کے اندر کئی رنگوں کی اون موجود تھی۔ سیڑھیوں پر سرخ رنگ کا قالین بچھا تھا جس کے نرم ریشے میں چاپ ابھرنے سے پہلے معدوم ہو جاتی تھی۔

سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے آئے کت کی نظر فانوس پر پڑی۔ کرسٹل کا فانوس ہولے ہولے لرز رہا تھا اور اس کے اوپر ایک ننھا سا چوہا بیٹھا اپنا جسم سونگھ رہا تھا۔ آئے کت کے دیکھتے ہی دیکھتے چوہے نے چھلانگ لگائی اور غائب ہو گیا، لیکن چوہے کی حرکت سے فانوس کچھ اور زور سے ہلنے لگا یہاں تک کہ اس کی آواز بھی سنائی دینے لگی۔

"اتنی تاکید کے باوجود فلک بوس میں صفائی کا انتظام تسلی بخش نہیں ہو رہا۔ مجھے اس بارے میں وسامہ سے بات کرنی ہو گی۔ ایسا نہ ہو یہ چوہے، گلہریاں فلک بوس کے قیمتی سامان کو کوئی نقصان پہنچا دیں۔" وہ سوچتے ہوئے اس کمرے میں آ گئی جہاں نٹنگ مشین رکھی تھی۔ بہت دنوں سے وہ یہاں کام کر رہی تھی اس لیے کمرے کی حالت بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ بنیادی طور پر آئے کت صفائی پسند طبیعت کی مالک تھی اس لیے کمرے میں گندگی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا ہاں چیزیں بکھری ہوئی تھیں۔ اون، سلائیاں، نٹنگ مشین کے مختلف پرزے پڑے ہوئے تھے دوسری طرف ترتیب سے وہ تمام پیٹرن رکھے تھے جو ان دنوں میں آئے کت نے دن رات کی محنت سے تیار کیے تھے۔

آئے کت ٹوکری رکھ کر جانے لگی تو اسے یاد آیا نٹنگ مشین میں ایک پیٹرن کی پتری جوں کی توں لگی چھوڑ دی تھی اس نے۔ وادی جانے سے پہلے اس پتری کو صاف کر دینا چاہیے، یہی سوچ کر وہ مشین کی طرف آ گئی اور مہارت سے پتری نکالنے لگی۔ دراصل ہر ڈیزائن کی پتری کو ہاتھ کے ہاتھ صاف کر کے اس پر مشین کا مخصوص تیل لگانا ضروری ہوتا تھا ورنہ اون کے باریک ذرات ان پتریوں کو نقصان پہنچانے کا باعث بنتے تھے۔ آئے کت یہ کام کر رہی تھی جب اچانک اسے ایسا لگا جیسے دروازے کے سامنے سے کوئی گزرا ہو۔ اس نے بے ساختہ اس طرف دیکھا، لیکن وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ آئے کت اپنا وہم سمجھ کر پھر سے مشین کی طرف متوجہ ہو گئی، لیکن یہ چند لمحوں کی بات تھی۔ دوبارہ اسے ایسا لگا جیسے کوئی دروازے کے سامنے سے تیزی سے بھاگتا ہوا گزرا ہے۔ اس بار آئے کت چونک کر دروازے کی طرف بھاگی۔

"کون ہے۔۔۔؟ کون ہے وہاں۔۔۔؟" وہ دروازے سے باہر نکلی اور۔۔۔ ناراضی سے آواز دے کر پوچھا۔ جواب میں اسے خاموشی اور سناٹا ملا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ کاریڈور دور تک خالی پڑا تھا۔



خوش نصیب دھپ دھپ کرکے سیڑھیاں اُتری ٗ صحن عبور کیا اور فضیلہ چچی کے پورشن میں آگئی۔ سناٹا چھایا ہوا تھا۔ وہ سیدھی چچی کے کمرے کی طرف گئی تاکہ باجرے کے متعلق معلوم کرسکے۔ اندر سے باتیں کرنے کی آوازیں آرہی تھیں۔

خوش نصیب کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا کیونکہ موڈ پہلے ہی بہت خراب تھا پھر بھی اپنا نام سن کر ٹھٹکی اور کان لگا کر سننے لگی۔

"بس اس بات کا خیال رکھنا۔ روشن اور اس کی بیٹیوں کو اس بارے میں پتا نہیں چلنا چاہیے۔" یہ فضیلہ چچی کی آواز تھی۔

"اوہو امی! آپ ہر وقت ایسی ہی باتیں کیوں کرتی رہتی ہیں۔ وہ بھی تو ہماری اپنی ہے۔" یہ منہا کی آواز تھی۔

"اس دنیا میں کوئی کسی کا نہیں ہوتا میری بیٹی!" فضیلہ چچی نے کہا۔

"اور ویسے بھی امی کون سا اپنے فائدے کے لیے کہہ رہی ہیں؟ رشتہ تو تمہارا ہی کرنا ہے۔" صیام نے کہا۔

"میری سمجھ میں تو یہ بات نہیں آرہی صیام سے پہلے آپ کو میرے رشتے کی فکر کیوں پڑگئی؟" منہا نے چڑ کر کہا تھا۔

"اس لیے کیونکہ صیام کے رشتے کی تو کوئی فکر ہی نہیں ہے۔ امی خود بتاتی ہیں ٗ آٹھویں کلاس میں تھی میں۔ جب سے رشتے آرہے ہیں۔" صیام نے اترا کر کہا۔ "اور ایک تو تمہاری شکل ایسی ہے اوپر سے یہ کالے فریم کی نظر کی عینک لگا کر اور ہونق لگنے لگتی ہو۔ کون کرے گا تم سے شادی؟" وہ تو ایسی ہی تھی ٗ بہن کو بھی نہیں بخشتا تھا۔

"کوئی نہ کوئی کرہی لے گا۔" منہا غصے سے بولی۔

"غلط فہمی۔" صیام نے کہا۔

"ارے تم دونوں لڑنا تو بند کرو۔" فضیلہ چچی چڑ کر بولیں۔ "جب دیکھو ٗ تم دونوں لڑ ہی رہی ہوتی ہو۔ یہ نہیں کہ ماں کی بات ہی سن لو۔"

"آپ نے کون سا عالمانہ بیان دینا ہے امی! کہ ہر وقت آپ کی سنی جائے۔" منہا نے کہا۔

"ذرا ایک بک کم کیا کرو اور اب کان کھول کر میری بات سنو۔ میں چاہتی ہوں فاطمہ کے بیٹے سے منہا کا رشتہ طے ہوجائے۔ صیام کے لیے تو کیف ہی ٹھیک رہے گا۔"

"ارے واہ! منہا سے آپ کو زیادہ پیار ہے ناجو آسٹریلیا پلٹ سے اس کا رشتہ کروا رہی ہیں۔" صیام کو جوش آیا۔

"صیام! پیچھے نہ پڑ جایا کر۔ خود ہی تو کہتی تھی شادی کروں گی تو کیف سے۔" فضیلہ چچی نے کہا۔

"تو وہ تو پرانی بات تھی نا امی۔ اس وقت مجھے یہ تھوڑی پتا تھا کہ آپ کی کوئی سہیلی آسٹریلیا میں رہتی ہیں اور کبھی نہ کبھی ہمارے گھر آسکتی ہیں۔"

"بس ٹھیک ہے۔ اسی کا رشتہ کروادیں۔" منہا نے ناک سے مکھی اڑائی۔ "مجھے تو ویسے بھی ایم فل کرنا ہے۔ اتنی جلدی شادی کا سوچوں گی بھی نہیں۔"

"ارے بھئی ان لوگوں کو آنے تو دو۔ پھر دیکھی جائے گی کہ کون کسے پسند کرتا ہے۔" فضیلہ چچی ترخ کر بولیں۔ "میں تو صرف یہ کہہ رہی تھی کہ روشن اور اس کی بیٹیوں کو اس بات کی کانوں کان خبر نہیں ہونی چاہیے۔ نہ ہی ان سب کو مہمانوں کے سامنے زیادہ آنے دینا ہے۔ فاطمہ میری دور پار کی رشتے دار ہے تو روشن کی بھی بڑی اچھی سہیلی تھی۔"

"آپ فکر ہی نہ کریں۔ میں فاطمہ آنٹی اور ان کے بیٹے پر اپنا ایسا تاثر چھوڑوں گی کہ کوئی لاکھ سامنے آجائے

انہیں میرے سوا کوئی نظر ہی نہیں آئے گا۔"
"اے شاباش میری بچی!" فضیلہ چچی نے اس کی بلائیں ہی لے ڈالیں۔
باہر کھڑی خوش نصیب کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ مکاری سی مسکراہٹ اس نے لبوں پر سجالی اور چٹکی بجا کر دل میں خود سے بولی۔
"اب آیا نا اونٹ پہاڑ کے نیچے۔ دیکھنا بچو! میں تم لوگوں سے کیسا بدلہ لیتی ہوں۔" ایک جھٹکے سے دوپٹا کندھے پر ڈالا۔ ادا سے گردن لہرا کر پلٹی اور اچھلتی کودتی خوش ہوتی چلی گئی۔ دل میں لگی ہوئی آگ پچاس فیصد تو بدلہ لے لینے کے خیال سے ہی بجھ گئی تھی۔



پہاڑ کے سینے پر سڑک بل در بل بچھی تھی۔ پائن کے درخت ان پر سایہ کرتے تھے اور کناروں پر خودرو گھاس اور پہاڑی پھولوں کی بہتات دکھائی دیتی تھی۔ وسامہ اور آئے کت چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے ہوئے چڑھائی عبور کر رہے تھے۔ ان سے بہت دور پہاڑ کے سینے پر پورے طمطراق سے قلعہ فلک بوس سر اٹھائے کھڑا تھا۔ یہاں سے فلک بوس کی چمنیوں کے سرے دکھائی دیتے تھے۔
آئے کت کو ایک دم خیال آیا اب اسے ان سڑکوں پر چہل قدمی کرنا ترک کر دینی چاہیے۔ وادی کی طرف جاتے ہوئے قدم تیزی سے پڑتے تھے کیونکہ سڑک نیچے کی طرف بہتی تھی اور واپس آتے ہوئے پیروں کو جما کر اور محنت سے رکھنا پڑتا تھا جس سے تھکن ہوتی تھی۔ اگر وہ واقعی حاملہ ہو چکی تھی تو اتنی مشقت اسے نقصان پہنچانے کا سبب بن سکتی تھی، لیکن خیر ابھی کچھ بھی واضح نہیں تھا اور جب تک حمل کی تصدیق نہ ہو جاتی کوئی بھی پیش بندی نری حماقت کہلاتی۔ آئے کت نے اسی وقت فیصلہ کیا کہ پہلی فرصت میں اپنے ٹیسٹ کروائے گی۔
"کیا سوچ رہی ہو؟" اچانک وسامہ کی آواز نے اس کے خیالات کے سلسلے کو منقطع کر دیا۔
"کچھ خاص نہیں۔" اس نے سڑک کے کنارے سے ایک زرد رنگ کا پھول توڑتے ہوئے کہا۔
"پھر بھی... کچھ نہ کچھ تو ہوگا۔" اس نے اصرار کیا۔
"معاویہ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔" اس نے بات بنائی۔
"کیا سوچ رہی تھیں معاویہ کے بارے میں؟"
"بہت دنوں سے آیا نہیں۔"
"پڑھائی میں مصروف ہوگا۔"

"تھوڑا ضدی ہے معاویہ"
"اچھا...؟" وسامہ حیران ہوا۔ "یہ کیوں لگا تمہیں؟"
"خود ہی بتا رہا تھا، جو چیز مجھے اچھی لگ جائے اسے حاصل ضرور کرتا ہوں۔ چاہے کوئی بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔"
"ہاں... یہ تو بالکل سچ کہا اس نے۔" وسامہ یہ بات سن کر ہنسا جیسے بڑی دلچسپ بات سنی ہو۔
"بلکہ صرف یہی نہیں بچپن میں تو وہ ایسی چیزوں کو توڑ دیا کرتا تھا جو کسی وجہ سے اسے نہیں مل پاتی تھیں۔"
"میرے خدا... میں تو اسے سلجھے ہوئے مزاج کا لڑکا سمجھی تھی۔"
"وہ سلجھے ہوئے مزاج کا ہی ہے، لیکن زندگی میں جو حالات اس نے دیکھے ہیں ان حالات میں کوئی اور ہوتا تو یقیناً بہت بگڑ چکا ہوتا۔"

"آپ کو معاویہ سے بہت محبت ہے اس لیے اسے جسٹی فائی کر رہے ہیں۔" آئے کت نے ذرا ناراضی سے کہا۔ "ورنہ اس کی بیشتر عادتیں غصہ دلانے والی ہیں۔"

"ہاں مجھے معاویہ سے بہت محبت ہے۔ وہ میرے لیے کزن نہیں چھوٹے بھائیوں کی طرح ہے۔ دنیا میں صرف وہ ہے جس کے لیے میں جان بھی دے سکتا ہوں۔"

"اوہ پلیز... اب اس طرح کی باتیں مت کریں میں حسد میں مبتلا ہو جاؤں گی۔"

"ہاہاہا... معاویہ یہ سنے تو خوب ہنسے۔"

آئے کت معاویہ کے رد عمل کا سوچ کر مسکرانے لگی۔

"معاویہ کی ماما اس سے ملتی ہیں؟"

"ہاں... اکثر وہ آتی ہیں لیکن معاویہ ان سے ملنا پسند نہیں کرتا۔"

"کیوں؟" وہ حیران ہوئی۔

"وہ سات سال کا تھا جب پھپھو کی دوسری شادی ہو گئی۔ شادی سے پہلے کے عرصے میں بھی معاویہ کی پرورش میں ان کا کوئی خاص عمل دخل نہیں رہا۔ میری امی نے ہی اسے پالا ہے۔"

"ایسا کیوں؟"

"دیکھو تم غلطی سے بھی کبھی معاویہ کے سامنے اس بات کا ذکر مت کرنا۔ وہ ہرٹ ہوگا۔" وسامہ نے کہا۔

"دراصل معاویہ کی پیدائش سے پہلے اس کے فادر کسی دوسری عورت کے ساتھ انوالو ہو گئے تھے۔ وہ فارن سروس میں تھے اور ان کا ذاتی کاروبار مختلف ممالک میں پھیلا ہوا تھا۔ جب دولت بے تحاشا ہو اور زندگی میں ہر طرح کا سکون بھی حاصل ہو تو انسان اخلاقیات کے سبق بھول جاتا ہے۔ معاویہ کے فادر کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہوا تھا لیکن معاویہ کے دنیا میں آنے سے پہلے ہی یہ بات پھپھو کو پتا چل چکی تھی اس بات نے ان کو اتنا جذباتی صدمہ دیا کہ کسی حد تک ان کا ذہنی توازن بگڑ گیا۔ معاویہ کے فادر نے انہیں طلاق دے دی تو بابا نے پھپھو کی دوسری شادی کروا دی۔ معاویہ کو انہوں نے اپنے پاس رکھ لیا۔ ویسے بھی پھپھو کو معاویہ کی پروا نہیں رہی تھی۔ اس کے فادر نے اسے فنانشلی سپورٹ کیا لیکن وہ اسے ساتھ رکھنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ یہی حال پھپھو کا تھا۔ ان سب باتوں کا معاویہ نے کافی اثر لیا۔ اپنی زندگی کی کمی کا بدلہ دوسروں سے لینے لگا۔ بہت distructive (جارح) ہو گیا تھا۔ کھلونے بری طرح توڑ دیتا تھا۔ کلاس فیلوز کو مارتا پیٹتا تھا۔"

"اف توبہ... عجیب بات بتائی آج آپ نے... معاویہ کو دیکھ کر نہیں لگتا وہ کبھی ایسا رہا ہوگا۔"

"ہر انسان بند کتاب کی طرح ہوتا ہے آئے کت! جب تک کتاب کو کھول کر نہ دیکھو اس کے راز واضح نہیں ہوتے۔" وسامہ ذرا دکھی سا لگ رہا تھا۔

"مجھے معاویہ سے بہت محبت ہے۔ اس بے چارے کی قسمت میں مشکلات بھی بہت رہی ہیں۔"

"دراصل قسمت کچھ انسانوں کو چن لیتی ہے اور تحفوں کی طرح انہیں پریشانیوں اور مشکلات سے نوازتی رہتی ہے۔"

"برا کرتی ہے قسمت۔" آئے کت نے کہا۔ "جیسی زندگی میں نے گزاری میں کبھی نہیں چاہوں گی کہ کوئی دوسرا گزارے۔ بس قسمت نے ایک مہربانی کی مجھے آپ سے ملوا دیا۔" اس نے پیار سے وسامہ کو دیکھا اس کی آنکھوں میں محبت نرمی اور شکر گزاری تھی۔

وسامہ نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"تم میرے لیے قدرت کا بہترین تحفہ ہو۔" وہ مسکرایا۔ محبت اس کے چہرے پر الوہی جذبے کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔

"میں دعا کرتا ہوں معاویہ کو مزید مشکلات نہ دیکھنی پڑیں زندگی میں۔"

"آمین۔" انہوں نے دیکھا فلک بوس قریب آگیا تھا اور چمنیوں کے اوپر غروب ہوتے سورج کی نارنجی کرنیں چمک رہی تھیں۔

بشام میں ایک سرد شام اترنے لگی تھی۔



رات اس نے لحاف میں گھس کر ساری بات خوب آنکھیں گھما گھما کر ماہ نور کو بتائی۔

اس نے فوراً" کانوں کو ہاتھ لگالیا۔ "کیوں سنتی ہو کسی کی باتیں.... ؟سو دفعہ سمجھایا ہے اللہ ایسی عورتوں کو ناپسند کرتا ہے جو چھپ کر دوسروں کی باتیں سنیں۔"

"عورتیں...." اس نے برا سامنہ بنایا۔ "توبہ.... کتنا خوف ناک لفظ ہے۔"

"اصل بات کی طرف دھیان دو۔" ماہ نور نے ڈپٹ کر کہا۔

"میں کب سنتی ہوں؟" وہ فوراً" مکر گئی۔ "اب خود بخود کان میں آواز پڑ جائے تو میں کیا کروں؟"

"کان بند کرلو.... یا وہاں سے ہٹ جاؤ۔" ماہ نور ناراضی سے بولی۔

"اچھا چھوڑو ناں اس بات کو۔" خوش نصیب جلدی سے بولی۔ "یہ سوچو کہ امی نے ہم سے اپنی کسی سہیلی کا ذکر کیوں نہیں کیا؟"

"یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے۔" ماہ نور نے کہا۔ "ہو سکتا ہے، بہت قریبی سہیلی نہ ہوں اور فضیلہ چچی کی وہ رشتہ دار ہیں.... رشتہ داری کے نمبر ہمیشہ دوستی سے زیادہ ہوتے ہیں۔"

"اوں ہوں...." زور سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "بات دل کو لگی نہیں۔"

"ہو سکتا ہے امی کو پتا ہی نہ ہو کہ ان کی کوئی سہیلی گھر آنے والی ہے۔"

"لیکن ماہ نور....!" اس کی تان وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

"اب بس کرو خوش نصیب....! نیند آرہی ہے مجھے۔" وہ لیٹ گئی۔

"اچھا یہ تو بتادو میرا پلان کیسا لگا؟"

"خبردار...." اس نے فوراً" کہا۔ "جو تم نے اپنے کسی اوٹ پٹانگ پلان پر عمل کیا، میں سچ بتا رہی ہوں میں ابھی امی کو بتادوں گی۔"

"اووففففف...." خوش نصیب نے دانت کچکچائے۔ "میں کیسے بھول گئی کہ تم کوئی بہادری والا کام کر ہی نہیں سکتیں.... پیدائشی بزدل۔"

"بزدل ہوں تو بزدل ہی سہی، لیکن ایسا کوئی کام میں کبھی نہیں کروں گی جو روشن امی کے لیے پریشانی کا باعث بنے۔" اس نے دوٹوک کہا۔

"تو تمہیں کیا لگتا ہے میں روشن امی کی پریشانیاں بڑھانا چاہتی ہوں....؟ میں تو ان تمام پریشانیوں کا بدلہ لینا چاہتی ہوں جو اب تک ہماری روشن امی نے اکیلے جھیلی ہیں۔ اس گھر کے کسی بندے کو میں سکون سے نہیں رہنے دوں گی۔"

"سکون دینے والی اللہ کی ذات ہے۔ ہمارے لیے اگر کسی نے پریشانیاں کھڑی کی ہیں تو اللہ ہی ان سے حساب

لے گا۔ انتقام لے کر کبھی کوئی خوش نہیں رہ سکتا۔ معافی کی بڑی فضیلت ہے۔"
"میں اکثر سوچتی ہوں جب اللہ نے تمہیں اور روشن امی کو اتنا صابر بنایا تھا تو مجھے بھی بنا دیتا۔ کم سے کم تمہاری باتیں تو نہ سننی پڑتیں۔" نرمی سے بولتے بولتے اس نے ٹون بدلی۔ ماہ نور نے اسے گھور کر دیکھا۔
"جو حرکت تم کرنا چاہ رہی ہو نا۔ اس کے بعد صرف میری نہیں سارے گھر کی باتیں سننی پڑیں گی۔۔۔ میری بات یاد رکھنا۔"
"تم خود تو بزدل ہو سو ہو۔۔۔ مجھے بھی کبھی کوئی بہادری کا کام نہ کرنے دینا۔" اس نے چڑ کر کہا اور دانت کچکچاتے ہوئے سر تک لحاف اوڑھ لیا۔
ماہ نور چند لمحے خاموشی سے لیٹی رہی پھر سر جھٹک کر منہ موڑ کر سو گئی۔



جس وقت وہ دونوں فلک بوس پہنچے شام کے نارنجی رنگوں میں رات کی سیاہی گھلنے لگی تھی اور آسمان اودا سا دکھائی دیتا تھا۔
خاتون بی بی شام کی چائے تیار کر چکی تھی' لیکن بابا کبیر ایک بری خبر کے ساتھ ان کا منتظر تھا۔
"فلک بوس کی دوسری منزل پر کچھ کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹے ہوئے ہیں اور کچھ قیمتی آرائشی سامان غائب ہے۔"
"کیا؟" وسامہ اور آئے کت پر یہ خبر بجلی بن کر گری۔ وہ تیزی سے دوسری منزل پر آئے۔ ایک کمرہ جو فلک بوس کے مرکز میں تھا اور جس میں کوئی ایسی کھڑکی' دروازہ نہیں تھا جو باہر سے متصل ہو یا جس کے ذریعے فلک بوس کے بیرونی حصے سے براہ راست اندر آیا جا سکے' لیکن اس کی کھڑکیوں اور دروازوں کے شیشے ٹوٹے ہوئے تھے۔ الماریوں کا سب سامان یہاں وہاں بکھرا پڑا تھا' دیواروں پر لگی ہوئی دو قیمتی پینٹنگز اور کچھ دیگر سامان غائب تھا۔
"یہ سب کب ہوا؟" وسامہ نے پریشانی سے پوچھا۔
"اس بارے میں' میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔۔۔ میں کسی کام سے اوپر آیا تھا جب میں نے یہ سب دیکھا۔" بابا کبیر نے کہا۔
"کبیر! فلک بوس کی حفاظت تمہاری ذمہ داری ہے۔" وسامہ نے ناراضی سے کہا۔
"آپ کی بات درست ہے' لیکن فلک بوس اتنا بڑا ہے کہ میں اکیلا ہر طرف نظر نہیں رکھ سکتا۔" بابا کبیر نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ "میں نے آپ سے کہا تھا ہمیں کچھ اور ملازمین کی ضرورت ہے یا کم سے کم ایک چوکیدار تو ضرور ہونا چاہیے۔"

وسامہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ پریشانی سے سب طرف بکھرے ہوئے سامان کو دیکھ رہا تھا۔
"میرا خیال ہے ہمیں پولیس سے رابطہ کرنا چاہیے۔" آئے کت نے کہا۔
"میرا بھی یہی خیال ہے۔" وسامہ نے کہا۔
"تم بس یہ کرو کہ کسی گارڈ کا انتظام کرو جسے فلک بوس کی انٹرنس پر تعینات کیا جا سکے۔ اگر باہر سے آکر کسی نے یہ حرکت کی ہے تو وہ لازمی طور پر گیٹ کی طرف سے ہی آیا ہو گا۔"
"جی۔۔۔ بہتر۔"
"اور اس سامان کو ایسے ہی پڑا رہنے دو۔ پولیس کو انکوائری کے لیے شواہد چاہیے ہوں گے۔"
"چلو۔۔۔" وسامہ نے آئے کت سے کہا۔ دونوں باہر آگئے۔
"آپ کے خیال میں یہ کس کی حرکت ہو گی؟" آئے کت نے باہر آکر پوچھا۔

"کوئی بھی چور اچکا ہو سکتا ہے.... مجھے فکر اس بات کی ہے کہ وہ جو کوئی بھی تھا آج ایک کمرے پر ہاتھ صاف کیا ہے کل باقی کمروں تک پہنچ سکتا ہے۔ یہاں ایسی بہت سی چیزیں ہیں جو اینٹیک کہلاتی ہیں اور ان کی قیمت ہماری سوچ سے بھی زیادہ ہوگی۔"

"آپ فوراً" پولیس سے رابطہ کریں۔"

"ہاں میں کرتا ہوں۔"

وسامہ نے فون کیا۔ کچھ دیر میں مقامی پولیس کے تین نمائندے پہنچ گئے۔ وسامہ مشہور مصنف تھا۔ ادبی حلقوں میں اس کا بڑا چرچا تھا۔ اس لیے بھی اس کی بات کو اہمیت دی جانی ضروری تھی پھر فلک بوس کے ساتھ اردشیر ازی کا نام جڑا ہوا تھا جو سیاست سے وابستہ تھے 'سرکاری حلقوں میں ان کا بڑا نام تھا۔

"یہ کارروائی صرف اسی کمرے میں ہوئی ہے یا فلک بوس کا کچھ اور سامان بھی غائب ہے؟"

"میں نے تہہ خانے کو چھوڑ کر باقی سب طرف دیکھ لیا ہے.... ہر چیز اپنی جگہ پر موجود ہے۔ کہیں کوئی نقصان نہیں ہوا۔" کبیر نے کہا۔

"عجیب بات ہے۔!! ایسا لگتا ہے جیسے چور کو کسی خاص چیز کی تلاش تھی اور وہ جانتا تھا' مطلوبہ چیز اسے اسی کمرے میں ملے گی۔" ایس ایس پی نے کہا۔

"یہ معاویہ کا کمرہ ہے.... معاویہ' میرا پھپھی زاد بھائی' لیکن مستقل اس کے استعمال میں بھی نہیں رہتا۔ کبھی کبھار آتا ہے وہ اور اسی کمرے میں بیٹھ کر کچھ میوزک انسٹرومنٹس بجاتا ہے۔"

"صرف اسی کمرے میں بجانے کی کوئی خاص وجہ؟" ایس ایس پی نے پھر پوچھا۔

"یہ کمرہ ساؤنڈ پروف ہے۔ اندر کی آواز باہر نہیں جاتی۔" وسامہ نے جلدی سے کہا۔

"ٹھیک ہے، ہم ایف آئی آر درج کر رہے ہیں' لیکن انکوائری کے لیے ہمیں کچھ وقت درکار ہوگا۔"

"پلیز ٹیک یور ٹائم۔" وسامہ نے کہا اور کبیر کے ساتھ کھڑا ہو کر انہیں کام کرتے دیکھنے لگا۔ ایس ایس پی نے ایک کانسٹیبل کو شواہد اکٹھے کرنے کا کہا' دوسرا الماریوں کی تلاشی لینے لگا۔ ایس ایس پی دوبارہ ان دونوں کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔

"میں ایک دفعہ سارے فلک بوس کا جائزہ لینا چاہوں گا۔"

"ضرور کیوں نہیں۔" وسامہ نے کہا۔ "لیکن میرا مشورہ ہے آپ یہ کام دن کے اوقات میں کریں۔ کچھ حصوں میں لائٹ کا انتظام اچھا نہیں ہے۔ آپ کو دقت ہوگی۔"

"لیکن یہ ضروری ہے مسٹر وسامہ....!"

"ٹھیک ہے' جیسے آپ کی مرضی.... آیئے۔"

"مشتاق! تم اس حصے میں دیکھو۔" وسامہ نے مشتاق نامی اردلی کے ساتھ کبیر کو کر دیا اور خود ایس ایس پی کے ساتھ ہو لیا۔ وہ ایک ایک کمرے میں جھانکتے رہے۔ وہاں سب کچھ ٹھیک ٹھاک دکھائی دے رہا تھا۔ اس دوران ایس ایس پی وسامہ سے چھوٹے چھوٹے سوالات پوچھتا رہا۔

"آپ یہاں کب سے رہ رہے ہیں؟"

"تقریباً" دو سال سے۔"

"کیا پہلے بھی ایسا ہوا ہے؟"

"جی نہیں۔"

"مجھے تو یہاں ایسی کوئی غیر معمولی بات نظر نہیں آرہی جس سے اندازہ لگایا جا سکے یہ کسی باہر والے کا کام

ہے۔"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

ایس ایس پی وسامہ کا سوال سن کر ہنسا جیسے کوئی مزاحیہ بات اس کے دماغ میں آئی ہو۔ ابھی وسامہ ایس ایس پی سے اس کی بے تکی ہنسی کا سبب پوچھنا ہی چاہتا تھا کہ بابا کبیر تیزی سے چلتا ہوا آیا۔

"صاحب آپ لوگ اس طرف آئیں۔" وہ حواس باختہ لگ رہا تھا۔

ایس ایس پی اور وسامہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور تیزی سے اس کے پیچھے لپکے۔



ڈاکٹر رہمسن کے آفس میں جتنی دیر منفرا موجود رہی لاشعوری طور پر معاویہ کے بارے میں سوچتی رہی۔ ہر بار یہ احساس اسے حیرانی سے دوچار کرتا رہا لیکن اس سے بھی زیادہ حیرانی کا جھٹکا اسے اس وقت لگا جب اس نے ڈاکٹر رہمسن کا لکھا ہوا نسخہ لفٹ کے فرش پر مڑا تڑا ہوا پایا۔ وہ اپنا قلم اٹھانے کے لیے جھکی تھی جب اس کی نظر اس کاغذ پر پڑی۔ کاغذ ہاتھ میں لیے وہ حیرت زدہ ہو گئی۔ ہاں یہ درست ہے کہ اس کاغذ پر معمولی نوعیت کی ادویات لکھی ہوئی تھیں، لیکن جس اضطراب سے معاویہ نے وہ نسخہ وصول کیا تھا کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ وہ اس نسخے کا یہ حشر کرنے والا ہے۔

منفرا فوری طور پر فیصلہ نہیں کر پائی کہ اسے اس بارے میں ڈاکٹر رہمسن کو مطلع کرنا چاہیے یا نہیں۔ نسخہ اس نے اپنے کراس بیگ میں رکھا اور اسی شش و پنج میں ہاسٹل واپس آگئی۔ فی بی کسی پارٹی میں جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔

منفرا نے بیگ ٹیبل پر اچھال دیا اور ہاتھ پاؤں پھیلا کر بیڈ پر گرنے کے انداز میں لیٹی۔

"میں آج معاویہ سے ملی... ڈاکٹر رہمسن کی سائیکائٹری میں۔" وہ ایسے بول رہی تھی جیسے کسی خواب کے زیر اثر بول رہی ہو۔

"سائیکائٹری میں؟" فی بی گہرے سرخ رنگ کی لپ اسٹک لگاتے ہوئے اس کی طرف پلٹی۔

"میں نے تو پہلے ہی کہا تھا۔ وہ Psychopath (نفسیاتی مریض) لگتا ہے۔" اسے اپنے اندازے کی درستی پر خوشی ہو رہی تھی۔

"وہ ٹرٹمنٹ کے لیے نہیں آیا تھا۔" منفرا نے سابقہ انداز میں کہا پھر ایک دم سے فی بی کی طرف مڑی۔ "وہ بزنس مین ہے اسے مسکرانا بھی آتا ہے فی بی! وہ بات بھی کرتا ہے اور اس نے مجھ سے ہاتھ بھی ملایا۔"

فی بی نے بمشکل اپنی ہنسی روکی۔ "تو تمہارا کیا خیال تھا وہ zombie ہے؟"

منفرا کچھ دیر خاموش رہی پھر اس نے آہستگی سے کہا۔ "ہاں... کسی حد تک..." پھر وہ ایک دم سے ہنسنا شروع ہو گئی۔ اسے خود سمجھ نہیں آرہا تھا کہ معاویہ کو عام انسان جیسا دیکھ کر وہ کیا محسوس کر رہی ہے۔ فی بی اسے ہنستا دیکھ کر ہنس دی۔

"پاگل ہو گئی ہو تم؟"

"پتا نہیں۔" اس نے کندھے اچکا دیے۔ "کہیں جا رہی ہو؟"

"ہاں... رونالڈ مجھے ڈیٹ پر لے جا رہا ہے۔" فی بی نے مسکرا کر جواب دیا۔

"اوہو... لکی لیڈی!" منفرا نے شرارت سے کہا۔

"میں دعا کروں گی کسی دن معاویہ بھی تمہیں ڈیٹ پر لے جائے۔" فی بی نے بھی شرارت کا جواب شرارت

سے دیا۔

"اوہ کم آن۔۔۔ اس کے ساتھ ڈیٹ پر جانے کی کوئی خواہش نہیں ہے مجھے۔" اس نے ہلکے سے تبسم کے ساتھ کہا ایسے جیسے انسان کسی بات سے حظ بھی اٹھا رہا ہو اور اسے رد بھی کرنا چاہے۔

"جیسے تم اسے عام انسانوں کی طرح بات کرتا دیکھ کر اور مسکراتا دیکھ کر خوش ہوئی ہو۔ اس سے تو کچھ اور ہی لگتا ہے۔" ٹفی بی نے پھر شرارت سے کہا۔

"جو بھی لگتا ہے' وہ غلط لگتا ہے۔" اس نے اصرار کیا تو ٹفی بی نے کندھے اچکا دیے۔

"اس بات کا فیصلہ وقت کو کرنے دیتے ہیں۔"

"آل رائٹ۔۔۔" منفرا خوش دلی سے مسکرا دی اور کراس بیگ الماری میں رکھ دیا جس کی اندرونی جیب میں ڈاکٹر رہمسن کا لکھا ہوا نسخہ چرمر پڑا تھا۔

☆ ☆ ☆

بابا کبیر کے پیچھے وہ اس کمرے میں آئے۔ جہاں آئے کت کی نٹنگ مشین اور دیگر سامان رکھا ہوا تھا اور وہاں اپنا نٹنگ کا کام کرتی تھی۔ آئے کت گم صم سی دروازے کے پاس کھڑی تھی اور ہکا بکا اپنے کمرے کا حال دیکھ رہی تھی۔ وہ دونوں پینٹنگز جو پچھلے کمرے سے غائب ہوئی تھیں ٹوٹی پھوٹی حالت میں نٹنگ مشین پر پڑی تھیں۔ ایسا لگتا تھا انہیں مشین پر مار مار کر توڑا گیا ہو۔ مشین پر ضرب کے نشان موجود تھے اور صرف یہی نہیں آئے کت کے بنائے ہوئے تمام سوئیٹر اور پیٹرن پھٹے ہوئے تھے۔ انہیں ادھیڑ دیا گیا تھا یا ایسا لگتا تھا کسی تیز دھار چیز سے کاٹ دیا گیا ہے۔

آئے کت صدمے سے زیادہ بے بسی کا شکار ہوئی تھی۔ اس کی اتنی محنت پر پانی پھیر دیا گیا تھا۔

"آپ کے خیال میں یہ کون کر سکتا ہے؟"

"مجھے نہیں پتا۔" وہ روہنکھی ہو کر بولی۔ "لیکن میری ساری محنت برباد ہو گئی۔ پچھلے ڈھائی مہینوں میں میں نے دن رات اس کنسائنمنٹ کو مکمل کرنے کی تیاری کی تھی۔۔۔ سب ختم ہو گیا۔" وہ بے بسی سے رونے لگی۔

"مجھے افسوس ہے مسز وسامہ! لیکن آپ بے فکر رہیں۔۔۔ یہ جس نے بھی کیا ہے' ہم جلد اس کا پتا لگالیں گے۔" وسامہ بھی خاموش تھا۔ وہ بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ کیا کہے۔

"کیا آپ کو کسی پر شک ہے؟" ایس ایس پی نے کھڑکیاں دروازے چیک کرتے ہوئے کہا۔ یہاں بھی ایسا کوئی راستہ موجود نہیں تھا جس کے ذریعے کوئی باہر سے آکر یہ تباہی مچاتا۔

"ہم شک کا اظہار کیسے کر سکتے ہیں۔ ہم تو یہاں کسی کو زیادہ جانتے بھی نہیں ہیں۔" وسامہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ ہم اس بارے میں جلد پتا چلالیں گے۔" ایس ایس پی نے کہا پھر جاتے ہوئے وسامہ سے کہا۔

"آپ چاہیں تو آج کی رات ایک کانسٹیبل فلک بوس کے باہر تعینات کیا جا سکتا ہے؟"

"میں اس کے لیے آپ کا شکر گزار رہوں گا۔" وسامہ نے ایس ایس پی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"کانسٹیبل اسلم آج رات یہاں ڈیوٹی دے گا۔" ایس ایس پی نے ساتھ آئے ہوئے کانسٹیبل سے کہا۔ اس کا خون خشک ہو گیا۔

"یس سر۔" اس نے سیلوٹ کیا۔

وسامہ نے کانسٹیبل کا فون نمبر نوٹ کر لیا۔ "کسی مشکل صورت حال میں آپ فون کر سکتے ہیں۔"

پولیس والے مرکزی دروازے سے لکڑی کے پھاٹک کی طرف بڑھ گئے تو وسامہ کے کہنے پر کبیر نے اندرونی

دروازہ بند کردیا۔ اندر کا رابطہ باہر سے منقطع ہو گیا۔
مرکزی دروازے سے ایک طویل روش لکڑی کے پھاٹک تک جاتی تھی۔ وہ تینوں ساتھ ساتھ اسی روش پر چلتے خود کار پھاٹک کی طرف بڑھ رہے تھے۔
"کچھ عجیب سا کیس لگ رہا ہے یہ مجھے۔" ایس ایس پی نے کہا۔
"آپ صحیح کہہ رہے ہیں سر! دونوں کمروں میں ایسا کوئی دروازہ کھڑکی نہیں ہے جس سے کوئی باہر سے اندر داخل ہو سکے۔ ایسا لگتا ہے یہ کسی اندر کے بندے کا ہی کام ہے۔"
"اور مجھے لگتا ہے میں اس اندر کے بندے کو جانتا ہوں۔۔۔ ہاہاہا۔" ایس ایس پی اور دوسرا ساتھی ہنسنے لگے۔
اسلم کا حلق خشک ہو رہا تھا' اس نے بدقت تھوک نگلا۔ وہ تینوں ہی بشام کے پرانے باسی تھے اور فلک بوس سے متعلق افواہوں سے واقف تھے۔
"کیا یہ نہیں ہو سکتا سر جی کہ آج رات فردوس کو بھی میرے ساتھ یہاں تعینات کیا جائے۔" اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ اس بات پر وہ دونوں اور زور سے ہنسنے لگے اور ایسے ہی باتوں باتوں میں جیپ میں سوار ہو گئے۔
"پولیس فورس میں آکر بڑے سے بڑے مجرم سے مقابلے کی قسم کھائی تھی تم نے۔۔۔ ایک بد روح کے قصوں سے ڈر گئے۔"
"مجرموں سے مقابلہ کرنا تھا سر جی! بد روح سے تو نہیں۔" اس نے بے چارگی سے کہا۔
"سنی سنائی باتیں ہیں ساری۔" وہ اس کا مذاق اڑا رہے تھے۔
"رائی ہوتی ہے تو پہاڑ بنتا ہے سر!" اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کسی طرح ان کے ساتھ جیپ میں سوار ہو جائے۔
لیکن وہ دونوں اسے لفٹ کروانے کے موڈ میں نہیں تھے۔
"اگر رات کو وہ بد روح تمہارے پاس آجائے تو میرا اسلام کہہ دینا۔۔۔ چل اب پھاٹک کھول۔" وہ ہنستے ہنستے چلے گئے۔ پیچھے کانسٹیبل اسلم نے پھاٹک بند کیا اور سہمے ہوئے انداز میں پلٹ کر دیکھا' طویل روش کے اختتام پر ہلکی دھند کے عقب میں فلک بوس سر اٹھائے کھڑا تھا۔ اردگرد لگے ہوئے لیمپ پوسٹس کی روشنیاں براہ راست اس پر پڑ رہی تھیں اور کثیف دھویں کے مرغولے فلک بوس کی چمنیوں سے لپٹے ہوئے تھے۔
کانسٹیبل نے اپنی گن پر ہاتھ مضبوط کیے اور سہما سہما سا جا کر چوکیدار کی کرسی پر بیٹھ گیا۔



"یہ کیا ہو رہا ہے۔۔۔ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔"
اندر آئے کت سر پکڑے بیٹھی تھی۔ خاتون بی بی اور بابا کبیر سامنے مؤدبانہ انداز میں ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ وسامہ آکر آئے کت کے ساتھ بیٹھ گیا اور تسلی دینے کے لیے بولا۔
"فکر مت کرو۔۔۔ یہ جس نے بھی کیا ہے اس کا جلد ہی پتا چل جائے گا۔"
"جب آپ لوگ یہاں موجود تھے تو فلک بوس میں اتنا بڑا کام کیسے ہو گیا؟" آئے کت نے ناراضی سے بابا کبیر کو دیکھا۔
"ایس ایس پی صاحب کہہ رہے تھے ایسے کوئی شواہد موجود نہیں ہیں کہ یہ کسی نے باہر سے آکر کیا ہے۔"
"اگر باہر سے آکر کسی نے نہیں کیا تو کیا کوئی جن یا بد روح آکر کر گئی یہ کام۔" وسامہ نے غصے اور ناراضی سے ایک دم سے کہا پھر خود ہی چپ ہو گیا اسے ایک دم سے احساس ہوا تھا کہ کیا کہہ دیا ہے اس نے۔
"مم۔۔۔ میں بھی کچھ کہنا چاہتی ہوں۔۔۔" خاتون بی بی نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"تم تو خاموش ہی رہو۔۔۔" آئے کت نے جھنجلا کر کہا۔ "زیادہ سے زیادہ تم کیا کہوگی کہ یہ اسی بدروح۔۔۔ کیا نام تھا اس کا۔۔۔؟ ہاں آیوشمتی کا کام ہے۔۔۔ اسی کا کام ہے۔۔۔ ایسی بے وقوفانہ باتیں کسی اور کے سامنے کرنا۔" پھر اس نے وسامہ کی طرف دیکھا۔

"جو ہونا تھا ہو گیا، لیکن ہمیں انکوائری کروانی چاہیے کہ یہ کیا کس نے ہے۔۔۔؟ بلکہ مجھے یاد آیا۔" وہ ایک دم پرجوش ہو کر بولی۔

"میں نے کسی کو دیکھا تھا۔ ہاں مجھے یاد آیا۔۔۔ میں نے صبح اس کمرے کے باہر کسی کو بھاگتے ہوئے دیکھا تھا' لیکن پتا نہیں چلا کہ وہ کون ہے۔" اس کے انداز میں پریشانی تھی۔ وسامہ اس کی بات سن کر مزید پریشان ہو گیا۔

"تمہیں اس بارے میں پولیس کو بتانا چاہیے تھا۔"

"اس وقت مجھے یاد نہیں آیا۔" وہ کف افسوس ملنے لگی۔ "سچ بات تو یہ ہے کہ میں اسے اپنا وہم سمجھی تھی۔"

"ممکن ہے وہ جو کوئی بھی تھا ابھی بھی فلک بوس کے اندر ہی کہیں چھپا ہوا ہو۔" وسامہ نے خیال ظاہر کیا۔

"پاشا کو تیز بخار ہے۔۔۔ کوارٹر میں بے ہوش سا پڑا ہے ورنہ اس کے ساتھ مل کر میں پورے فلک بوس کو چھان سکتا تھا۔"

"صاحب! اب رات کے اس وقت ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ بہر حال ہمیں صبح کا انتظار کرنا ہی ہوگا۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو۔"

"آپ لوگ کھانا کھالیں۔ اس کے بعد اپنے کمرے کا دروازہ اچھی طرح لاک کرلیں تاکہ خدانخواستہ اگر فلک بوس میں کوئی موجود بھی ہے تو آپ کو نقصان نہ پہنچا سکے۔" وسامہ نے اثبات میں سر ہلایا اور کھڑا ہو گیا۔

"میں آج رات گول کمرے میں پہرہ دوں گا۔۔۔ ان شاء اللہ صبح ہم اس بندے کو تلاش کرلیں گے۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے کبیر۔۔۔! اگر وہ کوئی عام چور اچکا ہوتا تو ان پینٹنگز کو یہاں نہ چھوڑ کر جاتا۔ تم نے دیکھا نہیں اس نے صرف چیزیں تباہ کی ہیں۔۔۔ مجھے فکر ہے کہیں وہ کسی کو کوئی جانی نقصان نہ پہنچا دے۔"

"میں پہرہ دوں گا صاحب!"

"نہیں بھئی۔۔۔ تمہاری جان بھی ہمیں عزیز ہے۔" وسامہ نے کہا۔ "تم لوگ بھی اپنے کوارٹر کا دروازہ اچھی طرح بند رکھو۔ یہ رات خیریت سے گزر جائے' صبح دیکھتے ہیں پھر کیا ہو سکتا ہے۔"

وہ دونوں آپس میں بات کر رہے تھے۔ آئے کت نے چپکے سے سر اٹھا کر چاروں طرف دیکھا۔ اوپری منزل پر ہر طرف سناٹا اور عجیب سی وحشت پھیلی ہوئی تھی۔ وہاں کوئی ذی روح نہیں تھا بے شک اس نے خاتون بی بی کو خاموش کروا دیا تھا کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی وسامہ کے دل میں کوئی شک سر اٹھائے' لیکن۔۔۔ پہلی بار۔۔۔ آئے کت کو فلک بوس میں رہنے سے خوف محسوس ہوا تھا۔ معاً" اوپری منزل کے ستون جو اس وقت نیم اندھیرے کی زد میں تھا اس ستون کے عقب میں آئے کت کو کسی ہلچل کا احساس ہوا۔ وہ بری طرح کھٹک گئی۔ ذرا غور کیا تو ایسا لگا جیسے کوئی ہیولہ جھانک رہا ہو۔

اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور دل بری طرح دھڑکنے لگا۔ یہ چند لمحوں کی بات تھی' کسی کو پتا بھی نہیں چلا کہ آئے کت پر کیا قیامت گزری ہے۔ وہ بے ساختہ اپنی جگہ سے اٹھی اور چند قدم آگے بڑھی' لیکن اس سے پہلے کہ اسے واضح طور پر کچھ دکھائی دیتا' ہوا کا ہلکا سا جھونکا آیا اور ستون کی متوازی سمت میں لگا پردہ اڑ کر نگاہوں کے سامنے لہرا گیا۔ آئے کت کے لبوں سے سکون کی سانس بر آمد ہوئی اور وہ اپنی بے وقوفی پر مسکرانے لگی پھر جلدی سے وسامہ کے پیچھے چلی گئی۔ گول کمرہ خالی ہو گیا۔

اسی وقت ستون کی اوٹ سے وہ ہیولہ ذرا سا آگے آیا اور اس نے جاتی ہوئی آئے کت کو دیکھا پھر سامنے کی دیوار میں مدغم ہو گیا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

قرۃ العین خرم ہاشمی

کوئی رنگ بکھیرے کوزہ گر

"اماں! میں صاف صاف کہہ رہی ہوں' مجھ سے لحاظ و مروت (جیسی کسی بات) کی کوئی بھی اچھی امید مت رکھنا۔"

پروین عرف پینو نے صبح سے کتنی ہی بار اس جملے کو دہرایا تھا۔ آج کام کرتے ہوئے وہ ہر چیز پہ اپنا غصہ نکال رہی تھی۔ ابھی بھی چھت پہ آکر دھلے ہوئے کپڑوں کی بالٹی زور سے پٹخی تھی اور کپڑے زور زور سے نچوڑتی جھٹک جھٹک کر تاروں پر پھیلا رہی تھی۔

اماں کبوتروں کے پنجرے کو صاف کرتی ایسے مگن تھیں جیسے وہ ان سے نہیں ہوا سے باتیں کر رہی ہو۔

"اماں! میں کیا کہہ رہی ہوں۔" پینو کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔ وہ پیر پٹختی اماں کے پاس آکر زور سے بولی تھی۔ ایسے جیسے کوئی بچہ توجہ لینے کے لیے کبھی زور' زور سے روتا ہے اور کبھی مختلف حرکات کرنے لگتا ہے' جس سے اس کی بات کا نوٹس لیا جائے۔ صبح سے پینو بھی ایسے ہی کام کر رہی تھی' مگر سامنے اس کی ماں تھی جو جانتی تھیں کب اپنے بچے کو کب نظر انداز کرنا ہے اور کب اسے توجہ سے سننا چاہیے۔ یہ مائیں جتنی مزاج شناس ہوتی ہیں' اس سے کہیں زیادہ وہ گیان کی وہ قوت یا حس رکھتی ہیں جو اپنے بچوں کے اندر ہونے والی ٹوٹ پھوٹ اور تیزی سے آتے بدلاؤ کو سب سے پہلے جان جاتی ہیں۔

"پینو! میں صبح سے کئی بار سن چکی ہوں۔ اللہ کے کرم سے ابھی میرے سب اعضا ٹھیک حالت میں کام کر رہے ہیں اور مجھے سب سنائی دے رہا ہے' بلکہ سنائی سے زیادہ تو دکھائی دے رہا ہے۔ کل سے کیسے بولائی ہوئی پھر رہی ہے۔ ارے میں تو کہتی ہوں پینو' سب پچھلی باتیں بھلا دے اور..." اماں نے نرمی سے اسے سمجھانا چاہا' مگر وہ تو ایک دم سے ہی بھڑ گئی اور غصے سے بولی۔

"دیکھا اماں! آپ بھی سب کی طرح مجھے ہی غلط کہہ کر سمجھا رہی ہیں نا! آپ تو میری ماں ہیں' آپ سے کیا چھپا ہوا ہے۔ سب کچھ آپ کے سامنے ہی ہے' مگر آپ نے اپنی آنکھیں بند کرلی ہیں۔ بوجھ ہوں نا' جان چھڑانا چاہتی ہیں۔" پینو کی آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھر گئی تھیں اور وہ سب کام وہیں ادھورا چھوڑ کر تیزی سے بھاگتی سیڑھیاں اتر گئی تھی۔ اماں نے گہری سانس لے کر اسے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔

"تجھے سمجھتی نہ ہوتی تو تیری باتوں کا کب سے برا مان کر دل میلا کر بیٹھتی' مگر کیا کروں' ماں ہوں نا' جانتی ہوں تیرے لہجے میں کڑواہٹ میری وجہ سے نہیں ہے' تیرے اندر کی گھٹن کی وجہ سے ہے۔ تیرے اندر کتنا کالا دھواں بھر چکا ہے' یہ مجھ سے بہتر کون جانتا ہے میری دھی۔" اماں نے آنکھوں میں پھیلی نمی کو اپنے زرد دوپٹے سے صاف کیا۔

چڑھ فریدا کوٹھے اتے ویکھ گھر گھر لگی اگ
تو سمجھے میں دکھی' اینتھے دکھی سارا جگ

اماں کو بہت سے پنجابی شعر یاد تھے اور اکثر ان کی بات کا اختتام کسی شعر پر ہی ہوتا تھا۔ دھوپ ابھی چھت سے ڈھلی نہیں تھی۔ موسم بدل رہا تھا۔ سردیوں کی دھند بھری سرد ہوائیں اور دن' موسم بہار کے کھلے کھلے' اجلے اجالوں میں تبدیل ہو کر نئے دنوں اور خوشبوؤں کا اعلان کر رہے تھے۔ اماں نے اپنا کام ختم کر کے ہاتھ اچھی طرح دھو کر خشک کیا اور باقی رہ

جانے والے کپڑوں کو پھیلا کر، سیڑھیاں اتر کر نیچے آئیں تو پینو کو آنگن میں بنے باورچی خانے میں لکڑیاں جلاتے ہوئے دیکھا۔ وہ چائے کا پانی رکھ رہی تھی۔ کھولتا پانی اور اس کے جذبات ایک جیسے ہی تھے۔ فرق صرف رنگ کا تھا۔ کھولتے پانی میں پتی ڈلی تو وہ خوشبودار اور تیز رنگ کا ہو گیا تھا اور پینو کے کھولتے جذبات میں اپنی بے توقیری کا احساس اور ڈھلتی عمر کا دکھ بہت گہرا تھا۔ جس نے اس کی زبان کو کڑواہٹ عطا کردی تھی۔



''اماں یہ ستاراں کیا کرنے آئی تھی؟'' دو دن بعد پھر پینو غصے سے بھری ساگ کاٹتی اماں کے سر پر کھڑی چلا رہی تھی۔ یہ ساگ جاتی سردیوں کی آخری سوغات

تھی۔ اس لیے بمشکل دستیاب ہوا تھا۔ اماں مگن سی بیٹھی ساگ بناتی رہیں۔ پینو کچھ دیر ان کے بولنے کا انتظار کرتی رہی، پھر دوبارہ بولی تھی۔

"اماں اپنی اس فتنہ ستاراں کو اچھی طرح سمجھا دینا۔ پرائے (اجنبی) لوگوں کے پیغام یہاں مت لایا کرے۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" پینو نے سختی سے کہا تو اس کی دھمکی پر اماں بے ساختہ ہنس پڑی تھیں۔

"کیا ہے اماں...!" پینو چند لمحے آنکھوں میں نمی لیے ماں کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی اور پھر تھک ہار کر ان کے پاس رکھی پیڑھی پر بیٹھتے ہوئے بولی تھی۔

"پینو اللہ بخشے تیری دادی مرحومہ اکثر کہا کرتی تھیں کہ.....

جے سوہڑاں میرے دکھ وچ

راضی تے میں سکھ نوں چلے پاواں!

بے بے جی کہا کرتی تھیں کہ دکھ اور درد پہ بھی شکوہ یا شکایت نہ کرنا ان پر صبر کرنے سے اس ذات کی رضا ایسے ملتی ہے جیسے سوکھی بنجر زمینوں کو زرخیزی کا لمس مل جائے اور یہ ہی بات تجھے میں پچھلے کئی سالوں سے سمجھا رہی ہوں یا تو صبر کرنا سیکھ لے، نہیں تو اپنا راستہ بدل لے۔ انسان کو کم از کم اپنے ساتھ تو خالص اور ایمان دار ہونا چاہیے۔ یہ کیا کہ جوگ بھی لے لیا اور سوگ بھی نہیں منانا ہے۔ پگلی یہ جوگ سوگ ایک دوسرے سے الگ تو نہیں ہیں نا۔" اماں کی بات پر پینو نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تھا۔

"اماں... بے بے جی نے یہ نہیں بتایا تھا کہ خواہشوں کے اس میلے اس بازار میں رنگ رنگ کی چیزوں اور ناموں کے درمیان اگر کالا بھدا بے رنگ حبس زدہ جوگ مقدر بن جائے تو کیا کرنا چاہیے؟ اماں میرے حصے میں جوگ سوگ ہی کیوں آئے ہیں؟ میری عمر کی اور لڑکیاں بھی تو ہیں نا۔ زندگی سے ہر خوش رنگ لینے والی، رنگوں سے مالا مال! اماں میرے دکھ کی چھاپ، میرے دکھ کا رنگ ہی کیوں گہرا نکلا؟ کیا میں نے زیادہ مانگ لیا تھا؟" پینو کے آنسو ایسے بہہ رہے تھے جیسے گرج چمک کے بعد ہونے والی موسلا دھار تیز بارش... اس کے اندر کو روزن ملا تھا۔ اماں نے اس کا سر تھپکا تھا۔

"صبر میری دھی! اس رات کے بعد روشن دن بھی ہے۔ میرا یقین کہتا ہے وہ ذات اب مجھے مایوس نہیں کرے گی۔"

وے سائیاں ہر پل گناہ کروڑاں

وے سائیاں نہیں رحمت دیاں تھوڑاں

وے سائیاں میرے کچھ نہیں پلے

وے سائیاں میں سب توں تھلے!!

اماں یہ کہتی ہوئی اٹھ کر جا چکی تھیں۔ پینو کا ذہن ایک ہی فقرے کی گردان کیے جا رہا تھا۔

وے سائیاں! میں سب توں تھلے!!



پروین عرف پینو کی کہانی بہت سادہ اور عام سی تھی۔ بچپن سے اپنی خالہ کے اکلوتے اور وجیہہ بیٹے سے منسوب تھی۔ دونوں بہنیں اس بھری دنیا میں ایک دوسرے کا سہارا اور واحد رشتہ تھیں۔ پینو اپنے والدین کی اکلوتی اور لاڈلی بیٹی تھی۔ جبکہ عثمان پانچ بہنوں کا اکلوتا اور بڑا بھائی تھا۔ خالو بہت سال پہلے ہی مختلف بیماریوں کا شکار ہو کر بستر سے لگ گئے تھے۔ اسی لیے ایف اے کرتے ہی عثمان کو گھر کی ساری ذمہ داری سنبھالنی پڑی۔ نہ اتنا وقت تھا اور نہ پیسہ کہ وہ اپنی تعلیم مکمل کرتا۔ اس لیے ایک دوست کے توسط سے اسے کویت جانے کا موقع مل گیا اور وہ بہت سی امیدیں اور خواب لیے دور دیس کا باسی بن گیا۔

پینو اور اس کا سارا بچپن ایک دوسرے کی سنگت میں اور چاہت میں گزرا تھا۔ عثمان کے پردیس جانے سے وہ ساتھ جہاں ٹوٹا تھا، آنے والے وقت میں اور بھی بہت کچھ اس کے ساتھ ساتھ ٹوٹتا گیا تھا۔ خالہ کی محبت پر یقین ٹوٹا، رشتوں کا مان ٹوٹا، اس سب سے بڑھ کر خوابوں کا ہر وہ شیش محل ٹوٹ کر چکنا چور ہو گیا جس

پر ان کی محبت نے نقش و نگار بنائے تھے۔ عثمان کو پردیس کاٹتے سولہ سال ہو گئے تھے۔ ان سولہ سالوں میں سب کچھ بدل کر رہ گیا تھا۔

عثمان نے بخوبی اپنی بہنوں کا فرض ادا کیا تھا۔ سب کی شادیاں مناسب عمر اور وقت میں ہو گئی تھیں۔ بس وہ ہی اپنی عمر اور وقت سے آگے نکل گیا تھا۔ اس کے خواب' اس کی خواہشیں پردیس کی مشقت اور تنہائی میں دفن ہو کر رہ گئے تھے۔ پہلے دو تین سال وہ باقاعدگی سے پاکستان آتا تھا۔ پھر وہ صرف پیسے بھیجتا رہا اور اپنا فرض ادا کرتا رہا۔ اس دوران پینو کا باپ اس کی ڈولی اٹھنے کے انتظار میں دنیا سے ہی اٹھ گیا تھا۔

پینو کو شکوہ تھا تو یہ تھا کہ اس نے سب سے کیے وعدے پورے کیے۔ اپنے سارے فرائض پورے کیے مگر اس سے کیے وعدے اس کی محبت کا فرض نہیں ادا کیا۔ اسے تنہائی کے جنگل میں بھٹکنے کے لیے اکیلا چھوڑ گیا۔

عثمان کی عمر اب چھتیس یا سینتیس سال کے لگ بھگ تھی۔ جبکہ خود پینو اپنی زندگی کی تینتیس بہاریں دیکھ چکی تھی۔ گاؤں میں جہاں لڑکیوں کی شادیاں بہت چھوٹی عمر میں ہی کر دیتے ہیں۔ پینو اس لحاظ سے "بوڑھی" ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ کی لڑکیوں کے جوان ہوتے بچے تھے۔ پینو نے اس کا جوگ تو لے لیا تھا مگر ہر وقت کڑاہی میں جلتی بھنتی ریت کی طرح اندر ہی اندر سلگتی رہتی تھی۔ خالہ کی محبت اور شفقت سب دھوکا اور فریب کاری لگتی تھی۔ اس کے اندر پھیلتی تنہائی کے زہر نے اس کی زبان کو بھی زہریلا کر دیا تھا۔ چاہتی تو کسی اور کا ہاتھ تھام کر اس اذیت سے آسانی سے جان چھڑا سکتی تھی' مگر فطرت میں وفاداری بھی تھی اور محبت بھی' جو اپنے مرکز سے ہٹنے نہیں دیتی۔

بھلا محبت اور مذہب میں کبھی قبلہ یا مرکز بھی بدلا جاتا ہے۔ یہ ہے تو بس ہے۔۔۔ اب جدائی کے صحرا پھیلتے جائیں یا خوابوں کے میلے رت جگے سجائیں۔ محبت اپنے مرکز کے گرد ہی گھومتی اور سانس لیتی ہے۔

اچھی بھلی سرد راتوں اور شاموں کی سرد مہری جھیلی تھی۔ جب بہار کی آمد کے ساتھ ہی ایک خبر نے اس کا استقبال کیا تھا۔

"عثمان واپس لوٹ آیا ہے۔" اور وہ پہلے حیرت سے گم' پھر یک دم پھٹ پڑی تھی۔

"بھلا یہ کیا بات ہوئی' جب سرد موسموں کی ساری سختی اکیلے کاٹ لی ہے تو اب وہ لوٹ آیا ہے۔ بہار میں کچھ نہ بھی ہو مگر ہر طرف نئی سرسبز زندگی کی نمو اور پھولوں کی خوشبو ویسے ہی دل و دماغ کو پرسکون کر کے نئے خواب دے جاتی ہے۔ "میں بہار بھی اکیلے گزار لوں گی۔" پینو نے نروٹھے پن سے کچنار کے درخت پہ آئے کاسنی اور سفید پھولوں کو دیکھ کر کہا تھا۔

"سرد رتوں کا شکوہ کرتی ہے اور یہ بھول جاتی ہے کہ پچھلے کئی سالوں سے بھلا کب میری آمد پہ دل سے خوش آمدید کہا ہے تم نے' جو بہار دل میں پھول کھلا دے' وہی اصل بہار ہوتی ہے۔۔۔ باقی تو آتے جاتے موسم ہیں ایک نظام کے تحت چلنے والے۔۔۔"

بہار کی خوشبو سے بھری ہوا نے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی اور شرارت سے کچھ کاسنی پھول اس پر گرا دیے تھے اور اس کے آنچل کو اڑاتی' کھلکھلاتی بہار پورے آنگن میں اپنی خوشبو سمیت پھیل گئی تھی۔

"اماں یہ ستاراں پھر کیوں آئی تھی اور یہ کیا دے کر گئی ہے؟"

ستاراں' خالہ کے ساتھ والے گھر میں رہتی تھی اور تقریباً" پینو کی ہم عمر' مگر شادی شدہ اور بچوں والی تھی۔ خالہ کے گھر کی خبریں لے کر وہ ہی آتی تھی۔ ابھی بھی خالہ نے بریانی اور زردہ بنا کر بھیجا تھا پینو کے لیے۔ یہ اہتمام عثمان کے آنے کی خوشی میں تھا۔

"پینو! زردہ آیا ہے۔ تجھے اپنی خالہ کے ہاتھ کا زردہ بہت پسند ہے نا۔ خاص تیرے لیے بھیجا ہے میری بہن نے۔ آجا کھالے۔" اماں نے اتنی محبت سے اسے پکارا تھا کہ پینو کچھ کہتے کہتے چپ کر گئی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد بولی۔

"اماں میں کہہ رہی ہوں اپنے بھانجے سے کہہ دینا کہ ہمارے گھر کی دہلیز نہ پھلانگے ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"

"تجھے پتا ہے بے بے جی ایسے موقعوں پر اکثر ایک بات کہا کرتی تھیں۔" اماں نے گندم صاف کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"ایک تو یہ بے بے جی! ہر بات میں ہی فلسفہ بولتی تھیں کیا جو میرے لیے ہی رہ گیا ہے۔" پینو نے تپ کر کہا تو اماں بے ساختہ ہنس پڑی تھیں۔

"بے بے جی کہا کرتی تھیں کہ سیانے کہتے ہیں جو برتن جتنا شور مچائے وہ اتنا ہی اندر سے خالی ہوتا ہے۔ اسی طرح جو انسان جس بات اور چیز کا انکار بار بار زبان سے کرے اس کی بات کا یقین نہیں کرنا چاہیے کیونکہ انکار لفظوں میں نہیں ہوتا نہ ہی ایک بات پر بار بار زور دینے اور شور مچانے سے اس کی شدت میں اضافہ ہوتا ہے۔ پگلی! انکار کی شدت عمل سے ظاہر ہوتی ہے جس نے جو کرنا ہے وہ کر جاتا ہے۔ اس طرح واویلا نہیں مچانا ہوتا۔"

"آپ کا کیا مطلب ہے اماں! میں ڈرامے کر رہی ہوں؟ میرا غصہ میرا دکھ صرف بولنے تک کا ہے۔" پینو نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا تھا۔

"نہیں پینو تو میری بات کو کبھی نہیں۔ اپنے من میں جھانک کر دیکھ تیرا دل دراصل چاہتا کیا ہے مگر یہ تب ہی ممکن ہے جب تو اتنے سالوں دنوں لمحوں کی اڑتی بدگمانی کی گرد کو بیٹھنے دے گی۔ ابھی کوئی فیصلہ مت کر۔" اماں نے نرمی سے سمجھایا تھا۔ پینو نے سر جھٹک کر اپنا دھیان بٹانا چاہا مگر وہ بھی درخت پہ بیٹھی شور مچاتی چڑیوں پر اٹک کر رہ گیا تھا۔

"اف توبہ۔ یہ چڑیاں بھی کتنا شور کرتیں ہیں۔" پینو نے چڑ کر سوچا تھا۔

"ہاں۔ مگر تم سے بہت کم۔" چڑیوں نے اپنی چہچہاہٹ میں کہا اور پھر سے اڑ گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

جا دس دے دلبر ماہی نو

متھو یار بھلایا جاندا نئی
سر رکھ کے یار دے قدماں وچ
سر فیر اٹھایا جاندا نئی
میرا دل اک
میرا دین اک
میرا ایمان اک
جدوں رب رسول صلی اللہ علیہ وسلم قرآن اک اے
دوجا یار رینایا جاندا نئی!!
(وارث شاہ)

رضیہ کی شادی میں آس پاس کے سب گھر اپنے ہی مدعو تھے۔ رضیہ کی عمر ابھی بیس سال ہی ہوئی تھی اور اس کی ڈولی بھی اٹھ گئی تھی۔ اماں کے اصرار کرنے پر پینو بہت مشکل سے شادی پر جانے کے لیے راضی ہوئی تھی۔ مہندی کی شام برقی ٹمٹماتی روشنیوں سے سجی گلی کے نکڑ میں پینو نے اس کی مردوں کے ہجوم میں ایک جھلک دیکھی تھا۔ اس کا نقش دل پہ ایسے بنا ہوا تھا کہ اس کی ایک جھلک دیکھتے ہی وہ اسے پہچان گئی تھی نہ تو ابھی چہرہ دیکھا تھا اور نہ ہی اس کا ظاہری حلیہ۔ وہ پچھلے صحن سے دوسری گلی کی سمت کھلنے والا دروازہ کھول کر سرپٹ بھاگی تھی اور اپنے گھر آکر ہی دم لیا تھا۔ اور تب سے اب تک صحن میں تاروں بھرے آسمان کے نیچے بیٹھی وہ وارث شاہ کے بول دل ہی دل میں دہرا رہی تھی۔

کیا سچ میں اس کا من کچھ اور چاہتا ہے اور اس کی زبان کچھ اور کہتی ہے۔ اماں اسے ڈھونڈتی پکارتی گھر میں داخل ہوئیں تو اس کے گالوں پہ پھسلتے آنسو ان کی نظروں سے اوجھل نہیں رہے تھے۔

"پگلی کہیں کی خود ہی لڑتی ہے خود ہی روٹھتی ہے اور خود ہی مان بھی جاتی ہے۔" اماں نے خود کلامی کی تھی۔

☼ ☼ ☼

"اس جمعے کو تیری خالہ آنا چاہ رہی ہے۔" صحن

میں جھاڑو دیتی پہنو نے رک کر حیرت سے اماں کے چہرے کی طرف دیکھا۔ جو چائے کی پیالی میں باقرخانی ڈبو ڈبو کر کھا رہی تھیں۔

"اماں! آپ کتنے آرام سے دل پر چھری چلا دیتی ہیں۔" پہنو نے غصے سے جھاڑو پٹخی اور دھپ دھپ پاؤں مارتی اندر کمرے میں چلی گئی۔

"لے بھلا میں نے کیا کہا؟ تیرے بھلے کو ہی کہہ رہی ہوں۔ تیری خالہ کسی خاص مقصد سے آنا چاہ رہی ہے پہنو۔ میرا دل کہتا ہے اب کی بار خوشیاں ہم سے دور نہیں ہیں۔ میری پہنو بھی سرخ جوڑا پہنے گی۔ اس کے ہاتھوں پر بھی مہندی لگے گی اور......" اماں اپنے ہی خیالوں میں کھوئی کہتی جا رہی تھیں۔ جب پہنو کمرے سے باہر نکلی۔

"بہت شوق ہے مجھے رخصت کرنے کا۔ ایسا کریں دعا مانگیں کہ مجھے موت آجائے۔ شان سے رخصت کرلینا۔ اچھا ہے میرا بوجھ ہٹے گا آپ کے سر سے......" پہنو نے رندھے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔ اماں چائے باقرخانی بھول کر دل پر ہاتھ رکھ کر رہ گئیں۔

پہنو نے صحن میں پھینکی جھاڑو اٹھائی اور زور زور سے فرش پر پھیرنے لگی' مگر اب کی بار اس کے ہاتھوں میں لرزش اور آنکھوں میں آنسو واضح تھے۔

"پتا نہیں کیوں وہ جتنا انکار کرتی تھی' کوئی اسی شدت سے دل کے دروازے پر دستک دیتا تھا اور یہ دستک پہنو کے وجود کی دیواریں ہلا دیتی تھی۔ انا کے سب بت ٹوٹنے لگتے تھے۔

"یہ کس موسم کی بارش ہو رہی ہے؟" دو دن سے ہوتی مسلسل موسلا دھار بارش سے تنگ آکر پہنو نے کمرے سے نکلتے ہوئے خود کلامی کی تھی۔

"تم بھی تو وقت' بے وقت روتی ہو۔ ہم نے کبھی اعتراض کیا؟" بارش نے ہوا کے سنگ اس کے چہرے کو بھگوتے ہوئے سرگوشی کی تھی۔ "کیا مصیبت ہے۔" پہنو نے چہرے پر پڑی پھوار پر جھنجلا کر کہا تھا۔ اماں نے پتا نہیں خالہ سے کیا کہا تھا کہ ان کی طرف مسلسل خاموشی چھائی ہوتی تھی۔ اماں بھی سب بھلائے' اپنے کاموں میں ایسے مگن رہتی تھیں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں ہے۔ پہنو اس خاموشی کی وجہ کھوجتے کھوجتے اب جھنجلانے لگی تھی۔

"اماں میں سوجی کا حلوہ بنا رہی ہوں۔ اب گھی اور چینی مہینے کے آخر تک چلنے سے پہلے ختم ہوجائے تو کچھ کہنا مت..." پہنو نے اندر کی طرف آواز لگا کر کہا تھا۔ مگر اماں نے کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا تو وہ غصے میں برستی بارش کی پروا کیے بغیر صحن کے کونے میں بنے' لکڑیوں کے چولہے کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ اس کے اوپر چھت بنی ہوئی تھی' مگر ایک طرف سے کھلا ہونے کی وجہ سے بارش کی پھوار پڑنے سے لکڑیاں گیلی ہو چکی تھیں۔

پہنو نے کافی دیر کوشش کی۔ وہ اپنی کوشش میں اتنی کامیاب ہوگئی کہ لکڑیاں سلگ اٹھی تھیں' مگر نمی کی وجہ سے وہ ٹھیک سے جلنے کے بجائے دھواں چھوڑ رہی تھیں۔

"پہنو...." کسی نے آہستہ سے پکارا تھا۔ پہنو اپنی جگہ ساکت رہ گئی۔ اس آواز میں اس کے مردہ ہوتے جسم کے لیے "کن" کا جادو تھا۔ پہنو نے تیز اٹھتے دھوئیں سے بھیگی آنکھوں اور کھانستے ہوئے بارش کی چادر تلے کسی کو بھیگتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کی آنکھیں ابھی تک کچھ بھی دیکھنے سے قاصر تھیں اور ایسا تب ہوتا ہے جب یا تو کوئی بہت قریب ہو یا کوئی بہت دور....

آنکھوں میں پانی بہت بڑھ گیا تو پہنو نے رخ موڑ لیا اور گیلی لکڑیوں کو چھوڑ کر پاس رکھے سلنڈر کے چولہے کی طرف بڑھ گئی۔ ماچس اس کے ہاتھوں کی نمی سے گیلی ہو چکی تھی۔ کتنی ہی تیلیاں اس کوشش میں ضائع ہو گئیں تھیں۔

"آج یہ آگ بھی ساتھ نہیں دے رہی ہے' جس نے ہمیشہ من کو جلائے رکھا۔" پہنو نے جھنجلا کر ماچس پھینکی تھی۔ اسی وقت اس نے آگے بڑھ کر لائٹر سے چولہا جلا دیا تھا۔

"جب اپنی عقل اور ہمت سے کام نہ بنے تو کسی دوسرے کو آواز دے لیتے ہیں پہنو۔ سفر کاٹنا ہو یا زندگی

جیتی ہو دونوں کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے۔" پینو نے نہ اس کی طرف دیکھا تھا اور نہ اس کی بات کا جواب دیا تھا۔ وہ کچھ دیر اپنی جگہ کھڑا رہا۔ پھر خاموشی سے واپس پلٹ گیا۔ پینو نے گردن موڑ کر اس کی پشت کو دیکھا تھا۔ کتنے ہی آنسو اس کی آنکھ سے نکل کر چہرے پہ نشان چھوڑتے' دامن میں گرنے لگے تھے۔

پینو نے چائے کا پانی رکھا۔ وہ بارش میں بھیگ چکا تھا۔ اس سے ناراضی اپنی جگہ' مگر وہ اپنے دل کے ہاتھوں بھی مجبور تھی۔ وہ اسے اماں کے کمرے میں جاتے ہوئے دیکھ چکی تھی۔ چائے بناتے ہوئے وہ مختلف سوچوں کا شکار تھی اور اس کا ذہن ماضی میں گھومنے لگا تھا۔



"میں نے کچھ کتابیں منگوائی تھیں' لائے ہو یا نہیں؟" عثمان تین دن سے شہر گیا ہوا تھا۔ جب واپس لوٹا تو حسب وعدہ ٹیوب ویل کے پاس پہنچ گیا۔ جس کے ٹھنڈے پانی میں پاؤں ڈبوئے بیٹھی پینو اسی کی منتظر تھی۔ یہ ان دنوں کی بات ہے' جب عثمان نیا نیا کویت گیا تھا اور پہلی بار پاکستان آیا تھا۔

"کیا کرے گی یہ کتابیں پڑھ کر۔ میری مان' تو مت پڑھا کر ان کو... سوچوں کو بہت جلد بوڑھا کر دیتی ہیں۔ تب ہی انسان بڑی بڑی اور گہری باتیں کرنے لگتا ہے اور پینو ہم جیسے لوگوں کو سکھانے کے لیے وقت اور حالات جیسے استاد ہی کافی ہوتے ہیں۔ کیوں ان کے چکر میں آتی ہے۔" عثمان تھکا ہارا سا اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولا تھا۔

"بہانے بنانا ضروری نہیں ہے' مجھے پتا ہے کہ نہیں لائے ہو۔" پینو نے منہ بنا کر کہا تھا۔ محبوب سے نخرے کرنے اور اٹھوانے کا اپنا ہی مزہ تھا۔ عثمان نے ایک طرف رکھا شاپر اس کی طرف بڑھایا تھا۔

"پینو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تو کچھ بولے اور میں پورا نہ کروں؟ کتابوں کے ساتھ میں اپنی پسند سے بھی تیرے لیے کچھ لایا ہوں' دیکھ لے۔" پینو نے اشتیاق سے شاپر کھولا تھا۔ چنری کا خوب صورت دوپٹا اور اس کے ساتھ جھمکے اور چوڑیاں بھی تھیں۔

"میں کالے رنگ کے سوٹ کے ساتھ اسے اوڑھوں گی۔" اس کی پینو نے خوشی سے کہا تھا۔ عثمان اس کی خوشی میں خوش تھا۔ پھر ایک دن جب وہ کالے رنگ کے سادہ سوٹ کے ساتھ میرون چنری کا دوپٹا کانوں میں جھمکے اور ہاتھوں میں چوڑیاں پہن کر آئی تو عثمان کتنی ہی دیر اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

"اچھی لگ رہی ہوں نا۔" پینو نے اترا کر پوچھا تھا۔ عثمان گہری سانس لے کر بولا۔

"نہیں' میں سوچ رہا ہوں کہ اگر تمہارا رنگ میری طرح سرخ و سفید ہوتا تو یہ رنگ تم پر بہت اچھا لگتا۔" پینو کا رنگ سانولا سلونا تھا۔ جبکہ عثمان کا رنگ اس کی نسبت صاف اور کھلتا ہوا تھا۔ پینو اس بات پر تپ گئی۔

"لڑکیاں ایسی باتیں کریں تو سمجھ میں بھی آتی ہیں۔ مردوں کو یہ مان بجتا نہیں ہے۔" پینو نے تنک کر کہا تھا۔

"اچھا مردوں کو کیا بجتا ہے؟" عثمان نے دلچسپی سے اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر پوچھا تھا۔

"صرف اور صرف محبت کرنا... اور اسے نبھانا۔" پینو نے بے ساختگی سے کہا تھا۔

"اماں اکثر حضرت بابا بلھے شاہ کے یہ اشعار سناتی ہیں۔"

کلیا عشق کمانا اوکھا
کسے نوں یار بنانا اوکھا

پیار پیار تے ہر کوئی بولے
کر کے پیار نبھانا اوکھا

ہر کوئی دکھاں تے ہنس لیندا ای
کسی دا درد ونڈانا اوکھا

گلاں نال نئی رتبے مل دے
جوگی بھیس وٹانا اوکھا

کوئی کسی دی گل نئی سن دا
لوکاں نوں سمجھانا اوکھا

ترجمہ:

اکیلے عشق کمانا مشکل
کسی کو یار بنانا مشکل

پیار پیار تو ہر کوئی بولے
کرکے پیار نبھانا مشکل

ہر کوئی دکھوں پر ہنس لیتا ہے
کسی کا درد بٹانا مشکل

باتوں سے رتبے نہیں ملتے
جوگی سا بھیس بنانا مشکل

کوئی کسی کی بات نہیں سنتا
لوگوں کو سمجھانا مشکل

"پینو! تجھے میرا اعتبار نہیں ہے۔" عثمان نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

"بڑے بڑے دانشور کہہ گئے ہیں کہ مرد کا کیا اعتبار؟" پینو نے اپنی چوڑیوں سے کھیلتے ہوئے کہا تھا۔

"پینو! ان کی چھوڑ اپنی دل کی بتا! احساس کے رشتے سب سے پہلے دل سے بنتے ہیں' جو تیرا دل کہے صرف وہ ہی سچ ہے۔" عثمان کی نظریں سوالیہ تھیں۔

"میرا دل تو اعتبار کرنے کو کہتا ہے' مگر سب سیانے کہتے ہیں کہ مرد بہت جلد مجبوری کا رونا رو کر راستہ بدل لیتے ہیں' جبکہ مرد بھی کبھی مجبور ہوتا ہے؟ یہ اس کی فطرت اور شان کے خلاف ہے نا۔" پینو نے ایک کشمکش کی کیفیت میں کہا تھا۔ عثمان گہری سانس لے کر رہ گیا تھا۔

"اسی لیے کہتا ہوں کہ یہ کتابیں نہ پڑھا کر۔ اپنی وسعت اور گنجائش سے زیادہ چیز ہمیشہ نقصان دیتی ہے۔" عثمان بڑبڑا کر رہ گیا تھا اور پینو اسے گھورتی رہ گئی تھی۔ مگر آنے والے وقت نے ثابت کیا تھا کہ کتابوں نے اسے جو بتایا تھا وہ ہی سچ نکلا تھا یا اسے ہی لگتا تھا۔



"اب تو اتنے سال پردیس میں لگالیے ہیں۔ خود کمائی کرنے لگا ہے۔ بابو بن گیا ہوگا۔ رنگ بھی پہلے سے زیادہ چمکتا ہوگا اور اتراتا ہوگا خود پر....." کپوں میں چائے ڈالتی' وہ حال میں لوٹ آئی تھی اور اسے نہ دیکھنے کا غصہ بول کر نکال رہی تھی۔ بارش رک چکی تھی۔ وہ چھوٹی سی ٹرے اٹھا کر اندر کی طرف چل پڑی۔ لائٹ کب کی جاچکی تھی۔ اس لیے اندر ملگجا سے اندھیرا تھا۔ اندازے سے ٹرے میز پہ پٹخی اور فوراً باہر آگئی۔ جب وہ صحن کے بیچ میں پہنچی تو اسے رکنا پڑا۔

"پینو! مجھے دیکھے گی نہیں' اتنی سزا تو نہ دے۔" اس کی آواز میں التجا تھی۔ پینو کا اپنا دل بھی اسے دیکھنے کو مچل رہا تھا۔ وہ آہستہ سے پلٹی اور اس کی طرف نگاہ کی۔ پھر وہ نگاہ پلٹنا بھول گئی۔

اس کے سامنے سولہ سال پہلے کا نہیں' بلکہ سولہ سال بعد کا عثمان کھڑا تھا۔ جس کا رنگ جھلس چکا تھا۔ جو اس کی سخت محنت اور مشقت کو ظاہر کررہے تھے۔ وہ پہلے سے کمزور ہوچکا تھا۔ آنکھوں کے نیچے حلقے واضح تھے۔ وہ تھکا تھکا سا اپنی عمر سے کئی سال بڑا لگ رہا تھا۔

پینو کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے تھے۔ یہ اس کا عثمان تو نہیں تھا۔ یہ تو تھکا ہارا' مسافتوں کا مارا' کوئی مسافر تھا۔

"کیا دیکھ رہی ہے؟ دیکھ زندگی نے کس کس انداز میں برتا ہے مجھے۔ مشقت اور سخت محنت نے سب رنگ روپ لے لیا ہے پینو۔ شاید اسی لیے تو میری طرف دیکھتی بھی نہیں ہے۔" عثمان نے افسردگی سے کہا تو پینو کا دل تڑپ اٹھا۔

''تم نے اپنا وعدہ نہیں نبھایا' کبھی پلٹ کر آئے ہی نہیں میرے لیے' سب اپنوں کے لیے کیا تم نے' یہ مت کہنا کہ میں مجبور تھا۔ مرد مجبور نہیں ہوتا۔ یہ اس کی فطرت اور شان کے خلاف ہے۔'' پینو غصے سے بولتی چلی گئی۔ عثمان خاموشی سے اسے دیکھتا رہا''میری سونے جیسی جوانی' چاندی میں ڈھل گئی' تب تجھے واپس لوٹنے کا خیال آیا۔''

پینو کے اندر کے لاوے کو آج راستہ مل گیا تھا۔ عثمان نے اسے بولنے دیا۔ اسی وقت اماں نماز پڑھ کر فارغ ہوئیں تو ان کے بولنے کی آواز سن کر کمرے سے باہر نکل آئیں اور اپنے ہی دھیان میں خوشی سے بولی تھیں۔

''پینو! جلدی سے ہانڈی چڑھا لے۔ عثمان کھانا کھا کر جائے گا۔ اتنے عرصے کے بعد آیا ہے۔''

''اماں! کوئی کھانا نہیں بن سکتا۔ لکڑیاں گیلی ہیں اور ماچس بھی نہیں ہے' سلنڈر بھی نہیں جل سکتا۔'' پینو نے ترخ کر کہا تھا۔

''یہ کیسے ممکن ہے خالہ! لکڑیوں کا کام ہے جلنا' ان میں یہ وصف قدرت نے رکھا ہوا ہے' تو وہ کیسے نہیں جلیں گی' گیلی ہیں تو کیا ہوا؟ ماچس تو آگ لگا سکتی ہے۔ یہ کیا منطق ہوئی کہ گیلی ہے تو اس سے آگ نہیں لگ سکتی۔ کیا یہ ان دونوں کی فطرت' اجزائے ترکیبی کے خلاف نہیں ہے خالہ!'' عثمان دیکھ اسے رہا تھا' مگر پوچھ خالہ سے رہا تھا۔ اماں حیرت سے منہ کھولے اسے دیکھ رہی تھیں۔ جیسے اس کی بات سمجھنا چاہ رہی ہوں۔ جبکہ جسے سنا رہا تھا' وہ سمجھ چکی تھی اور اپنی جگہ ساکت کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھی۔

''خالہ بڑی بڑی کتابوں میں یہ کیوں نہیں لکھا ہوتا کہ مجبوری مرد یا عورت نہیں دیکھتی ہے۔ سیانے یہ کیوں نہیں کہتے کہ جو مرد مجبوری کا رونا رو کر پردیس کی مشقت کاٹتا ہے' وہ بھی اپنے سونے جیسے دنوں کو گنواتا ہے۔ خالہ! ہم بے جان چیزوں کو تو بڑے آرام سے مار جن دے جاتے ہیں' مگر جن سے محبت کا دعوا کرتے ہیں انہیں ذرا سی بھی سانس لینے کو جگہ نہیں دیتے ہیں۔ سوچا تھا سب ذمہ داریاں نبھا کر' اپنا چھوٹا سا خوابوں سے سجا' پرسکون گھر بناؤں گا' مگر نہیں۔۔۔'' عثمان نے افسوس میں سر ہلایا تھا۔

''دنیا بڑی حسابی کتابی ہے۔ یہ دیکھتی ہے کہ عمر کے کتنے سال باقی بچے ہیں؟ یہ نہیں دیکھتی کہ زندگی جینی ہو تو لمحے میں بھی صدیاں قید ہوتی ہیں۔ اچھا خالہ چلتا ہوں۔ واپسی کا ٹکٹ بھی کٹوانا ہے اور اب کی بار لوٹنا ناممکن' پہلے تو کسی کے وعدے سے بندھا چلا آیا تھا مگر اب۔۔۔''

عثمان نے جھک کر اماں سے پیار لیا۔ جو آنکھوں میں نمی لیے اسے دیکھ رہی تھیں۔ وہ آہستہ سے چلتا ہوا پینو کے پاس سے گزر کر دروازے تک پہنچا۔

''اماں۔۔۔! اپنے بھانجے کو کہہ دے' اپنی سونے جیسی جوانی اسی کے لیے چاندی کی ہے اور اب اسی کے ساتھ ہی چاندی جیسی زندگی گزاروں گی' یہ ہی اس کی سزا ہے۔ جی لوں گی' لمحوں میں صدیاں میں بھی۔۔۔'' پینو نے تنک کر کہا تھا اور روتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ عثمان نے مسکرا کر اماں کی طرف دیکھا تھا۔

''منظور ہے یہ سزا مجھے۔۔۔'' عثمان نے سرگوشی کی۔

اماں نے آگے بڑھ کر اس کا ماتھا چوما تھا۔ پھر عثمان نے لائٹر سے سلنڈر جلا کر دیا تھا اور اماں اس سے باتیں کرتی حلوہ بنا رہی تھیں۔ پینو نے کمرے کی کھڑکی سے یہ منظر دیکھا تھا اور بے ساختہ مسکرا دی تھی۔ اتنا مکمل اور خوب صورت دن آج سے پہلے کبھی نہیں تھا۔

عنیزہ سیّد

گیت پرگی اور تم

جس وقت اس کے فون نے گیت کا پانچواں پیغام وصول کیا' وہ ٹریفک سگنل کے سبز ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ گیت کے پیغام کی آواز سننے پر اس نے مسکراتے ہوئے فون کی اسکرین کو روشن کیا۔

" تمہارے اور ہمارے گھر کے درمیان بلیوڈ منسوب بننے لگا ہے نا؟" گیت نے پوچھا تھا۔ "اور تم نہ تو اچھے تیراک ہو نہ ہی اچھے ملاح۔ تمہارے بازو کمزور اور کشتی کے چپو سال خوردہ ہو چکے ہیں' یعنی کشتی کھینچنے سے قطعی معذور۔"

اس نے پیغام پڑھا اور ایک بار پھر مسکرا دیا۔ نیلوفر کو

مکمل ناول





بلیوڈینوب سے تشبیہہ دیتے ہوئے اسے جوش دلانے کی کوشش کی تھی۔
"اف!" سبز بتی جلنے پر اس نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے نیلوفر اور ان کے مصاحبین کو یاد کیا اور اسے جھرجھری سی آگئی۔ وہ اس کے لیے ایک سخت دن تھا۔ نیلوفر اور ان کے مصاحبین کی پندرہ روزہ نشست گھر میں شروع ہو چکی تھی اور اسے ایک بے بس خاموش سامع کی طرح وہ گفتگو سننی پڑی تھی۔ قدیم وقتوں کی ایسی داستان جو اس نے سینکڑوں بار سن رکھی تھی۔
"اچھا تو پھر تم نے بنی اسرائیل کی عادات و حرکات اور ابوالہول کے سر تراشے جانے کے قصے سنے آج!" پری نے اسے گرما گرم کافی کی پیالی پکڑاتے ہوئے مسکرا کر پوچھا تھا۔
"خوب سنے۔" اس نے کپ تھامتے ہوئے کہا۔
"صرف یہ ہی نہیں آج تمہیں یہ بھی پتا چلا ہو گا کہ اربیل میں پہیے کی ایجاد کیسے ہوئی اور ایودھیا کے جنگلوں میں سر بھیرتی لکشمن کی بانسری کس نے بنائی تھی۔" گھٹنوں پر امتحانی پرچوں کی فائل دھرے نمبر لگاتی گیت آنکھوں پر لگا چشمہ اتار کر مسکرائی تھیں۔
"موہنجوڈارو اور ٹیکسلا کے آثار کی پراسراریت اور اجنتا اور ایلورا کے غاروں کی حقیقت۔" پری نے بات آگے بڑھائی۔
"سکندر اعظم کی فتح کے اسباب' پورس کے ہاتھوں کی خوراک' چاہ بابل کی اندھی دیواروں کے ساتھ لٹکتے فرشتے اور تبت کی گھاٹیوں سے اترتے بھکشو۔" گیت بولی تھیں۔
"یہ میرے ہاتھ دیکھیں۔" اس نے کافی کا کپ میز پر رکھتے ہوئے اپنے ہاتھ ان دونوں کے سامنے جوڑتے ہوئے کہا "اور کان بس۔" اس نے کانوں کی لویں چھوتے ہوئے توبہ کرنے کی اداکاری کی۔
"میں ان بھن بھن کرتی آوازوں میں کروٹیں بدلتے الفاظ سے ہی فرار حاصل کر کے وہاں سے بھاگا ہوں۔ اب مزید ہمت نہیں ہے۔"
"چلو نہیں کرتے ایسی باتیں۔" گیت نے اس پر احسان عظیم کرتے ہوئے پری کی طرف دیکھا۔ "چھوڑ دو پری! سلجوق بے چارہ پہلے ہی ان الفاظ کے بوجھ تلے دبا رہتا ہے۔ اسے اور نہ دباؤ۔" وہ شرارت بھرے انداز میں مسکرائی تھیں۔
"ایک بات بتاؤں آپ کو۔" اس نے کافی کا کپ میز سے اٹھایا۔
"زندگی اتنی لطیف اور پُر کیف ہے کہ اس کو اتنے بھاری بھاری تجزیوں اور چن چن کر استعمال کیے گئے مشکل الفاظ کے بم برسانے والے انسانوں کی موجودگی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"
"ہاں یہ تو ہے۔" پری کی کھنکھناتی آواز کمرے میں گونجی "کیونکہ زندگی ایسے انسانوں کے درمیان سے سلجوق کی شکل میں بہتی ہوئی کسی اور سمت جا نکلتی ہے۔"
پری کی بات کے جواب میں گیت کھلکھلا کر ہنس دیں۔
"اور سلجوق کی شکل میں بہتی زندگی گیت اور پری کی گلیوں میں دوڑنے لگتی ہے۔"
وہ ان دونوں کے ہنسنے پر برا ماننے کے بجائے مسکرا دیا۔
اب وہ تینوں ہی اپنی اس گفتگو کے الفاظ دہراتے ہنستے چلے جا رہے تھے۔
"توبہ توبہ" پری نے اپنی ہنسی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے آنکھوں میں آئے پانی کو ہاتھ سے صاف کرتے ہوئے کہا۔ "کہتے ہیں اتنا زیادہ ہنسنا نہیں چاہیے کیونکہ بعد میں اتنا ہی رونا بھی پڑ جاتا ہے۔"
"اللہ کا خوف کریں پری!" سلجوق نے بھی اپنی ہنسی کو روکنے کی کوشش کی "ہنسنا ہزار صحت ہے۔ یہ ہی کہتے ہیں نا لوگ۔" اس نے تائید چاہتی نظروں سے گیت کو دیکھا۔
"جی نہیں' وہ تندرستی ہے جو ہزار نعمت ہے ہوتی ہے۔" گیت نے کہا اور ہاتھوں سے چہرہ دبانے لگیں۔

"توبہ میرے تو جبڑے دکھنے لگے ہنس ہنس کر۔"

"سلیوٹ تمہاری ہمت کو سلجوق!" پری نے ماتھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "جو اتنی مشکل، جبڑے دکھانے والی گفتگو برداشت کر لیتے ہو۔"

"وہ نیلو فر ہیں جناب، آپ انہیں کیا سمجھتی ہیں۔" سلجوق اپنی جگہ سے اٹھا "نیلو فر ہونا کوئی آسان کیفیت تھوڑی ہوتی ہے۔"

"ہاں ہاں، نیلو فر!" پری نے سر ہلایا۔ "جو اتنی مشکل کیفیت ہیں کہ اپنے بھائیوں کی پیدائش پر چھوٹے بچوں کو گود میں اٹھانے کی خواہش کرنے کے بجائے فرہنگ آصفیہ کھول کر بیٹھ جاتی تھیں، بھائیوں کے لیے انوکھے اوراق نام ڈھونڈنے کی خاطر۔"

سلجوق نے ابرو چڑھاتے ہوئے سوالیہ نظروں سے پری کو دیکھا۔

"اور کیا کیا نام منتخب کر ڈالے۔ بہزاد۔" لہکتے ہوئے نام کی ادائیگی ہوئی۔

"کمال الدین بہزاد یا حسین بہزاد، اگرچہ اس بات کی وضاحت نہیں کی گئی لیکن کیا مصورانہ نام رکھا ایک بھائی کا اور دوسرا۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

"سلجوق، ترک جنگ جو، ایک ایسی بادشاہت جس کی مثال رہتی دنیا تک لوگ دیتے رہیں گے۔" سلجوق اور بہزاد کیا کامبینیشن ہے وار اینڈ پیس جس کے ہیئت ترکیبی ہیں۔"

"نام نیلو فر نے منتخب نہیں کیے تھے، یہ دادا کا انتخاب تھے۔" سلجوق نے تصحیح کی "بہزاد بھائی کی پیدائش پر تو نیلو فر بمشکل تین یا چار سال کی عمر کی بچی ہوں گی۔"

"غلط فہمی ہے تمہاری کہ وہ کبھی بچی بھی تھیں، وہ تو سدا سے نیلو فر ہیں، نیلو فر جو ایک شخصیت کا نہیں کیفیت کا نام ہے۔" پری کی مسکراہٹ میں طنز اور طنز میں کسی نامحسوس دکھ کی چبھن ابھری۔

"اب تم پرسنل ہو رہی ہو پری اور Judgemental بھی۔" گیت نے پری کو ٹوکا

"مت بھولو کہ سلجوق کتنا نالاں سہی، نیلو فر اس کی بڑی بہن ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔" سلجوق نے پری کے چہرے پر لحہ بھر کے لیے لہراتے سائے کو دیکھ لیا تھا۔

"ہم یہاں، کبھی بھی ایک دوسرے کے مذاق کو طنز نہیں سمجھتے، ہے نا۔" اس نے گیت کی طرف دیکھا۔

"لیکن ہمیں اپنی اپنی حد بھی نہیں بھولنی چاہیے۔" گیت کے لہجے میں تاسف تھا، وہ کافی کے خالی کپ ٹرے میں رکھ کر باہر چلی گئیں۔ سلجوق نے لمبا سانس لیتے ہوئے پری کی طرف دیکھا۔ پری کے چہرے پر جو بھی تاثر تھا وہ اسے سمجھ نہیں پایا۔

"گیت کو غلط فہمی ہوئی ہے پری!" وہ گھٹنوں کے بل پری کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولا۔ "مجھے بالکل بھی برا نہیں لگا، نیلو فر کے بارے میں ایسی گفتگو تو چلتی رہتی ہے۔"

"لیکن گیت ٹھیک کہہ رہی تھیں سلجوق۔ مجھے کوئی حق نہیں پہنچتا۔ کسی کی بھی شخصیت کے بارے میں یوں فیصلے صادر کرنے کا۔" پری نے افسردگی کے ساتھ کہا۔

"وہ کسی نہیں ہیں پری!" سلجوق نے نرمی سے پری کا ہاتھ پکڑا۔ "وہ نیلو فر ہیں، جن کے ساتھ آپ کی بہت سی تلخ یادیں وابستہ ہیں۔ جنہوں نے کتنی ہی بار آپ کا دل توڑا ہے۔ جنہوں نے ہمیشہ آپ کو لک ڈاؤن کیا، مذاق اڑایا۔ اور سب سے بڑھ کر آپ کو بے ٹھکانا کر دیا۔" وہ ان تلخیوں کو دہرانا نہیں چاہتا تھا لیکن پری کے دل میں تاسف بھی پیدا ہونے نہیں دینا چاہتا تھا۔

"ان کے پاس حیثیت تھی اور اختیار بھی۔" پری نے خلا میں دیکھتے ہوئے نیلو فر کی وکالت کی تھی یا شاید ان کے رویے کی وضاحت۔ "انہوں نے وہ کیا جو ان کے دل نے چاہا، حیثیت اور اختیار ہمارے پاس ہوتا تو پتا چلتا ہم کتنے مختلف ہیں۔"

"یہ میں نہیں جانتا کہ اگر ایسا ہوتا تو آپ کیا

کرتیں۔" سلجوق نے سر جھٹکا "لیکن مجھے اس بات کا یقین ہے کہ آپ ویسے نہ کرتیں جیسے نیلو فر نے کیا۔"

"شاید اسی لیے ہمارے ہاتھ خالی تھے۔ اللہ کو ہم سے کچھ کروانا منظور ہی نہیں تھا۔"

"اللہ کو آپ سے بہت کچھ کروانا منظور تھا جب ہی تو آپ اس محل نما گھر کے سامان سے بھرے خالی کمروں سے نکل آئیں۔"

"نکل نہیں آئیں، نکال دی گئیں۔" پری نے تصحیح کی۔

"جو بھی ہوا۔" وہ سر جھٹک کر بولا۔ "لیکن آج کو دیکھیں، آج ..... جو کل سے بالکل مختلف ہے۔ آج آپ اور گیت دونوں زندگی میں کیسی بھرپور توانائی کے ساتھ مصروف ہیں۔ گھر سے ہی نکالی گئی تھیں نا، اپنے ارد گرد دیکھیے۔" اس نے چاروں طرف نظر ڈالی چار دیواری اور چھت دونوں آپ کے پاس ہیں، عزت اور حیثیت درکار تھی نا؟ وہ پہلے سے بھی زیادہ ہے، رہیں نیلو فر۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"ان کا بھی ماضی مت حال دیکھیے۔ اس محل کے سامان سے بھرے خالی کمروں میں بیٹھی وہ کیا کر رہی ہیں وہی۔"

وہ رک کر لحہ بھر کو ہنسا۔

"اربیل کے پہیے، بابل کی دیواروں سے الٹی لٹکتی مخلوق، ایودھیا کے جنگل اور موہنجوداڑو کے بھکشوؤں کی تپسیا۔" وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ پری اس کے جان دار قہقہے پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

"ساری ترتیب الٹی کر دی تم نے، حیرت ہے نیلو فر کے ساتھ رہتے ہوئے بھی تمہیں یہ سب باتیں ازبر نہیں ہوئیں۔ موہنجوداڑو کے بھکشوؤں کی تپسیا۔" اس نے دہرایا اور سر جھٹکتے ہوئے ہنس دی۔

یہ ہی ان تینوں کے تعلق کی سب سے خوب صورت بات تھی۔ کہ اختلاف رائے بھی ہنسی پر ختم ہوتا تھا۔

"تم سچ کہہ رہے تھے نا تم وہ کیک "تہذیب" سے لے کر آئے تھے۔" گیت نے ان دونوں کے قہقہے کی آواز سن لی تھی، جب ہی کمرے میں آ کر وجہ پوچھے بغیر سلجوق سے سوال کر رہی تھیں۔

"بالکل سچ!" سلجوق نے جواب دیا۔

"بس پھر سمجھو تہذیب کا معیار بھی بالکل گر گیا ہے۔" گیت مایوسی سے بولیں۔

"آپ ہفتہ بھر کیک کو فریج میں رکھنے کے بعد کھانے کے لیے نکالیں گی تو اس کی شیلف لائف کو ختم ہوئے بھی چار تین دن تو گزر ہی چکے ہوں گے۔" پری نے کہا۔

"اف! ایک ہفتے سے وہ بے چارہ کیک ویسے ہی رکھا ہے؟" سلجوق نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں۔

"ہاں تو پھر اس گھر میں میٹھی چیز لائی ہی کیوں جاتی ہے آخر؟" گیت نے منہ بنایا ذیابیطس کی ایک مریضہ اور ویٹ کانشس ایک لڑکی کے علاوہ یہاں اور ہے کون جس کے لیے کیکس اینڈ ڈونٹس لائے جاتے ہیں۔"

"اچھا تو آپ ذیابیطس کی مریضہ ہیں؟" سلجوق نے بمشکل اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے پوچھا گیت نے اثبات میں سر ہلایا۔ "تو پھر گاجر کا حلوہ اور شاہی ٹکڑے کس کے لیے بنے تھے اسی ایک ہفتے میں۔" اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"تمہارے بابا کی برسی کا ہفتہ ہے یہ۔" گیت نے رکھائی سے جواب دیا۔

"اور برسی کی خوشی میں میٹھے پکوان بن رہے تھے؟" سلجوق نے پری کو آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

"تم بھول رہے ہو، تمہارے باپ کو میٹھا بہت پسند تھا۔"

"اور میرے باپ کی یاد آپ میٹھا کھا کر منا رہی ہیں نا!" سلجوق نے سر ہلایا۔

"گیت! آپ بھی بھول رہی ہیں کہ آپ کے مرحوم شوہر بھی شوگر پیشنٹ تھے اور ان کا انتقال اسی

بدپرہیزی کے سبب ہوا ہوگا۔" پری نے لقمہ جوڑا۔
"ہوا ہوگا۔" گیت نے دہرایا"یعنی کہ کسی کو بھی اس کا یقین تو نہیں ہے، محض قیاس آرائی ہے۔"
"بہتر ہوگا کہ میرے بابا کی یاد میں آپ قرآن خوانی کرائیں، خود بھی پڑھ کر انہیں بخشا کریں، بہت سکون میں رہے گی ان کی روح وہاں۔" سلجوق نے مشورہ دیا۔
"ہوں!" گیت نے غور کرتے ہوئے سرہلایا اور پھر سلجوق کی طرف دیکھا"اچھا مشورہ ہے، عمل ہو سکتا ہے اس پر۔"
سلجوق نے مسکرا کر سرہلایا اور پھر میز پر رکھی گاڑی کی چابیاں اٹھاتے ہوئے پری کی طرف دیکھا۔"چلتا ہوں اب!"
"چاہ بابل اور نینوا کے قصے سننے۔" پری نے مسکرا کر کہا۔
"نہیں ڈاؤن ٹاؤن مونال' بابا کی برسی کا کھانا کھانے۔" سلجوق نے دروازے کے قریب جا کر دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"اتالین ڈشز پر فاتحہ پڑھو گے اور دعا بھی کرو گے؟" پری نے آنکھیں پھاڑیں۔
"بالکل!" اس نے سر کو خم دیا اور باہر نکل گیا۔
"آئیڈیا برا نہیں اس کا۔" اس کے جانے کے بعد پری نے گیت کی طرف دیکھا۔ گیت کسی گہری سوچ میں تھیں۔
"یہ اب آرفن جا کر باپ کے نام پر کھانا تقسیم کرے گا۔ پتا نہیں یہ اتنا بے نیاز اور انجان کیوں بنتا ہے۔"



وہ سوا گھنٹہ پیدل چلنے کے بعد کالج سے واپس گھر پہنچی تھی۔ صبح کالج تک پہنچنے میں بھی اتنا ہی وقت لگتا تھا اور اتنا وقت پیدل چلنا کسی کی بھی طبیعت صاف کر سکتا تھا لیکن وہ آبگینہ تھی جسے اتنا چلنے کی عادت ہو چکی تھی۔

"علم کی پیاس ہے میرے اندر بی بی جان! جو بجھنے کا نام نہیں لیتی۔" وہ کچن چیئر پر بیٹھی اپنے سامنے رکھی چینی کی سفید پلیٹ میں موجود دال یا سبزی کو ٹھنڈی روٹی کے نوالوں میں لپیٹ کر کھاتے ہوئے کہتی۔
"اس لیے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مجھے یہ علم حاصل کرنے کے لیے کیا کیا مشکلیں سہنی پڑتی ہیں۔"
"اچھی پیاس ہے بھئی۔" بی بی جان ریک میں خشک ہونے کے لیے رکھے برتنوں کو صاف کپڑے سے پونچھتے ہوئے جواب دیتیں' ہر دوسرے ٹیسٹ میں تو تم فیل ہو جاتی ہو۔ جنہیں زندگی میں صرف علم کی پیاس ہو' وہ تو پڑھائی میں بہت آگے نکل جاتے ہیں۔ اس کو دیکھا ہے امائزہ کو۔"
پھر وہ دائیں بائیں دیکھ کر چپکے سے کہتیں"سنا ہے ہر امتحان میں اول آتی ہے۔ وہ ملتا ہے اسے سونے کا' کیا کہتے ہیں اسے بھلا؟" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھتیں۔
"تمغہ' میڈل۔" آبگینہ کھانا کھاتے ہوئے جواب دیتی۔
"ہاں میڈل' وہ بھی ملا ہے اسے ابھی پچھلے ہی ہفتے۔" بی بی سرگوشی کے انداز میں کہتیں۔
"مجھے بھی ملتا۔" وہ کھانا کھا لینے کے بعد دونوں ہاتھوں کو آپس میں رگڑتے ہوئے اپنے تئیں صاف کرتی۔"لیکن امائزہ اور میرے درمیان لاجسٹکس (وسائل) کا فرق ہے۔"
"وہ کیا؟" بی بی کا منہ کھلتا۔"وہ کیا ہوتا ہے' جو تم کہہ رہی ہو۔"
"پتا نہیں۔" وہ بے نیازی سے شانے اچکاتی"لیکن کسی نے مجھے تسلی دی ہے اور بتایا ہے کہ امائزہ اس لیے ٹاپ پر رہتی ہے اور میں ہمیشہ اس لیے پیچھے رہ جاتی ہوں کہ ہمارے درمیان لاجسٹکس کا فرق ہے۔"
"پتا نہیں۔" بی بی واپس برتنوں کی طرف متوجہ ہو جاتیں"ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو۔"

"اچھا پھر میں اب چلوں اپنی کچھار میں" وہ اٹھ کر کھڑی ہو جاتی۔ "چابیاں عنایت فرمائیں گی اس کمرے کی جس میں آپ نے قارون کا خزانہ بند کر رکھا ہے۔"

"تالا نہ لگاؤں تو وہ جو دو پیالے چائے کے لیے اور ایک آدھ پتیلی' چولہا' چند جوڑے کپڑے رکھے ہیں نا میرے تمہارے وہاں' سب کے سب رشیدہ اور اس کی بیٹی اٹھا کر لے جائے۔" بی بی گلے میں پہنا سیاہ دھاگے کا ہار نکال کر اس کی طرف اچھالتیں جن میں دو چابیاں پروئی تھیں۔

"اور ہماری خلعت فاخرہ چرا کر خالہ رشیدہ اور ممتاز' حور پریاں لگنے لگیں گی۔ ہے نا بی بی!" وہ شرارت سے مسکراتی اور چابیوں والا دھاگہ دبوچ کر کچن سے باہر نکل جاتی۔

"یہ اتنا حوصلہ نہ کرے اور اتنی ہنس مکھ نہ ہو تو اس کے تو دن ہی نہ گزر پائیں۔" بی بی اس کی باتیں سننے کے بعد اکثر سوچا کرتیں۔

"کہنے کو یہ اس کے سگے ماموں کا گھر ہے اللہ رکھے جس کی دونوں منزلوں پر ان گنت کمرے ہیں لیکن اسے میرے یعنی گھر کی سرونٹس ہیڈ کے ساتھ اس کے کوارٹر میں جگہ ملی ہے انسان حساس ہو تو اس کے لیے یہ تصور ہی کافی ہے عمر بھر کے رونے کے لیے لیکن نہیں اس نے تو کبھی تذکرہ بھی نہیں کیا کہ اسے اس بات کا دکھ ہے کہ ماموں نے کبھی اسے اپنی مرحومہ بہن کی بیٹی سمجھا ہی نہیں۔ بس ایک فرض ناگوار کی ادائی کی طرح اس کی ذمہ داری پوری کرتے رہے۔ بے چاری بچی' اللہ جانے اتنا حوصلہ اور صبر کیسے کر لیتی ہے۔ میں نے تو کبھی اسے افسردہ بھی نہیں دیکھا کسی بات پر۔"

مگر یہ بی بی کی غلط فہمی تھی کہ آبگینہ کو کسی بات کا ملال نہیں تھا۔ دن میں بیسیوں بار اسے ان محرومیوں کا خیال ستاتا تھا۔ جو بہت بچپن سے ہی اس کی ذات کا حصہ بن چکی تھیں۔ بچپن معصوم تھا اور انجان بھی جب محرومیاں ایک حیرت زدہ سوال تھیں۔

"فلاں بچے کے پاس فلاں فلاں چیز ہے' میرے پاس کیوں نہیں؟"

"سب بچوں کے امی ابو ہوتے ہیں' صرف میرے ہی کیوں چھن گئے؟"

"جہاں میں رہتی ہوں' وہ ایک گھر ہے اور اس گھر میں سجے سجائے اتنے سارے کمرے ہیں' ان میں سے کوئی ایک کمرہ میرے لیے کیوں نہیں ہے؟" جیسے سوال۔

بچپن گزرا اور شعور نے سمجھ کا دامن پکڑا۔ بہت سے حیرت زدہ سوالوں کے جواب انسانوں کے بجائے حالات دیتے چلے گئے۔

"ہاں تو ایسا ہے کہ دنیا میں بہت سے بچے بہت چھوٹی عمر میں اپنے ماں باپ کھو بیٹھتے ہیں۔ جیسے میری امی کو اللہ نے جلدی ہی اپنے پاس واپس بلا لیا اور امی کے جانے سے پہلے ابو خود امی کو چھوڑ کر نجانے کہاں چلے گئے۔ اگر امی نہ مرتیں تو بھی میں ایک ٹوٹی ہوئی فیملی کا بچہ ہوتی اور میں امی کے ساتھ اس گھر میں رہ رہی ہوتی جس کی دیواریں لکڑیوں کی آگ کے دھوئیں سے کالی ہو چکی تھیں اور جس کے واحد کمرے کی چھت ذرا سی بارش برسنے پر بھی ٹپکنے لگتی تھی۔ امی اللہ میاں کے پاس نہ چلی جاتیں تو شاید میں اسکول کی شکل بھی نہ دیکھ پاتی۔ امی تو مجھے کسی سرکاری اسکول میں بھی نہ پڑھا سکتیں۔"

اس کے شعور نے وقت کے ساتھ ساتھ اسے اس کے سوالوں کے مکمل اور مدلل جواب دینے شروع کر دیے تھے۔

"اور یہ گھر جس میں میں رہ رہی ہوں در حقیقت میرا نہیں ہے۔ میں یہاں مجبوری میں بلکہ دوسرے الفاظ میں دنیا والوں کے طنز و تشنیع سے بچنے کے لیے لائی گئی ہوں۔ یہ گھر چھوٹے ماموں کا ہے۔ بہت اچھے ہیں چھوٹے ماموں جو مجھے یہاں لے تو آئے' بڑے ماموں سے تو یہ بھی نہ ہوا اور جو میں بی بی جان کے

ساتھ رہ رہی ہوں نا تو یہ اس لیے ہے کہ چھوٹے ماموں مجھے نانا کے غضب سے بچانا چاہتے ہیں نہ میں ان کے سامنے آؤں گی نہ ہی نانا کو غصہ آئے گا۔"

اب یہ نانا کے غضب والی واحد بات تھی جو اسے بی بی نے بتائی تھی۔ سنا تھا کہ نانا آبگینن کی امی سے سخت ناراض تھے کیونکہ انہوں نے نانا سے بغاوت کر کے اس کے ابو سے شادی کر لی تھی۔

"جب تمہاری امی کے انتقال کی خبر یہاں پہنچی اور سب سوچنے لگے کہ تمہارا کیا بنے گا تو تمہارے نانا نے کہا۔ "اس بچی کو بھی ماں کے ساتھ ہی دفن کر آؤ۔ لو کفن کے پیسے میں دیتا ہوں۔" بی بی نے اسے بتایا تھا۔

"اوہ پھر تو چھوٹے ماموں بہت بہادر نکلے، مجھے زندہ دفن کرانے کے بجائے اپنے ساتھ یہاں لے آئے۔ مجھے اپنی محرومیوں پر ناراض ہونے اور خود ترسی میں مبتلا ہونے کے بجائے شکر کرنا چاہیے کہ میں زندہ بچ گئی کیا ہوا جو ملازموں کی ہیڈ بی بی جان کے ساتھ رہتی ہوں اور ان سہولتوں سے محروم ہوں جو چھوٹے ماموں کے اپنے بچوں کو حاصل ہیں۔ جی رہی ہوں، کھا پی رہی ہوں، پہن اوڑھ رہی ہوں، پڑھ بھی رہی ہوں۔ کوئی بات نہیں کہ معیار زندگی ان لوگوں سے مختلف اور کم ہے۔"

اس طرح کے سبق دہرانے میں وقت ہی کتنا لگتا تھا خصوصاً "جب الف سے لے کر ے تک ازبر ہو۔ اسی لیے اس کو دیکھ کر کسی کو یہ گمان نہیں ہو سکتا تھا کہ اس کے اندر کوئی دکھ بھی ہو گا۔ اکثر تو یہ بھی سمجھتے تھے کہ اس کا دماغ سوچ سے عاری ہے۔ کچھ تو اس کے ساتھ وہ سلوک کرتے تھے جو ذہنی طور پر نابالغ بچوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اور اسے اگر شکوہ تھا تو اسی قسم کے سلوک سے تھا۔ ایسا کرنے والوں کے ساتھ وہ عموماً" ردعمل کے طور پر اسی طرح کا سلوک کرتی جو کوئی مجذوب خود پر پتھر پھینکنے والوں کے ساتھ کیا کرتا ہے۔

"یہ ایک بدتمیز، منہ پھٹ، بدتہذیب، بے شعور لڑکی ہے۔" اس کے بارے میں یہ فتویٰ چھوٹی ممانی کی طرف سے جاری ہوا تھا اور پھر اوروں نے اس فتوے کو تسلیم کرتے ہوئے اسے اپنی اپنی اچھی کتابوں کی فہرست سے نکال باہر کیا تھا۔

اس کا باپ بھی سنا تھا۔ ذہنی مریض تھا، مہرالنساء اسی کی دی ہوئی ذہنی اذیتوں کے ہاتھوں مر گئی، اب یہ جینز کا ہی اثر تو لگتا ہے ورنہ ایک پڑھے لکھے، سلجھے ہوئے ماحول میں رہ کر پلنے بڑھنے والی لڑکی اتنی بدتمیز اور بدتہذیب کیسے ہو سکتی ہے۔"

یہ اس کی چھوٹی خالہ کا تبصرہ تھا جو سال میں ایک آدھ بار بچوں کی چھٹیاں گزارنے چھوٹے ماموں کے گھر آیا کرتی تھیں۔ ایک بار اس نے چھوٹی خالہ کی اپنے بارے میں اسی قسم کی گفتگو سن لی تھی اور ایک شکوہ بھری نظر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا بھی تھا لیکن وہ سر جھٹک کر منہ موڑ گئیں۔

اس روز سے اس کی زندگی کی کتاب میں سے نانا، بڑے ماموں اور چھوٹی خالہ کے نام پر کراس لگ گیا۔ باقی بچے، چھوٹے ماموں اور بڑی خالہ، یہ دونوں اور کچھ نہیں تو اسے انسان تو سمجھتے تھے۔

چھوٹے ماموں نے اسے گھر میں جگہ دے رکھی تھی، اس کی ضروریات اور پڑھائی کا خرچا اٹھاتے تھے۔ اور بڑی خالہ جب بھی آتیں۔ کلثی کے پرانے جوڑے، سویٹر، چادریں اور جوتے اسے پہننے کے لیے دے جاتیں۔ زندگی میں اسے اور چاہیے بھی کیا تھا۔ لہٰذا اپنی یہ ضرورتیں پوری ہو جانے پر وہ ان دونوں رشتوں کی دل سے ممنون تھی۔



"آئس کریم کے یہ دو اسکوپ تمہاری صحت کے نام۔" سلجوق نے ہاتھ میں آئس کریم کپ اٹھائے لڑکی کو مسکرا کر دیکھا اور ہاتھ میں پکڑی چابی اگنیشن میں ڈال دی۔

"جتنی آئس کریم تم اب تک مجھ سے کھا چکی ہو، میری صحت عمر بھر اچھی رہنے کی امید ہے۔" اس نے گاڑی بیک کرتے ہوئے پارکنگ سے نکالی۔

''آئس کریم' چاکلیٹ اور پرفیوم ہی تو زندگی ہے۔'' وہ ٹھٹھرتے ہاتھوں میں آئس کریم کپ تھامے بولی ''ارے ہیٹر تو آن کردو پلیز۔''

''بھلا تمہیں مصیبت کیا ہے جو قلفی جمادینے والی سردی میں آئس کریم کھارہی ہو' ٹھنڈ تو لگے گی۔'' سلجوق نے جھلا کر ہیٹر آن کیا۔

''یہ تو میں یونہی کہہ رہی ہوں۔'' وہ اپنے پسندیدہ آئس کریم فلیور کے ذائقے پر آنکھیں بند کرکے جھومی۔ ''گاڑی میں بیٹھے ہیں تو ہیٹر تو آن ہونا چاہیے۔ ورنہ میں اس روشنیوں میں جھلملاتی دھند بھری سڑک پر پیدل چلتے ہوئے آئس کریم کا پورا کارٹن کھاجاؤں اور مجھے ٹھنڈ نہ لگے۔''

''تم عجیب سرپھری لڑکی ہو' تمہاری فینٹیسیز بھی عجیب ہی ہوتی ہیں۔'' وہ دھند بھری سڑک پر ارتکاز کرتے ہوئے بولا۔

''ہاں!'' اس نے آئس کریم کا آخری چمچ منہ میں ڈالا۔ ''اور وہ اس لیے کہ میں نیلوفر سے بہت متاثر ہوں۔'' اس نے شرارت بھری مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''اوہ یہ جان کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔'' سلجوق نے اس کے پوائنٹ پر کوئی خاص ردعمل نہ ظاہر کرتے ہوئے گویا اسے زچ کرنے کی کوشش کی۔

''سوچ رہی ہوں' کچھ دن نیلوفر کے ساتھ گزاروں۔ دیکھوں' سمجھوں' سوچوں آخر وہ ہر دوسرے انسان سے کیوں بیزار ہیں۔ کوئی تو وجہ ہوگی نا آخر.....؟''

''ضرور..... پلیز' اپنا یہ ارادہ منسوخ نہ کردینا۔ نیلوفر بھی تمہاری کمپنی میں بہت خوش رہیں گی۔'' سلجوق نے یوٹرن پر گاڑی بائیں لین میں موڑی۔

''ٹھیک ہے۔'' اور پھر اس کے بعد یا تو نیلوفر ہر دوسرے آدم سے خوش نظر آنے لگیں گی یا پھر میں آدم بیزار ہوجاؤں گی۔''

''نقصان کا سودا نہیں ہے ہر دو صورتوں میں تم دونوں کو تو ایک دوسرے کی کمپنی ہمیشہ کے لیے مل جائے گی۔'' وہ مسکرایا۔

''لیکن اس گمان میں نہ رہنا کہ میں تمہاری خاطر نیلوفر کو جاننے کی کوشش کروں گی۔'' ''کیونکہ تمہیں جیتنا نیلوفر سے دوستی کرنے سے مشروط ہے' میں ایسا نہیں سمجھتی۔'' وہ آنکھ مارتے ہوئے بولی۔

''مجھے یہ بھی وہم نہیں ہے کہ میرا وجود کسی ٹرافی کی علامت ہے۔ جسے جیتنے کے لیے کوشش کی ضرورت ہے۔'' وہ اس روز اسے زچ کرنے پر تلا ہوا تھا۔

''گویا تم بغیر کسی کوشش کے آپ ہی آپ گود میں آ گرنے والے پکے ہوئے پھل ہو۔''

''حقیقت یہ ہے کہ میں پھل تو ہوں ہی نہیں' تمہاری تشبیہہ غلط ہے۔'' وہ ایک بار پھر مسکرایا۔

''تو پھر تم کیا ہو؟''

''میں ایورسٹ ہوں امائزہ' مجھے سر کرنے کے لیے جان جوکھم میں ڈالنا پڑتی ہے۔'' اس کے لہجے میں اعتماد جھلکا۔

''اور تم جانتے ہو کہ مجھے جان جوکھوں میں ڈالنے سے ڈر نہیں لگتا۔''

''جانتا ہوں' لیکن میں تمہیں چیلنج نہیں دینا چاہتا۔ میں چاہتا ہوں تم جو کام کررہی ہو' اسے پورے دھیان اور توجہ کے ساتھ کرو۔''

تم نے جو چیلنج دیا ہی نہیں' سمجھو وہ میں نے لے لیا مسٹر ایورسٹ! میں تمہیں نذیر صابر کی فین بن کر دکھاؤں گی۔'' اس کے لہجے میں کھنک تھی۔



''تم جانتے بھی تھے کہ کل بابا کی برسی تھی اور گھر پر ان کی یاد میں تقریب رکھی تھی میں نے..... تمہارا اس تقریب میں شرکت کرنا ضروری نہیں تھا کیا؟'' وہ ٹوسٹ پر لگے جیم کا شہد آگیں رنگ دیکھتے ہوئے نیلوفر کی ڈانٹ سن رہا تھا۔

''ملک کے دو نامور دانش وروں نے بابا کے حالات زندگی پر مضمون پڑھے اور وہ جو سلیم کا دوانی ہے' نیلوفریات کرتے ہوئے رکیں اور اپنی پلیٹ میں چمچ

بجاتے ہوئے اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔
"سن رہے ہو میری بات؟"
"جی سن رہا ہوں۔" وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔
"کیا کہہ رہی تھی میں بھلا؟" نیلوفر کو دوسروں کا امتحان لینے کا بہت شوق تھا۔
"سلیم کا دوانی۔" اس نے نیلوفر کی طرف دیکھے بغیر کہا "وہ جو اہرام مصر کے پس منظر پر منظوم کہانیاں کہتا ہے۔"
"ہوں!" انہیں اطمینان ہو گیا کہ ان کے مخاطب نے کانوں کے سوئچ بند نہیں کر رکھے تھے۔
"سلیم نے بابا کے لیے کیا خوب صورت نظمیں کہیں ' ایک نہیں دو ' دو۔" انہوں نے خشمگیں نظروں سے اپنے اس چھوٹے بھائی کی طرف دیکھا جو ان کے خیال میں بہت سے رشتوں کے لاڈ پیار سے بگڑ چکا تھا۔
"اچھی بات ہے۔" وہ لمبا سانس کھینچتے ہوئے بولا۔
"اور سب مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ تمہارا بھائی کہاں ہے 'کیا اسے مرے ہوئے باپ کی برسی میں کوئی دلچسپی نہیں۔۔۔ اب میں انہیں کیا بتاتی۔" ایک بار پھر رک کر نیلوفر نے اسے گھورا تھا "یہ کہ میرے بھائی کو مرے ہوئے باپ سے زیادہ زندہ چچا اور اس کی زندہ دل بیٹی میں دلچسپی ہے اور وہ اسی کے ساتھ اپنی شامیں گزارنا زیادہ پسند کرتا ہے۔"
سلجوق نے ٹھنڈا ہوتا توسٹ اٹھا کر ایک ٹکڑا دانتوں سے کاٹا اور منہ چلانے لگا۔
"بہت پیارے ہیں نا چھوٹے چچا تمہیں 'کل شام رہے بھی ان کے ساتھ ہی ہو گے۔ ان سے یہ بھی پوچھنا تھا کہ انہیں کل کی تاریخ یاد تھی یا تمہاری طرح وہ بھی بھول گئے ؟" نیلوفر کا لہجہ ایک عام سی بے ضرر بات کہتے ہوئے بھی اتنا ہی کاٹ دار ہوا کرتا تھا پھر یہ تو سوال ہی ایسا تھا۔

"میں نے ان سے یہ نہیں پوچھا۔" اس نے اطمینان سے توسٹ کا ٹکڑا دانتوں سے توڑتے ہوئے اسے چبایا۔
"لیکن یقیناً" انہیں کل کی تاریخ بھولی نہیں ہو گی ' بلکہ اس کے محرکین بھی ضرور یاد ہوں گے۔" اس نے یہ بات بھی نیلوفر کی طرف دیکھے بغیر کہی تھی۔
"کیونکہ ایک محرک تو وہ خود ہیں۔" نیلوفر تلخی سے مسکرائیں "اور دوسرا محرک بابا کا وہ ایڈونچر جو انہیں ڈھلتی عمر میں کرنے کا شوق چرایا تھا۔"
"گیت!" سلجوق کے تصور میں وہ صورت ابھری "گیت کوئی ایڈونچر تو نہیں تھیں۔ وہ تو بابا کی محبت تھیں ' چشم غزال اور گلابی عارض۔" اسے گیت کی ایک تصویر کے پیچھے بابا کے ہاتھ سے لکھے الفاظ بھی یاد آ گئے 'انسان کو کسی سے کسی بھی عمر میں محبت ہو جائے تو ذہن میں محبوب کی تعریف کے لیے کیسے کیسے الفاظ آنے لگتے ہیں 'جب ہی تو بابا جیسا ماہر اقتصادیات بھی اردو شاعری سے "چشم غزال اور گلابی عارض جیسے الفاظ چھاپنے پر لگ گیا۔ سلجوق کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑی۔
"زندگی روگ بنا دی اس عورت نے میرے باپ کی۔" "تمہیں پتا ہے جب اس منحوس عورت سے شادی کر لینے پر میں نے بابا کی شکایت دادا سے لگائی تو وہ کیا بولے تھے۔" نیلوفر نے اس کی طرف دیکھا سلجوق نے سر جھکا لیا۔
"وہ کہنے لگے 'ایک زمانے میں ڈھاکہ اور بنگال کا جادو بہت مشہور ہوا کرتا تھا۔ سنتے تھے وہاں کی عورتیں مردوں کو اپنا اسیر بنا کر مکھی میں تبدیل کر دیتی تھیں اور انہیں اپنی دیواروں سے چپکا کر رکھا کرتی تھیں 'تو اگر واقعی اس عورت کا تعلق بنگلہ دیش سے ہے نا تو بس سمجھ لو کہ اس نے اورنگ زیب کو اپنے جادو سے اسیر کر لیا ہے۔"
"اور اس کے بعد ہم اس جادو کا توڑ کرنے میں مشغول ہو گئے۔" سلجوق نے فساد سے بچنے کے لیے

آپ کے بجائے ہم کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے کہا "اور اس توڑ جوڑ نے بابا کا ناتا زندگی ہی سے توڑ دیا۔" وہ افسردگی سے بولا۔

"تم ہمیں کیوں مورد الزام ٹھہرا رہے ہو، ہم تو متاثرین تھے، مظلوم تھے سوتیلے رشتوں کا شکار ہو رہے تھے۔ وہ منحوس عورت اور اس کی وہ جوان بیٹی۔ اوہ! مجھے ان کی شکلوں کے تصور سے بھی نفرت ہے۔" نیلوفر نے شانے جھٹکتے ہوئے چہرے کا زاویہ یوں بگاڑا جیسے کسی انتہائی کریہہ شے کا نظارہ کر لیا ہو۔

"میرا خیال ہے کہ ناپسندیدہ لوگوں کے تذکرے سے پرہیز ہی کیا جائے تو بہتر ہے۔" سلجوق نے نیچی آواز میں کہا۔ گیتی آرا اور پری وش کا اس انداز میں ذکر یقیناً" اسے بہت برا لگتا تھا لیکن وہ نیلوفر کو اپنی سی کہہ دینے سے روک بھی نہیں سکتا تھا۔

"ہاں نہیں کرنا چاہیے ایسے لوگوں کا ذکر جن کے وجود سے اپنے گھر کو آپ نے بمشکل پاک کیا ہو" اس کی توقع کے برعکس نیلوفر نے فوراً" ہی اس کی بات مان بھی لی تھی۔

"لیکن چچا کو جو بابا کے سگے بھائی ہیں، ان کی برسی کی تاریخ یاد نہ رکھنے پر کیسے معاف کر دوں" گیت اور پری کے تذکرے سے ہٹ کر نیلوفر دوبارہ چچا کے ذکر پر آگئی تھیں۔

"ایک گھنٹہ اور گیا۔" سلجوق نے سوچا اور اب کے حقیقت میں اس نے اپنے کانوں کے سوئچ بند کر لیے۔



پیلی پڑتی سفید شلوار قمیص پر سیاہ سویٹر اور سیاہ شال اوڑھے وہ اپنے ٹھٹھرتے ہاتھوں کو شال بلکہ سویٹر کے اندر گھسائے فٹ پاتھ پر تیز قدموں سے چل رہی تھی۔ سرکاری گرلز کالج کی عمارت بس چند ہی قدم دور رہ گئی تھی۔ دائیں جانب مڑتی سڑک کے موڑ پر نصب بجلی کے کھمبے کے قریب وہ آوارہ اور شرارتی لڑکے کھڑے تھے، جو ہر صبح گھر سے کالج تک کے راستے میں جگہ بدل بدل کر کہیں نہ کہیں ضرور کھڑے ملتے تھے۔ اس نے کھمبے کے قریب سے تیزی سے گزر جانا چاہا، لیکن اس کی اس کوشش سے پہلے ان چاروں لڑکوں میں سے ایک ہاتھ میں پکڑی پانی کی بوتل سے ہوا میں پانی کا چھڑکاؤ کر چکا تھا۔ کھمبے کے اردگرد اور اس کے نیچے اینٹیں نہ ہونے کے باعث کچی مٹی اور گرد ایک چھوٹے سے ڈھیر کی صورت میں پڑے تھے۔

پانی کے چھڑکاؤ نے اس ڈھیر کو کیچڑ بنا کر اچھالا اور کیچڑ کے وہ چھینٹے آبگینہ کے یونیفارم اور سیاہ جوتوں کو داغدار کر گئے... اس کا دل دانت پیستے ہوئے ان لڑکوں کو گالیاں دینے کو چاہا لیکن اس بھرے چوک میں اپنا تماشا بننے کا تصور صرف اس کی آنکھوں میں بے بسی کے آنسو چمکا کر گزر گیا۔ کیچڑ کے نقش و نگار سے مزین کپڑوں اور جوتوں سمیت وہ آگے چلتی چلی گئی۔

کالج کے گیٹ سے گزر کر اندر جانے سے پہلے اس نے مڑ کر دیکھا۔ وہ لڑکے وہیں کھڑے اس پر ہنس رہے تھے اور یقیناً" اس کے بارے میں بلند آواز میں جملے بھی

اچھال رہے ہوں گے۔
کیچڑ کے چھینٹے زیادہ تکلیف دہ تھے یا وہ ان لڑکوں کے کسے جملے وہ فوری طور پر فیصلہ نہ کرپائی تھی۔



اباجی کے واپس لوٹنے کی خبر انہیں عفت نے دی تھی۔ کیسا اتفاق تھا کہ ان کا باپ اکثر اپنے بیٹے کے بجائے بہو سے بات کرنا زیادہ پسند کرتا تھا۔ اسی لیے اپنے بارے میں ان کا خیال تھا کہ انہیں رشتوں کو ان کی حیثیت کے مطابق نبھانا نہیں آتا تھا۔ جب ہی ان کا باپ ان کی بیوی سے بات کرنے اور اپنی بات سمجھانے میں سہولت سمجھتا تھا ان کا بیٹا ان سے زیادہ اپنے ماموں سے بے تکلف تھا اور بیٹی ان کے بھتیجے سے۔

"اباجی ہم سب سے فرار حاصل کرکے بہزاد اور ہمایوں کے پاس وقت گزارنے گئے تھے' ورنہ تو لمبی مدت کا تھا لیکن لگتا ہے دائیں بائیں دیکھ لینے کے بعد سٹ پٹا کر واپس بھاگ آنا چاہتے ہیں۔"

"بہزاد اور ہمایوں۔" ان کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری۔ نیلوفر سے فرار حاصل کرکے کینیڈا جابسے' یہ اور بات کہ نیلوفر سے نہ تو نجات ممکن ہے نہ ہی فرار۔

"اور خود نیلوفر۔" انہیں اپنی پیاری بھتیجی کا خیال آیا۔ پرفیکشن کے مرض میں مبتلا لڑکی' رشتے جس کے ترازو میں بیلنس نہیں ہوپاتے۔ جب ہی تو سگا بھائی اور اصلی شوہر' کینیڈا میں جان چھپائے پناہ گزین ہوئے بیٹھے ہیں اور اسے ان سے دوری کھلنے کے بجائے اس وقت کا انتظار ہے جب ترازو کے ایک پلڑے میں بہزاد اور ہمایوں ہوں گے اور دوسرے میں خود نیلوفر اور دونوں پلڑے ہم وزن نکلیں گے۔ ایک اور قسم کی خود فریبی۔" وہ دل ہی دل میں ہنسے۔

"گیتی آرا میرے مرحوم بھائی کی بنگالی بیوی اور اس کے پہلے شوہر کی بیٹی پری وش۔ گیتی آرا جو میرے بھائی کی محبت تھی اور اس کی خواہش بھی لیکن اس بی بی سے محبت کرنے کے بعد اسے بیاہ لانے کی خواہش کرتے ہوئے وہ بھول گیا کہ یہاں محبت کرنے کی سزا عمر بھر معاف نہیں ہوتی۔ اس سزا سے مرکر ہی آزاد ہوا جاسکتا ہے۔ اسے اپنی بہن افروز کی زندگی' اس کی محبت اور محبت کی شادی کا قصہ شاید بھول گیا تھا۔ جب ہی وہ گیتی آرا کو بیاہ لایا' گیتی آرا کے ساتھ پری وش بھی اس کے گھر کی مکین بن گئی۔

جس دن ایسا ہوا' اسی دن محبت کے جرم کی عمر قید کا آغاز ہوگیا۔ اس بار منصف اگرچہ اباجی نہیں تھے لیکن نیلوفر کو ان کی ایسی آشیرباد حاصل تھی کہ جہانگیر بھائی کی محبت گلوں' شکووں' شکایتوں' جذباتی تقریروں اور مگرمچھ کے آنسوؤں کے پیچھے چھپتی چلی گئی' دل' خواہش' محبت اور سرشاری پس منظر میں چلے گئے اور پیش منظر میں صرف اور صرف نیلوفر رہ گئی' جس پر باپ کی دوسری شادی ظلم بن کر ٹوٹی تھی اور جو اپنی مری ہوئی ماں کی جگہ کسی دوسری عورت کو دینے پر ہرگز تیار نہ تھی۔"

ان کی نظروں کے سامنے ماضی کے وہ تلخ اور طویل دن گھوم گئے' جب ان کے بھائی کا گھر ایک جنگی محاذ کا منظر پیش کرتا تھا اور جس فوج کے گھوڑے پسپا ہوکر سٹ پٹائے ہوئے پیچھے کی طرف بھاگ رہے تھے اس کا سپہ سالار خود ان کا بھائی تھا۔ سدا کی ضدی' من موجی اور انتہا پسند نیلوفر' گیتی آرا سے نفرت کی آگ میں ایسی سلگی کہ اسے یہ بھی نظر نہیں آیا اس معتدل مزاج' صابر' باشعور' تعلیم یافتہ اور تجربہ کار عورت نے اس کے باپ اور اس کے گھر کو کیسی عمدگی سے سنبھال لیا تھا۔ اس کے دو چھوٹے بھائی جس عورت کے ایسے گرویدہ ہوئے تھے کہ ماں سے محرومی کا دکھ بھولنے لگے تھے۔ اسے یاد تھا تو بس یہ کہ گیتی آرا' اس کی ماں کے گھر پر قبضہ کرچکی تھی اس کے باپ کا دل گیتی آرا کا مفتوحہ علاقہ بن چکا تھا۔

گیتی آرا سے نفرت کی آگ نے اپنی تپش کا احساس ہر کسی کو دلایا تھا لیکن جہانگیر کو تو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا' وقت گزرتا رہا اور جہانگیر اس آگ میں جل کر خاکستر ہوتے چلے گئے۔ آخری بار

جب میں ان سے ملنے گیا تو ان کی زبان ان کے الفاظ کا ساتھ چھوڑ چکی تھی' وہ خوبصورت آواز کہیں گم ہو چکی تھی۔ ایک جامد بے بسی کے احساس کے ساتھ انہوں نے نظر اٹھا کر مجھے دیکھا اور اپنا لرزتا ہوا ہاتھ ہوا میں اٹھا دیا گویا کہہ رہے ہوں۔

"سب خاک ہے عالمگیر! سب خاک ہے۔"

انہوں نے مرحوم بھائی کے آخری بار دیکھے چہرے کے تصور سے دھیان ہٹانے کو دوسری طرف دیکھا۔ لیکن انہیں بھائی کی آنکھ سے لڑھکتا وہ آخری آنسو تو تادم مرگ نہیں بھول سکتا تھا۔

"برا کیا تم نے نیلوفر!" انہوں نے دکھ کے اس لمحے کو حلق سے اتارتے ہوئے سوچا "اپنی غرض کے لیے تم کتنے ہی بے ضرر انسانوں کی زندگیوں سے کھیل گئیں۔" انہوں نے سر جھکا کر اپنی نم آنکھوں کو ہاتھ سے خشک کیا۔

"نجانے کہاں ہے اب گیتی آرا اور کس حال میں رہ رہی ہوگی' جہانگیر بھائی کے انتقال کے بعد نیلوفر نے اسے جہانگیر کے گھر کی ہر چیز سے بے دخل کرتے ہوئے جیسے گھر سے نکالا تھا۔ زندگی کا وہ ایک لمحہ بھی انہیں اچھی طرح یاد تھا۔

"اور میں!" جانتا تھا' سمجھتا تھا پھر بھی نیلوفر کو روک پایا نہ ہی گیتی آرا کی خبر لے پایا کیونکہ خود میں بھی تو اپنے گھر میں خود فریبی میں مبتلا لوگوں کے درمیان رہ رہا ہوں۔ میں اور میری بیوی عفت ایک دوسرے کے لیے اباجی کا انتخاب تھے۔ شاید اسی انتخاب کے احترام میں عمر گزر گئی۔ نہ وہ میرے دل کے قریب آکر مجھے سمجھ پائی نہ ہی میں نے اس کے دل تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی' ہم اپنی زندگیوں میں امائزہ عالم گیر اور ذوالکفل عالمگیر کے حصول کو ہی اپنا اعزاز سمجھتے ہوئے زندگیاں گزارتے رہے۔

"اور اب یہ ہے کہ اباجی' بہزاد اور ہمایوں کے پاس رہنے کے بعد واپس آرہے ہیں اس بار نیلوفر کے پاس ٹھہرنے کے بجائے میرے گھر میں ٹھہریں گے اور یہ اطلاع مجھے دیتے ہوئے عفت نے مجھے جتانے والی نظروں سے دیکھا تھا بھلا کیوں دیکھا تھا۔"

انہوں نے سر اٹھا کر سامنے دیکھتے ہوئے سمجھنے کی کوشش کی۔

"ہاں یاد آگیا' کیوں دیکھا تھا؟" پھر انہوں نے سر ہلاتے ہوئے سوچا اور اٹھ کر اپنی لائبریری سے باہر آگئے۔ لائبریری سے باہر کوریڈور خالی پڑا تھا۔ وہ کوریڈور سے گزر کر باہر نکلے۔ ان کے سامنے وسیع وعریض سر سبز لان تھا جس کی نرم ہموار گھاس پر سرما کی دھوپ بکھری ہوئی تھی۔ سیڑھیاں اتر کر وہ ٹائل سے بنی روش پر چلتے چلتے گھر کی مرکزی رہائشی عمارت کے دائیں جانب بنے قطار در قطار کمروں کی طرف چل دیے۔ حسب توقع وہ انہیں ان کمروں کے پچھواڑے موجود چھوٹے سے صحن میں کائی زدہ آبی فوارے کی منڈیر پر بیٹھی ملی۔ اس کی گود میں کوئی کتاب تھی اور خود وہ آنکھیں موندے گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھی تھی۔

"مجھے تمہیں بتانا تھا کہ اباجی واپس آرہے ہیں۔ وہ یہیں ٹھہریں گے۔ تم ذرا احتیاط سے رہنا۔" رسمی حال احوال پوچھنے کے بعد انہوں نے اس سے کہا تھا۔

"میں تو ویسے بھی اس طرف نہیں جاتی سوائے کھانا کھانے کے لیے۔ وہ بھی صرف کچن تک۔" اس نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"میں بی بی سے کہہ دوں گا' تمہارا کھانا بھی ادھر ہی پہنچا دیا کریں۔" انہوں نے نیچی آواز میں کہا اور بازو کمر کے پیچھے باندھے واپس جانے کے لیے مڑ گئے۔ وہ ان سے ایک دو باتیں اور بھی کرنا چاہتی تھی لیکن انہوں نے اس کا موقع اسے دیا ہی نہیں تھا۔

"مجھے مان لینا چاہیے کہ میں نے ایک ایسی بھاری ذمہ داری سر پر لے لی ہے۔ جو نہ بھی لیتا تو کوئی فرق نہ پڑتا۔"

آہستہ قدموں سے چلتے واپس گھر کی طرف آتے انہوں نے سوچا تھا اور ایسا سوچتے ہوئے انہیں یقین تھا کہ وہ شہد رنگ حیران آنکھیں ان کو اس وقت تک دیکھتی رہیں گی جب تک وہ ان کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہو جائیں گے۔

☆ ☆ ☆

سلجوق کو اپنے سگے بڑے بھائی بہزاد سے بات کرتے ہوئے ہمیشہ دقت محسوس ہوتی تھی۔ اگرچہ بہزاد اور وہ خود بچپن سے ہی نیلوفر کے استحصال کا شکار ہوتے رہے تھے ایسے میں ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے قریب ہو جاتے لیکن عمروں میں صرف دو سال کے تفاوت کے باوجود دونوں کے درمیان کئی ایک عمر کا فاصلہ سا کھڑا محسوس ہوتا تھا۔

دونوں کی شخصیتوں میں بھی زمین آسمان کا سا فرق تھا۔

بہزاد ' شہر کی سب سے بڑی اور ملک کی نامور یونیورسٹی سے الیکٹریکل انجینئرنگ کر رہا تھا جب اس سے دو سال بعد سلجوق نے اسی یونیورسٹی کی ایڈمیشن لسٹ میں پہلے دس نمبروں پر نام آنے کے باوجود کمپیوٹر سائنس میں داخلہ لے لیا۔ یہ پہلا موقع تھا جب بہزاد پوری طرح ایک بڑے بھائی کے روپ میں اس کے سامنے آیا۔ اسے سلجوق کے انتخاب پر حیرت ہی نہیں غصہ بھی تھا۔

"میری ترجیحات کی فہرست میں پہلی ترجیح میں یہ ہی درج تھا۔" سلجوق نے بے نیازی سے جواب دیا تھا۔

"تم جانتے ہو کہ وقت بدل رہا ہے اور وقت کی ترجیحات بھی۔" بہزاد کو اس کی بے نیازی نے اور بھی چڑا دیا تھا۔

"وقت کے بدلنے کی بات نہ کریں 'وقت سے بڑا ڈراما باز میں نے کوئی اور نہیں دیکھا۔ جب جی چاہتا ہے بڑے بڑے کروٹ بدل لیتا ہے۔ وقت کی ترجیحات پر بھروسا کون کرے۔" سلجوق بدمزہ ہو کر بولا تھا۔

"ٹھیک ہے پھر جب چار سال کی ڈگری کے بعد بھی کوئی مناسب پروفیشنل کیریر نہ بنا پائے تو گلہ نہ کرنا۔" اس کی مسلسل بے نیازی کو دیکھ کر بہزاد واپس اپنے خول میں گھس گیا تھا۔

"گلہ!" سلجوق نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ یہاں ایسا ہے کون جس سے ہم کسی بات کا گلہ کر سکتے ہیں۔" بہزاد نے اس کے حیرت بھرے سوال کو سنا اور سر جھٹک کر اٹھ کر چلا گیا تھا۔ جاتے ہوئے اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔

اور یہ وہی وقت تھا جب بابا کی وفات کے بعد نیلوفر، گیت اور پری کو گھر سے نکال باہر کرنے میں بالآخر کامیاب ہو چکی تھی۔

نیلوفر نے ایک دن بھی ان دونوں کے وجود کو تسلیم نہیں کیا تھا مگر سلجوق اور بہزاد کے لیے گیت ایک ایسا رشتہ ثابت ہوئی تھیں جس نے ماں سے بچپن میں محرومی کا ایک نامحسوس سا احساس مٹا دیا تھا۔ گھر میں نوکروں کی ایک فوج کے موجود ہوتے ہوئے بھی وہ ان دونوں کے ہر کام میں ذاتی دلچسپی لیا کرتی تھیں۔ دونوں کا کھانا پینا 'لباس ' تعلیم سب گیتی آرا کے ذاتی معاملات بن چکے تھے۔ نیلوفر کی گھرکیوں 'طعنوں اور شکووں کے باوجود وہ دونوں گیتی آرا کے وجود کے نرم گرم احساس کے عادی ہو چکے تھے۔

"بہت آسان کام ہے۔" نیلوفر ان دونوں کی اس روش کی شکایت دادا سے کرتی تو وہ اسے طرح دیتے ہوئے کہتے "جو سب وہ عورت تمہارے دونوں بھائیوں کے لیے کرتی ہے 'وہ سب تم کرنے لگو تو وہ خود بخود اس سے دور اور تمہارے قریب آنے لگیں گے۔

"میں!" سلجوق کو اچھی طرح یاد تھا 'دادا کے مشورے پر نیلوفر نے تیوری چڑھاتے ہوئے کہا تھا۔ "میں کروں وہ سب کام۔ ان کے سامنے دھری پلیٹوں میں ڈونگوں سے کھانا نکال نکال کر ڈالنے کا کام' ٹھنڈی ہوتی چپاتی کو اٹھا کر گرم چپاتی رکھنے کا کام' ان کے میلے کپڑوں کے بٹن اور بکس چیک کرنے کا کام' ان کے جوتوں کو پالش اور مرمت کروانے کا کام' ان کے پورے پورے سلیبس پڑھ ڈالنے کا کام۔ دادا! آپ مجھ سے یہ سب کام کرنے کی توقع بھی کیسے کر سکتے ہیں۔"

"وہ بھی تو کر رہی ہے نا۔ تم کیوں نہیں؟" دادا نے

نیلوفر کے چلّانے پر نرمی سے کہا تھا۔
"اس کی عمر دیکھیں۔ دگنی ہے مجھ سے۔" نیلوفر نے ہاتھ نچاتے ہوئے کہا تھا "اور اس کی کلاس دیکھیں۔ خدا جانے کسی گھسیارے کی اولاد ہے یا موچی' درزی' مچھیرے کی۔ پیسہ' حسن اور سہولت' انسان کے چہرے' مزاج اور رویے کی مسکینی کو بدل سکتے ہیں نا ہی ختم کر سکتے ہیں۔"
"تم سے کس نے کہا' وہ حسین ہے۔" دادا نے غالباً" نیلوفر کو بپھرتے دیکھ کر بات بدلنے کی کوشش کی تھی۔
اس سے آگے دونوں میں کیا بات ہوئی تھی' سلجوق نے سنا نہیں تھا کیونکہ دادا کو بات بدلتے دیکھ کر وہ وہاں سے ہٹ گیا تھا' وہ جانتا تھا کہ دادا اور نیلوفر اب گیت کی شکل و صورت پر بات کرنے والے تھے اور اسے کسی کا بھی گیت کو کم صورت' سانولی بھینس جیسی آنکھوں والی کہنا گوارا نہیں تھا۔ شروع شروع میں تو گیت کو یوں موضوع گفتگو بنے سن کر اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے تھے۔ پھر اس نے احساسات پر قابو پانا سیکھ لیا۔
گیت اس گھر سے پری سمیت نکال دی گئیں اور بابا کے بعد گھر میں جو زندگی کا احساس پہلے سے کم ہو گیا تھا گیت کے چلے جانے کے بعد رفتہ رفتہ ختم ہو گیا۔ بہزاد نے تعلیم مکمل کی۔ ان ہی دنوں دادا اور نیلوفر کو ہمایوں بھائی نیلوفر کے لیے پسند آگئے۔ کم گو' مرنجان مرنج' شریف ہمایوں بھائی کا انتخاب نیلوفر کے لیے کرتے ہوئے یقیناً" دادا کے پیش نظر بہت سی مصلحتیں ہوں گی' شادی پورے دھوم دھڑکے کے ساتھ ہوئی اور ہمایوں بھائی بیاہ کر نیلوفر کے گھر آگئے۔
"نیلوفر نے محبت بھی بہت دیکھ بھال کر کی۔" بہزاد نے اس واقعے پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا تھا۔ "ایک ایسے شخص سے محبت جس کے آگے پیچھے کوئی نہیں اور جو نیلوفر کو رخصت کرا کر یہاں سے لے جانے کے بجائے خود رخصت ہو کر یہاں آجائے' اس سے بہتر انتخاب اور کیا ہو سکتا ہے۔"
لیکن ہمایوں بھائی حکم کا غلام ثابت نہ ہو سکے۔

نیلوفر انہیں اس طرح چلانا چاہتی تھیں جیسے ان کا دل چاہتا تھا۔ ہمایوں بھائی اس صورت حال سے زیادہ دیر سمجھوتا نہ کرپائے، لیکن چونکہ شریف اور وضع دار انسان تھے اس لیے نیلوفر کو چھوڑ دینے کے بجائے خود کو نیلوفر سے دور اتنے فاصلے پر لے گئے جہاں ان دونوں کے درمیان آئے روز کی کج بحثیوں کی گنجائش نہیں رہی تھی۔

انہوں نے کینیڈا جا بسیرا کرلیا۔ کارپوریٹ لاء کے ماہر تھے۔ کینیڈا میں کافی عرصہ گروسری شاپ پر نوکری کرتے رہے۔ لیکن وہ بھی ان کے نزدیک گھاٹے کا سودا نہیں تھا۔ کینیڈا چلے جانے کے بعد سے اب تک نیلوفر کے ساتھ تعلقات خوشگوار ہی چلے آرہے تھے۔

بہزاد نے ڈگری لینے کے بعد کچھ عرصہ پاکستان میں جاب کی اور پھر وہ بھی ہمایوں بھائی کے پاس چلا گیا۔ دونوں وہاں اکٹھے رہ رہے تھے اور خوش تھے۔ گزشتہ سال دونوں نے دادا کو بھی اپنے پاس بلالیا تھا۔ دادا وہاں کسی ایسی بیماری کا علاج کرانے گئے تھے جو غالباً" انہیں لاحق ہی نہیں ہوئی تھی۔

"جس بیماری کا نام "نیلوفر" ہو، وہ لاحق نہیں ہوا کرتی کیونکہ وہ پیدائشی ہوتی ہے اور دنیا بھر کے ڈاکٹر بھی سر جوڑ کر بیٹھ جائیں تو اس بیماری کا علاج نہیں کر سکتے بلکہ وہ تو اس کے روٹ کاز تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔" اس صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے پری نے ایک بار کہا تھا۔

یونیورسٹی کے آخری دنوں میں سلجوق کا تعلق گیت اور پری سے دوبارہ جڑ گیا تھا۔ نیلوفر کے ہاتھوں اس گھر سے نکلنے کے بعد گیت، پری کو لے کر کراچی چلی گئی تھیں۔ لیکن اس شہر میں رہ نہ پائیں اور انہیں لوٹنا پڑا تھا اور اب وہ ایک مقامی کالج میں پڑھا رہی تھیں۔ پری انٹیریر ڈیزائننگ کے کورسز مکمل کرچکی تھی اور اپنا ذاتی کام کررہی تھی۔ دونوں لاہور میں ایک چھوٹے سے گھر میں رہ رہی تھیں۔

درمیانی وقفے کے بعد پہلی بار گیت اور پری کو اتفاقی طور پر کپڑوں کی ایک دکان پر سامنے پاکر سلجوق کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ان سے کیا کہے۔ وہ گرما کی ایک خوشگوار شام تھی، دنوں کی تپش اور حبس بھرے موسم کے بعد بادل برسے تھے! وہ دونوں بارش رکنے کا انتظار کرنے کے لیے اس دکان پر کھڑی ہینگرز پر لٹکے ملبوسات دیکھ رہی تھیں جب اسی دکان پر خریداری کرتے سلجوق کی نظر گیت پر پڑی تھی اسے یہ خیال آیا تھا کہ وہ زیادتی کرنے والے قبیلے کا فرد تھا اور وہ دونوں اس زیادتی کا شکار ہوئی تھیں۔ ان کا ردعمل کیا ہو سکتا تھا، شاید اسی لاشعوری خوف کے تحت اس نے دائیں بائیں نظریں گھماتے ہوئے کسی راہ فرار کو تلاش کرنا چاہا تھا۔ لیکن وہ گیت تھیں جو تیز قدم چلتیں اس کے قریب آکھڑی ہوئی تھیں۔

"تم تو اچانک سے اتنے بڑے ہوگئے سلجوق! ادھر میری طرف دیکھو۔۔۔ میرے ٹال' ہینڈسم بوائے۔"
بس یہ ہی پیار بھرا جملہ درمیان کے سارے فاصلے مٹاتا ہوا سلجوق اور گیت کے تعلق کو دوبارہ جوڑ گیا تھا۔

"اصولاً" تو تمہیں بھی اپنے بھائی کے ساتھ کینیڈا میں ہونا چاہیے تھا۔" اسی شام گیت کے مختصر سے گھر کے لاؤنج میں بیٹھے پری نے سلجوق سے درمیانی وقفے کے دوران کے حالات سننے کے بعد کہا تھا۔

"شاید میں بہزاد جیسا دوٹوک نہیں ہوں۔" سلجوق نے سادگی کے ساتھ اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا۔ "یا شاید میں نیلوفر کو بالکل تنہا ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔"

"گویا تمہیں نیلوفر سے ہمدردی ہے۔" پری نے مسکرا کر پوچھا تھا۔

"شاید مجھے نیلوفر سے محبت بھی ہے۔" اس نے خود کو کہتے سنا تھا۔

"اس لیے کہ تم جہانگیر کے بیٹے ہو۔" اس کی مشکل ایک بار پھر گیت کے اس جملے نے آسان کردی تھی، جہانگیر نے بھی نیلوفر کی خاطر اپنی خوشیوں سے منہ موڑلیا۔" وہ افسردگی کے ساتھ مسکرائیں۔

"کوئی یہ مت بھولے کہ وہ نیلوفر کی خاطر اپنی خوشیوں سے منہ موڑ لینے کی کوشش میں موت کے منہ میں چلے گئے۔" پری نے ایک تلخ حقیقت یاد

دلانے کی کوشش کی۔

"آپ بھی یہ مت بھولیں کہ میں جہانگیر نہیں سلجوق ہوں۔ میرے اور بابا کے درمیان پوری ایک جنریشن کا فرق ہے اور میری کمر پر دوسروں کے تجربات کا بیگ بھی لٹک رہا ہے۔" اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا تھا۔

گیت کا دل بڑا تھا اور ظرف اعلا۔ سلجوق کے لیے شاید کچھ زیادہ ہی 'جب ہی انہوں نے اسے ایک بار پھر اپنی زندگی میں خوش آمدید کہا تھا۔ یوں کسی بھی چوتھے شخص کو پتا چلے بغیر گیت 'پری اور سلجوق کا تعلق نئے سرے سے جڑ گیا۔ گیت اور پری کی دوستی اور رفاقت اتنی خوشگوار تھی کہ سلجوق ان کے ساتھ گزرے وقت میں زندگی کی باقی سب تلخ حقیقتوں کو بھول جاتا تھا۔

گیت 'ایک بار پھر اس کے لیے سراپا ماں بن گئی تھیں اور پری 'پری کی موجودگی میں اسے ایسا لگتا جیسے زندگی میں کوئی دکھ کوئی پریشانی تھی ہی نہیں۔ وہ اس کے ہر معاملے میں یوں دلچسپی لیتی جیسے وہ معاملہ سلجوق کا نہیں اس کا اپنا ہو۔ پری کے مشورے 'اس کی نصیحتیں اور اس کا تجربہ قدم قدم پر سلجوق کے کام آنے لگا تھا گیت اور پری کے تصور میں اسے تحفظ کا ایک ناقابل بیان احساس ہوتا تھا۔



اس نے چھوٹے ماموں کو زبان دی تھی کہ وہ کسی بھی کام سے ان کی رہائشی عمارت کی طرف نہیں جائے گی اور وہ اپنی اس زبان پر سختی سے قائم تھی جبکہ وہ یہ بات بھی جانتی تھی کہ چھوٹے ماموں اس پر نظر رکھنے کے لیے گھر میں ان دنوں موجود نہیں تھے۔ بی بی اسے بتا چکی تھیں کہ وہ کاروباری نوعیت کے کسی کام کے سلسلے میں ملک سے باہر جا چکے تھے لیکن وہ زندگی کے معاملات میں ڈنڈی مارنے کی عادی نہیں تھی یا شاید اسے ڈنڈی مارنا آتا ہی نہیں تھا۔

سرما کے دن مختصر تھے اور اس کی واپسی کے فوراً" ہی بعد شام پڑنے لگتی تھی چھوٹے ماموں کی ہدایت کے مطابق بی بی 'اس کے لیے کھانا اپنے کمرے میں رکھ جاتی تھیں۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد وہ اپنی کتابیں کھول کر بیٹھ جاتی اور ان میں لکھے سبق پڑھنے کے بجائے اس خوف سے ہولنے میں وقت گزار دیتی کہ اگر چھوٹے ماموں کی واپسی میں تاخیر ہو گئی تو بارہویں جماعت کے فائنل امتحان کے لیے اس کی داخلہ فیس کہاں سے آئے گی۔ دن تیزی سے گزر رہے تھے اور فیس جمع کروانے کی آخری تاریخ قریب تر آتی جا رہی تھی۔ روزانہ کالج سے واپسی پر وہ بڑی آس اور امید کے ساتھ بی بی سے چھوٹے ماموں کے بارے میں پوچھتی اور اسے پتا چلتا تھا کہ وہ واپس نہیں آئے۔ اس کے دل کی مایوسی اور خوف گزرے کل سے زیادہ بڑھ جاتا۔

داخلہ فیس جمع نہ کروانے کا مطلب فائنل امتحان سے چھٹی یعنی پورا ایک سال ضائع ہو جانے کا امکان۔ وہ اپنے ان خوابوں کو ہواؤں میں بکھرتے دیکھتی جن میں اسے چودہ جماعتیں پڑھ لینے کے بعد کسی اسکول میں نوکری کرنا تھی اور اپنے پیروں پر کھڑے ہو جانا تھا۔

بی بی کی بھانجی آپا مسرت النساء جو خود بھی ایک سرکاری سکول میں پڑھا رہی تھی نے اسے یقین دلا رکھا تھا کہ جس روز اس کے پاس بی اے کا امتحان پاس کر لینے کا سرٹیفکیٹ آگیا۔ آپا مسرت النساء نے اپنا جو پرائیویٹ اسکول کھول رکھا تھا اس میں اس کی نوکری پکی ہو جائے گی۔

"میرے اپنے پاس اتنے پیسے ہوتے تو میں سارے تمہیں دے دیتی ..." بی بی اس کی پریشانی سن کر کہتیں۔ "لیکن تمہیں تو پتا ہے ہمیں اپنی پوری تنخواہ کمیٹیوں میں ڈال دیتی ہوں۔ میری روٹی 'پانی 'کپڑے لتے کا انتظام تو مالکوں کے گھر سے ہی ہو جاتا ہے پھر میں نے تنخواہ اپنے پاس رکھ کر کیا کرنی ہوتی ہے۔" اس گھر کے باقی سرونٹ کوارٹرز میں رہنے والے ملازموں کے حالات بھی ایسے ہی تھے۔ مہینے کے اس حصے میں اس کی مدد کرنے کے لیے کسی کے بھی پاس کچھ نہیں بچا تھا۔

"میری مانو، ہمت کرو، جا کر بیگم صاحب سے مانگ لو۔" بی بی نے اسے کئی بار ہلا شیری دینے کی کوشش کی تھی لیکن یہ وہ ہمت تھی جو آبگینہ چاہ کر بھی نہ کر پاتی تھی۔ ایسی کسی بہادری کے نتیجے میں وہ سر چھپانے کے اس آسرے سے بھی جا سکتی تھی' اسی لیے دن بھر کالج میں اور واپسی پر کوارٹر کی اس چھت کے نیچے کتاب سامنے رکھے گھٹتی رہتی تھی۔

"اللہ چھوٹے ماموں کو جلد از جلد واپس بھیج دے۔" ان دنوں اس کی نمازوں اور دعاؤں میں بھی صرف اسی ایک جملے کی تکرار ہوتی تھی۔

اس روز بھی کالج سے واپسی پر گھر کے گیٹ کے اندر داخل ہوتے ہوئے اس نے اسی امید کے ساتھ ڈرائیو وے، گیراج اور رہائشی عمارت کے داخلی دروازے کی طرف دیکھا تھا کہ شاید چھوٹے ماموں کی واپسی کا کوئی نشان نظر آجائے' اسے ایسا کوئی نشان تو نہیں ملا لیکن ڈرائیو وے پر کھڑے چوکیدار سے باتیں کرتے اس شخص کی نظر اس پر ضرور پڑ گئی تھی اور وہ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

آبگینہ اگرچہ اگلے ہی لمحے اس منظر سے نظر چرا گئی تھی لیکن اسے اچھی طرح اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ دیکھی جا چکی تھی۔



"سلجوق کے دادا واپس آچکے ہیں۔" پری نے مونگ پھلی چھیلتے ہوئے گیت کو اطلاع دی۔

"ہاں مجھے بھی بتایا تھا سلجوق نے۔" گیت کوئی کتاب سامنے رکھے اگلے روز کے لیے لیکچر تیار کر رہی تھیں۔

"اچھا!" پری نے حیرت سے انہیں دیکھا "تو آپ کو حیرانی نہیں لاحق ہو رہی کہ اس بار وہ سلجوق اور نیلوفر کے گھر کے بجائے ان کے چھوٹے چچا کے گھر کیوں ٹھہر گئے ہیں؟"

"سلجوق سے تم نے یہ سوال ضرور کیا ہو گا' اس نے جواب نہیں دیا کیا؟"

"اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا۔" پری نے کچھ دیر تک گیت کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد سر ہلاتے ہوئے کہا تھا "لیکن یقیناً" وہ نیلوفر سے بچنا چاہتے ہوں گے۔"

"نیلوفر سے بچنا ان کے لیے اتنا آسان ہو گا کیا؟ پہلی مرتبہ گیت نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"بس اپنا ٹھکانا بدلا اور نیلوفر سے جان چھوٹ گئی۔"

"تو پھر کوئی دوسری وجہ کیا ہو سکتی ہے۔" پری نے مونگ پھلی کے چھلکے ہوئے دانے ان کی طرف بڑھائے۔

"پتا نہیں۔" وہ بے نیازی سے بولیں "اس خاندان کے مرد اتنی آسانی سے سمجھ میں نہیں آ سکتے۔"

"اور اس خاندان کی خواتین؟" پری کے لہجے میں استہزا تھا۔ "ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"تم نیلوفر فار مولا کو جنرلائز کرنے کی کوشش مت کرو۔ عالمگیر بھائی کی وائف اور ان کی بیٹی امائزہ امیزنگ خواتین ہیں' بے ریا اور بے ضرر۔" گیت نے اپنی نظریں کتاب سے اٹھاتے ہوئے کہا۔

"تمہیں پتا ہے امائزہ میری اسٹوڈنٹ رہ چکی ہے۔ ابھی بھی اسی کالج میں پڑھ رہی ہے، جہاں میں پڑھاتی ہوں، میں اس کی خوبیوں کی شدید مداح ہوں۔"

"جانتی ہوں۔" پری نے منہ بنایا "آپ اس کی مداح اور وہ آپ کو جانتے ہوئے بھی آپ کو نہیں پہچانتی۔ آپ اس کے لیے صرف ایک استاد ہیں۔ میڈم گیتی آرا جہانگیر۔" اس نے گیت کو اکسانے کی کوشش کی۔

"یہ ہی تو خوبی ہے اس لڑکی میں۔" گیت مسکرائیں۔ "اس کے خاندان نے ایک بات کا فیصلہ کر لیا کہ میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھا جائے گا تو وہ اس فیصلے کا پاس رکھتی ہے۔ ہینکی پھنکی کی قائل نہیں ہے۔"

"اور سلجوق؟" پری ان کو آسانی سے بخشنے والی

نہیں تھی۔" "اس کا مطلب' وہ انتہائی بے اصول لڑکا ہے' جس کے لیے فیملی کے فیصلے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔"

"ویسے ہم اتنی دیر سے ان لوگوں کو کیوں ڈسکس کیے چلے جارہے ہیں۔ کیا ہمارے پاس کوئی اور بات نہیں کرنے کو۔" گیت نے اس کی بات کا جواب گول کرتے ہوئے کہا۔

"مان لیں گیت! سلجوق آپ کا ویک پوائنٹ ہے اور مان لیں کہ آپ میری بات ٹال گئی ہیں۔" پری نے یوں خوش ہوتے ہوئے کہا جیسے وہ گیت کے خلاف کوئی پوائنٹ اسکور کرنے میں کامیاب ہوگئی ہو۔

"مسئلہ یہ ہے کہ وہ پوری فیملی ہی جس کے ساتھ جہانگیر کی وجہ سے میرا تعلق جڑا تھا' میرا ویک پوائنٹ ہے۔" گیت نے اپنے اردگرد بکھری کتابیں سمیٹتے ہوئے جواب دیا۔ "اور مجھے ان میں سے کسی کو بھی ڈیفینڈ کرنا برا نہیں لگتا۔"

"کیونکہ آپ بھی فیملی ویلیوز کی قائل ہیں۔ ہے نا؟" پری کا لہجہ پہلے سے زیادہ تلخ ہوا۔

"ہاں اور یہ بھی میں نے جہانگیر اور ان کی فیملی سے ہی سیکھا ہے۔" گیت اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولیں۔ انہیں اب پری کے ایسے سوال پریشان نہیں کرتے تھے۔ پری کی زندگی میں اصلی خونی رشتوں کی شدید قلت تھی۔ اس نے خود کو آنکھ کھولتے ہی باپ اور اس کے خاندان سے محروم پایا تھا۔

کرنافلی پیپر ملز کے جنرل منیجر' چٹاگانگ کے رہائشی رضا الکریم سے گیت کی پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جب وہ اصفہانی پبلک کالج میں بارہویں جماعت کی طالبہ تھیں۔ کالج میں ہونے والے سالانہ اسپورٹس ویک اور کلچرل فنکشن کے ایک پروگرام میں رضا الکریم اپنی بھتیجی کی پرفارمنس دیکھنے آئے تھے اور بھتیجی کشور کی دوست گیتی آرا کو دل دے بیٹھے۔

گیتی آرا کم عمر اور معصوم تھیں۔۔۔ شکل و صورت واجبی' تعلق ایک مڈل کلاس گھرانے سے تھا۔ رضا الکریم پہلی نظر میں تاڑ گئے کہ گیتی آرا کے ماں باپ کو شیشے میں کیسے اتارا جاسکتا تھا۔

مالی طور پر مستحکم' سمجھ دار پڑھے لکھے رضا الکریم کا رشتہ گیتی آرا کے گھر میں آیا تو ان کے روپے پیسے کی تام جھام اور میٹھی زبان نے گیتی آرا کے والدین کو چوں بھی نہ کرنے دی تھی۔ گیتی آرا پڑھائی کی شوقین' ڈاکٹر بننے کی آرزو لیے کالج پہنچی تھیں' پڑھائی میں دل لگا کر محنت کر رہی تھیں تاکہ سرکاری وظیفے کے ساتھ میڈیکل کالج میں داخلہ مل جائے مگر رضا الکریم کے اسٹیٹس اور عہدے کی قینچی نے ان کے پر نکلنے سے پہلے ہی کتر ڈالے۔

چٹ منگنی پٹ بیاہ کے مصداق فروری میں ہونے والے سالانہ اسپورٹس ویک کے دوران نظر میں آجانے والی گیتی آرا اپریل کی چار تاریخ کو دلہن بنی رضا الکریم کے گلشن میں واقع چار بیڈ رومز کے اپارٹمنٹ میں اتری اور اپنے تئیں جانا کہ اس کی تو دنیا ہی بدل گئی۔ بارو پول جیسے نشیبی علاقے میں رہنے والی گیتی آرا جس کے ماں باپ کا گھر ہر سال برسات میں پانی سے بھر جاتا اور جسے اپنے بہن بھائیوں سمیت فوجی ریلیف کیمپ میں سال کے ایک دو مہینے گزارنے پڑتے تھے کے لیے رضا الکریم کا یہ اپارٹمنٹ بادشاہوں کے محل سے بھی کچھ زیادہ تھا۔ وہ جو خود سے دگنی عمر کے رضا الکریم سے شادی کے تصور سے ہی ہول کھانے لگی تھی۔ شادی کے بعد اپنی ماں کے اس فلسفے کی قائل ہونے لگی کہ مرد کی عمر نہیں اس کی دولت اور حیثیت دیکھنی چاہیے۔

اس وقت نہ گیتی آرا نہ ہی اس کی ماں کو اندازہ تھا کہ دولت اور حیثیت والے مرد ایسے دل پھینک ہوتے ہیں کہ ادھر ادھر دل پھینک پھانک خود اس سے قطعی محروم ہوچکے ہوتے ہیں۔ رضا الکریم کو بھی گیتی آرا بھاگئی تو اس نے پیسے کی جھلک دکھا کر اسے حاصل کرلیا۔ چند مہینے گیتی آرا کے نوخیز جذبات سے دل بہلانے کے بعد وہ واپس اپنے کام اور معمول کی دنیا میں گم ہونے لگے۔

کم حیثیت' کم رو گیتی آرا کا بھوت جتنی تیزی سے

ان پر چڑھا تھا' اتنی ہی تیزی سے اتر بھی گیا۔ اور گیتی آرا جو اس محل نما اپارٹمنٹ کی آسائشوں کی عادی ہونے لگی تھی اسے وہاں سے نکل جانے کا حکم سنا دیا گیا۔

وہ گہنے اور کپڑے جنہیں استعمال کرنے کا ابھی شوق بھی ٹھیک سے پورا نہ ہوا تھا۔ اس سے چھین لیے گئے۔ یوں گیتی آرا جو ماں باپ کے گھر سے خالی ہاتھ رخصت ہو کر رضا الکریم کے محل میں گئی تھی' وہاں سے واپس ماں باپ کے گھر پہنچی تو ہاتھ تو اب بھی خالی تھے لیکن کوکھ میں پری وش موجود تھی۔ اس کی اس حالت کا خیال کرتے ہوئے رضا الکریم کی طرف سے بچی کی پیدائش تک اسے خرچے کا چیک ملتا رہا جس روز بچی کی پیدائش ہوئی' اسی روز طلاق کا پہلا نوٹس موصول ہوا اور پھر اس کے بعد دو اور۔ گیتی آرا کی آنکھوں سے اس کے اپنے خواب نوچ کر نئے خواب سجائے گئے اور پھر انہیں بھی نوچ لیا گیا اور ایسا ہونے میں صرف دو برس کا عرصہ لگا۔

ایسے میں اصفہانی پبلک کالج میں بائیالوجی پڑھانے والی خالدہ آپا' گیتی آرا کی مدد کو بڑھیں اور ٹوٹی' ہاری' خوف زدہ گیتی آرا کو بہلا کر' محبت بھرے دلاسوں کے ساتھ واپس کالج لے گئیں۔ میڈیکل کے ساتھ انٹر کر کے ڈاکٹر بننے کا خواب تو کب کا ٹوٹ کر ہواؤں میں بکھر چکا تھا۔

خالدہ آپا نے گیتی آرا کو سوشل اسٹڈیز کی طرف لگا دیا۔ اور انہیں سیاسیات اور اقتصادیات کی کتابیں تھما دیں۔

خالدہ آپا کی انگلی پکڑ کر گیتی آرا نے دوبارہ سے جینے کے جتن شروع کیے تو چارپائی کے ساتھ بندھے ماں کی ساڑھی کے جھولے میں روتی بلکتی پری وش کو اس کی چھوٹی بہنوں قمر آرا اور انجم آرا نے جھلانا شروع کر دیا۔

ان دونوں کی مشقت سخت تھی اور کئی بار سے لفظ ریاضت کے معنی بھی سمجھ میں آنے لگے تھے مگر رضا الکریم کے محل میں جس مہذب' سلجھی ہوئی' خوش حال دنیا کا نظارہ گیتی آرا کر آئی تھی ایک بار پھر اسی کی باسی بن جانے کے عزم نے دل سے سب خوف اور وہم نکال پھینکے تھے۔

مشقت بھرے اس سفر میں گیتی آرا کا عزم اسے قدم قدم آگے لے جاتا گیا۔ ہر کلاس کے امتحان میں کامیابی کے جھنڈے گاڑتی گیتی آرا نے گریجویشن کے امتحان میں نمایاں پوزیشن لینے کے بعد جب سرکاری وظیفے کے ساتھ چٹاگانگ یونیورسٹی کے سوشیالوجی ڈیپارٹمنٹ میں قدم رکھا' اس وقت تک اس کی شہرت ایک ذہین اور قابل طالبہ کی حیثیت سے پھیل چکی تھی۔

گیتی آرا کے فرسٹ کلاس میں ماسٹرز کرنے تک پری وش اسکول جانے کی عمر کو پہنچ چکی تھی اور خود گیتی آرا کو مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے لنڈن اسکول آف اکنامکس کے سمر اسکول میں داخلہ مل گیا یہ داخلہ ان کے یونیورسٹی اساتذہ کی ذاتی دلچسپی اور کوششوں کی وجہ سے ملا تھا۔

یوں رضا الکریم کی طرف سے دھتکارے جانے کے واقعے کے صرف سات سال بعد گیتی آرا' پری وش کی انگلی پکڑے ہیتھرو ایئرپورٹ پر آرہی تھیں۔ اس سے آگے کی کہانی سادہ تھی۔ گیتی آرا اور پری وش جہانِ اول کے اس ملک کی مستقل باسی بن گئیں۔

گیتی آرا کی تعلیم اس کے لیے بہتر حصول معاش کا ذریعہ بن گئی۔ پری وش نے اس احساس کو دل سے قبول کرتے ہوئے کہ اس کے سر پر باپ کا سایہ موجود تھا نہ کبھی ہوگا' زندگی میں آگے کا سفر شروع کیا۔ وہ اپنی ماں کی طرح صابر' باحوصلہ اور سمجھ دار لڑکی تھی۔

گیتی آرا خوش تھی کہ پری نے کسی مکالمے کے بغیر ان سے ہمیشہ تعاون کیا تھا۔ بغیر کسی ایک لفظ کی بحث کیے اس نے جان لیا تھا کہ زندگی اس سے کس رویے کی توقع کرتی تھی لیکن اس ان کہے' ان لکھے جھوتوں اور معاہدوں کے اندر اس کی اپنی ذات نے کہاں کہاں کیا کیا زخم کھائے تھے' گیتی آرا نے جانتے ہوئے بھی ان کا کبھی ذکر نہیں چھیڑا تھا۔

اور وہ دونوں اپنی اپنی زندگیاں اسی ڈگر پر گزارے چلی جاتیں اگر ایک خنک شام پکاڈلی کے ایک شاپنگ سینٹر میں گیتی اور پری کی ملاقات جہانگیر سے نہ ہو جاتی۔

ادھیڑ عمر جہانگیر پاکستان سے آئے تھے اور لندن میں اپنے ایک دوست کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ پہلی ملاقات، دوسری اور پھر تیسری ملاقات کا پیش خیمہ ثابت ہوئی اور گیتی آرا کے دل میں سالوں بعد ان نوخیز خوابوں نے کروٹیں بدلنا شروع کر دیں جو برسوں پہلے رضا الکریم کے گھر میں اپنی نیند آپ سلا دیے گئے تھے۔

ایسا نہیں تھا کہ ان گزرے سالوں میں گیتی آرا کو کسی ساتھی کی کمی محسوس ہوئی تھی، ایسا بھی نہیں تھا کہ اس کے دل میں چاہے جانے کی خواہش سر اٹھاتی رہی تھی۔ ان کا سفر طویل اور دشوار رہا تھا، ایسے میں کسی لطیف خیال کا دل میں سر اٹھانا ناممکن تھا لیکن جہانگیر سے ملاقات نے ان کے دل کی دنیا کو نئے سرے سے جگانا شروع کر دیا تھا۔ گیتی آرا نے اس احساس سے چھٹکارے کی دانستہ کوششیں بھی بہتیری کیں لیکن اس کا اور جہانگیر کا ساتھ لکھا جا چکا تھا۔

دوسری طرف جہانگیر نجانے گیتی آرا پر کیوں اس طرح فریفتہ ہوئے تھے کہ انہیں اپنے جوان ہو چکے بچے، اپنے خاندان میں اپنا مقام، معاشرے میں اپنی حیثیت سب بھول گئی تھی۔ انہیں گیتی آرا جیسی عورت کا ساتھ درکار تھا۔ سو انہوں نے دست سوال دراز کرنے میں دیر نہ کی اور دل کے ہاتھوں مجبور گیتی آرا نے اس ہاتھ کو قبول کرنے میں ذرا بھی دیر نہ لگائی تھی، یوں جیسے ان دونوں کا ساتھ ازل سے لکھا جا چکا تھا۔

نکاح کے بعد جہانگیر، گیتی آرا کو اپنی بیوی کی حیثیت سے پاکستان لے آئے اور پری وش جہیز کے طور پر ان کے ساتھ ان کے گھر میں داخل ہوئی۔

"یہ لڑکی!" گیت نے پری وش کے چہرے کی بیزاری کو محسوس کرتے ہوئے سوچا۔ "اس کا بھی کوئی قصور نہیں زندگی کے شاید ہی چند گنے ہوئے سالوں میں اسے اپنی حیثیت درجہ دوم کے شہریوں جیسی نہ محسوس ہوئی ہو۔"

چٹاگانگ میں نانا، نانی کے گھر، لندن میں بنگلہ دیشی تارک وطن کی حیثیت سے اور پھر جہانگیر کے گھر میں نیلوفر کے تسلط تلے، پری وش نے گیت کا ساتھ ہمیشہ نبھایا تھا، کسی شکوے، شکایت کے بغیر اور اب جبکہ وہ ایک مستند انٹیریر ڈیکوریٹر کی حیثیت سے اپنے پاؤں پر کھڑی ہو چکی تھی۔ ابھی بھی وہ گیت کی حیثیت اور ان کے احترام میں کبھی فرق نہیں لائی تھی۔

"پھر یہ چھوٹی موٹی تلخیاں، چند کڑوے جملے، کبھی کبھار کا اختلاف رائے۔ یہ تو اس کا بنیادی حق بنتا ہے۔" گیت نے خود کو تسلی دیتے ہوئے سوچا اور کتابیں اٹھائے کمرے سے باہر چلی گئیں۔



"آپ کو شاید کبھی اندازہ نہ ہوا ہو کہ میرا کتنا دل چاہتا تھا۔ آپ اس طرح ہمارے گھر میں آ کر رہیں۔" ان کی پوتی امائزہ ان کے قدموں کے قریب بچھے لکڑی کے فرش پر رکھے فلور کشن پر بیٹھی کہہ رہی تھی۔

"اور اسی ایک بات پر مجھے سلجوق سے حسد محسوس ہوتا تھا کہ دادا اس کے گھر ہی کیوں رہتے ہیں، ہمیشہ۔" وہ ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر بولی اور پھر مسکرا کر ان کی طرف دیکھتے ہوئے سر ہلا کر بولی "آپ کو پتا ہے، اب کے میں سلجوق سے ایک پوائنٹ اوپر ہو گئی ہوں، آپ کے یہاں قیام کی وجہ سے..."

جواب میں وہ اپنے گھٹنے پر رکھے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر مسکرائے تھے۔ سنا تھا یہ لڑکی بہت ذہین تھی اور اپنے اسکول، کالج میں مختلف شعبوں میں کامیابی کے جھنڈے گاڑتی آئی تھی۔ ان دنوں وہ کسی این جی او کے ساتھ کام کر رہی تھی اور دور افتادہ علاقوں میں جا کر خواتین کی صحت اور تعلیم کے متعلق معلوماتی ڈاکومینٹریز بناتی تھی۔ سنا تھا کہ اس کی ڈاکومینٹریز مختلف فلمی میلوں میں بھی بھیجی گئی تھیں۔

"مجھے بہت اچھا لگتا ہے، جب تم ہنستی ہو۔" انہوں نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا۔

"تمہاری ہنسی کی آواز میں زندگی کا احساس جاگتا ہے۔"

"ارے میں تو ہمیشہ سے ہی ایسی ہوں۔" جواب میں وہ ایک بار پھر ہنسنے لگی' زندہ دل خوش باش۔ "پتا ہے میں نے کبھی ٹینشن اور ڈپریشن کو اپنے قریب بھی پھٹکنے نہیں دیا۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی اور انہوں نے دلچسپی سے اس کو دیکھا' نیلی جینز پر سرخ پل اوور پہنے وہ حسین لگ رہی تھی۔ اس کے سنہری مائل بھورے بال جدید انداز میں تراشے گئے تھے۔ اور اس کے شانوں سے نیچے نصف کمر تک بکھرے تھے۔

وہ جدید دور کی جدید' پر اعتماد' باشعور' تعلیم یافتہ وقت کی دوڑ میں اس کے تقاضوں کے مطابق آگے بڑھتی لڑکی کا ایک مثالی نمونہ کہلائی جاسکتی تھی۔

امائزہ کے کمرے سے باہر چلے جانے کے بعد امائزہ سے عمر میں کچھ چھوٹی ایک اور لڑکی کا سراپا ان کی نظروں کے سامنے گھوما تھا۔ پیلی پڑتی سفید شلوار قمیص کے یونیفارم پر مسکی ہوئی سیاہ شال اوڑھے وہ لڑکی جسے انہوں نے چند دن پہلے اس گھر کے گیٹ سے اندر داخل ہوتے دیکھا تھا۔ جس کے پیروں میں موجود سیاہ بند جوتے پالش کے بغیر رنگ اڑے اور کئی جگہ سے سلائی کیے گئے تھے۔ جس کی نظروں میں گھبراہٹ اور اعتماد کا فقدان تھا۔

وہ اس کا موازنہ امائزہ سے کرنے لگے۔ "غالباً" یہ ماحول' حیثیت' حالات اور تربیت ہی کا فرق ہے جو ٹینشن اور ڈپریشن کو ایک کے قریب بھی پھٹکنے نہیں دیتا اور دوسری کے ساتھ ہردم رہا ہوگا۔"

"مگر میں کیوں اس موازنے میں اچانک سے الجھ سا گیا ہوں۔" کیوں ایک احساس جرم سا میرے دل میں چبھنے لگا ہے۔" ان کی جان چھڑا لینے کی کوشش کے باوجود چبھن کا یہ احساس ان کی سوچ کا سلسلہ دراز کرتا چلا گیا تھا۔



اس نے اپنی رپورٹ کی رف ڈرافٹنگ ختم کرتے ہوئے لیپ ٹاپ اسکرین سے نظریں ہٹائیں اور چونک گیا۔ اس کے قریب رکھے سیل فون کی سکرین روشن ہو رہی تھی۔ اس نے فون اٹھا کر دیکھا اور آنکھیں میچ لیں۔

"اوہ میرے خدا' چوتھی مسڈ کال۔" وہ کام کرنے سے پہلے فون کو سائیلنٹ موڈ پر لگا کر بیٹھا تھا۔ "کیا سوچتے ہوں گے دادا۔۔۔ میں دانستہ ان کی کالز نظرانداز کر رہا ہوں۔" اس نے تیزی سے دادا کا نمبر ملاتے ہوئے سوچا۔

"ہاں بھئی' کیا بات ہے' نیلوفر نے فون کال سننے پر بھی کرفیو لگا دیا کیا؟" دوسری طرف سے کال وصول کرتے ہوئے دادا نے پہلی بات ہی اسے چھیڑ دینے کی خاطر کہی۔

"ریئلی سوری دادا! پتا نہیں کیسے مس ہو گئیں آپ کی کالز۔" اس کے لہجے میں شرمندگی تھی۔ "آپ بتائیے کیسے یاد کیا؟"

"تمہاری صورت دیکھنے کے لیے' تمہیں بلانے سے زیادہ تم سے ایک ضروری کام آن پڑنے کی وجہ سے یاد کیا۔" اب کے وہ سنجیدہ ہوئے۔

"یہ بتاؤ۔ وہ جو تمہارا ایک دوست ہوا کرتا تھا مروان۔ ابھی بھی اس سے ملاقات ہے یا نہیں؟"

"اکثر ملتا رہتا ہے۔ مروان کیسے یاد آگیا آپ کو؟" اس نے لیپ ٹاپ بند کرتے ہوئے پوچھا۔

"مروان سے زیادہ مجھے یہ یاد آیا کہ اس کی ایک خالہ ہوا کرتی تھیں مسز تہذیب کامران۔"

وہ کہہ رہے تھے اور ان کی بات سنتے ہوئے سلجوق کی آنکھوں کی پتلیاں سکڑ رہی تھیں۔ دادا معمول سے ہٹ کر گفتگو کم ہی کیا کرتے تھے۔ مگر اس روز ان کی باتیں غیر معمولی تھیں۔ کم از کم سلجوق کے لیے بالکل غیر متوقع' انوکھی اور چونکا دینے والی۔



آبگینہ نے اس ایک گھنٹے کے دوران دسویں مرتبہ لکڑی کے بینچ پر بیٹھے ان ملاقاتیوں کو دیکھا تھا جن کی

باری پہلے آنے والی تھی۔ اس کی اگلی نظر اپنے سامنے موجود دفتر کے دروازے پر نصب کھونٹی پر لٹکتی سیاہ تختی پر لکھے پرنسپل مسز تہذیب کامران سے ہوتی لکڑی کے بینچ سے ذرا فاصلے پر کولہوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑے لڑکے پر جا رکی۔ جس کی پشت اس کی جانب تھی۔ اور چہرہ نظر نہیں آرہا تھا۔ لیکن اسے بخوبی اندازہ تھا کہ اس کے چہرے پر اس طویل انتظار کی بے زاری چھائی تھی جو اسے کسی مروت سے کرنا پڑ رہا تھا۔

اس کے دل میں ایک انجانا سا خوف اترنے لگا۔ اس کا کیا تھا کیا پتا وہ اس انتظار سے تنگ آکر واپس چلا جائے اور زندگی میں پہلی بار وہ اپنے ساتھ جو معجزہ ہوتے دیکھنے لگی تھی' وہ ہوئے بغیر ہی ٹل جائے۔ اس کا دل بیٹھنے لگا۔

"کیا مصیبت ہے یار ....؟" وہ تیز قدموں سے چلتا اس کی طرف آیا تھا "جو ٹائم دیا ہے محترمہ نے' وہ کب کا ہو کر گزر بھی گیا اور پہلے سے بیٹھے وزیٹر ابھی منتظر ہیں۔ بہت ہی کوئی فارغ خاتون لگتی ہیں یہ پرنسپل صاحبہ!"

آبگینہ نے ہلکا سا پہلو بدل کر جیسے خود کو سکیڑ لیا۔ اسے لگا وہ پرنسپل پر نہیں خود آبگینہ پر جھنجلایا ہوا تھا۔

"اور تم ۔ کیسی بے مروت اور بے لحاظ ہو' کب سے آیا کھڑا ہوں اور وہ بھی صرف تمہارے کام کے لیے' تم سے اتنا نہیں ہو سکا کہ کوئی جوس ووس تو ایک طرف سادہ پانی ہی پلا دو' حلق خشک ہو رہا ہے میرا۔"

ابھی تو سردی رخصت ہو رہی ہے وہ بھی آہستہ آہستہ' یہ کیسا حلق ہے' جو ابھی سے خشک ہونے لگا۔

آبگینہ کو براہ راست مخاطب کیے جانے پر گڑبڑا کر کھڑے ہوتے ہوئے خیال آیا تھا۔ وہ تیز قدموں سے چلتی اکیڈمک بلاک کی طرف بڑھ گئی۔ سلجوق اسی بے زاری اور جھنجلاہٹ کے احساس کے ساتھ اسے اکیڈمک بلاک میں بنے چھوٹے چھوٹے باغیچوں کی طرف بڑھتے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظروں کے سامنے وہ ہراساں سی ادھر ادھر پھر رہی تھی۔

"بہت ہی کنفیوزڈ لڑکی ہے۔" اس نے بھنا کر سوچا "کہیں سے پانی کا ایک گلاس ہی لا دے اسے تو غالباً" یہ بھی نہیں معلوم کہ کالج میں واٹر ڈسپنسر کہاں لگے ہیں۔ بہتر ہے واپس ہی آجائے' جو ابھی پرنسپل محترمہ نے بلا لیا تو مجھے اس کے پیچھے جانا پڑے گا۔"

اس کے اندازے کے برعکس وہ قریب سے گزرتی کسی لڑکی کو روکے کھڑی تھی۔ وہ اس سے کیا بات کر رہی تھی۔ سلجوق کو اندازہ نہیں ہوا لیکن اس کے انداز میں لجاجت تھی جیسے اس دوسری لڑکی کی منت کر رہی ہو۔ دوسری لڑکی نے اس کی بات سن کر کندھے سے لٹکتے بیگ سے ایک کتاب نکال کر کھولتے ہوئے اس کی نظروں کے سامنے کی تھی۔ اور پھر وہ لڑکی آگے بڑھ گئی تھی۔ سلجوق نے دیکھا اب آبگینہ کے قدم سامنے نظر آتی کینٹین کی طرف رواں تھے۔

"یہ لیں۔" پانچ منٹ بعد وہ اس کے قریب کھڑی کسی سستے جوس کا چھوٹا سا ڈبہ اس کی طرف بڑھا رہی تھی۔ سلجوق نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ سیاہ شال کے ہالے میں چھپا اس کا چہرہ شال ہٹ جانے کی وجہ سے قدرے واضح نظر آرہا تھا۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ' ہچکچاہٹ اور شرمندگی کا تاثر صاف نظر آرہا تھا۔

"اوہ!" سلجوق کے دماغ میں جیسے اچانک کوئی بتی روشن ہوئی "میں بھی کتنا احمق ہوں۔ اس بے چاری پر خفا ہو رہا تھا۔ اس کے پاس تو غالباً" جوس خریدنے کے لیے بھی پیسے بھی نہ ہوں۔"

اسے خود پر غصہ آنے لگا۔ یقیناً" وہ اس دوسری لڑکی سے جوس خریدنے کے لیے پیسے ادھار مانگ رہی تھی۔

"اب پکڑ بھی لے یہ۔" آبگینہ نے سوچا اور ایک بار پھر جوس کے ڈبے والا ہاتھ آگے بڑھا کر گویا اپنی مہمان نوازی سے لطف اندوز ہونے پر اصرار کیا۔

"تھینک یو۔" وہ اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولا تھا اور پھر اس نے اس کے ہاتھ سے جوس کا ڈبہ لے کر اس میں اٹکے اسٹرا کو منہ سے لگا لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"چلو بھئی' تمہارا یہ مسئلہ تو حل ہوا۔" نورالدین اپنے سامنے بیٹھی آبگینہ سے کہہ رہے تھے "تمہارا داخلہ چلا گیا' اب تم اطمینان سے امتحان کی تیاری کرو۔"
انہوں نے رک کر اس لڑکی کو دیکھا تھا جس کی نظروں میں حیرت جیسے مستقل آٹھہری تھی اور بے یقینی بھی۔

"یہ بتاؤ' کسی کتاب یا... اسے کیا کہا کرتے تھے؟" انہوں نے سلجوق کی طرف دیکھا جو خود بھی بے یقینی سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ "ہاں ٹیسٹ پیپرز' یاد آ گیا۔ ان چیزوں کی ضرورت ہو تو بتاؤ' سلجوق لے آئے گا تمہارے لیے۔" وہ خاموش رہی تھی۔

"ہے ضرورت یا نہیں؟" انہوں نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بت بنی آبگینہ کو دوبارہ مخاطب کیا۔

"نن... نہیں۔" اس نے محویت ٹوٹ جانے پر تیزی سے بے دھیانی میں سر ہلایا۔ اگلے لمحے اسے احساس ہوا تھا کہ اس نے غلط کیا تھا۔ اس کی تو اصلی کتابیں بھی پھٹی ہوئی اور بوسیدہ تھیں اور بازار میں جو تیار نوٹس اور مختصر اور طویل سوالوں کے جوابات پر مشتمل پرچے دستیاب تھے اگر وہ اسے مل جاتے تو تیاری بہت اچھی ہو سکتی تھی۔

"سوچ لو... ایک بار پھر یاد کر لو۔" نورالدین نے ایک بار پھر دہرایا۔

"وہ... وہ روزی ہے' جو چرچ کے قریب رہتی ہے۔ اس کے پاس جو نوٹس ہیں' وہ بہترین ہیں۔" یہ موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے ہوئے وہ تیزی سے ایک ہی سانس میں بولی تھی۔

"کیوں بھئی سلجوق' ڈھونڈ لو گے روزی کا گھر جو چرچ کے قریب رہتی ہے؟" انہوں نے نظر اٹھا کر سلجوق کی طرف دیکھا۔ وہ دادا کے اس عجیب و غریب اور انوکھے اچانک عود کر آنے والے التفات کو دیکھ کر جھنجلا رہا تھا۔

"پنڈی میں تو نجانے کتنے چرچ ہیں دادا۔" سلجوق نے نورالدین کی طرف دیکھا۔ "آپ کیا اس بار وہاں سے تہیہ کر کے آئے تھے کہ سارے امپاسیبل ٹاسک میرے سامنے رکھ دیں گے؟"

"کہاں امپاسبل ہیں؟" وہ ذرا سا بھی اثر نہ لیتے ہوئے بولے تھے۔ "وہ جو مسز تھیں تہذیب الاخلاق' ان کے والا کام ہو گیا یا نہیں۔"

"کبھی بھی نہ ہوتا اگر وہ مروان کی خالہ نہ ہوتیں' ڈبل لیٹ فیس پر گیا ہے ایڈمیشن۔ جانتے ہیں آپ۔" وہ منہ بنا کر بولا۔

"اچھا تو تمہارے دوہرے پیسے لگ گئے' کوئی بات نہیں' لے لینا مجھ سے' میں ذرا کرنسی ایکسچینج کروا لوں۔" وہ بے نیازی سے بولے تھے۔

"پیسوں کی بات نہیں' بات ان منتوں کی ہے جو ان محترمہ کے سامنے کرنا پڑیں۔ کوئی قصور نہ ہوتے ہوئے بھی معذرت خواہانہ لہجہ بھی اختیار کرنا پڑا۔" وہ سخت جھنجلایا ہوا تھا۔

"اچھا بھئی' ابھی تو ایسا ہے کہ تم چلو' جا کر پڑھائی شروع کرو اور یاد کر کے بتانا' وہ جو روزی ہے۔ وہ دراصل کس چرچ کے قریب رہتی ہے۔" نورالدین نے سلجوق کو جواب دینے کے بجائے آبگینہ کو مخاطب کیا۔ وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔

"اور ہاں سنو' سیڑھیاں اتر کر ساتھ والے کوریڈور سے ہوتی ہوئی پچھلے دروازے سے باہر نکل جانا' مین ڈور استعمال کرنے کی ضرورت نہیں۔" وہ اسے ہدایات دیتے ہوئے بولے۔ وہ سر ہلاتی کمرے سے باہر چلی گئی۔ اس کے چلے جانے کے بعد انہوں نے سلجوق کی طرف دیکھا جو حسب توقع ان کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"اب کیا ہے؟" وہ اس کے متوقع سوالوں کے لیے خود کو تیار کرتے ہوئے بولے۔

"وجہ کیا ہے آخر اس اچانک عود کر آنے والے التفات کی؟" وہ ان کے سامنے بیٹھ گیا۔ "آپ نے تو سنا تھا' اسے زندہ دفن کرنے کا حکم سنایا تھا کبھی۔"

"مبالغے کی بھی حد ہوتی ہے۔" وہ سلجوق کے

سوالوں سے جان چھڑانا چاہتے تھے مگر جانتے تھے کہ جان آسانی سے چھوٹنے والی نہیں۔
اسی لیے مصلحت بھرے انداز میں بولے "تم جانتے تو ہو اس سے پہلے میں یوں کبھی عالم گیر کے گھر ٹھہرا نہیں۔" انہوں نے ایک مبہم سی دلیل دی۔
"اسی ڈر سے۔ ہے نا؟" سلجوق ان کا وہ پوتا تھا جس کے ساتھ بات کرتے ہوئے انہیں بات کی تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔
"شاید!" انہوں نے سرہلایا "لیکن یار! وقت بھی تو بہت گزر چکا ہے عمر اور سمجھ کے زاویے بدل گئے ہیں اور تقاضے بھی۔"
"ہوں!" وہ ان کی بات پر غور کرتے ہوئے بولا "لیکن یہ آپ سے ٹکرا کہاں گئی میں نے تو سنا تھا اسے سختی سے تاکید کی گئی تھی کہ آپ سے اس کا سامنا نہیں ہونا چاہیے۔ البتہ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ محترمہ ضدی اور منہ زور ہیں کافی' ضرور دانستہ آپ کے سامنے آگئی ہوں گی۔"
"سنی سنائی پر یقین مت کیا کرو۔" انہوں نے سر جھٹکا "تم نے آج سارا دن اس کو آبزرو نہیں کیا' ضدی اور منہ زور لوگ ایسے ہوتے ہیں کیا؟"
"مجھے معلوم نہیں تھا کہ اسے آبزرو بھی کرنا تھا' میں تو دل میں تہذیب الاخلاق سے بات کرنے کی تمہید ہی باندھتا رہا۔" وہ جل کر بولا۔
"کوئی بہت بڑا کارنامہ نہیں سرانجام دیا تم نے۔" ان کا لہجہ سخت ہوا۔ "ایک مایوس' دکھی اور دل برداشتہ لڑکی کے ساتھ یہ چھوٹی سی نیکی کرنا بھی بھاری ہو رہا ہے تمہیں۔"
"ہرگز نہیں۔" اس نے تیزی سے جواب دیا۔
"میری حیرت اور جھنجلاہٹ صرف آپ کی کایا پلٹ تک محدود ہے۔"
"بس یار!" اب کے وہ نرم پڑے۔ "ایک روز اتفاق سے اس پر نظر پڑ گئی۔ پہلے کچھ دیر میں نے سوچا' اچھا ہوتا وہ نظر نہ پڑتی لیکن اب سوچتا ہوں' بہتر ہو گیا۔"
"اچھا تو پھر آگے کیا ہوا؟" وہ بے صبری سے بولا۔

"پھر یہ ہوا کہ اس کے حلیے' لباس اور حالات دیکھ کر چوکیدار سے کنفرم کر لینے کے باوجود کہ یہ کون تھی۔ مجھے یقین نہیں آیا یہ مہرالنساء کی بیٹی تھی۔ اس کے بعد عالمگیر پر رنج ہوا پھر غصہ آیا کیوں وہ اسے یہاں لا کر ایسے پال رہا ہے جیسے مجرم عورتوں کے بچے جیلوں میں پلتے ہیں۔ اسے اگر ایسا ہی کرنا تھا تو اپنے ساتھ ہی نہ لاتا' وہیں چھوڑ آتا... پھر اس کا جو بھی ہوتا۔ اس کا ذمہ دار عالم گیر تو نہ ہوتا۔" سلجوق کو لگا۔ دادا کی آواز کپکپانے لگی تھی۔
"اور وہ جو زندہ دفن کر آنے کا حکم...." اس نے ایک بار پھر دہرانا چاہا۔
"مبالغہ اور جھوٹ ہے' بہتان ہے۔" وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بلند آواز میں بولے تھے۔
"میں نے صرف اتنا کہا تھا' بچی کو وہیں اس کے حال پر چھوڑ آیا جائے' میرا خیال تھا کہ وہ جو کوئی بھی اس کا باپ تھا' ضرور اس کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے آئے گا' اولاد تھی یہ آخر اس کی۔"
"اور آپ نے ایسا اس لیے کہا کہ آپ کو اپنی بیٹی پر غصہ تھا' آپ ان سے ناراض تھے' قیامت تک ان کا منہ نہ دیکھنے کا عہد کر کے بیٹھے تھے وغیرہ وغیرہ... اور یہ کہ آپ کی یہ ناراضی ان کی موت کی خبر سن کر بھی ختم نہیں ہوئی۔"
سلجوق نے انہیں ایک بار پھر کٹہرے میں لانے کی کوشش کی' جواب میں وہ نظر چرا کر دوسری سمت دیکھنے لگے تھے۔
"پھر تو نیلوفر کا چرچا بلاوجہ ہی ہے۔" سلجوق نے ان کی خاموشی دیکھتے ہوئے شانے اچکائے "سنا ہے ان کی گھٹی میں شہد آپ نے ہی چٹایا تھا۔"
"اور وہ تمہارا مرحوم باپ اور یہ حاتم طائی کی اولاد عالمگیر' ان کے متعلق کیا خیال ہے۔ انہوں نے جھینپ مٹانے کی خاطر کہا "تمہارا باپ تو خیر بہت ہی سعادت مند نکلا۔ میرے کہے پر عمل کرتے ہوئے اس لڑکی کو وہیں چھوڑ آیا اور حاتم طائی عالمگیر' جو اسے ساتھ اٹھا لایا۔ نیک دلی کی شہرت بھی کمائی اور ابا جان' کے ڈر

کا پردہ تانتے ہوئے اس معصوم کو نوکروں کے کوارٹر میں بھی بٹھادیا۔"

"کیا کیا جائے' اس فیملی کی تاریخ ہی غیر معمولی ہے آپ کسی سے بھی کچھ بھی توقع کر سکتے ہیں۔" سلجوق نے سر جھٹکا اور پھر ان کی طرف دیکھنے لگا "اچھا تو پھر اب کیا ارادہ ہے' آفیشل اناؤنسمنٹ کب کر رہے ہیں نواسی کو گود لینے کی۔"

"ایسا نہیں ہونے جارہا۔" وہ نچی آواز میں بولے۔ "میں جانتا ہوں تم سمیت ہم سب کے جو رویے اس کے لیے پروان چڑھ چکے ہیں' ان کو دیکھتے ہوئے ایسا کوئی بھی اعلان اس کے لیے مشکل کھڑی کر دے گا' ویسے بھی میں نے کون سا مستقل ادھر رہنا ہے' میں اسے روشنی میں لے آؤں اور پھر تنہا چھوڑ کر واپس چلا جاؤں' یہ پہلے سے بھی زیادہ بڑی زیادتی ہوگی۔"

"اچھا تو پھر پالیسی کیا ہوگی آپ کی' ذرا کھل کر بیان کریں۔"

"کچھ نہیں یار! میں تو بس اتنا چاہ رہا تھا کہ یہ امتحان وغیرہ دے لے۔ اچھے نمبر لے کر پاس ہو گئی تو اسے کہیں چھوٹی موٹی جاب دلوا دیں گے' اپنا گزارہ کرنے کے قابل تو ہو ہی جائے گی نا!" انہوں نے مختصر لفظوں میں اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے کہا تھا۔



اس نے اپنے سامنے رکھی کتابوں پر نظر ڈالی' کتابیں جو اس کی کشتی کسی ایسے کنارے پر لگانے والی تھیں جس پر اتر کر اسے اپنا وجود اپنے ہی قدموں پر کھڑا محسوس ہو سکتا تھا۔

"اور بی بی جان کہتی تھیں کہ انسان جب اپنی قسمت سے بالکل ہی مایوس ہو جاتا ہے تو اللہ اچانک سے اس کے سامنے روشنی کی کرنیں بکھیر دیتا ہے روشنی کی وہ کرنیں دراصل' دعاؤں کی قبولیت کی خبر دیتی ہیں۔" اس نے سوچا "اور چند دن پہلے میں سوچ رہی تھی کہ میری دعاؤں اور اللہ کے درمیان بھی شاید حیثیت کا فرق قدم جمائے کھڑا ہے۔ جب ہی تو مانگ مانگ کر تھک جاتی ہوں پھر بھی میری دعائیں قبول نہیں ہوتیں اور میرے سامنے ہی کئی ایسے لوگ بھی ہیں جنہیں بنا مانگے ہی سب کچھ مل رہا ہوتا ہے۔" اس نے اداسی سے مسکراتے ہوئے سوچا۔

"میں اس روز کتنا ڈر گئی تھی جب انہوں نے مجھے گیٹ سے اندر داخل ہوتے دیکھ لیا تھا۔ خود کو کتنا جھٹلاتی رہی تھی کہ نہیں ان کی نظر مجھ پر نہیں پڑی اور وہ مجھے دیکھ کر چونکے بھی نہیں تھے لیکن سچ تو یہ ہی تھا کہ وہ مجھ پر نظر پڑتے ہی جان گئے تھے کہ میں کون تھی ہائے۔" اسے جھرجھری سی آگئی۔

"بھلا اگر مجھے دیکھ کر ان کا رد عمل وہی ہوتا جو چھوٹے ماموں بتاتے تھے تو کیا ہوتا۔ سر سے اس چھت کا آسرا بھی جاتا رہتا شاید۔" اس نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا "مگر معجزے بھی ہو جایا کرتے ہیں اور اسی دنیا میں ہوتے ہیں۔ وہ انسان جس کے تصور سے ہی مجھے ہمیشہ ڈرایا جاتا تھا جب انہوں نے مجھے اپنے پاس بلایا تو ان کا رویہ کیسا دوستانہ تھا۔" اس کے ذہن میں وہ دن آیا تھا۔

"اچھا تو تم ہو مہرالنساء کی بیٹی!" انہوں نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا تھا "بھئی' معاف کرنا میں تمہاری ماں کی سرکشی پر اس سے سخت ناراض تھا اور اس ناراضی کی زد میں تم بھی آگئیں' سب نے تمہیں ٹھیک ہی بتایا ہوگا۔ میں تمہاری شکل تک دیکھنے کا روادار نہیں تھا لیکن اس روز جب تم پر نظر پڑی تو میرے دل میں سوال اٹھا کہ تم سے بھلا میں کیوں ناراض تھا' جو بھی تمہاری ماں نے کیا' اس میں تمہارا قصور صرف اتنا ہے کہ تم اس شخص کی بھی بیٹی ہو جس نے مہرالنساء کو ورغلایا تھا۔" وہ کہہ رہے تھے اور وہ ششدر کھڑی سن رہی تھی۔

"غلط سوچتا تھا' میں نے غلط کیا۔ لیکن میری اس غلطی نے اب تک سارے سلسلے ہی اتنے غلط کر دیے ہیں کہ ان کو صحیح کرنا شاید اب کسی کے بس کی بات نہیں۔" یہ بات انہوں نے دھیمی آواز میں شاید خود سے کہی تھی۔

"آؤ ادھر بیٹھو میرے پاس۔" پھر انہوں نے صوفے پر اس کے لیے جگہ بنائی اور اس سے بہت کچھ پوچھ ڈالا۔

کتنی حیرت کی بات ہے کہ انہیں سب سناتے ہوئے اسے ڈر لگا نہ ہی وہ ذرا سا بھی جھجکی اور وہ کتنے غور سے محویت سے اس کی سب باتیں سنتے رہے اور سب سننے کے بعد بولے تو بس اتنا۔ "عالم گیر نے کچھ بھی ٹھیک نہیں کیا۔ دیکھو بھلا تمہارا داخلہ جانے کا وقت تھا اور وہ تمہیں کچھ خرچا دیے بغیر ملک سے باہر چلا گیا۔ اب بتاؤ تو تمہارے داخلے کا کیا کیا جائے۔"

ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ہمیشہ سے انہیں اپنے مسئلے سناتی چلی آرہی تھی اور وہ یوں ہی انہیں چٹکی بجاتے میں حل کر دیا کرتے تھے۔

"خیر اس میں تو کوئی شک نہیں کہ انہوں نے اس کے اتنے بڑے مسئلے کو حل بھی کروا دیا۔ بس اچھا ہوتا اگر یہ مسئلہ حل کرنے کے لیے انہیں اس خود پرست، مغرور، آدم بیزار سلجوق کی مدد نہ لینی پڑتی۔ آدم بیزار تو کیا اس کی تو جانوروں سے بھی کیمسٹری نہیں ملتی۔ جب بھی ادھر آتا ہے، سب سے پہلے یہاں کے پالتو کتے بلتے بند ہوا دیتا ہے۔ اور منہ پھٹ اتنا ہے کہ اسے بدلحاظ اور بے مروت کہہ رہا تھا۔ اس کو اتنی تمیز نہیں کہ یہ تو سوچ لیتا جس کا سریلیٹ فیس کے ساتھ داخلہ کروانے کی سفارش کرنے اس لیے آیا تھا کہ وقت پر ریگولر فیس کے ساتھ داخلہ کروانے کے لیے اس کے پاس پیسے نہیں تھے، وہ کس خزانے کے بل پر پانی یا جوس کا پوچھتی۔ فضول میں اس کی وجہ سے کلاس کی اس لڑکی کا مقروض ہونا پڑا جس کے نخروں کی وجہ سے میں نے کبھی اس سے بات بھی نہیں کی تھی۔" اس نے سر جھٹکا۔

"اب بھلا میں پچیس روپے کا یہ قرضہ کیسے اتاروں گی۔" اس کا دل جمع تفریق میں اٹک گیا۔



"انہوں نے ایک بار کے علاوہ مجھ سے یہ تک نہیں کہا کہ نیلوفر! میں عالم گیر کے ہاں ٹھہر گیا ہوں۔ مجھ سے آکر مل جاؤ اور تم ہو کہ روزانہ ان کے در پر انہیں سلامی دینے پہنچ جاتے ہو۔" اس روز نیلوفر کے ہاتھوں سلجوق کی بڑے دنوں بعد شامت آئی تھی۔

"اللہ جانے کیوں میرے دونوں ہی بھائیوں کو اپنی عزتِ نفس کا کبھی خیال نہیں رہا۔" اس کے جواب دینے سے پہلے ہی وہ آگے بولنے لگی تھیں۔

"دادا کہتے ہیں کہ میں تو بہزاد اور ہمایوں کے ساتھ رہتا ہوں، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ خود بہزاد، ہمایوں کے ساتھ رہتا ہے۔ ہمایوں کے اپارٹمنٹ میں اور دادا بھی بہزاد کے ساتھ ہمایوں کے ہاں ٹھہرتے ہیں، بہزاد کو غیرت نہیں آئی خود تو ٹھہرا ہوا ہے، دادا کو احساس نہیں ہوتا کہ وہ کسی کے سر پر بوجھ بن کر لد گئے ہیں۔" نیلوفر کی زبان کسی نئی ہی سان پر تیز ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

"جبکہ ادھر پاپا کا اچھا خاصا چلتا بزنس میں تنہا سنبھالتی ہلکان ہوتی رہتی ہوں، یہ سب دادا، پوتے وہاں کینیڈا والوں کی غلامی کرنے میں خوش ہیں۔"

"آپ تنہا نہیں نیلوفر! میں بھی آپ کے ساتھ ہوں۔" سلجوق نے تصحیح کرنا چاہی "آئی مین بزنس سنبھالنے میں۔" نیلوفر کے گھورنے پر اسے اپنی تصحیح کی وضاحت کرنا پڑی تھی۔

"تم ہی میرے ساتھ ہوتے تو باقی سب کا رویہ بھی میرے ساتھ ایسا نہ ہوتا۔ لیکن تم سب سے بڑھ کر کھوٹے ہو۔ میرے سامنے میرے ساتھ، باقی سب کے سامنے ان کے ساتھ۔" نیلوفر نے اس کے دعوے کی دھجیاں بکھیریں۔

"آپ کیوں سب پر شک کرتی ہیں نیلوفر؟" سلجوق کی آواز میں دکھ ابھرا۔

"تم مجھے اپنی ہی جیسی احمق گدھوس سمجھتے ہو،" وہ پہلے سے بھی زیادہ بھڑک گئیں "مت بھولو کہ تم میرے ہی ہاتھوں پل کر اس قد تک پہنچے ہو۔ میں نے تمہارے ہاتھوں پرورش نہیں پائی۔"

وہ خاموش ہو گیا، جانتا تھا کہ یہ نیلوفر کا وہ موڈ تھا جس کے سامنے کوئی دلیل، کوئی وضاحت چلنے والی

نہیں تھی۔ ویسے تو وہ کبھی بھی اپنے مخاطب کی نہیں سنتی تھیں لیکن ایسے خطرناک تیور کے سامنے تو جو بھی آتا جل کر بھسم ہو جاتا۔ سو وہ سر جھکائے سنتا رہا۔

لاؤنج سے اٹھ کر وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر اپنے کمرے میں جانے کے بجائے لاؤنج اور ڈائننگ روم سے منسلک طویل راہداری کی طرف چلا گیا۔ یہ راہداری کیا تھی ایک قسم کا نگار خانہ تھا جس میں خاندان کی اگلی پچھلی نسل کے ان افراد کی تصویریں دلکش فوٹو فریمز میں سجی دیواروں کی شان بڑھا رہی تھیں۔ وہ آہستہ قدموں سے چلتا اس مرکزی دیوار کی طرف چلا گیا جس پر اس کے پردادا' دادا' دادی' بابا اور امی کی تصویریں سجی تھیں یہ سب تصویریں بلیک اینڈ وائٹ تھیں۔ وہ سب دنیا میں اپنا اپنا وقت پورا کرنے کے بعد ابدی سفر پر جا چکے تھے' اس نے اپنی ماں کی تصویر کے شیشے پر ہاتھ پھیرا۔ ان کا انتقال پینتیس برس کی عمر میں ہوا تھا۔ اور فریم میں جڑی تصویر ان کی زندگی کی آخری تصویر تھی۔ اس تصویر میں وہ اپنی عمر سے بھی کم نظر آ رہی تھیں' ان کے چہرے پر معصومیت تھی اور نرمی بھی۔

"میری ماں کے سب شوق' ارمان دل ہی میں رہ گئے' یہ گھر کیسے شوق سے بنوایا تھا انہوں نے' رہنا نصیب نہیں ہوا' چھ ماہ یہاں رہیں اور پھر ختم ہو گئیں تو پھر میں کیسے اس گھر میں کسی دوسری عورت کو وہی حیثیت دے سکتی ہوں جو میری ماں کی تھی۔"

گھر کے در و دیوار میں ایک ہی آواز کی گونج سنائی دیتی تھی اور وہ آواز نیلوفر کی تھی۔

اس نے بابا اور امی کی تصویر کے نیچے دیوار کی اس سطح پر ہاتھ پھیرا جو اس پوری ترتیب میں ایسے لگ رہی تھی جیسے چیزوں کے درمیان کوئی جگہ خالی رہ گئی ہو۔

"یقیناً" یہاں بابا گیت کی تصویر لگانے والے تھے' لیکن پھر نیلوفر کا خوف ان پر حاوی ہو گیا ہو گا۔" اس کا دل بابا کے لیے دکھ سے بھر گیا۔

"کتنے بے بس اور مجبور نظر آتے تھے وہ ان دنوں' جب گھر میں نیلوفر کی گیت سے ذاتی پرخاش سامنے آنے لگی تھی' نہ وہ نیلوفر کو کچھ کہہ پاتے تھے نہ ہی گیت کا سامنا کر پاتے تھے۔ بابا نے کچھ ایسا بھی نہیں کیا تھا جس کی نیلوفر نے انہیں اتنی سخت سزا دے ڈالی۔"

اس نے نظر اٹھا کر بابا کی تصویر سے ذرا اوپر لگی دادا کی تصویر پر نظر ڈالی۔ سرخ سفید رنگت' سفید مونچھیں جو بلیک اینڈ وائٹ تصویر میں اور بھی زیادہ سفید نظر آ رہی تھیں' یہ تصویر ان کا سائیڈ پوز کور کر رہی تھی لیکن ان کی نظر آتی ایک آنکھ میں اسے تفاخر کا وہی تاثر نظر آیا تھا جو آج نیلوفر کی نظروں میں آ رہا تھا۔

"اور ایسا کیوں نہ ہو۔" اس نے سوچا "دادا نے بھی تو اپنی بیٹی کو جرم محبت کی اتنی ہی کڑی اور لمبی سزا دے ڈالی تھی جس سے انہیں مر کر ہی رہائی ملی تھی جیسے بابا کی سزا ان کی موت پر ہی ختم ہوئی تھی۔"

وہ جھرجھری سی لیتا ان تصویروں سے دور ہٹ گیا۔ دادا کی بیٹی مہر النساء جنہیں اس نے تصویروں میں بھی نہیں دیکھا تھا اسے ان کی وہ بیٹی اسے اچانک یاد آ گئی تھی۔

"پرنسپل کے پاس تمہارا پچھلا پورا ریکارڈ موجود تھا یار! تم تو خاصی ویک اسٹوڈنٹ رہی ہو۔ کیوں ہو تم اتنی نالائق؟" اسے یاد آیا اس نے اس روز کالج سے واپسی پر کیسی بے رحمی سے اس سے پوچھا تھا اور جواب میں وہ اپنی سیٹ پر یوں سمٹی تھی جیسے اپنے برے تعلیمی ریکارڈ پر سخت شرمندہ ہو۔

"میرا ذہن ذرا کمزور ہے نا اس لیے۔" وہ جھجکتے ہوئے بولی تھی۔

"اچھا!" وہ بے اختیار مسکرا دیا تھا "لگتا ہے' خاصی خود آگاہ ہو تم۔"

اس کی اس بات کا وہ جواب دے نہیں پائی تھی سلجوق نے ایک اور سوال کر ڈالا تھا۔

"سمجھ میں نہیں آتا' چھوٹے چچا نے تمہیں کسی اچھے پرائیویٹ اسکول میں ڈالنے کے بجائے سرکاری

اسکول میں کیوں داخل کروایا اور اس کے بعد اب اس گورنمنٹ کالج میں۔ جو دماغ پہلے ہی کمزور ہو اسے ایسے اداروں نے کیا خاک تیز کرنا تھا۔"

"وہ مجھے ایک بڑے اچھے اسکول میں داخل کروانے لے کر گئے تھے۔" اس بار اس نے جواب دیتے ہوئے کہا تھا "میں وہاں کا داخلہ ٹیسٹ پاس نہیں کر سکی تھی، میری بنیاد کمزور تھی نا اس لیے۔" اس نے سادگی سے اعتراف کیا تھا "اور پھر میٹرک میں میرے نمبر ذرا بھی اچھے نہیں تھے، تو میرا تو یہاں بھی داخلہ مشکل سے ہوا تھا۔"

سلجوق نے دل ہی دل میں اس حوصلے کی داد دی جو اس سے اتنے آسانی سے اعترافات کروا رہا تھا۔

"اگر اتنا ہی تمہارا دماغ کمزور تھا تو بہتر نہیں تھا کہ ایسے کالج میں جھک مارنے کے بجائے کوئی ہنر وغیرہ سیکھ لیتیں، یہاں کئی ووکیشنل ٹریننگ سینٹر موجود ہیں، وہاں کیوں نہیں چلی گئیں۔" وہ اس کا تمسخر اڑانا نہیں چاہتا تھا لیکن نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے لہجے میں استہزا جھلک رہا تھا۔

"میرا دماغ اتنا کمزور نہیں ہے جتنا میرے سرٹیفکیٹس میں نظر آتا ہے۔" اب کے وہ ذرا صاف آواز میں بولی تھی "بس میرے پاس لاجسٹکس (وسائل) کی کمی ہے، ورنہ میڈلز اور ایوارڈز میرے بھی قدموں میں گرے ہوتے۔"

"اوہ وہ!" سلجوق کو لگا اسٹیئرنگ اس کے ہاتھوں سے پھسلنے ہی کو تھا، اس نے تیزی سے اپنے ہاتھوں کی گرفت اسٹیئرنگ پر مضبوط کی "لاجسٹکس.... واؤ پھر تو تم نے زندگی سے خاصا کمپرومائز کر رکھا ہے۔"

"کرنا پڑتا ہے، کسی بھی چیز پر اختیار کی عدم موجودگی سمجھوتے ہی کرنا تو سکھا دیتی ہے انسان کو۔" وہ سامنے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔ اس کے اس فلسفیانہ انداز پر سلجوق مزید حیران ہوا تھا۔

"اچھا تو کس قسم کے لاجسٹکس درکار ہیں تمہیں اپنا اکیڈمک ریکارڈ امپروو کرنے کے لیے۔" اس نے تحسین آمیز نظروں سے اس لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا جسے دادا کے کہنے پر اسے گھر واپس چھوڑنے جانا پڑ رہا تھا اور جس کی اپنی گاڑی میں موجودگی کچھ دیر پہلے اسے سخت بیزار کر رہی تھی، لیکن اس کی گفتگو نے اب اسے اپنی طرف متوجہ کرنا شروع کر دیا تھا۔

"لاجسٹکس۔" اس نے گردن موڑ کر سلجوق کی طرف یوں دیکھا جیسے اس کے سوال کی تصدیق کر رہی ہو۔

"ہاں۔" سلجوق نے سر ہلاتے ہوئے کہا تھا۔

"پتا نہیں وہ ہوتا کیا ہے؟" اس نے سامنے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"کیا مطلب، تمہیں پتا ہی نہیں کہ تمہیں جو چاہیے وہ کیا چیز ہے۔" ایک بار پھر اس نے سلجوق کو حیران کر دیا تھا۔

"ہاں نہیں پتا۔" وہ اطمینان سے بولی تھی "یہ تو ایک بار بڑی خالہ کی بیٹی ککی نے کہا تھا مجھ سے کہ اگر میرے پاس لاجسٹکس کی کمی نہ ہوتی تو میں امائزہ سے زیادہ قابل اور ہونہار لڑکی ہوتی۔"

"امائزہ سے!" سلجوق کا انداز ایک بار پھر تمسخر اڑانے کا سا ہوا۔

"ہاں!" وہ پورے اعتماد کے ساتھ بولی "امائزہ آپ کی بڑی پکی سہیلی ہے نا اس لیے ہی آپ کو میری بات کا یقین نہیں آیا۔ ہے نا۔"

"پکی سہیلی۔" سلجوق نے سرکاری اسکولوں والے خالص نسوانی لفظ کو حلق سے اتارا۔ "تمہیں یہ بھی پتا ہے کہ امائزہ اور میں دوست ہیں۔"

"صرف دوست نہیں، قریب ترین، بہترین دوست۔" وہ یوں مسکرائی جیسے کہہ رہی ہو اور پوچھو، کیا پوچھنا ہے۔

"تمہیں کیسے پتا ہے، جبکہ میں نے تو تمہیں وہاں مطلب چچا کے گھر میں شاید ایک آدھ بار ہی دیکھا ہو گا۔" وہ واقعی حیران تھا۔

"جو کہیں نظر نہیں آتا، دراصل وہی تو ہر جگہ موجود ہوتا ہے۔" وہ پرسکون انداز میں بولی تھی۔

"واہ... تم تو خدائی صفات کا دعوا کر رہی ہو" سلجوق کو اس کے اعتماد پر حیرت ہو رہی تھی۔

"میں اپنی نہیں... اللہ تعالیٰ کی ہی بات کر رہی ہوں۔ وہ نظر نہیں آتا، لیکن ہر جگہ موجود ہوتا ہے اور اس کا وہ بندہ جس کا کوئی نہیں ہوتا، وہ خود اس کا بن جاتا ہے اور اپنے ایسے بندے کی نظر اور کان وہ باقیوں کی نسبت زیادہ تیز کر دیتا ہے۔ جب ہی تو مجھے پتا ہے کہ آپ اور امائزہ بہترین اور قریب ترین دوست ہیں۔"

چچا کے گیٹ پر گاڑی رکنے پر اس نے کہا تھا اور دروازہ کھول کر گاڑی سے باہر نکل گئی تھی۔

"کیا بکواس ہے یار!" وہ خلا میں کچھ دیر گھورتے رہنے کے بعد چونکتے ہوئے بلند آواز میں بولا تھا "کیوں اس روز سے وہ لڑکی بار بار میرے ذہن میں آنے لگی ہے۔ اس کی آواز اور اس کا چہرہ کیوں بار بار مجھے یاد آنے لگا ہے، بلکہ یاد رہنے لگا ہے۔" اس نے سر جھٹکا اور نگار خانے سے باہر نکل آیا۔

اور اس کا وہ بندہ جس کا کوئی نہیں ہوتا... "نگار خانے سے باہر نکلتے ہوئے بھی اس کے ذہن میں الفاظ بار بار گونج رہے تھے۔



کالج میں امتحان کے لیے رول نمبر سلپ اور امتحانی مرکز کے بارے میں تفصیلی معلومات ملنے کا دن تھا۔ اتنے دن سے گھر بیٹھ کر امتحان کی تیاری میں گزار دینے کے بعد آبگینہ کو گھر سے کالج تک کا فاصلہ طویل لگ رہا تھا۔ خصوصاً" وہ موڑ طے کرنا جہاں حسب معمول وہ آوارہ اور شوخ لڑکے کھڑے تھے۔ نگاہیں فٹ پاتھ پر جماتے وہ تیزی سے موڑ طے کرنا چاہ رہی تھی جب ان میں سے کسی نے اتنے دن بعد اسے وہاں دیکھ کر لوفرانہ انداز میں اسے مخاطب کیا تھا۔

"ہیلو ڈارلنگ... آنکھیں ترسا دیں تم نے تو۔"

وہ کان لپیٹ کر گزر جانا چاہتی تھی کہ ان میں سے کسی ایک کے ہاتھ میں موجود رنگ دار پانی سے بھری بوتل کا پانی اس پر اچھل کر اس کے یونیفارم پر گل بوٹے بناتا آگے سڑک تک کو بھگو گیا تھا۔

آبگینہ کی آنکھوں میں آنسو چھلکے۔ وہ سب بلند آواز میں قہقہے لگا رہے تھے۔ وہ اس روز ان سے کچھ کہہ ہی دینا چاہتی تھی، کوئی گالی، کوئی بددعا، لیکن ایسا کچھ کرنے کا انجام بھی جانتی تھی۔ زندگی میں صرف ایک ہی چیز سے تو اسے خوف آتا تھا، اور وہ تھا تماشا بن جانا، تماشا بن جانے کے خوف نے اسے زندگی کے ہر مقام پر منہ میں آئے جواب، دل میں آئے غصے اور آنکھ میں اترے خون کا گلا دبا دینے پر مجبور کیا تھا۔ پھر صرف چند ہی دن بعد تو وہ امتحان متوقع تھے جن کے نتیجے نے اسے اپنے پاؤں پر کھڑے کرنا تھا۔

آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو زبردستی اندر دھکیلتے ہوئے اس نے آگے بڑھ جانے کو جو قدم بڑھایا تھا۔ تب ہی وہ لڑکا جس نے رنگ ملا پانی اس پر اچھالا تھا اس کے اسی قدم میں تو آکر گرا تھا، لیکن شاید اس گھونسے کی آواز کی رفتار زیادہ تیز تھی جو لڑکے کے زمین پر گرنے سے ذرا ہی پہلے اس کے کانوں نے سنی تھی۔

ابھی وہ اس صورت حال کو سمجھ بھی نہ پائی تھی کہ آوازیں کسنے والا لڑکا اس کے سامنے زمین بوس ہوا تھا۔ مڑ کر اس حرکت کو کرنے والے کو دیکھنے سے پہلے پانی پھینکنے والے لڑکے نے نیچے سے اٹھنے کی کوشش کی ہی تھی کہ اس کے سینے پر ایک لات رسید ہو گئی تھی اور وہ دوبارہ زمین بوس ہو گیا۔

"بھاگو۔" ان دونوں کے ساتھیوں میں سے کسی نے کہا تھا اور ان بھاگتے قدموں کے پیچھے بجلی کے کھمبے کے اردگرد بکھری دھول اڑنے لگی تھی۔ آبگینہ بے یقینی سے فٹ پاتھ پر اوندھے پڑے لڑکوں کو دیکھ رہی تھی جب وہ آکر اس کی نظروں کے سامنے کھڑا ہو گیا تھا۔

"تمہیں اب چلنا ہے یہاں سے یا ان کے کسی اور ساتھی کا انتظار ہے جو آئے اور تمہاری عزت میں اضافہ فرمائے۔" وہ جس کا نام سلجوق تھا اس سے پوچھ رہا تھا۔



"ہاں' یہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔" کالج سے رول نمبر سلپ لینے کے بعد سلجوق کی گاڑی میں بیٹھی آبگینہ نے کہا تھا۔ "یہ اس راستے پر آتے جاتے شاید میرا پانچواں سال ہے یہ' یا پھر شاید ان جیسے ہی کوئی اور لڑکے ہمیشہ یہاں ہی کھڑے ملتے رہے۔"

"اسی قسم کی حرکتیں.... ہے نا؟" وہ ڈرائیونگ سیٹ کی پشت سے سر ٹکائے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ آبگینہ شرمندہ ہوئی تھی اس نے سر جھکا لیا تھا۔

"اور تم چار ساڑھے چار سال سے یہ حرکتیں برداشت کر رہی ہو؟" وہ چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

آبگینہ نے تیزی سے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کوئی جواب دینا چاہا تھا لیکن اس کی نظروں میں نجانے ایسا کیا تھا کہ وہ کوئی جواب نہ دے پائی تھی۔

"تم سے دادا نے کہا تھا نا کہ تم میرا انتظار کرلو۔ وہ مجھ سے کہیں گے' تمہیں رول نمبر سلپ دلوادوں۔"

وہ اگلا سوال پوچھ رہا تھا ایک بار پھر آبگینہ کا سر جھک گیا۔

"آپ کو انہوں نے بھیجا تھا میرے پیچھے۔" کچھ دیر بعد اس نے خود کو سوال کرتے سنا تھا۔

"نہیں۔" اس نے سیدھے ہوتے ہوئے اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھے۔

"پھر؟" اس نے تیزی سے سر اٹھا کر اس کی طرف حیرت سے دیکھا۔

"پھر پتا نہیں۔" وہ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا "شاید اس روز تمہیں میرے لیے جوس کا ڈبہ نہیں لانا چاہیے تھا۔ سارا فتور اسی کا ہے۔" وہ گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے بولا تھا۔

آبگینہ باقی کا سارا راستہ اس کی اس بات کو سمجھنے کی کوشش میں ہی مصروف رہی تھی۔



"سلجوق آج کل اکثر ادھر کا چکر لگانے لگا ہے' خیر تو ہے؟" عفت نے توسٹ پر جیم لگاتے ہوئے عالم گیر سے پوچھا۔

"اباجی کی وجہ سے.... یہ تو سیدھی سی بات ہے۔ اس کو سوال بنانے کی کیا ضرورت ہے۔" عالم گیر نے چائے کا گھونٹ حلق سے اتارنے کے بعد جواب دیا۔

"واہ! — جیسے میں نیلوفر کو جانتی نہیں ہوں۔" عفت نے چھری پلیٹ میں رکھی

"ادھر اباجی کا سرا ہاتھ میں نہیں آرہا.... ساری عمر ہم منتیں کرتے رہے کہ ادھر آکر رہیں ہمارے پاس لیکن نہیں مانے۔"

"پتا نہیں ہم انسانوں کو کیا عادت ہوتی ہے' جہاں معمول سے ہٹ کر کوئی چیز دیکھتے ہیں' وہیں بیٹھ کر اس کا آپریشن کرنے لگ جاتے ہیں۔"

ذوالکفل تھا جو ان دونوں کی گفتگو کے دوران آکر ناشتے کے ٹیبل پر بیٹھا تھا.... "آپ لوگ چیزوں کے مثبت پہلو دیکھا کریں بس۔" اس نے اپنے سامنے رکھے پیالے میں دلیہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"اچھا تو مثبت پہلو کیا ہے اس بات میں؟" عفت نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہ ہی کہ دادا ہمارے ساتھ رہ رہے ہیں اور وہ ایک امیزنگ شخصیت ہیں۔" میں تو بہت انجوائے کر رہا ہوں ان کی کمپنی میں۔"

"اور سلجوق؟" عفت نے اسی مشکوک انداز میں کہا۔ "وہ بھی انجوائے کرنے آتا ہے یہاں کیا؟"

"پتا نہیں۔" ذوالکفل نے شانے اچکائے' ذوالکفل کو بہت برا لگتا تھا اگر عفت کسی دوسرے شخص کی نیت پر شک کرتیں۔ وہ ایک مکمل اسپورٹس مین تھا۔ زندگی کو نپے تلے انداز میں گزارنے کا قائل' دوسرے لوگ اپنی زندگیوں میں کیا کر رہے تھے اسے اس سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ اسے صرف اس بات سے غرض رہتی تھی کہ وہ خود اپنی زندگی میں کچھ ایسا تو نہیں کر رہا جو اخلاقی لحاظ سے غلط ہو۔

لیکن عفت اپنی عادت سے مجبور تھیں۔ تجسس ان کی فطرت میں شامل تھا۔

دادا سے ملنے کے لیے سلجوق کا آنا انہیں مشکوک نہ کرتا اگر وہ ایک روز اپنے گھر کے گیٹ سے کسی کو اندر داخل ہو کر سرونٹ کوارٹرز کی طرف جاتا نہ دیکھ لیتیں اور انہیں یہ شک نہ گزرتا کہ اس آنے والے کا حلیہ سلجوق جیسا تھا اگرچہ شام کے جھٹ پٹے میں وہ اس آنے والے کو ٹھیک سے دیکھ نہ پائی تھیں اور چوکیدار سے پوچھنے پر انہیں اس کی کسی بھی آنے والے سے لاعلمی کا پتا نہ چلتا۔

اس شام سلجوق اباجی کے کمرے سے نکل کر ان سے ملا بھی تھا جبکہ اسے اباجی سے ملنے کے لیے گھر میں آتے انہوں نے نہیں دیکھا تھا۔

"پلیز مام! بات وہ کرنی چاہیے جس پر کوئی دوسرا یقین بھی کر سکے" ذوالکفل سے بھی زیادہ عملیت پسند ان کی بیٹی امائزہ نے ان کا وہم سن کر کہا تھا "کبھی کبھی ہم جو خواب دیکھتے ہیں نا وہ ہمارے لاشعور میں یوں بیٹھ جاتے ہیں کہ حقیقت لگنے لگتے ہیں۔"

اب وہ امائزہ کو کیا بتاتیں کہ وہ خواب میں بھی سلجوق کو سرونٹ کوارٹرز کی طرف جاتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی تھیں اور یہ کیسا خواب تھا جس میں سلجوق اباجی کے کمرے میں داخل ہوئے بغیر باہر نکل آیا تھا۔



"عجیب سی ہی بات تھی نا کہ جس جوس کے ڈبے کے لیے وہ قرض دار ہو گئی تھی' اسی جوس کے ڈبے کا وہ ہر بار حوالہ دیا کرتا تھا۔ "تمہیں میرے لیے جوس کا ڈبہ نہیں لانا چاہیے تھا' سارا قصور اسی کا ہے۔"

اگرچہ آبگینہ ابھی تک یہ سمجھ نہ پائی تھی کہ اسے کتابیں اور ٹیسٹ پیپرز لا کر دینے' روزی کا گھر ڈھونڈ کر اس سے نوٹس لا کر دینے اور ہر روز بی بی جان کے کوارٹر میں آ کر اس سے یہ پوچھنے کہ اس کی تیاری کیسی ہو رہی تھی کے پیچھے جوس کے ڈبے کا کیا قصور تھا۔ لیکن وہ دن میں دس پندرہ مرتبہ پڑھائی چھوڑ کر اس بات پر حیران ہوتی رہتی تھی کہ اس کے ساتھ کیا معجزے ہو رہے تھے۔

وہ نانا' جن کے تصور سے وہ عمر بھر ہولتی رہی تھی اس پر اچانک مہربان ہو گئے تھے اور بڑے ماموں جنہیں ان کی زندگی میں اس نے کھڑکیوں کی جالیوں اور دروازوں کی درزوں سے آنکھ لگا کر ہی دیکھا تھا' ان کا وہ بیٹا جسے امائزہ کے ساتھ کبھی اسی گھر کے لان اور کبھی کچن کے ساتھ ملحق لاؤنج میں بیٹھ کر گھنٹوں گپیں لگاتے وہ دیکھا کرتی تھی اور سوچتی تھی کہ اس گھر میں آنے والے مہمانوں میں سے وہ اپنے کام چھوڑ کر اسی کو کیوں تاک جھانک کر کے دیکھا کرتی ہے' وہ اس کے لیے زندگی میں بہت سی آسانیوں کا محرک بن گیا تھا۔

"میں نے اس سے پہلے کبھی غور بھی نہیں کیا تھا کہ تم اس گھر میں رہتی ہو۔" اس نے آبگینہ کو بتایا تھا۔ "شاید گھر کے بچے ارد گرد پھیلی چیزوں اور لوگوں کو اسی آنکھ سے دیکھنے کے عادی ہو جاتے ہیں جس سے گھر کے بڑے انہیں دکھانا شروع کرتے ہیں۔" وہ ہلکے سے ہنس کر بولا تھا "اور ایسا اس وقت تک ہوتا ہے جب تک بچے اتنے بڑے نہ ہو جائیں کہ ان کی آنکھیں اپنا ویژن خود بنا لیں' اسی لیے تو اس روز پرنسپل کے پاس جا کر تمہاری سفارش کرنے سے پہلے تک تم میرے لیے صرف میری کسی ایسی پھوپھی کی بیٹی تھیں جو باغی تھیں اور نتیجہ تمہارا بھی باغی ہونا لازمی تھا۔ وہ اپنے گھر والوں کا سر جھکا چکی تھیں لہٰذا معتوب تم بھی ٹھہری تھیں۔"

"پھر کیا ہوا؟" آبگینہ نے اس کی بات سنتے سنتے پری کی جادو والی اس چھڑی کا کھوج لگانا چاہا جس نے یکایک منظر بدل ڈالا تھا۔

"پھر یوں ہوا کہ مجھے لگنے لگا تم تو بالکل بے قصور ہو' معصوم ہو اور بے ریا بھی ہو' جسے ہم سب نے اپنے بدصورت رویوں کے ساتھ ان لاجسٹکس سے محروم کر رکھا ہے جن کی تم مستحق ہو۔" وہ قدرے رنجیدہ لہجے میں بولا۔

"پھر؟" اس کی کہانی میں آبگینہ کی دلچسپی بڑھنے لگی۔

"پھر... میں نے سوچا کیوں نہ تمہیں وہ

لاجسٹکس مہیا کیے جائیں جو تمہیں امائزہ سے زیادہ قابل لڑکی ثابت کرسکیں۔"

"نہیں۔" وہ کہانی کے اس موڑ سے مایوس ہوتے ہوئے لاشعوری طور پر ذرا پیچھے ہٹی تھی۔ "اب ایسا نہیں ہوسکتا۔"

"کیوں نہیں ہوسکتا؟" وہ چونک کر بولا تھا۔

"اب تو میں اتنی بڑی ہوگئی ہوں اور وقت کے ساتھ میرا دماغ پہلے سے بھی زیادہ ہلکا ہوچکا ہے۔ اب تو میں بس پاس ہوجاؤں' بڑی بات ہے۔" وہ خود سے کافی زیادہ مایوس تھی۔

"اچھا چلو' دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔" وہ رخصت ہوتے ہوئے بولا تھا۔

"بس تم ضرور امتحان پاس کرلوگی۔" بی بی جان اس کے گرد نت نئی کتابیں اور نوٹس دیکھ کر کہتیں "اور جب تم پاس کرلوگی ناتو مسرت النساء فورا" یوں تمہیں نوکری دلوادے گی۔" وہ چٹکی بجاتیں۔

حیرت کی بات تو یہ تھی کہ جب پہلی بار سلجوق نے بی بی جان کو اس راز میں شریک کیا تھا کہ وہ اور نانا آبگینوں کی مدد کرنا چاہتے تھے اور یہ کہ اس مدد کو آبگینوں تک پہنچنے کے لیے سلجوق کو ان کے کوارٹر تک رسائی چاہیے تھی تو بی بی جان نہ تو معترض ہوئیں نہ ہی اپنے بالکوں سے ڈریں' بلکہ وہ خوشی سے نہال ہوتی جارہی تھیں۔ یہ ہی حال چوکیدار کا تھا اور مالی کا بھی۔

شاید وہ سب ہی یہ چاہتے تھے کہ وہ جو کئی سالوں سے تعلیم کے نام پر ایک مسلسل جدوجہد میں مشغول تھی' اس کی کوششوں کو کوئی کنارا مل جائے۔ اسی لیے توگیٹ سے لے کر سرونٹ کوارٹرز تک جتنے بھی مرحلے تھے' وہ ان سب کو انتہائی رازداری کے ساتھ طے کر لیتا تھا۔



"مذاق بھی ایک حد تک اچھا ہوتا ہے سلجوق!" پری نے خشک لب اسٹکز کو اسکیچ بک کے کاغذ کی سطح پر پھیرتے ہوئے کہا "تمہارا مذاق اگر کسی کے جذبات سے کھیلنے لگے اور پھر تم ہاتھ اٹھا کر کہو کہ یہ تو محض ایک مذاق تھا تو جانتے ہو کہ اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔"

"جانتا ہوں۔" سلجوق نے بدمزہ ہوتے ہوئے چہرے پر ہاتھ پھیرا "لیکن ایسا تو تب ہے ناجب میری نیت مذاق کی ہو بھی۔"

"اچھا!" پری نے اسکیچ پر سے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا "تو تمہارا خیال ہے کہ تم سنجیدہ ہو۔" سلجوق نے ہونٹ بھینچتے ہوئے سر ہلانا چاہا لیکن اس کے اس جواب سے پہلے ہی اس نے سپاٹ لہجے میں اگلی بات کہی۔

"نیلوفر والی حقیقت کے ہوتے ہوئے ایسی کسی بات پر سنجیدہ ہوا ہی نہیں جاسکتا۔"

"یہ کیا مذاق ہے یار!" وہ بھنا کر بولا "آپ میری ہر بات میں نیلوفر کو کیوں لے آتی ہیں آخر....؟"

"اس لیے کہ وہ تمہاری زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے' باز آجاؤ' مت اسے ایسے لاجسٹکس مہیا کرنے کی کوشش کرو جو اس کی رہی سہی زندگی کا روگ بن جائیں۔"

"کم آن پری!" اس بار وہ واقعی جھنجلا گیا تھا "میں جنون کی حد تک سنجیدہ ہوں۔"

"اچھا تو تمہارا خیال ہے کہ تم نے جان اور دل جوس کے ایک پچیس روپے والے ڈبے پر لٹادیے' یہ ہی کہنا چاہ رہے ہو نا تم؟"

سلجوق کو پری کے لہجے کا طنز بری طرح چبھا تھا لیکن وہ مصلحتا" اسے نظر انداز کر گیا۔

"ہاں۔" اس نے پورے وثوق سے سر ہلایا' "کیونکہ وہ صرف جوس کا ایک ڈبہ نہیں تھا۔"

"نہیں' وہ جوس کا ڈبہ نہیں کوہ نور ہیرا تھا جسے وہ ملکہ برطانیہ سے چھین کر تمہارے لیے لے آئی تھی۔" پری کے لہجے میں ابھی تک وہ ہی استہزا تھا۔

"کوہ نور ہیرا ہی سمجھیں۔" وہ اتنے ہی تیقن اور اعتماد سے بولا تھا "کیونکہ اس کے لیے اسے کسی کے سامنے اپنی ایگو ایک طرف رکھنی پڑی تھی اور...." اس نے ہاتھ اٹھا کر پری کو درمیان میں بولنے سے منع

کرتے ہوئے کہا "اور میرے نزدیک کسی انسان کی ایگو دنیا کے سب سے قیمتی ہیرے سے بھی زیادہ قیمتی چیز ہے۔"

"او ووہ ....!" پری اپنا انداز بدلنے پر تیار نہیں ہوئی۔ "حیرت ہے نیلوفر کا بھائی ہوتے ہوئے بھی تمہیں دوسروں کی ایگو کی قیمت کا اندازہ ہے۔"

"ایسی باتیں مت کریں پری! جن سے ایسا لگے جیسے آپ مجھے جانتی نہیں۔" اس نے مایوسی سے سر ہلایا۔

"میں تمہیں بہت اچھی طرح جانتی ہوں سلجوق۔" پری کا لہجہ قدرے نرم ہوا "اسی لیے تمہیں کسی ایسی سمت پیش قدمی سے روکنا چاہتی ہوں جس کے نتیجے میں تمہارے اپنے لاجسٹکس ہاتھ سے جاتے رہنے کا اندیشہ ہو۔"

"اور آپ سمجھتی ہیں کہ ایسا کوئی اندیشہ مجھے ڈرا سکتا ہے' اپنے ارادے سے باز رکھ سکتا ہے؟" سلجوق کے لہجے میں ضد اتری۔

"ہاں!" پری نے افسوس کے ساتھ سر ہلایا۔ "کیونکہ تم سب تلخ باتوں کے باوجود نیلوفر سے محبت کرتے ہو اور اس کا احترام بھی۔"

لمحہ بھر کے لیے سلجوق کی آنکھیں بند ہوئیں اور اس نے سر جھکا لیا۔

"اور نیلوفر تمہیں اس پیش قدمی کی مر کر بھی اجازت نہیں دے سکتی۔ اسی لیے تمہیں خبردار کر رہی ہوں کہ اس بے قصور اور پہلے سے مظلوم لڑکی کے ساتھ محبت محبت کا کھیل مت کھیلنے بیٹھ جانا۔ تمہارا تو شاید کچھ نہ جائے لیکن اس کا بہت زیادہ نقصان ہو جائے گا۔"

"چھوڑیں" آپ نہیں سمجھ پائیں گی۔" وہ پری سے بحث کرنے کے بجائے ہونٹ دانتوں تلے دبا تا اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ لاؤنج کے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر وہ پری کی طرف مڑا "میں چلتا ہوں اب۔"

"رکو۔" پری نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑا "اور بیٹھ جاؤ ادھر' ہم اس موضوع پر نئے سرے سے بات کرتے ہیں۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑے اسے صوفے تک لے آئی۔



وہ عالم گیر کی ملک واپسی سے لے کر اب تک بغور اس کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ شاید وہ جاننا چاہتے تھے کہ جس بھانجی پر ترس کھا کر عالمگیر ان کی ہدایت کے برعکس اسے اپنے گھر لے آئے تھے' اس کے معاملات میں ان کی دلچسپی کس حد تک تھی۔

"میں نے آنگیبن سے پوچھ لیا ہے گل خان! جس اسکول میں اس کا سینٹر بنا ہے' وہ تو بس یہیں ہے دس منٹ کی واک پر۔ میں نے اس سے کہہ دیا ہے۔ وقت پر نکل جایا کرے گی تو کوئی مسئلہ نہیں ہو گا پہنچنے کا' اس لیے کسی سواری کا بندوبست کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" انہوں نے ایک روز عالم گیر کو چوکیدار سے کہتے سنا تھا۔

"کتنے پیپر ہوں گے اس کے ٹوٹل' یہ ہی کوئی چھ سات' ہے نا؟" عالم گیر کی بیوی عفت اس روز سرگوشی کے انداز میں عالم گیر سے پوچھ رہی تھیں جب وہ کچھ دیر ان دونوں کے پاس بیٹھنے کے بعد اپنے کمرے میں آنے کے لیے اٹھ کر دروازے تک پہنچے تھے۔

"ختم ہوں کسی طرح تو جان چھوٹے۔ میں تو اس بات کا پہرا دیتے دیتے ہی تھک گئی ہوں کہ کہیں ابا جی کی نظر اس پر نہ پڑ جائے۔ سب سرونٹس کو بھی الرٹ کیا ہوا ہے۔ جانتے ہیں' کتنا آکورڈ لگتا ہے مجھے ایسی ہدایات دیتی ہوں جب ملازموں کو۔"

اس پچھلی عمر میں اپنی زیادتیوں کی تلافی کرنے اور خود کو احساس جرم و گناہ سے آزاد کرا لینے کی دھن نے مجھ بڈھے کے کان بھی کیسے تیز کر دیے' اتنی نیچی آواز میں کی گئی بات بھی سنائی دینے لگی ہے۔ وہ سر جھٹکتے ہوئے خود پر ہنسے۔

"شاید میں ان حالات اور گزشتہ تاریخ کی وجہ سے اس کے لیے زیادہ کچھ نہیں کر پاؤں گا۔ بجز اس کے تعلیم حاصل کرنے کے معصوم شوق کی تکمیل کے۔" میرا

بیٹا، بیٹیاں اور ان کے بچے شاید اب میرے اس اعتراف سے سمجھوتا نہ کرپائیں گے کہ میرے اس بے قصور بچی کے بارے میں خیالات یکسر بدل چکے ہیں اور وہ مانیں تو کیسے مانیں کہ میں جو مہرالنساء سے اس کی موت کے بعد بھی اس قدر ناراض تھا کہ اس کا مرا ہوا منہ تک نہ دیکھنے گیا تو اب اس کی بچی کے لیے محبت بھرے جذبات میرے دل میں یکایک کیسے امڈ آئے۔

ان کی آنکھیں بھیگنے لگیں، ہاتھ میں پکڑی چھڑی کی موٹھ پر ان کی گرفت کپکپانے لگی۔ "اور اب جب کہ میں عالمگیر، دونوں بیٹیوں اور جہانگیر کے بچوں میں اپنی جائیداد، روپیہ پیسہ ان کے حق کے حساب سے پہلے سے بانٹ چکا ہوں اور خود اپنے لیے میں نے صرف اپنی ضرورت کے وسائل ہی رکھے ہوئے ہیں، میں اس بے چاری کو دے بھی کیا سکتا ہوں۔ محبت اور اپنائیت کا اعتبار، سرپرستی کا احساس اور گریجویٹ ہو جانے کی خوشی۔" انہوں نے افسردگی سے سوچا۔

پھر بہتر ہے کہ خاموشی سے اس کے لیے جو کر سکتا ہوں کر دوں شاید اس کی زندگی میں تھوڑی آسانی جائے۔"

وہ اپنے اس فیصلے کو دن میں کئی بار دہراتے تھے اور جتنی بار دہراتے تھے ان کے دل میں اپنی کمزوری اور بے بسی کا احساس بڑھنے لگتا تھا۔



وہ چھوٹے چچا کے گھر کی سرونٹس ہیڈ بی بی جان کے کوارٹر میں بیٹھا آبگینہ کو انگریزی کے سوال یاد کرا رہا تھا۔

"میری انگریزی اتنی اچھی نہیں ہے۔ مجھے صرف اتنی تیاری کرنی ہے کہ میں بس پاس ہو جاؤں اس سے آگے یہ زبان سمجھنے کی مجھے کیا ضرورت ہے۔" وہ اس کے سامنے بیٹھی اکتائے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ کیا مصیبت تھی، ڈبل لیٹ فیس کے ساتھ داخلہ بھجوانے کی سزا مل رہی تھی شاید۔

"تمہیں ضرورت نہیں ہو گی، مجھے تو ہے۔" وہ اس کے لہجے اور انداز کی پروا نہ کرتے ہوئے بولا تھا۔ "اور تم جانتی ہو میری منزل تمہاری یہ چند صفحوں والی کتاب نہیں ہے، میں تو اس سے آگے بہت آگے کی چیزیں بھی تمہیں پڑھانے والا ہوں۔" اس نے ہاتھ میں پکڑی کتاب اسے دکھاتے ہوئے کہا تھا۔

"ہیں!" وہ پوری جان سے ڈر گئی "کس نے کہا ہے اور کیوں؟ نہیں بھئی نہیں مجھ سے اتنی سرکھپائی نہیں ہوتی۔" اس نے صاف انکار کرتے ہوئے سر ہلایا تھا۔

"مجھ سے تو ہوتی ہے اور میں یہ سرکھپائی کرنے کے پورے موڈ میں ہوں۔" وہ اس کی پروا نہ کرتے ہوئے بولا تھا۔

اور دونوں سے ذرا فاصلے پر بیٹھی بی بی جان نے چونک کر اس لڑکے کی طرف دیکھا تھا جس کا انداز اب انہیں ایک نئی کہانی سنانے لگا تھا۔

"اور اگر یہ بات کھل گئی تو میرا کیا ہو گا؟" ان کا دل اپنے لیے لرزنے لگا تھا۔



"ماما بھی نا بہت عجیب ہیں۔" امائزہ نے چپس کا ڈبہ سلجوق کی طرف بڑھاتے ہوئے مسکرا کر کہا تھا "انہیں عجیب عجیب وہم اور گمان ہوتے رہتے ہیں۔"

"اچھا!" وہ چپس منہ میں ڈالتے ہوئے بولا۔

"ہاں.... اور جانتے ہو، آج کل انہیں کیا وہم ستا رہا ہے۔" وہ صوفے سے اٹھ کر اس کے سامنے فلور کشن پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"انہیں لگتا ہے کہ تم دادا کے کمرے میں جاتے ہوئے تو نظر نہیں آتے لیکن اچانک سے ان کے کمرے سے تمہیں نکلتے ہوئے انہوں نے کئی بار دیکھا ہے۔" وہ بات ختم کر کے بلند آواز میں ہنس رہی تھی۔ سلجوق کا چپس کے ڈبے کے اندر جاتا ہاتھ وہیں رک گیا تھا۔

"اب تم بتا ہی دو بھلا تم دھواں بن کے دادا کے کمرے میں جاتے ہو یا پھر مکھی بن کر۔" امائزہ ہنستے

ہوئے پوچھ رہی تھی۔
"نہیں یار..... یہ بہت سنجیدہ معاملہ ہے' اسے ہنسی میں مت ٹالو۔" ذوالکفل جو اب تک ٹی وی اسکرین پر نظریں جمائے فٹ بال میچ دیکھ رہا تھا امائزہ کی ہنسی میں مداخلت کرتے ہوئے بولا۔
"ماما کو کسی سائیکاٹرسٹ کی سخت ضرورت ہے۔ کیوں سلجوق ؟" اس نے بت بنے بیٹھے سلجوق کی طرف دیکھا۔ سلجوق نے چپس کا ڈبہ میز پر رکھ کر ہاتھ جھاڑے۔
"بتاؤ بھی سلجوق! اس جادوگر سے یہ جادو سیکھا ہے تم نے؟" امائزہ اسے اکسا رہی تھی۔
"جادو نہیں سیکھا' مجھ پر جادو ہو گیا ہے۔" وہ کہنا چاہتا تھا "ایسا جادو جس نے مجھے عقل اور سوجھ بوجھ سے آزاد کردیا ہے۔" اس نے لمبا سانس کھینچتے ہوئے گردن موڑ کر لاؤنج کی کھڑکی کی طرف دیکھا جس کے عقب میں گھر کے ملازمین کے کوارٹرز تھے۔
"وہ بے قرار ہوتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔
"کدھر؟" امائزہ نے پوچھا۔
"میں!" اسے فوری طور پر جواب سمجھ میں نہیں آیا۔
"اگر تم سمجھتے ہو کہ تم یہاں سے اٹھو گے اور اپنے گھر چلے جاؤ گے تو یہ تمہاری بھول ہے۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کہہ رہی تھی "ہماری ڈیل یہ طے ہوئی تھی کہ تم آج مجھے مووی بھی دکھاؤ گے اور ڈنر بھی کراؤ گے۔ چلو بیٹھو واپس۔"
"میں کہیں نہیں جا رہا۔" اس نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ "دادا کے پاس جا رہا ہوں' ان سے کچھ بات کرنی ہے۔"
"رکو' رکو!" ذوالکفل اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے سامنے آکر کھڑا ہوا "میں ذرا ماما کو بلا لاؤں' وہ اپنی آنکھوں سے تمہیں دادا کے کمرے میں جاتا دیکھنا یقیناً بہت پسند کریں گی۔"
"ماما تو گھر پر نہیں ہیں..... تم جاؤ سلجوق!" امائزہ نے ذوالکفل کو درمیان سے ہٹا کر کہا۔

"چلو پھر میں تمہاری تصویر لے لیتا ہوں اور اس کے ساتھ اسٹیٹس بھی ڈال دیتا ہوں۔ دادا کے کمرے میں جاتے ہوئے۔" کم سے کم دو لائکس تو ضرور آجائیں گے..... ہے نا امائزہ! ایک تمہارا اور ایک میرا۔" ذوالکفل ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا اور سلجوق کو کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے دادا کے کمرے کی طرف قدم بڑھائے۔



"آگ کے دریا کو کیا سمجھتے ہو تم؟"
انہوں نے اپنے سامنے سر جھکائے بیٹھے سلجوق سے پوچھا تھا "دریا تو دیکھا ہو گا تم نے اس سے کچھ زیادہ ہی لمبا اور گہرا ہوتا ہے آگ کا دریا' دور دور تک کنارہ نہیں نظر آتا بس جھلستے جاؤ' ہاتھ پیر مارتے رہو' کنارہ اشتباہ نظر بن کر سامنے آتا اور غائب ہو جاتا ہے۔"
"میں نہیں جانتا کہ ایسا کیسے ہوا ہے لیکن مجھے ایسا لگتا ہے جیسے نتیجہ کیا ہو گا' مجھے اس کی پروا نہیں رہی۔" اس نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔
انہوں نے غور سے اس کی طرف دیکھا' وہ جیسے کسی انجانے بوجھ کے ہاتھوں تھکا ہوا نظر آ رہا تھا۔
"مگر کوئی بھی..... میرا مطلب ہے نیلوفر....." انہوں نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہنا چاہا تھا۔
"میں جانتا ہوں دادا! نیلوفر ہی وہ آگ کا دریا ہیں نا جن کی ہیبت سے ڈرا کر آپ مجھے رائی بنانا چاہتے ہیں۔" اس نے ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔
"نہیں۔" ان کا سر ہلا "تمہارے معاملے میں صرف نیلوفر ہی نہیں اور لوگ بھی انوالوڈ ہیں۔ میرا مطلب ہے عالم گیر' عفت اور....."
"اور کون.....؟" وہ مضطرب ہوتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔
"کیا تم نہیں جانتے امائزہ....." انہوں نے بات ادھوری چھوڑتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"نہیں' میں نہیں جانتا اور میں جاننا چاہتا بھی نہیں ہوں۔" وہ قطعیت سے بولا تھا۔
"جو کبھی لڑائی لڑنے کی کوشش میں کیوں اس معصوم کو بھی بیچ میدان کا ٹارگٹ بناتے ہو احمق۔" وہ پہلی بار ڈپٹ کر بولے تھے۔
"مجھے پرواہ نہیں اور اس کو۔" اس نے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں "اس کو ٹارگٹ نہیں بننے دوں گا میں اس کی ڈھال بنوں گا۔"
اس کے لہجے میں کچھ ایسا ضرور تھا جس نے انہیں کچھ دیر تک خاموش رہ کے اسے دیکھتے رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔
"اس سے بھی پوچھا ہے گدھے! اس کا تمہارے بارے میں کیا خیال ہے' چاہے وہ ہی تمہیں مسترد کر دے اور تمہاری ان پہاڑوں کی چوٹیوں کو چھوتے جذبوں کو بھی۔"
"میں نے اس سے کچھ بھی نہیں کہا' وہ امتحان دے رہی ہے۔ میں اسے ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا' بعد میں دیکھ لیں گے۔" وہ لاپروائی سے بولا تھا "اور جہاں تک بات مسترد کر دیے جانے کی ہے تو اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ تو اس وقت بھی چھپ چھپ کر مجھے دیکھا کرتی تھی جب میں اسے جانتا بھی نہیں تھا۔"
"یہ تمہیں کس نے بتایا؟" وہ پوری طرح چونکے تھے۔
"خود اس نے۔" وہ پہلی بار مسکرا کر بولا تھا اور اس کی مسکراہٹ میں اپنی بات کا سو فی صد یقین جھلکتا نظر آ رہا تھا۔
اس لڑکے نے ان کے کمزور دل کو بری طرح ہولا دیا تھا۔ انہیں ایک ایک کر کے اس مختصر سے خاندان کی تاریخ کے باب یاد آنے لگے تھے۔ مہرالنساء نے بھی محبت کرنے کا ہی جرم کیا تھا' جہانگیر بھی ایسی ہی لغزش کا مرتکب ہوا تھا اور بہزاد۔
ان کی نظروں کے سامنے اپنے اس پوتے کا چہرا بار بار گھومنے لگا تھا جس کے اندر سلجوق جتنی ہمت نہیں تھی کہ ایک بار ہی صرف ان ہی کے سامنے اپنے دل میں چھپے جذبوں کا اعتراف کر لیتا جس کے ساتھ رہتے ہوئے انہوں نے کئی بار اسے ایک کتاب میں رکھی وہ تصویر دیکھتے دیکھا تھا جسے اس کی غیر موجودگی میں پہلی بار دیکھنے پر خود انہیں بھی یاد نہیں آیا تھا کہ وہ کس کی تصویر تھی اور جس روز یاد آ گیا تھا۔ اسی روز انہیں اس کے دور دیس چلے آنے کی وجہ سمجھ میں آ گئی تھی۔ اس روز بھی ان کا کمزور دل یونہی لرزا تھا۔ لاعلمی بھی کتنی بڑی نعمت ہوتی ہے۔ انہوں نے اس کے بعد کئی بار سوچا تھا لیکن نجانے ایسا کیوں تھا کہ اس کے بعد باتیں کرتے ہوئے وہ بہزاد سے نظریں چرانے لگے تھے۔ بہزاد ان کے اس انداز کو دیکھتا اور محسوس کرتا تھا تو بھی اس نے کبھی ان سے وجہ نہیں پوچھی تھی شاید وہ خود میں گم رہنے کا عادی ہونے لگا تھا۔
مگر یہ معاملہ مختلف تھا۔ یہاں نہ بے خبری رہی تھی نہ ہی لاعلمی۔ وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نتائج کی پرواہ نہ ہونے کا اعلان کر گیا تھا۔
"اس معاملے میں آپ سے بہتر مددگار کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ آپ ساتھ دیں گے یا نہیں؟" اس نے جانے سے پہلے ان سے پوچھا تھا۔ وہ صرف ان کے سامنے سوال نہیں رکھ کر گیا تھا۔ انہیں اپنے ساتھ آگ کے اس دریا میں گھسیٹ لے گیا تھا جس کا کنارا ڈوب کر پار کرنے والوں کے لیے محض اشتباہ نظر ہی رہتا تھا۔



"تم ان سے پوچھ سکتی ہو نیلوفر! میں نے اباجی سے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ یہاں قیام کا پورا عرصہ ہی میرے ہاں گزار دیں' میں نے تو صرف اتنا کہا تھا کہ اس بار چند دن ادھر ہی گزاریں۔" عالمگیر اپنی اس بھتیجی کے سامنے منمنانے پر کیوں مجبور ہو جاتے تھے' یہ بھی انہیں خود بھی پتا نہیں چلا تھا۔
"میں جانتی ہوں' آپ نے ایسا نہیں کہا ہو گا۔ لیکن آپ سب کی وہ باتیں۔ آہ اباجی! آپ ہی کی ہمت

ہے جو نیلوفر کے ساتھ رہ لیتے ہیں' اُف ابا جی! آپ نیلوفر کے ساتھ کیسے وقت گزار رہے ہیں۔" وہ باقاعدہ اداکاری کرتے ہوئے بولی تھی۔

"تم بیٹھو تو سہی' بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ خوامخواہ بدگمان ہو رہی ہو۔" وہ گڑبڑا گئے تھے لیکن وہ کھڑے کھڑے ان سے گلہ کرنے آئی تھی للذا کھڑے کھڑے ہی بات کرنے پر مصر تھی۔

"میں نے کبھی کہا نہیں' کیوں کہ میں کہنا نہیں چاہتی تھی۔" اس نے دانت پیسے تھے۔

"لیکن اب آپ لوگوں نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ میں آپ کو بتا دوں چھوٹے چچا آپ ہر اس سازش میں دل و جان سے شریک رہے ہیں جو ایک ایک کر کے مجھ سے میرے پیارے چھین لیتی ہے۔"

عالم گیر نے اس الزام پر حیرت سے اس کی طرف دیکھا لیکن منہ سے کچھ بول نہ سکے تھے۔

"پہلے بابا جن کی اس جادوگرنی سے شادی پر آپ بہت خوش تھے' پھر دادا جن کو آپ یقین دلانے میں کامیاب ہو گئے کہ نیلوفر ایک ایسا پیراسائیٹ ہے جو آہستہ آہستہ ان کی زندگی نگل جائے گا اور آپ نے اسی پر بس نہیں کیا اب آپ کے ہاتھ سلجوق کو اپنی گرفت میں لے لینے کے لیے آگے بڑھ رہے ہیں۔"

عالم گیر کی نظریں نیلوفر کے چہرے کی طرف اٹھیں اور برف ہو گئیں۔

"وہ لڑکی امائزہ!" اس نے جیسے امائزہ کا تصور کرتے ہوئے ایک بار پھر دانت پیسے تھے۔ "زہر لگتی ہیں مجھے ایسی نیک لڑکیاں' فتح اور جیت کے جھنڈے گاڑنے کے نام پر ٹرافیوں اور میڈلز کا کلیکشن سمیٹنے کی شوقین لڑکیاں جن کے ظاہر کو دیکھ کر آسانی سے ان کی ذہانت کے گڑھے میں چھلانگ لگائی جا سکتی ہے۔"

عالم گیر نے اس ہتک آمیز جملے پر زخمی نظروں سے نیلوفر کی طرف دیکھا۔

"اسے بتا دیجیے گا کہ سلجوق اتنی آسان ٹرافی یا میڈل نہیں جسے اپنے معمولی سے آئی کیو کے بل پر جیت لینا دیگر اعزازات کی طرح آسان ثابت ہو گا۔ وہ میرا بھائی ہے۔" اس نے اپنی طرف اشارہ کیا۔ "نیلوفر کا بھائی' جس کے راستے اور حدود کا تعین میں خود کرتی ہوں اور ابھی تک اس کے لیے میں نے ایسا کوئی راستہ نہیں چنا جو آپ کی بیٹی کی طرف جاتا ہو نہ ہی ایسا کرنے کا میرا کوئی ارادہ ہے۔"

"خدا تمہارے غرور اور اعتماد کو زوال دے۔" بے اختیار عالمگیر کے دل سے دعا نکلی تھی' دوسروں کے دلوں کو اپنے قدموں تلے روند دینا آخر تمہارا ہی مقدر کیوں بنا رہے۔ کبھی تو تمہارا دل بھی کہیں کسی کے قدموں تلے نظر آئے اور ایسا میری نظروں کے سامنے ہو' اللہ کرے۔"

وہ اپنے مرے ہوئے بھائی سے کیے اس وعدے پر پہلی بار دل سے پچھتا رہے تھے جس کی پاس داری کرتے ہوئے اس روز بھی نیلوفر کی دل چھلنی کر دینے والی گفتگو کا وہ کوئی جواب نہ دے پائے تھے۔

"دوسروں کے جذبات کا احترام کرنا اور اپنے جذبات کو مار دینا نجانے میرا ہی مقدر کیوں ٹھہر گیا ہے۔"

نیلوفر کے جانے کے بعد وہ اس کی گفتگو پر کڑھتے ہوئے سوچ رہے تھے۔

"ایک ایسا کام جو میں مسلسل کیے جا رہا ہوں اور کرتے ہوئے بھی نہیں کر پا رہا۔"

مہرالنساء کی روح کو تڑپنے سے بچانے کے لیے آبگینہ کو اپنے گھر لا کر بھی اپنے گھر کی وسی مکین میں آج تک نہ بنا پایا جیسا اس کا حق تھا' اور جہانگیر بھائی سے کیا وعدہ جو نیلوفر کی سرکشی اور منہ زوری کو نظر انداز کرنے سے متعلق تھا۔

"وہ دل کی بری نہیں ہے عالم گیر بس اسے شروع سے ہی حاکمیت کی عادت سی پڑ گئی ہے' اگر ہم میں سے کوئی اس سے اختلاف کرے گا تو وہ ٹوٹ جائے گی۔ بس اسے برداشت کر لیا کرنا' نظر انداز کر دیا کرنا اور ایسا تم میری محبت میں کر ہی لو گے میں جانتا ہوں۔"

انہیں اپنے بھائی کے الفاظ بخوبی یاد تھے۔ جب ہی وہ نیلوفر سے اختلاف کرتے تھے نہ ہی پلٹ کر جواب

دیتے تھے اگرچہ ہر بار اس سے ملاقات پر ان کی روح نئے تازیانوں سے دوچار ہو جاتی تھی۔

"تم سلجوق کے لیے کیا وہ راستہ منتخب نہیں کرو گی جو امائزہ کی طرف جاتا' امائزہ خود کسی ایسے راستے پر نہیں کھڑی ہو گی جو سلجوق کو اپنی طرف بلاتا ہو۔ تم پر تو نہیں لیکن اپنی بیٹی پر تو میرا اختیار ہے نا!"

دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتے ہوئے انہوں نے اپنا ارادہ باندھا تھا۔



وہ اسلامیات لازمی کا پرچہ دینے کے بعد ہال سے باہر نکلی تھی۔ باہر دن روشن تھا اور خوشگوار بھی۔ اس اسکول کی عمارت دیدہ زیب تھی اور جدید بھی لیکن امتحانی ہال نجانے کن وقتوں کا بنا ہوا تھا۔ طویل اور نیم روشن جس کی چھت نیچی تھی اور فرش جگہ جگہ سے اکھڑا ہوا تھا۔ اس نے اس ہال سے باہر نکل کر شکر ادا کیا جیسے کسی قید سے آزاد ہو گئی ہو۔

وہ دوسرا پرچہ تھا جو ختم ہو گیا تھا اور آگے دو دن کی چھٹی تھی۔ اتنی لمبی ڈیٹ شیٹ' چھ پیپر اور پورا مہینہ تقریباً" گزر جائے گا امتحان ختم ہوتے۔" ہال کے باہر بنے برآمدے میں کھڑی وہ سوچ رہی تھی۔

اس روز گھر واپس پہنچ کر اسے نہانا تھا' اسلامیات کی کتاب کو بیگ سے نکال کر طاق پر رکھ دینا تھا اور پھر اس لیپ ٹاپ پر سر کھپائی کرنا تھی جس کی تکنیک کو سمجھنے کا ان چاہا اور مشکل کام اس کے سر پر ڈال دیا گیا تھا۔

"میں نے اس کے ساتھ وائی فائی ڈیوائس اٹیچ کر دی ہے۔ تم اسے آن کرو گی اور پھر گوگل اور یوٹیوب تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرو گی۔" اسے وہ ہدایت نامہ یاد تھا جو اسے دیا گیا تھا۔

"اس کا کیا فائدہ ہو گا۔" وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

"بہت فائدہ ہو گا۔ گوگل اور یوٹیوب تمہیں جینے کا ڈھنگ سکھائیں گے۔ ہر وہ چیز جو تم میں **مسنگ** ہے۔ بات چیت کرنے کے طریقے سے لے کر اٹھنے بیٹھنے' لباس پہننے اسے کیری کرنے اور لوگوں میں سوشلائز کرنے کے ڈھنگ تک۔۔۔ اور ہاں وہ تمہیں بال سنوارنے اور میک اپ کرنے کے طریقے بھی سکھائیں گے۔ وہ بھی ایک نہیں ایک سو ایک۔" وہ مسکرا کر بولا تھا۔

"مگر میں یہ سب سیکھنا نہیں چاہتی' مجھے ایسی کسی چیز میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" وہ الجھتے ہوئے بولی تھی۔

"نہ ہو۔" وہ بے نیازی سے بولا تھا "مجھے تو ہے۔"

"لیکن کیوں؟" وہ جھنجلائی تھی۔

"تمہاری زندگی کے **مسنگ لاجسٹکس** مہیا کرنے کے لیے۔" اس نے شرارت سے ایک آنکھ دبا کر کہا تھا "اور ایسا میں تمہارے لیے نہیں کر رہا۔"

"پھر کس کے لیے کر رہے ہیں۔"

"شاید اپنے لیے۔" اس نے مبہم سا جواب دیا تھا۔

وہ خود اپنے لیے' آبگینہ کو زندگی کے ڈھنگ کیوں سکھانا چاہتا تھا۔ وہ لاکھ بار سوچتی مگر اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا اور وہ نانا تھے جو اسے اپنے سامنے بٹھا کر کہتے تھے۔

"وہ جیسا کہتا ہے ویسے ہی کر لیا کرو۔ اسی میں اس کا بھلا ہے۔" جو سلجوق کہتا تھا آبگینہ ویسا ہی کرلے تو اس میں سلجوق کا بھلا کس طرح ہو سکتا تھا۔ مگر وہ دونوں کی سن کر اس لیے سرہلا دیا کرتی تھی کہ فی الحال اسے ان کے سر پر امتحان دینا تھا اور یہ اس کی زندگی کا پہلا امتحان تھا جو اسے حد سے زیادہ آسان محسوس ہو رہا تھا۔ کسی کے ساتھ ہونے کا احساس اسے پہلی بار ہوا تھا اور یہ اتنا لطیف احساس تھا جس سے باہر نکلنے کے موڈ میں وہ فی الحال نہیں تھی۔

ان ہی سوچوں میں گم وہ آہستہ قدموں سے چلتی اسکول کے گیٹ کی طرف جا رہی تھی جب اسے کسی نے اس کا نام لے کر آواز دی تھی۔ سر اٹھا کر سامنے دیکھنے پر اسے وہ نظر آئی تھیں جنہیں بہت سال پہلے اس نے کبھی کبھار چھوٹے ماموں کے گھر آتے جاتے دیکھا تھا' ان کے ساتھ بڑے ماموں بھی ہوا کرتے

تھے۔ بڑے ماموں جن کے سائے تک سے بھی اسے ڈرایا جاتا تھا۔

"آبگینہ... تمہارا نام یہ ہی ہے نا؟" دھوپ کا چشمہ سر پر چڑھائے ہلکی گلابی زمین پر چھوٹی سفید پتیوں والی سوتی ساڑھی باندھے وہ اس کے سامنے کھڑی تھیں۔ وہ جو ایک دھندلی سی یادداشت تھیں۔ اس نے آہستہ سے سرہلایا۔

"میری یادداشت اتنی اچھی نہیں رہی 'لیکن دیکھو' پھر بھی میں نے تمہیں پہچان لیا۔ اس وقت تم اتنی سی تھیں۔" انہوں نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے بتایا تھا "یاد ہے میں نے ایک بار سب سے چھپ کر تمہیں گڑیا کا گھر تحفے میں دیا تھا۔" وہ پوچھ رہی تھیں۔

"میں کیسے بھول سکتی ہوں۔ گڑیا کا وہ گھر تو ابھی تک میرے پاس محفوظ رکھا ہے اور اس میں سوتی وہ گڑیا بھی جس کا نام آپ نے امیلیا بتایا تھا۔" اس نے نظریں جھکا کر جواب دیا تھا "اور سب سے چھپا کر نہیں آپ نے صرف بڑے ماموں سے چھپا کر مجھے تحفہ دیا تھا' باقی کسی کو تو کبھی پرواہ بھی نہیں رہی کہ میرے پاس کوئی آتا ہے یا نہیں کیونکہ انہیں یقین ہے کہ مجھ تک کوئی آنا بھی پسند نہ کرتا ہو گا۔"

"بڑا اچھا حافظہ ہے تمہارا تو بھئی۔" وہ ایک بار پھر مسکرائی تھیں۔

"پڑھائی کے علاوہ باقی باتوں میں میرا حافظہ ہمیشہ سے ہی تیز ہے۔" وہ ان کے قریب آکر کھڑی ہو گئی "اور کہیں استعمال ہونے کا اسے موقع جو نہیں ملتا۔ ویسے آپ کا نام بھی مجھے یاد ہے۔" اس نے ان کی طرف دیکھا نغمہ یا غزل کچھ ایسا ہی نام ہے نا آپ کا۔"

"ٹھمری' قوالی' دادرا۔" اب کے وہ ہنس دیں "کرلو کر لو اچھی طرح یاد کرلو۔"

وہ رک کر خفت سے ان کی طرف دیکھنے لگی "کیا معلوم یہ وہ ہوں ہی نہیں۔"

"میں گیتی آرا ہوں' تمہارے ماموں نے مجھے گیت کہنا شروع کر دیا تو پھر سب ہی اس نام سے پکارنے لگے۔" انہوں نے بالآخر اس کی الجھن دور کر دی۔

"دیکھا میں نے کہا تھا نا۔" خوشی کے مارے اس کی آواز بلند ہوئی "مجھے یاد تھا کہ آپ کا نام ایسا ہی کچھ تھا۔"

"ہوں!" وہ اس کی خوشی پر مسکرا دیں۔ "میں نے دو دن پہلے بھی تمہیں دیکھا تھا نہیں' میری ایک دوست جو گورنمنٹ کالج میں پڑھاتی ہے۔ سپرنٹنڈنٹ ہے اس امتحانی مرکز کی۔ میں اس سے ملنے آئی تھی اس روز تمہیں دیکھ کر مجھے شک ہوا تھا' آج میں کنفرم کرنے آئی تھی اور دیکھ لو' میرا حافظہ بھی اتنا کمزور نہیں جتنا میں سمجھتی تھی۔"

بس اتنی ہی سی گفتگو کے بعد وہ دونوں ایک دوسرے سے یوں بے تکلف ہوئی تھیں جیسے برسوں کا فاصلہ درمیان میں آیا ہی نہ تھا اور جیسے برسوں پہلے سے ان کی شناسائی تھی۔



پری نے گھر کے پورچ میں گاڑی کھڑے ہونے کی آواز سنی' اور پھر گاڑی کا دروازہ بند ہونے کی۔ چند ہی لمحے گزرنے تھے کہ گیت اندر آجاتیں۔ اس نے ہاتھ میں پکڑے فون کی اسکرین پر انگلی پھیری اور ایک پل میں اس پر روشن وہ تصویر فون کی فائلز میں کہیں گم ہو گئی جسے پچھلے آدھے گھنٹے سے وہ پلک جھپکے بغیر مسلسل دیکھ رہی تھی۔ گیت داخلی دروازے سے اکیلی اندر داخل نہیں ہوئی تھیں ان کے ساتھ کوئی دوسرا بھی تھا۔ پری نے اجنبی نظروں سے گیت کے قریب کھڑی لڑکی کو دیکھا جو کسی کالج کے سفید یونیفارم پر سفید ہی بڑا سا سوتی ڈوپٹا اوڑھے کھڑی تھی۔

"تم نے پہچانا نہیں پری... یہ آبگینہ ہے۔" گیت نے پری کی طرف دیکھا۔ "اب پوچھو بھئی بھلا آبگینہ کون؟" وہ اسے ساتھ لیے آگے بڑھی تھیں۔



"میں جانتی ہوں۔ آپ کیوں اس لڑکی کے پیچھے گئیں اور کیوں اسے اپنے ساتھ گھر لے آئیں۔"

گیت جب آبگینہ کو عالمگیر کے گھر چھوڑ کر واپس آئیں پری لاؤنج کے صوفوں کے کشن کور بدل رہی تھی۔

''اچھا۔'' وہ اپنے کندھے پر لٹکے بیگ میں کچھ تلاش کرتے ہوئے بولیں۔ ''مجھے پتا ہے تم بہت ذہین ہو۔''

''نہ کریں۔'' پری نے ایک گول کشن اٹھا کر اس کے کور کو جھٹکتے ہوئے کشن سے علیحدہ کیا ''بعض دفعہ تو آپ مجھے اپنی نہیں سلجوق کی سگی ماں لگنے لگتی ہیں مجھے تو شاید آپ نے اڈاپٹ کیا تھا۔ محترم رضا الکریم والی داستان گھڑی گئی معلوم ہوتی ہے۔''

''میں نے مانا تو ہے کہ تم بہت ذہین ہو' اب اس سے بڑھ کر کیا خراج تحسین چاہیے تمہیں۔'' وہ کرسی پر بیٹھ کر پیروں کو سینڈل سے نکالنے لگیں۔

''دوسروں کی محبتوں کو پروان چڑھانے کا بہت شوق ہے نا آپ کو۔'' کشن چھوڑ کر وہ ان کے قریب فرش پر گھٹنوں کے بل آ بیٹھی ''مجھے تو واقعی آپ نے کوڑے کے ڈبے سے نکالا تھا۔'' اب وہ باقاعدہ برامان گئی تھی۔

''خیر' ایسا بھی نہیں تھا میں تو تمہیں رضا الکریم کے کچرا دان سے صاف نکال لائی تھی۔'' انہوں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا ''لیکن تم بتاؤ۔ تمہارا موڈ کیوں آف ہو گیا اس بے چاری لڑکی کی وجہ سے۔''

''میرا موڈ آف نہیں ہے۔'' وہ سیدھی ہوتی ہوئی بولی۔ ''میں نے تو صرف اتنا پوچھا ہے کہ سلجوق کے ہر معاملے کو آپ اپنے دل سے کیوں لگا لیتی ہیں۔''

''سلجوق کے معاملوں کا اس ساری بات کے ساتھ کیا تعلق ہے؟'' اب کے وہ چونکی تھیں۔

''جیسے آپ جانتی نہیں۔'' پری نے ناراض نظروں سے ان کی طرف دیکھا ''وہ لڑکی سلجوق ہی کا تو معاملہ ہے' انجان بننے کی اداکاری مت کریں۔''

''نہیں' میں سمجھی نہیں'' انہوں نے اسے حیرت سے دیکھتے ہوئے سر ہلایا۔ ''میں نے تو اس روز اسے اسکول کی عمارت سے نکلتے دیکھا اور مجھے بہت سی پرانی یادیں یاد آ گئیں۔ جہانگیر اپنے اباجی کی وجہ سے اس لڑکی کو کبھی سینے سے لگا نہ سکے تھے اور ان کے آخری دنوں کے پچھتاووں میں ایک پچھتاوا یہ بھی تھا اور تمہیں پتا تو ہے کہ جہانگیر کے پچھتاوے میرے دل میں کیسی ٹیس اٹھاتے ہیں۔ میں تو ایک ٹیس نکالنے دوبارہ وہاں گئی تھی اور اسی لیے اسے اپنے ساتھ بھی لے آئی۔''

''اور وہ جو آپ خود جہانگیر صاحب کا ایک پچھتاوا بنا دی گئیں وہ۔۔۔'' پری کا دل چاہا ان سے پوچھے مگر پھر وہ دل کی بات ہمیشہ کی طرح ٹال گئی۔

''گویا سلجوق نے آپ سے ذکر نہیں کیا۔'' پری نے حیرت سے دیکھا۔



''اس کا پرچہ اچھا ہو گیا ہے سلجوق میاں!'' بی بی جان نے رازداری سے خبر پہنچاتے ہوئے کہا ''لیکن آج تو ادھر جانے کا کوئی راستہ ہی نہیں ہے' لان میں شامیانہ جو لگا ہوا ہے۔''

''وہ تو مجھے پتا ہے۔'' اس کا لہجہ درشت تھا۔ ''لیکن وہ آج پرچہ دینے کے بعد تھی کہاں' میں نے دو دفعہ چیک کیا' وہ واپس نہیں پہنچی تھی۔''

''وہ آج دیر سے گھر واپس آئی تھی' اپنی سہیلی کے ساتھ وہیں بیٹھ کر اگلے پرچے کی تیاری کرتی رہی۔'' بی بی جان نے وہی بتایا جو آبگینہ نے انہیں بتایا تھا۔

''ربش!'' جواب میں اس نے دانت پیس کر کہا تھا۔ ''اگلے پرچے کی تو وہ اے سے زیڈ تک تیاری کر چکی ہے۔''

وہ اسی خراب موڈ میں باہر جانے کو چل دیا تھا۔ باہر امائرہ کی تازہ ڈاکیومینٹری فلم کو کسی فلم فیسٹول میں ایوارڈ مل جانے کا جشن منایا جا رہا تھا۔ سفید رنگ کی خوب صورت کینوپی کے اندر ایک الگ ہی دنیا سجی تھی' روشنیاں' رنگ' موسیقی اور پُر تکلف کھانا۔

''یہ اس انتہائی صاف گو لڑکی کی شاید پہلی غلط بیانی ہے۔'' اس جگمگاتی دنیا میں موجود موسیقی پر رقص کرتی امائرہ اور اس کے دوستوں کو دیکھتے ہوئے وہ سوچ

رہا تھا اور اس کی انگلیاں موسیقی کی لے پر اس کے گھٹنوں پر بجتی دکھائی دے رہی تھیں۔

When you call on me
When I hear you breathe
I get wings to fly
I feel that I am alive ...

شامیانے کے چاروں کونوں میں نصب اسپیکرز سے نکلتے الفاظ سارے میں گونج رہے تھے۔



"نہیں' آج میں آپ کے ساتھ نہیں جاسکوں گی۔" اس نے اپنے سامنے کھڑی خاتون سے کہا تھا جنہوں نے سرخ بارڈر کی زرد سوتی ساڑھی باندھ رکھی تھی اور جن کا نام گیتی آرا تھا لیکن جو خود کو گیت کہلوانا زیادہ پسند کرتی تھیں۔ ان کے چہرے پر اتنی نرمی اور سکون تھا جب ہی تو گیت نام ان پہ جچتا محسوس ہوتا تھا۔

"لیکن کیوں؟" وہ مایوس ہوتے ہوئے بولی تھیں۔ "جبکہ آج تو میں خاص طور پر صرف تمہارے لیے آئی ہوں' تمہیں لینے کے لیے۔"

"لیکن میں نہیں جاسکوں گی' اس روز میں بہت لیٹ ہو گئی تھی۔ بی بی جان کو میرے بہانے پر یقین نہیں آیا تھا۔" وہ افسردہ ہوتے ہوئے بولی۔

"اچھا چلو ہم ایسا کرتے ہیں کہ آج میں جلدی تمہیں ڈراپ کردوں گی' وعدہ رہا پکا والا۔" انہوں نے کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد کہا تھا اور اتنے مان سے کہا تھا کہ وہ آپ ہی آپ ان کے ساتھ چل دی تھی۔

"آپ کو میرا اتنا خیال کیوں ہے بھلا۔ آپ کو میں اچھی لگتی ہوں کیا؟" ان کی گاڑی میں بیٹھ کر انجانے راستوں کو غور سے دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔

"ہاں!" وہ گیئر بدلتے ہوئے بولی تھیں "مجھے بیٹیاں بہت اچھی لگتی ہیں۔ بیٹیوں کو دیکھ کر میں ایک دم ماں بن جاتی ہوں۔"

"آپ کی تو اپنی بھی ایک بیٹی ہے۔ پھر آپ دوسروں کی بیٹیوں کے لیے کیسے ماں بن جاتی ہیں۔" یہ سوال پوچھتے ہوئے اس کا گلا رندھ گیا تھا۔

"دوسروں کی۔" انہوں نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا تھا "تم کسی دوسرے کی نہیں مہرالنساء کی بیٹی ہو اور مہرالنساء رشتے میں میری نند لگتی تھی' جہانگیر کی بہن۔"

ان کے منہ سے اپنی ماں کا نام سن کر اس کا دل یکبارگی بھر آیا تھا۔ اس نے کچھ وقت اپنے بھرے حلق میں پھنسے آنسوؤں کو نگلنے میں گزارا اور پھر سامنے دیکھتے ہوئے بولی "لیکن ان کو کوئی بھی اچھا نہیں سمجھتا۔ بڑے ماموں تو ان سے ناراض تھے۔"

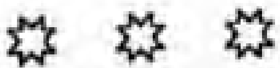
"تمہیں پتا ہے انہیں اس بات پر بہت افسوس تھا کہ انہوں نے تمہیں گلے سے لگانے کے بجائے عالمگیر کے رحم و کرم پر کیوں چھوڑے رکھا' عالمگیر نے تمہارے ساتھ اچھا نہیں کیا۔"

"وہ بہت اچھے ہیں۔" گیت کے ان الفاظ پر وہ تڑپ کر بولی تھی۔ "چھوٹے ماموں نہ ہوتے تو میں آج یہاں آپ کے ساتھ نہ بیٹھی ہوتی۔ میرا تو نام و نشان بھی مٹ چکا ہوتا۔"

"بہت اچھی بات ہے کہ تم اپنے ساتھ نیکی کرنے والوں کو اچھے الفاظ سے یاد رکھتی ہو' تم نے مجھے متاثر کردیا۔" وہ اس کے رد عمل پر سر ہلاتے ہوئے بولی تھیں۔

"ہم کہاں جارہے ہیں۔ یہ وہ راستہ تو نہیں جو اس روز آپ کے گھر کی طرف جارہا تھا۔"

"دراصل آج میری بیٹی کا برتھ ڈے ہے' ہم اسے منانا چاہ رہے تھے۔ سوچا' تمہیں بھی اپنے ساتھ شامل کرلیں۔" انہوں نے گاڑی ایک اونچی عمارت کے سامنے کھڑی کرتے ہوئے کہا۔



"جب سے تمہیں محبت ہوئی ہے تم مین اور خود غرض ہو گئے ہو۔" پری نے پھولوں کے اس گلدستے پر انگلی پھیرتے ہوئے کہا تھا جو سلجوق اس کے لیے تحفے کے ساتھ لایا تھا۔

"جو خود غرض نہ بنا دے' وہ محبت کیسی۔" سلجوق نے مسکرا کر جواب دیا اور سر اٹھا کر کیفے کے انٹیریئر کو دیکھنے لگا "اچھا کام ہے آپ کا۔" اس نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔

"تم نے بات بدل ڈالی۔" پری نے اس کی توصیف پر غور نہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں!" اس نے سر ہلا کر اعتراف کیا "کیونکہ مجھے خود بھی معلوم نہیں کہ میں اتنا خود غرض نظر آنے لگا ہوں جو آپ کو مجھے یوں جتانا پڑا۔۔۔"

"اچھا چلو چھوڑو۔ یہ بتاؤ وہ کیسی ہے؟" پری نے بات بدلی۔ "مطلب وہ تمہاری محبت۔"

"اچھی ہے 'بہت اچھی۔۔۔"

"اچھی ہے یا تمہیں اچھی لگتی ہے؟"

"یقیناً" اچھی ہی ہوگی' مجھے تو۔۔۔ میں نے آپ کو بتایا تھا نا کہ۔۔۔"

"ہاں ہاں!" پری نے ہاتھ اٹھا کر اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "مجھے یاد ہے جوس کا ڈبہ۔"

"صرف جوس کا ڈبہ نہیں اس کے پیچھے چھپا جذبہ بھی۔" سلجوق نے تصحیح کی۔

تم ایکشنز کے پیچھے کار فرما جذبوں کو مانتے ہو نا سلجوق؟" پری نے ٹھہری ہوئی آواز میں پوچھا۔

"بالکل۔۔۔!"

"تمہیں پتا ہے بہت پہلے مجھے بھی کسی نے ایک ایسی چیز پیش کی تھی جو بظاہر تو معمولی تھی بہت ہی معمولی مگر اس کے پیچھے کار فرما جذبہ شاید بہت عظیم تھا۔"

وہ پھولوں کی ایک شاخ شفاف ریپر کے اندر سے کھینچ کر باہر نکالتے ہوئے بولی۔

"اور وہ کیا چیز تھی۔۔۔ چاکلیٹ یا پھر کوئی کھسہ وغیرہ؟" اس نے سادگی سے پوچھا۔ "میں جانتا ہوں کہ جہان بھر میں آپ کو صرف ان ہی دو چیزوں میں دلچسپی ہے۔"

"نہیں 'میں نے کہا نا' وہ چیز بہت معمولی تھی۔"

"مثلاً "کیا؟"

"ایک ٹشو پیپر جو مجھے آنسو پونچھنے کے لیے پیش کیا گیا تھا۔" پری نے خلا میں دیکھتے ہوئے کہا۔

سلجوق کے ذہن میں لمحہ بھر کے لیے کوئی گزرا ہوا منظر بجلی کی طرح روشن ہوا۔

تب ہی اس کی نظر کیفے کے فرسٹ فلور کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آتی گیٹ پر پڑی تھی اور وہ جیسے ساکت ہو گیا تھا۔ گیٹ کے ساتھ کالج کے سفید یونیفارم پر سفید بڑا سا دوپٹہ اوڑھے وہ کھڑی تھی۔ وہ جو اچھی تھی۔ بہت ہی اچھی۔



"تمہیں اندازہ ہے کہ تم خود اپنے ساتھ زیادتی کر رہی ہو۔" انہوں نے کھانسی کے دورے پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بے ربط سانسوں کے درمیان اپنے سامنے بیٹھی نیلوفر سے کہا تھا۔

"تم نے خود کو ان رشتوں سے دور کر لیا ہے' جو تمہارے اپنے تھے۔ جلد ایک ایسا وقت آنے والا ہے جب تم۔۔۔ تنہائی کے ساتھ ساتھ ذہنی تنہائی کا بھی شکار ہو جاؤ گی اور اس وقت تمہاری ے ڈے کال پر بھی کوئی تمہاری طرف نہیں لپکے گا کیونکہ کوئی بھی زندگی میں ایک بار تمہارے چنگل سے نکل جانے کے بعد اس میں دوبارہ پھنسنا نہیں چاہے گا۔"

"آپ آج یہاں اس لیے آئے ہیں کہ میرے بخیے ادھیڑ سکیں۔" وہ بھڑک کر بولی تھی۔ "میں جانتی ہوں' اتنے روز وہاں بیٹھ کر آپ ان لوگوں کے ساتھ مل کر یہی منصوبے بنا رہے تھے۔"

"میں آج صرف تم سے ملنے آیا ہوں۔ میرے اور تمہارے رشتے کی عمارت اتنی مضبوط اور بلند ہے کہ میری انا اس پر اپنا سایہ نہیں ڈال سکتی' اسی لیے میں نے پرواہ نہیں کی کہ تم خود میری طرف آئی ہو یا نہیں۔"

"آپ کی سوچ ہے کہ میں آپ کی طرف "آپ سے ملنے چھوٹے چچا کے گھر آئی۔" وہ نخوت سے بولی تھی "رہی بات ان منصوبوں اور سازشوں کی جو چھوٹے چچا اور ان کی فیملی میرے خلاف تیار کرنے

میں مصروف رہتی ہے تو مجھے ان کی رتی بھر بھی پروا نہیں۔ میرے لیے میں 'خود میرا گھر' میرا کام اور میرے دوست ہی کافی ہیں۔"

انہوں نے مایوسی سے سر جھٹکا۔ وہ جس لہجے اور انداز سے بچنے کی خاطر نیلوفر سے ملنے کی ہمت نہیں کر پا رہے تھے وہ ویسا کا ویسا ہی تھا۔ یہ ان کی خوش فہمی تھی کہ تین قریبی رشتوں سے دوری نے کچھ کام کر ہی دکھایا ہوگا۔

مسئلہ تو یہ ہے کہ اس سب کے باوجود جو تم کرتی ہو' آج بھی تم مجھے اتنی ہی عزیز ہو جتنی اس وقت تھیں جب دنیا میں آئی تھیں۔ کاش تمہیں دوسروں کی محبتوں اور جذبات کی آزمائش کرنے کی عادت نہ ہوتی...... انہوں نے سوچا اور ان کا دل دکھ سے بھر گیا۔ ان کی کھانسی ایک بار پھر چھڑ گئی۔ وہ کھانس کھانس کر بے حال ہونے لگے۔

"دیکھا' آپ کی صحت کتنی خراب ہو رہی ہے۔" وہ مضطرب ہوتے ہوئے ان کے پاس کھڑی ان کا سینہ اور پشت مل رہی تھی۔ "میں نے کہہ دیا بس..... اب آپ واپس چھوٹے چچا کے گھر نہیں جائیں گے۔ میں آپ کا سامان یہیں منگوا رہی ہوں۔"

انہوں نے کھانستے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ ان کی سانس منتشر ہو رہی تھی اور ان کے حلق سے آواز نکل نہیں پا رہی تھی اور نیلوفر کا اپنے لیے پریشان ہونا ان کی آنکھیں بھی نم کرنے لگا تھا۔ انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اسے منع کرنے کا اشارہ دیا۔

"ابھی مجھے وہیں رہنا ہے نیلوفر..... ابھی اس کا امتحان مکمل نہیں ہوا۔" وہ کہنا چاہتے تھے لیکن کہہ نہ پائے تھے۔



"ثابت ہوا کہ لوگ کئی باتیں یوں ہی کر دیتے ہیں صرف اس لیے کہ انہیں باتیں کرنے کا شوق ہوتا ہے۔ جیسے بی بی جان کی وہ بات کہ بڑے ماموں کے بعد ان کی بیوی اور اس کی بیٹی سے کوئی نہیں ملتا۔"

آبگینہ نے پری کی سالگرہ کا کیک کاٹتے ہوئے سلجوق اور پری کو ایک دوسرے کو تنگ کرتے' ہنستے اور قہقہے لگاتے دیکھ کر سوچا۔ "یہ بڑے ماموں کا ہی بیٹا ہے نا اور وہ ان کی بیوی کی پہلی بیٹی...... لوگوں کو بھی کہانیاں بنانے کی عادت ہوتی ہے۔ اس نے سر جھٹکا۔

"سچ ہے میری زندگی میں گیت اور پری نہ ہوتیں تو زندگی کتنی بوجھل اور بے کیف ہوتی۔" آبگینہ کے سامنے بیٹھا سلجوق' پری کی کسی بات پر مسکراتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

اس روز گیت کے ساتھ آبگینہ کو وہاں آتے دیکھ کر اسے اپنی روح اور دل بہت ہلکے اور سرشار محسوس ہو رہے تھے۔ کوئی دوسرا تھا جو اس کے راز کا شریک تھا اور اسے ناممکن ...... کا سیاہ جھنڈا دکھا کر دل کی خواہش سے دست بردار ہو جانے کے بجائے "آگے بڑھو' ہم تمہارے ساتھ ہیں۔" کے پلے کارڈ دکھا رہا تھا۔ اس نے اپنے سامنے بیٹھی لڑکی کی طرف دیکھا۔ سفید دوپٹے کے ہالے میں جس کا چہرہ صاف اور خالص نظر آ رہا تھا اور جس کی آنکھوں میں حیرانی تھی۔



امائزہ کی کولیگ عائشہ اسے لنچ بریک میں زبردستی اسٹیک کھلانے وہاں لے آئی تھی۔ عائشہ اسٹیک سے زیادہ اسے اس کیفے کا نیا انٹیریر دکھانا چاہتی تھی جو مغرب اور مشرق کی ثقافت کے امتزاج کی تھیم پر کیا گیا تھا۔ اگر اسے اندازہ ہوتا کہ دوستی کی مروت میں عائشہ کی بات مان لینے کے نتیجے میں اس کیفے کے سیکنڈ فلور پر پہنچ کر اسے پتھر کا ہو جانا پڑے گا تو وہ شاید وہ یہ مروت کبھی نہ دکھاتی۔

"تم غلط کہتے تھے ذوالکفل! کہ ماما کو سائیکاٹرسٹ کی ضرورت ہے۔ وہ جسے ہم ماما کا وہم قرار دے کر سر جھٹک دیتے ہیں' وہ تو مکمل اور جیتی جاگتی حقیقت کے روپ میں میرے سامنے موجود ہے۔"

اس نے سیڑھی کی ریلنگ پر اپنے ہاتھ کی گرفت مضبوط کرتے ہوئے کارنر ٹیبل پر بیٹھے ان چاروں کو

دیکھا جو کسی بات پر ہنس رہے تھے اور جن میں سے ہر کسی کو وہ پہچانتی تھی۔
"سلجوق اور سرونٹ کوارٹر' سلجوق اور اس کی اسٹیپ مدر۔" اس کا ذہن شل ہونے لگا تھا اور نظروں کے سامنے دیوار پر لگی مارلن منرو اور سلطان راہی کی تصویریں ناچنے لگی تھیں' وہ تیزی سے مڑی اور الٹے قدموں سیڑھیاں اتر آئی۔
اس کے پیچھے کیفے میں کولڈ پلے کی آواز گونج رہی تھیں۔



وہ گل خان کو سلام کرتے ہوئے گیٹ سے اندر داخل ہوئی تھی۔ طویل لان جس سے گزر کر اسے بی بی جان کے کوارٹر کی طرف جانا تھا' اس کے وسط میں اس نے امائزہ کو کھڑے دیکھا تھا۔ سفید چوڑی دار پائجامے پر پیازی قمیص پہنے' پیروں میں کولہاپوری چپل پہنے کھڑی امائزہ کو دیکھ کر اس کا دل ایک پل میں مرعوب ہو گیا۔
ایسا ہمیشہ ہوتا تھا۔ اس کے دل و دماغ پر امائزہ کی شخصیت کا ایک عجیب سا رعب چھایا رہتا تھا اور اس کی کوشش رہتی تھی کہ امائزہ سے اس کا سامنا نہ ہو پائے۔ لیکن وہ ایک مختلف دن تھا۔ امائزہ اس کے راستے میں کھڑی تھی اور راستہ بدل کر آگے جانا ناممکن تھا۔ اس نے دل میں یہ فرض کرتے ہوئے کہ اس نے راستے میں کسی کو کھڑے نہیں دیکھا' آنکھیں بند کر کے نکل جانا چاہا۔ لیکن امائزہ شاید اسی کے لیے وہاں کھڑی تھی۔
"امتحان دے رہی ہو نا غالباً' تم؟" اس نے قریب سے گزرتی آبگینہ سے پوچھا تھا۔ آبگینہ نے آنکھیں کھول کر اثبات میں سر ہلایا۔
"فرسٹ ٹائم کا پیپر کتنے بجے ختم ہوتا ہے بھلا؟" وہ کسی ممتحن کی طرح سوال کر رہی تھی۔ آبگینہ نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا اور اس نے کہا تھا کہ اس گھر میں کسی کو کوئی فرق نہیں پڑتا' وہ کب گھر سے نکلتی تھی اور کب واپس آتی تھی۔
"تمہارا ایگزام سینٹر کافی فاصلے پر ہو گا' ہے نا؟" امائزہ نے اس کی خاموشی کو نظرانداز کرتے ہوئے تیسرا سوال کیا تھا۔ "بہت زیادہ چلنا پڑتا ہو گا تمہیں' بچ بچ۔" وہ اظہار افسوس کر رہی تھی۔
"بہت بُرے ہیں ہم لوگ' تم سے ذرا سی بھی ہمدردی نہیں ہے کسی کو۔ اف" اسے کسی بات پر غصہ تھا یا وہ واقعی آبگینہ کے لیے افسردہ ہو رہی تھی' فوری طور پر اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔
"کتنے پیپر باقی رہ گئے ہیں؟" چوتھا سوال آیا۔ "چلو میں بابا سے کہہ دیتی ہوں' باقی کے پیپرز کے لیے ڈرائیور سے کہہ دیں' تمہیں ڈراپ اور پک کر لیا کرے۔"
آبگینہ نے اس ساری گفتگو کو بالکل بھی نہ سمجھتے ہوئے سر ہلایا اور آگے چل دی تھی۔
اور ہم سب سمجھتے رہے کہ یہ ایک ڈرپوک اور کمزور لڑکی ہے۔ دبو' احمق' بے ضرر اور بے عقل۔ امائزہ نے اسے کوارٹرز کی طرف جاتے ہوئے دیکھ کر سوچا تھا۔ "ایسے ہی لوگ جنہیں ہم توجہ کے قابل بھی نہیں جانتے چپکے سے سینڈھ لگا جاتے ہیں" اس کے اندر وحشت بڑھنے لگی۔ اس لڑکی کے گھر کے اندر داخل ہونے سے پہلے اس نے گیٹ سے باہر جس گاڑی کے ہارن کی ہلکی سی آواز سنی تھی' اسے وہ اچھی طرح پہچانتی تھی۔ اس نے بے یقینی سے سر جھٹکا۔
اس کی نظروں کے سامنے سرونٹ کوارٹرز کی لین سے ہوتا ہوا وہ راستہ گھوم گیا جو مڑ کر رہائشی عمارتی کے عقبی حصے کو جاتا تھا اور جہاں لانڈری روم' لانڈری لین' جنریٹر روم اور ایک بڑا سا اسٹور بنا ہوا تھا' اور جہاں بنی سیڑھیاں گھر کی بالائی منزل کو بھی جاتی تھیں تاکہ اگر اوپر چھت پر کوئی کام یا بالکونیوں کی صفائی مقصود ہو تو ورکرز کو رہائشی عمارت سے گزر کر اور نہ جانا پڑے۔
"چور راستے' چور دروازے۔" امائزہ سب باتوں پر غور کرتے ہوئے بڑبڑائی تھی۔ "اور مجھے یقین نہیں آرہا سلجوق کہ ان سب کے موجد تم ہو سلجوق۔"



"حقیقت تو آپ کے سامنے کھول کر رکھ دی ہے میں نے' آپ اس سے نظریں نہ ملانا چاہیں تو یہ آپ کی مرضی ہے۔" امائزہ کا لہجہ تلخ تھا۔

عالمگیر نے اپنی اس بیٹی کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا جس کا چہرہ اس کے دل کی حالت کی خبر سنا رہا تھا۔ وہ ذہین تھی اور سمجھ دار بھی۔ بات کی تہہ تک پہنچنے کے لیے اسے کسی لمبی چوڑی تشریح کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ خود انہیں اپنے سے زیادہ امائزہ کے مشاہدے پر بھروسا رہا کرتا تھا' پھر وہ اسے کیسے جھٹلا سکتے تھے۔

"ایسا ہے کہ۔" انہوں نے گلا کھنکھارنے کے بعد کہا "سلجوق تو ایک ایسا محاذ ہے جسے' سر کرنے کی تمنا کسی دیوانے کا خواب ہی ہو سکتا ہے۔"

"آپ بھول گئے ہیں کہ دنیا بھر میں جن فتوحات اور کامیابیوں پر سب سے زیادہ بات کی جاتی ہے ایک وقت میں انہیں دیوانے کا خواب ہی کہا جاتا تھا۔ آپ مجھے ہتھیار پھینک دینے کی ترغیب دینا چاہتے ہیں۔"

وہ ان سے پہلے سے بھی زیادہ ناراض ہو گئی۔

"میرا خیال ہے۔ میں تمہیں ہتھیار اٹھانے سے ہی منع کر دینا چاہتا ہوں" انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔

"وہ تو میں اٹھا چکی۔" اس نے ان کے لہجے کی سنجیدگی کی پروا نہ کرتے ہوئے کہا۔

"ضروری تو نہیں کہ جو کام غلطی سے شروع کر لیا جائے اسے درمیان میں ہی ختم نہ کیا جا سکے۔" انہوں نے نرمی سے کہا۔

"اسے آپ غلطی کہہ رہے ہیں اس لڑکی کی وجہ سے نا؟" امائزہ نے اس سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا جہاں سرونٹ کوارٹرز تھے۔ "وہ جو۔۔۔"

"نہیں میں اس کی وجہ سے ایسا نہیں کہہ رہا۔" انہوں نے امائزہ کی بات کاٹی۔ "اس کا معاملہ کیا ہے' یہ میں بعد میں دیکھوں گا' ابھی تو میں تمہیں سمجھا رہا ہوں۔"

"کیوں اور کیا؟" اس کو دلیل درکار تھی اور اس کے نزدیک ان کی دلیل بودی تھی۔

"نیلوفر۔۔۔ ہاہا۔" ان کی بات سن کر اس نے استہزائیہ انداز میں چھت کی طرف دیکھتے ہوئے سر اٹھا کر کہا تھا۔ "آپ کا خیال ہے کہ میں سلجوق کے بارے میں سوچتے ہوئے نیلوفر والے فیکٹر کو نظرانداز کر چکی ہوں گی۔ میں نیلوفر ہی کو یاد دلانا چاہتی ہوں کہ روئے زمین پر سب کچھ ان کی انگلی کے اشارے پر نہیں ہوتا۔ ان کو اپنی بنائی ہوئی دنیا سے باہر نکل آنا چاہیے۔"

"امائزہ!" عالمگیر کے لہجے میں تنبیہہ تھی "میں نہیں جانتا تھا کہ تم کسی کی خاطر اپنی انا کو اس قدر جھکا بھی سکتی ہو۔"

"میری انا کو اگر سلجوق خود چیلنج کرتا نا پاپا تو میں ضرور سوچتی۔ یہ تو نیلوفر ہیں جن کا مشغلہ ہی دوسروں کی اناؤں کو توڑنا ہے۔ لیکن اب انہیں سمجھ لینا ہو گا کہ دنیا بدل چکی ہے۔ میڈم گیتی آرا سے سلجوق کے تعلقات دوبارہ استوار ہو جانا ہی ان کے لیے ایک ایسا آئینہ بن جانا چاہیے جس میں وہ اپنا چہرہ دیکھیں تو چھپا لینا چاہیں۔"

عالمگیر کو اس روز امائزہ کے انداز میں وہی طنطنہ نظر آ رہا تھا جو نیلوفر کی شخصیت کا حصہ تھا۔ انہیں پہلی بار اپنی اس بیٹی پر پیار آنے کے بجائے اس سے خوف آنے لگا تھا۔



لیپ ٹاپ کی اسکرین پر الفاظ ظاہر ہوتے اور پھر غائب ہو جاتے تھے۔

When you look at me
I can touch the sky
I know that I am alive

جب تم میری طرف دیکھتی ہو
میں آسمان چھو سکتا ہوں
مجھے لگتا ہے کہ میں زندہ ہوں

وہ محض ایک گانا تھا یا کوئی پیغام' اس نے سمجھنا چاہا

تھا۔ لیکن اس کا ذہن کئی خانوں میں تقسیم ہو کر رہ گیا تھا۔ اسی سہ پہر امائزہ سے ہونے والی اچانک مڈبھیڑ' امائزہ کے سوال' سلجوق اور امائزہ کی دوستی' بے فکری سے بیٹھ کر ان دونوں کی ایک دوسرے سے گفتگو' ان کے ہنستے مسکراتے چہرے فلیش بیک کی طرح ان الفاظ کے ساتھ ساتھ اسے اسکرین پر چلتے نظر آرہے تھے۔

سب سوچیں گڈمڈ ہو رہی تھیں اور اندیشے اور خوف دل میں جگہ بنانے لگے تھے۔

کہیں کچھ تھا جو غلط تھا۔ اس نے ایک بار پھر لیپ ٹاپ اسکرین کی طرف دیکھا۔ جو انگلش گانا سلجوق نے اسے یو ایس بی میں محفوظ کر کے سننے اور دیکھنے کو دیا تھا وہ ایک بار چل کر دوبارہ شروع ہو چکا تھا۔

"اگر میں تمہیں صرف سونگ سننے کو دوں تو تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا۔ وہ زبان اور لب ولہجہ جو اس سنگر کا ہے تمہارے سر پر سے گزر جائے گا اسی لیے میں نے وہ ٹریک منتخب کیا ہے۔ جس پر" اس میں کہے گئے الفاظ بھی اسکرین پر نظر آئیں گے۔ تم نے یہ سونگ صرف سننا ہی نہیں اسے سمجھنا بھی ہے۔" اس نے یو ایس بی اسے دیتے ہوئے کہا تھا۔

وہ اسے کیا بتانا اور سمجھانا چاہتا تھا وہ اپنے بہت کم درجے کے آئی کیو لیول کے باوجود سمجھ سکتی تھی بلکہ اس روز ہی سمجھ گئی تھی جس روز اس نے پہلی بار جوس کے ڈبے کو کوسا تھا۔ لیکن وہ اپنی سمجھ کو جھٹلا دینا چاہتی تھی۔

اسے نانا کے کہے الفاظ بھی نہیں بھولتے تھے وہ آبگینوں کے حالات دیکھ کر اس کی طرف ملتفت تو ہوئے تھے لیکن تھے وہ بھی سلجوق کے ہی دادا' جب ہی اس کی بھلائی چاہتے تھے۔ ایسا کہتے ہوئے شاید انہیں بھی یاد نہیں رہا تھا کہ زمینی حقائق کیا تھے۔

اس نے سر جھٹک کر اپنا دھیان قریب رکھی کتاب کی طرف موڑ لیا۔ آخری پرچہ جو صرف دو دن کے بعد ہونے والا تھا' اب اسے سالوں دور نظر آرہا تھا۔



"جہانگیر کی بیوی اور اس کی بیٹی!" انہوں نے عالمگیر کے الفاظ دہرائے "سلجوق نے کبھی ذکر نہیں کیا۔"

"کمال ہے ابا جی۔! وہ گھنٹوں آپ کے پاس بیٹھ کر جاتا ہے' اتنی اہم بات نہیں بتائی اس نے۔" عالمگیر کو سلجوق پر کس بات کا غصہ تھا۔ یہ انہیں خود بھی معلوم نہیں تھا۔

"اچھا۔" وہ سامنے دیکھتے ہوئے کچھ سوچنے لگے۔

"ہم میں سے ہر ایک دوسرے سے منہ کیوں چھپاتا پھرتا ہے بھلا؟" اور پھر اپنا چشمہ درست کرتے ہوئے عالمگیر کی طرف دیکھنے لگے۔ "پھر اب"؟

"پھر اب کیا ابا جی!" عالمگیر نے بگڑے موڈ کے ساتھ کہا "یہ بھی آپ کا ہی فرمان تھا کہ نیلوفر کی دل آزاری نہیں ہونی چاہیے لہٰذا گیتی آرا اور اس کی بیٹی سے کوئی تعلق نہیں رکھا جائے گا۔ آپ کے اس حکم کو کسی اور نے نہیں سلجوق نے ٹالا ہے ابا جی۔"

"ہوگی اس کی کوئی اپنی مصلحت۔" انہوں نے یوں ظاہر کرنے کی کوشش کی جیسے ان پر یہ انکشاف اثر انداز نہ ہوا ہو۔

"مصلحتیں تو پھر ہر کسی کی اپنی تھیں ابا جی! جہانگیر بھائی کی' میری' گیتی آرا کی۔ جب تو آپ نے ان کی اہمیت نہیں سمجھی تھی۔"

"میں نے تو عرصہ ہوا' سب کو ان کی مصلحتوں سمیت آزاد کر رکھا ہے۔ میں تو خواب شاید زندگی کے دن ہی پورے کر رہا ہوں یار۔۔۔ کوئی ضرورت نہیں میرا دباؤ لینے کی۔" ان کی آواز کپکپانے لگی تھی۔

"آپ ناراض ہو گئے ابا جی!" عالمگیر ان کی طرف بڑھے۔ "میرا مقصد یہ نہیں تھا۔ میں تو صرف آپ کو بتانے آیا تھا کہ۔"

"تم نے بتایا' میں نے سن لیا۔ اب آگے کہو۔" وہ عالمگیر کو ٹال دینا چاہتے تھے۔

"امائزہ' سلجوق میں دلچسپی رکھتی ہے ابا جی۔ آپ بڑے ہیں' کچھ اس کے بارے میں اعلان کر دیجیے تو بہت اچھا ہو جائے گا۔" عالمگیر اس وقت صرف ایک باپ تھے۔

"امائزہ اور سلجوق!" انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا۔

"کچھ انہونا تو نہیں ہے نا ایا جی۔ آپ بس نیلوفر کو سنبھال لیجیے۔"

کتنی آسانی سے عالمگیر نے انہیں نیلوفر کو سنبھال لینے کا کہا تھا۔ نیلوفر جو خود ان کے سامنے امائزہ کی شخصیت کے بخیے ادھیڑنے کے بعد ایسے کسی امکان کو یکسر مسترد کرچکی تھی۔



"جانتے ہو' سائیکاٹرسٹ نے ماما سے کہا ہے کہ ان کے ساتھ کوئی مسئلہ نہیں ہے اور یہ کہ وہ جو کہتی ہیں کہ انہوں نے کچھ دیکھا ہے تو ٹھیک کہتی ہیں۔" امائزہ نے آئس کریم کا کپ خالی کرتے ہوئے کہا اور سلجوق کے متوقع رد عمل کو کن اکھیوں سے دیکھنے کی کوشش کی۔

"چلو "گڈ!" ہے۔" وہ پرواہ نہ کرتے ہوئے بولا۔ "اب تم بھی انہیں جھٹلانا چھوڑ دو۔"

"میں بھی یہ ہی سوچ رہی ہوں۔" وہ لمبا سانس لیتے ہوئے سیدھی ہوئی۔ "جیسے اگر میں کہوں کہ میڈم کیتی آرا اور ٹرینڈ سیٹنگ ڈیزائنو پری وش الکریم کے ساتھ تمہارے تعلقات خاصے دوستانہ ہیں تو تم مجھے جھٹلاتے ہوئے سائیکاٹرسٹ کے پاس جانے کا مشورہ تو نہیں دو گے نا؟" وہ لمحہ بھر کے لیے گڑبڑایا لیکن پھر سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"ہرگز نہیں۔" اس نے امائزہ کی طرف دیکھا۔ "کیونکہ یہ حقیقت ہے' وہم یا الوژن نہیں۔"

"پھر تو وہ جو ماما نے تمہیں سرونٹ کوارٹر جاتے دیکھا' وہ بھی وہم یا الوژن نہیں ہونا چاہیے۔" امائزہ کو سلجوق کے پر اعتماد رد عمل نے چونکا دیا تھا' اس نے بوکھلا کر ایک اوچھا وار کرنے کی کوشش کی۔

"ہوں!" وہ بازو سینے پر باندھ کر اس کی طرف غور سے دیکھنے لگا۔ "کٹہرے میں کھڑا کرنا چاہتی ہو؟"

"نہیں۔۔۔ الوژن اور حقیقت میں تفریق کرنا چاہتی ہوں بس۔" وہ بے نیازی سے بولی تھی۔

"تو پھر ایسا ہے کہ وہ بھی الوژن نہیں تھا۔ تم چچی کو خوامخواہ ہی سائیکاٹرسٹ کے پاس لے گئیں۔" اس نے آگ کے دریا میں پہلی چھلانگ مارتے ہوئے جواب دیا تھا۔



آبگینہ نے اپنی ہتھیلی کی لکیروں کو غور سے دیکھا اور پھر گردن موڑ کر اس شخص کو جس نے چند منٹ ہی پہلے اسے بتایا تھا کہ اسے آبگینہ سے محبت ہو چکی تھی اور وہ اسے اپنی زندگی کی ساتھی بنانا چاہتا تھا۔ اس نے چہرہ دوسری طرف موڑ لیا۔

"تمہیں میری بات بری لگی کیا؟" وہ پوچھ رہا تھا۔ آبگینہ نے جواب نہیں دیا۔

"بری لگنی تو نہیں چاہیے۔" وہ لاپروائی سے بولا۔ "میں نے بھی برا نہیں مانا تھا جب تم سے مجھے پتا چلا تھا کہ تم مجھے چھپ چھپ کر دیکھا کرتی تھیں۔" شاید اسے کوئی بات بھولتی نہیں تھی۔

"میں صرف آپ کو ہی نہیں' امائزہ کو بھی دیکھتی تھی۔" وہ نروٹھے پن سے بولی تھی۔ "امائزہ جو آپ کی پکی سہیلی ہے۔"

"وہ تو ہے۔" وہ اعتراف کرتے ہوئے بولا۔ "وہ میری بہت کلوز فرینڈ ہے' اسی لیے تو میں نے اسے کل ہی تمہارے بارے میں بتایا ہے۔"

"کیا؟" وہ پوری جان سے لرز گئی۔

"وہی جو ابھی تمہیں بتایا ہے۔" وہ پر سکون تھا اور پر اعتماد بھی۔

"جب ہی صبح کوئی ڈرائیور مجھے سینٹر تک لے جانے کے لیے موجود نہیں تھا۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔

"کیا کہا؟" وہ سن نہیں پایا تھا۔

"کچھ نہیں۔" اس نے سر ہلایا۔ "لیکن مجھ میں ایسا کیا نظر آیا آپ کو جو۔۔۔" وہ پوچھتے پوچھتے رک گئی۔ "کہیں آپ مذاق تو نہیں کر رہے؟"

جواب میں وہ اسے بہت تفصیل سے سمجھانے لگا تھا۔

"اب بولو۔۔۔ میرا ساتھ دو گی' مجھے قبول کرو گی؟"

ڈھیر ساری باتیں سنانے کے بعد وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

"لیکن میں۔" وہ سب سننے اور محسوس کر لینے کے بعد جیسے حقیقت کی دنیا میں واپس آتے ہوئے بے یقینی سے بولی تھی۔

"ایک کمرے کی چار دیواری میں زندگی گزارتی آئی' سرکاری اسکول اور کالج میں پڑھ کر مر مر کر پاس ہونے والی لڑکی اور آپ!" اس نے سلجوق کی طرف دیکھتے ہوئے یوں سر اٹھایا جیسے کسی اونچی عمارت کو دیکھ رہی ہو۔

"کہاں سے لگتا ہے کہ تم ویسی لڑکی ہو جیسی بیان کر رہی ہو۔" وہ نرمی سے مسکرایا۔ "پچھلے کتنے دن تم نے یوٹیوب پر وہ ٹیوٹوریلز زیادہ دیکھے جو میں نے تمہیں بتائے تھے اور اپنے پیپرز کی تیاری کم کی۔ بولو! سچ سچ بتاؤ۔"

آبگینہ نے سر جھکا لیا۔

"خود کو غور سے دیکھو' اپنا تجزیہ کرو' کیا آج تم ویسی ہی دکھائی دیتی ہو جیسی اس روز مسز تہذیب کامران کے آفس میں بیٹھی نظر آ رہی تھیں؟" وہ اعتماد کے ساتھ بولا۔ آبگینہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"اب سمجھ میں آیا میں کیوں کہتا تھا کہ ان ٹیوٹوریلز کی تمہیں ضرورت ہو نہ ہو' مجھے ضرورت ہے۔"

وہ دونوں نہ ختم ہونے والی گفتگو میں گم تھے یہ اور بات کہ دونوں کے دلوں میں آگے پیش آنے والے حالات کا خوف کروٹیں بدل رہا تھا۔



آبگینہ کو اس نے چھوٹے چچا کے گھر ڈراپ کیا اور گیت کی طرف جانے کا ارادہ ملتوی کرتے ہوئے اپنے گھر واپس آ گیا۔ آگ کا دریا ہی ہے نا۔ کیوں نہ آج اس میں آگے بڑھ جایا جائے۔" وہ زندگی میں پہلی بار خود نیلوفر کو گھر کے مختلف کمروں میں ڈھونڈ رہا تھا۔

"میڈم گھر پر نہیں ہیں اور جو مہمان آئے ہیں' ان کے ڈنر کے لیے خانساماں کے پاس کوئی ہدایت نامہ نہیں ہے صاحب' کیا کریں۔" شفیق نے نیلوفر کی عدم موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سلجوق سے بے تکلف ہونے کی کوشش کی۔

"کون مہمان؟" وہ چونکا تھا۔

"وہ ادھر جی۔۔۔" شفیق نے نگار خانے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کچھ بتانا چاہا' لیکن وہ اس کی مزید سنے بغیر طویل راہداری کی طرف آ گیا۔

بابا اور اماں کی تصویروں کے سامنے بہزاد کھڑا تھا۔



"بات بہت ہی افسوس ناک ہے ابا جی۔ آپ سے کہنے کی ہمت نہیں ہو رہی' لیکن سوچتی ہوں' عالمگیر خود تو شاید کبھی آپ سے یہ بات نہ کریں گے۔" عفت اپنے سسر کے سامنے مودب بیٹھی کہہ رہی تھیں۔

"چلو تم کر لو بات' ویسے بھی بہت اہم باتیں مجھ سے ہمیشہ تم ہی تو کیا کرتی ہو۔" انہوں نے جواب دیا تھا۔

"بات یہ ہے ابا جی کہ آپ ٹھیک کہتے تھے' آپ کی نظر بہت آگے تک دیکھ رہی تھی۔ عالمگیر ہی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ ماں باپ کی باتوں کو مان لینے میں کیا حکمت پوشیدہ ہے۔" عفت کو لمبی تمہید باندھنے کی عادت تھی۔

"اچھا۔۔۔ جبکہ میرا خیال ہے کہ میں خاصا کوتاہ بین واقع ہوا ہوں۔" انہوں نے اچنبھے کا اظہار کیا۔

"چھوڑیں ابا جی! آپ کہاں۔ کوتاہ بین تو عالمگیر ہیں۔ آپ کی حکمت کو نہ سمجھ سکے کہ مہرالنساء جیسی بیٹی کی بچی کو عمر بھر دودھ بھی پلاتے رہیں گے تب بھی وقت آنے پر وہ انہیں ڈسنے سے باز نہیں آئے گی۔" عفت اصل بات کی طرف آئیں۔

"اوہ!" انہوں نے سر ہلایا۔ "مطلب تم لوگوں نے اس بچی کو خوب دودھ دہی پر پالا عمر بھر۔"

"نہیں ابا جی۔۔۔ میں تو محاورتاً کہہ رہی ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ جیسی ماں ویسی بیٹی۔ مہرالنساء آپ کی سگی نہیں بن پائی اور یہ آبگینہ جسے عالمگیر نے آپ کی مخالفت کے باوجود سہارا دیا' عالمگیر ہی کی عزت خراب

کرنے پر تل چکی ہے۔"

"وہ کیسے؟" وہ بری طرح چونکے۔

"اب آپ سے کیا چھپاؤں ابا جی۔ ہمیشہ کی طرح آپ کے سامنے آنے سے تو ہم نے اسے روک رکھا تھا کہ کہیں آپ کو جلال نہ آجائے، لیکن ویسے اس پر نظر نہیں رکھ پائے اور اس نے سلجوق کو کہیں بالا ہی بالا اپنے دام میں پھنسالیا۔"

"اوووہ۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوگئے۔ "آگ کے دریا میں تیراکی تو لگتا ہے اوپن شو بن چکی ہے بغیر دعوت نامے یا ٹکٹوں کے ہی کراؤڈ جمع ہوگیا اس معرکے کو دیکھنے کے لیے۔" آہستہ قدموں سے ادھر سے ادھر چکر لگاتے ہوئے وہ سوچ رہے تھے اور عفت پریشان نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

"منع بھی کیا تھا عالمگیر نے ابا جی کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔ میں بھی بہت بے صبری ہوں۔ ابائزہ کی خاطر اس آبگینن کا پتا کٹوانے ابا جی کے پاس پہنچ گئی۔ لگتا ہے ابا جی کو تو جلال آگیا ہے۔" انہوں نے ڈرتے ڈرتے ان کی طرف دیکھا۔ "ہائے... اب کیا کروں۔"



"میں صبح گیارہ بجے سے آیا ہوا ہوں۔" بہزاد اسے بتا رہا تھا۔ "پہلے ہمایوں بھائی کے دوست کے گھر چلا گیا' شام کو ادھر آیا ہوں۔"

"بتایا کیوں نہیں۔ مجھے فون تو کردیا ہوتا۔" سلجوق اچانک بہزاد کو اپنے سامنے دیکھ کر حیران تھا۔

"اس لیے کہ میں بتانا چاہتا نہیں تھا۔" بہزاد کے لہجے میں افسردگی تھی۔ "میں جاننا چاہتا تھا کہ گھر کی دیواروں اور چھتوں کے حصار میں سمٹی تنہائی اور سردمہری کے ساتھ انسان زیادہ سے زیادہ کتنا وقت گزار سکتا ہے۔"

"پھر؟" سلجوق نے بیڈ پر بیٹھ کر جوتے اتارتے ہوئے پوچھا۔

"پھر یہ کہ مسلسل ان دونوں کے ساتھ وقت گزارنے کا حوصلہ کرنے کے لیے انسان کو نیلوفر ہونا پڑتا ہے۔" بہزاد گھر آکر بھی اداس نظر آرہا تھا۔

"کوئی نئی بات ہو تو کریں۔" اس نے جوتے اور موزے اٹھا کر شوریک میں رکھے۔ "نیلوفر کی ہیئت ترکیبی پر تو ہم کئی بار پہلے بھی بات کرچکے ہیں تنہائی اور سردمہری۔" اس نے دہرایا اور ہلکا سا مسکرادیا۔

"میں سوچ رہا تھا کہ اس کروڑوں کی آبادی والے ملک کے لوگوں کے مسائل اور پریشانیوں کا تجزیہ کیا جائے تو کم ہی ایسے گھرانے نکلیں گے جن کے پاس کسی چیز کی کمی نہ ہو' بس' وہ اپنی اپنی نفسیات کے ہاتھوں گھر کو خالی در و دیوار کے کمروں کا ایک مجموعہ بنائے بیٹھے ہوں۔" بہزاد نے سلجوق کی طرف دیکھا۔ "ایسے گھروں میں سے ایک گھر ہمارا بھی ہوگا۔"

"کیا بات ہے؟" سلجوق' بہزاد کے قریب آکر بیٹھ گیا۔ "چھٹیاں گزارنے آئے ہیں یا اداس ہونے۔"

"پتا نہیں یار!" بہزاد نے سر ہلایا۔ "کیوں اس بار خود کو چاہ کر بھی نہ روک سکا جبکہ جانتا بھی تھا کہ یہاں پہنچ کر وحشت اور بھی بڑھ جائے گی۔ یہاں سب کچھ ویسا ہی ملے گا' کچھ بھی نیا نہیں ہوگا۔"

"نہیں۔" سلجوق نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "میں وحشت بڑھنے نہیں دوں گا۔ میرے پاس ہے کچھ نیا۔" اس نے بہزاد کو یقین دلایا۔

ٹھیک پندرہ منٹ بعد وہ دونوں سلجوق کی گاڑی میں بیٹھے گیت کے گھر کی طرف جارہے تھے۔



گیت نے بہزاد کا سر اپنے شانے پر ٹکایا اور اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے یاد دلایا۔

"تمہیں اوٹس سے بنے وہ بسکٹ یاد ہیں جو تم اوون سے گرم گرم نکلتے ہی کھالینا چاہا کرتے تھے کیونکہ تمہیں لگتا تھا ٹھنڈے ہو کر وہ سخت ہوجائیں گے اور تمہیں پسند نہیں آئیں گے۔"

"مجھے وہ سوئس رول بھی یاد ہے جو آپ سے بہتر دنیا کا کوئی بھی بیکر نہیں بنا سکتا۔" بہزاد نے آنکھوں میں

اتری نمی کو ہاتھ کی پشت سے صاف کرتے ہوئے کہا۔
اس کی آواز بھاری تھی اور چہرہ سرخ ہونے لگا تھا۔

ان دونوں کو یوں بات کرتے دیکھتے ہوئے لحہ بھر کے لیے سامنے بیٹھے سلجوق اور پری نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ دونوں کو ایک دوسرے کی آنکھیں بھی نم محسوس ہوئیں۔

"اور وہ ٹشو پیپر جو آپ نے کسی کو آنسو خشک کرنے کے لیے پیش کیا تھا۔" کمرے میں سلجوق کی آواز گونجی۔ بہزاد دفعتاً سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ سلجوق نے گردن موڑ کر پری کی طرف دیکھا جو ٹھٹھک کر سلجوق ہی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"یہ کیا بات ہوئی؟" ان تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے گیت نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ وہ بات ہے گیت آپو! جو کبھی کسی نے سنائی نہ کسی نے سنی' لیکن کچھ میرے جیسے بھی ہوتے ہیں "ان کہی سن لینے والے۔"

سلجوق نے کھنکتی ہوئی آواز میں کہا تھا۔ ہوا میں چھوڑا اس کا تیر نشانے پر لگا تھا۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ پرعزم ہوا۔ آگ کے اس دریا کا کنارا ڈھونڈ کر ہی رہے گا۔



اس کا دل بے چین تھا اور مضطرب بھی۔ پچھلے ایک گھنٹے سے وہ اپنے کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہلتے اپنی ٹانگیں تھکا رہی تھی۔

امائرہ عالمگیر کی زندگی میں کبھی کوئی ایسا میدان نہیں آیا تھا جس میں سے وہ سرخرو ہو کر نہ نکلی تھی۔ اسے اس بار بھی اپنی ناکامی کا کوئی اندیشہ نہیں تھا' مگر کہیں دل کے اندر اٹھتی وہ ایک انجانی سی کسک تھی جو اسے چین نہیں لینے دے رہی تھی۔ وہ بے قرار تھی' مضطرب تھی اور ناخوش بھی۔ اس نے تیزی سے آگے بڑھ کر کمرے کا دروازہ کھولا اور باہر نکل آئی اب وہ اپنے بھائی ذوالکفل کے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی۔



"جانتی ہوں تم لوگ اب بڑے ہو گئے ہو۔ آزاد اور انڈیپینڈنٹ۔ اپنی اپنی زندگیاں اپنے ڈھنگ سے گزارنے کا حق مل چکا ہے تمہیں۔ اب کون نیلوفر اور کہاں کی نیلوفر۔" کھانے کی میز پر نیلوفر نے سخت لہجے میں کہا تھا۔

"نہ کوئی مجھے اپنے آنے کی اطلاع دینا گوارا کرتا ہے نہ ہی کہیں جانے کی۔" اس نے شعلہ بار نظروں سے بہزاد کی طرف دیکھا "اور اب اسے بھی ترغیب دو گے کہ یہ بھی جو تھوڑا بہت میرے ساتھ رہتا ہے اسے ترک کرکے تمہارے ساتھ اڑ جائے۔" اس نے سلجوق کی طرف دیکھا۔

"چلے جاؤ سب مجھے چھوڑ کر۔ مگر اس بھول میں کبھی نہ رہنا کہ ایسا کرکے تم لوگ نیلوفر کو توڑ دو گے۔ ذرا باہر نکل کر دیکھو' دنیا میں نیلوفر کو لوگ کیسے یاد کرتے ہیں۔ علم' ذہانت' عزم اور حوصلے کی مثال دینا ہو تاریخ' زبان اور ثقافت پر تحقیق کرنی ہو تو سب ایک ہی نام لیں گے تمہیں ایک ہی پتا تھمائیں گے 'نیلوفر کا پتا۔'"

نیلوفر پر فرسٹریشن کا وہ دورہ پڑ چکا تھا جس سے گھبرا کر آج تک اس سے جڑا ہر رشتہ اپنے جذبات کی قربانی دیتا چلا آیا تھا۔

"آپ جانتی ہیں نیلوفر! میں اور بہزاد اس راستے کے مسافر ہی نہیں ہیں جہاں آپ نے جھنڈے گاڑ رکھے ہیں۔" سلجوق نے خود کو پرسکون لہجے میں کہتے سنا تھا۔ "ہمیں عزم' حوصلے' تاریخ' زبان' ثقافت' علم اور ذہانت کی کسی داستان میں دلچسپی نہیں۔" نیلوفر نے وحشت بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ نیلوفر کی شناخت ریجیکٹ کر رہا تھا۔ اس کا دل بند ہونے لگا۔

"ہاں' لیکن ہمیں اس نیلوفر کا پتا ضرور درکار ہے' جو ہماری بہن ہے' بڑی بہن۔ اور جسے ہم مسز نیلوفر ہمایوں کے نام سے جانتے ہیں۔" سلجوق نے بہزاد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"پلیز بتا دیجیے کہ یہ پتا بتانے والے "راہ نما" کہاں ملتے ہیں؟" اس نے آگ کے دریا میں آگے بڑھتے ہوئے ہاتھ پیر چلائے تھے۔



"تم بھی خود کو واچ کرنے کے بجائے دوسروں کی پہرے داری کرنے لگی ہو امائزہ۔" ذوالکفل نے حیرت سے اپنی بہن کی طرف دیکھا تھا جو اس کے پاس اپنا دل ہلکا کرنے آئی تھی۔

"کم آن یار... تم جیسی اسپورٹس مین اسپرٹ رکھنے والی لڑکی سے تو مجھے یہ توقع بالکل بھی نہیں تھی کہ بچوں کی طرح سب سے بڑی والی ٹرافی ہی لینی ہے جیسی ضد میں پڑ جاؤ گی۔" اس نے امائزہ کی طرف دیکھا۔ اسے اس جواب کی بالکل بھی توقع نہیں تھی اس کو یوں ششدر بیٹھے دیکھ کر وہ زور سے ہنس دیا۔

"کیا یار!" اس نے سر جھٹکا۔ "سلجوق ایک امپاسبل ٹاسک ہرگز نہیں ہے۔ تمہارے پاس وہ زور اور زبردستی یقیناً "موجود ہے۔ جس کے سر پر تم اس بڑی والی ٹرافی کو جیت لوگی' لیکن اس کے بعد کیا ہوگا' تم ایک گلٹ کا شکار رہوگی کہ تمہاری مدمقابل کمزور تھی' اس لیے تم نے اس سے ٹرافی اچک لی۔ اس دکھ کا کیا کروگی جو تمہیں اس خیال سے رلاتا رہے گا کہ سلجوق کا انتخاب تم نہیں وہ معمولی سی لڑکی تھی۔ محبت چھینی جاسکتی ہے میری بہن... زبردستی اپنی نہیں بنائی جاسکتی۔ انا کی قیمت پر کیے سودے کبھی بھی منافع بخش ثابت نہیں ہوتے۔ ایسا نہ ہو کہ اپنی زندگی کو "نیلوفر اور ہمایوں" نامی ڈرامے کا سیزن ٹو بنا بیٹھو۔"

ذوالکفل کے لفظوں میں سچائی تھی اور لہجے میں خلوص۔

امائزہ کو اپنا وجود کسی جادو کے اثر سے باہر نکلتا محسوس ہونے لگا تھا۔



گیت نے کتنے سالوں کے بعد اس گھر کے اندر قدم رکھا تھا یہ انہیں ٹھیک سے یاد نہیں تھا' لیکن وہ اس گھر اور اس کے مکینوں سے منسلک رہنا چاہتی تھیں یہ انہیں بہت اچھی طرح یاد تھا۔ آخری بار جب وہ اس گھر میں ایک ڈنر اٹینڈ کرنے گئی تھیں انہیں معلوم نہیں تھا کہ اگلی بار سالوں بعد وہ اس ذوالکفل کی دعوت پر وہاں آئیں گی جو اس آخری بار کے وقت میں ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔ چینی گلابوں کی بیلوں سے ڈھکی دیواروں والا وہ گھر انہیں پہلے بھی بہت اچھا لگتا تھا اور اس روز بھی اتنا ہی اچھا لگ رہا تھا کیونکہ وہ جہانگیر کے بھائی عالمگیر کا گھر تھا۔

"میں بہت سے اساتذہ کی شاگرد رہ چکی ہوں میم! لیکن مجھے اعتراف ہے کہ آپ سے بہتر استاد مجھے کوئی اور نہیں ملا۔ آپ صرف ایک ہیں' ایک منفرد رول ماڈل' ورسٹائل..." امائزہ عالمگیر انہیں تازہ جوس کا گلاس پیش کرتے ہوئے پورے دل کے ساتھ اعتراف کررہی تھی۔

"اور سلجوق کہتا تھا اسے اس لڑکی کی طرف سے بڑے فساد کا خطرہ ہے۔" وہ جوس کے گھونٹ بھرتی سوچ رہی تھیں۔ "یہ تو اتنی بے ضرر اور خوش مزاج نظر آرہی ہے۔ کون کہتا ہے کہ یہ نیلوفر کا سیکنڈ ایڈیشن ہے۔ اس کی چائنا کاپی۔"

"اور پری وش آپ!" امائزہ پری کے قریب جاکر بیٹھی تھی۔ "آپ جانتی ہیں کہ آپ میری پسندیدہ ترین ڈیزائنر ہیں' میں ہر وہ سیٹ اپ خاص طور پر جاکر دیکھتی ہوں جو آپ نے ڈیزائن کیا ہو۔ ایف ٹین میں وہ کیفے جو رینوویٹ ہورہا ہے آج کل اس کا انٹیریئر آپ کررہی ہیں نا۔" وہ پوچھ رہی تھی۔

"آگ کے دریا کی یہ وہیل تو ٹراؤٹ نظر آتی ہے۔" سامنے بیٹھے سلجوق نے حیرت سے سوچا۔ کرسٹل کلیئر پانیوں میں پلی۔ صاف اور خوشنما۔ "اس نے شانے اچکائے اور اپنا جوس کا گلاس لے کر سرونٹ کوارٹرز کی طرف چل دیا۔ بی بی جان کا وہ کوارٹر جس میں اس کی دنیا آباد تھی۔

"شہزادے! آپ کو بھی ادھر جانا ہے تو ضرور جائیں۔" ذوالکفل نے سلجوق کو اس سمت جاتے دیکھتے ہوئے

بہزاد کو مخاطب کیا۔ "میں آبگینہ کو بہت زیادہ نہیں جانتا، لیکن یقیناً" وہ جانے جانے کے قابل ہوگی کیونکہ میں سلجوق کو جانتا ہوں۔"

"ضرور!" بہزاد اپنی جگہ سے اٹھا اور پری وش کی طرف دیکھنے لگا۔ "آپ میرے ساتھ چلیں گی آبگینہ سے ملنے۔" وہ پوچھ رہا تھا۔

اور ان سب سے خاصے فاصلے پر کھڑی عفت اس منظر کو دیکھے چلے جارہی تھیں۔ ان ہی کے گھر کے لان میں وہ "ہائی ٹی پارٹی" منائی جارہی تھی اور ان ہی کو اس کا علم نہیں تھا۔ برسوں بعد گیت اور اس کی بیٹی کو سلجوق اور بہزاد کے ساتھ وہاں بیٹھے اور اپنے دونوں بچوں کو ان کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف دیکھ کر ان کے دل پر کیا قیامت گزر رہی تھی یہ وہی جانتی تھیں۔

"اس امائزہ کی خاطر میں کہاں کہاں اور کیسے کیسے پاپڑ بیل رہی ہوں اور یہ۔"

انہوں نے تلملا کر دیکھا تھا۔ انہیں اپنے بچوں کی روشن خیالی اور مثبت سوچ کی علم برداری پر رہ رہ کر طیش آرہا تھا۔ وہ پیر پٹختے ہوئے مڑیں اور اندر چلی گئیں۔

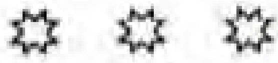


آرام کرسی آگے پیچھے جھول رہی تھی اور اس کے ساتھ اس پر بیٹھی نیلوفر بھی، جس کی آنکھوں کی پتلیاں سکڑی ہوئی تھیں اور نظریں خلا میں کسی ایک نکتے پر جمی ہوئی تھیں۔

"سلجوق، گیتی آرا سے جاملا اور مجھے خبر نہیں ہوئی۔ شاید وہ بھول گیا کہ میرے ساتھ رہتے ہوئے، میرا بھائی ہوتے ہوئے وہ اس تعلق کو کتنا بھی آگے بڑھالے، اسے واپس میری ہی طرف آنا ہوگا۔ اس کے دل میں تپش بڑھنے لگی۔

"میں تو وہ ہوں جس کے قبضے سے دور دیس جابھاگا۔ ہمایوں بھی خود کو آج تک چھڑا نہ سکا۔ بہزاد کے دل پر آج بھی میری ناراضی کا خوف طاری ہے۔ پھر سلجوق کی کیا بساط کہ مجھ سے بغاوت کر ڈالے۔ خوب گیتی آرا! تم نے ایک بار پھر ڈول ڈالا ہے۔ اس بار شاید پہلے سے زیادہ سوچ سمجھ کر، زیادہ بہتر منصوبہ بنا کر، لیکن شطرنج کی جن چالوں سے میں واقف ہوں تم تو وہ سوچ بھی نہیں سکتیں۔"

وہ جل رہی تھی، تڑپ رہی تھی اور آرام کرسی کے آگے پیچھے جھولنے کی رفتار دم بہ دم تیز ہورہی تھی۔



"بس طے ہوگیا۔" نانا آبگینہ کے سامنے بیٹھے کہہ رہے تھے۔ "عالمگیر! میں تم سے سلجوق کے لیے مہرالنساء کی بیٹی کا رشتہ مانگ رہا ہوں۔ بولو دیتے ہو یا نہیں؟"

"گن پوائنٹ پر دادا!" ذوالکفل نے حیرت سے دیکھا۔ "آپ تو ایسے بول رہے ہیں جیسے بابا کی گردن پر چھری رکھ کر کہہ رہے ہوں، میری بات مانو یا اس طرف دیکھ لو جس طرف چھری کی دھار ہے۔ سوال کیجیے۔ لجاجت سے، عاجزی سے۔" اس نے سر جھٹکا۔

"تمہیں خبر نہیں کہ مجھے کتنی جلدی ہے۔ میرا پوتا خطروں کا شوقین کھلاڑی بنا بیٹھا ہے۔ اس سے پہلے کہ آگ کے دریا کی لہریں تلاطم خیز ہونے لگیں، مجھے اسے فائر پروف کشتی میں سوار کرانا ہے احمق لڑکے!" دادا نے ذوالکفل کو ڈپٹا۔

"کہاں تو آپ اس کی شکل دیکھنا گوارا نہیں کرتے تھے اباجی! اور کہاں...." عفت نے اپنی نشست پر بے چینی سے پہلو بدلا۔

"احمق تھا میں گدھا تھا۔" ان کی آواز بلند ہوئی۔ "رشتوں اور محبتوں کا گلا گھونٹ کر خود کو فاتح سمجھنے والا احمق، انا اور خود پرستی کے دام میں پھنسا گدھا۔"

"بس بس طے ہوگیا۔" کمرے کے ایک کونے سے امائزہ کی مسرت جھلکاتی آواز سنائی دی۔ "میری اگلی ڈاکومینٹری کا ٹائٹل

The brighter side of newly emerging positive thought

اور اس میں صرف آپ بات کرتے دکھائی دیں گے دادا۔ اپنی زندگی کی کہانی سناتے' اپنے ماضی سے اپنے حال تک۔"

"تم چپ رہو۔" ذوالکفل نے اسے گھورا اور دادا کی طرف دیکھنے لگا۔ "آپ بھلا کیا کہہ رہے تھے دادا۔۔۔ آگے بولیے۔ بلکہ بابا! اب آپ کی باری ہے۔" اس نے عالمگیر کی طرف دیکھا۔



آبگینہ نے اپنے قدموں کے قریب رکھے اپنے اس مختصر سامان پر نظر ڈالی جو اس نے کوارٹر سے اٹھ کر چھوٹے ماموں کے گھر کے ایک کمرے تک جانے کے لیے باندھا تھا۔

"چلو آبگینہ! ہم تمہیں لینے آئے ہیں۔" تھوڑی دیر بعد بی جان کے کوارٹر کے دروازے سے دو چہرے اندر جھانکتے ہوئے کہہ رہے تھے اور یہ دو چہرے ذوالکفل اور امائزہ کے تھے۔

وہ آپا مسرت النساء کے اسکول کی نوکری کا خیال وہیں چھوڑ کر ان دونوں کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔



"بہزاد کے دادا نے مجھ سے کہا ہے کہ تمہاری شادی بہزاد سے کردوں۔" گیت نے اپنے کام میں مصروف پری سے کہا۔ "میں نے سوچا تم سے پوچھ لوں' کرلوگی بلیوڈینیوب کا سامنا۔"

"آپ کو پتا ہے "نیلوفر" ایک سائیکلون (طوفان) کا نام ہے۔" پری نے پلان بک پر سے نظر اٹھا کر دیکھا۔ "اور میری کشتی کے چپو کمزور ہیں اور سال خوردہ بھی۔"

"سوچ لو!" گیت نے لاپروائی سے کہا۔ "یا پھر اپنے فون سے وہ تصویر ڈیلیٹ کردو جسے حرز جاں بنا رکھا ہے۔"

پری نے چونک کر گیت کی طرف دیکھا۔ کتنے سال اس نے اس بات کو راز بنائے رکھنے میں گزار دیے

"ویسے بہزاد کی وہ تصویر کچھ خاص اچھی نہیں۔" گیت نے منہ بناتے ہوئے دیکھا۔

"وہ خود زیادہ اچھا دکھتا ہے۔ میرا خیال ہے اس گھر سے نکالنے جانے کی سراسیمگی کے دوران تمہارے ہاتھ جو بھی تصویر لگی تم نے اٹھائی اور پھر اپنے فون میں محفوظ کرلی۔ ہے نا۔" انہوں نے اس سے تصدیق کرنا چاہی جو بت بنی بیٹھی ان کی طرف دیکھے چلی جارہی تھی۔



"میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ تم یوں چھوٹے چچا کے گھر میں اس طرح بیٹھی ملوگی جیسا میں تمہارے لیے چاہتا تھا۔" سلجوق نے سرخوشی کے عالم میں آبگینہ کی طرف دیکھا "وہی امائزہ اور ذوالکفل جنہیں ہمیشہ تم سے دور رہنے کا سبق پڑھایا جاتا رہا' وہ خود تمہیں یہاں لے کر آئیں گے۔"

"وہ دونوں کل شام سے معافی مانگ رہے ہیں۔ ان زیادتیوں کی جو دانستہ یا نادانستہ ان سے سرزد ہوئیں۔" آبگینہ نے بچوں کی سی مسرت کے ساتھ اسے بتایا اور وہ کھلکھلا کر ہنس دیا۔

"مجھے یہ سن کر بہت خوشی ہوئی' وہ دونوں پیدائشی چیمپئن ہیں۔ دونوں نے انا کا ایورسٹ بھی سر کرلیا۔ دونوں ہی بہت بڑے اعزاز کے مستحق ہیں۔" اس نے کہا۔

"اور ان سب خوش کن تبدیلیوں کا کارن آپ ہیں۔ سلجوق جہانگیر۔" آبگینہ مسکرائی تھی۔

"میں نہیں۔ جوس کا وہ ڈبہ۔" سلجوق نے سنجیدگی سے سرہلایا اور وہ دونوں ایک ساتھ ہنس دیے۔



اس کے خاموش' تنہا اور سرد مزاج گھر میں دو دلہنیں ایک ساتھ اتری تھیں۔ وہ دونوں دلہنیں تنہا نہیں تھیں ان کے ساتھ اس کا پورا خاندان تھا۔ نیلوفر

نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے اس لشکر کو دیکھا تھا اور لڑکھڑا گئی تھی۔ ان میں سے کسی کو بھی اسے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔

وہ ذہین تھی' باعلم تھی' باخبر بھی۔ عنوان دیکھ کر پوری کہانی سمجھ جانے والی خاتون' اسی لیے لمحہ بھر میں سب سمجھ گئی تھی جب ہی تو کچھ کہے سنے بغیر تیز قدموں سے چلتی اپنے کمرے کی طرف گئی تھی اور اس وقت سے اب تک اس کے کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ وہ سب گھر کے لاؤنج میں اپنی اپنی جگہوں پر سر جھکائے خاموش بیٹھے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی دوسرے سے نہیں ملا رہا تھا۔

مگر وہ سلجوق تھا جس نے طویل انتظار کے بعد باری باری ان سب کی طرف دیکھا تھا۔ آگ کے دریا کا کنارا تو صاف سامنے نظر آنے لگا تھا' بس اب دو چار ہاتھ پیر ہی مارنے تھے۔ اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور تھوک نگلتے ہوئے اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔

"رکو!" چھڑی کی نوک فرش سے ٹکراتے دادا نے اسے اٹھتے دیکھ کر کہا۔ "میں جاؤں گا خود اس سے بات کرنے قرض تو سارے میرے سر پر ہیں جو مجھے ہی ادا کرنے ہیں۔"

"لیکن دادا۔ وہ کچھ بھی کہہ دیں گی۔ ان کا کیا پتا۔" سلجوق نے روکنا چاہا۔

"اسے کچھ بھی کہہ دینے کی اسٹیج تک لانے میں بھی میرا ہی سب سے بڑا کردار ہے۔ اس سے کیسے اور کیا بات کرنی ہے۔ میں ہی جانتا ہوں' مجھے جانے دو۔" وہ نیلوفر کے کمرے کی طرف چل دیے۔ "تم لوگ ریلیکس ہو جاؤ' ہنسو کھیلو' باتیں کرو۔"

انہوں نے جاتے جاتے ان سب کی طرف دیکھا۔ مگر وہ سب فق چہروں کے ساتھ انہیں جاتے دیکھ رہے تھے۔



"ان دونوں نے تم سے بغاوت نہیں کی صرف اپنے اپنے گھر بسائے ہیں نیلوفر! ایک خوشگوار پرسکون زندگی پر ان کا حق ہے۔ اس خوشی کو ان کے لیے عمر بھر کا پچھتاوا مت بناؤ۔"

انہوں نے نیلوفر سے کہا تھا۔ وہ شہر کے بہترین اسپتال کے پرائیوٹ پیشنٹ روم میں نیلوفر کے بیڈ کے قریب بیٹھے تھے۔ نیلوفر اس اسپتال میں نروس بریک ڈاؤن کے نتیجے میں لائی گئی تھیں۔

"میرا ہاتھ چھوڑ دیں دادا۔" اس نے ان کے ہاتھ کی گرفت میں دبا اپنا ہاتھ نکالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "آپ نے ان دونوں کو شہ دی۔ ورنہ میں تو سلجوق اور گیتی آرا کا انتظام کر ہی چکی تھی۔"

"ہاں یہ نکاح میرے ہی ایما پر ہوئے۔" انہوں نے نیچی آواز میں کہا۔ "تمہیں اس لیے بے خبر رکھا گیا کہ دونوں لڑکے تمہارے سامنے کمزور پڑ جاتے ہیں۔ یہی نروس بریک ڈاؤن اس صورت میں انہیں ان کی خوشیوں سے ہمیشہ کے لیے دست بردار کرا دیتا۔"

"تو اب کیا فرق پڑ گیا۔" وہ دانت پیس کر بولی۔ "بابا نے بھی تو گیتی آرا سے نکاح ہی کیا تھا نا۔"

"دھمکیاں مت دو نیلوفر۔" وہ اس ڈھٹائی پر تلملا ہی اٹھے تھے۔ "بہتر ہے' اب اپنی آنکھیں کھول لو۔ دنیا بدل چکی ہے۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ اس حصار سے باہر نکل آؤ۔ ایسا نہ ہو کہ بالکل تنہا رہ جاؤ۔ کیوں اپنا سر بلند رکھنے کی کوشش میں اپنی جان گنوا دینا چاہتی ہو نیلوفر۔"

انہوں نے دکھ کے ساتھ کہا۔

"ارے تم تو تاریخ کی ماہر ہو۔ یاد کرو' ان سب لوگوں کو جو اپنے تئیں کسی مقصد کا علم بلند رکھنے کی خاطر دار پر چڑھ گئے۔ وہ تمہارے سپر ہیروز۔ آج تجزیہ کرو تو پتا چلے گا کہ دنیا تو آگے بڑھ چکی' ان میں سے چند ایک کے سوا باقی سب تاریخ کی گرد میں اٹ گئے۔ اب تو سال میں شاید ہی ایک بار ان میں سے کسی کا دن منایا جاتا ہو' وہ بھی ان کے لیے دعا کرنے کے لیے' صرف ان کی یاد میں شمعیں جلانے کے لیے۔" نیلوفر نے آنکھیں بند کر لیں۔

"پھر وہ تو اجتماعی مقصد کی خاطر سولیوں پر چڑھے تھے۔

تم کیوں خود کو پھانسی چڑھا دینا چاہتی ہو۔ ذاتی انا کا علم بلند رکھنے کی خاطر دار پر چڑھنے والوں کی یاد میں کوئی شمع روشن نہیں ہوتی' یاد رکھنا۔ ناحق جان گنواؤ گی۔"

"آپ چلے جائیں دادا! مجھے تنہا چھوڑ دیں۔ جائیں اور ان سب کو بھی اپنے ساتھ لے جائیں۔" وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے بولی تھی۔ "وہ گیتی آرا جس نے مجھ سے میرے باپ کے بعد میرے بھائی بھی چھین لیے بے نام باپوں کی بیٹیاں ان کے ساتھ بیاہ دیں' جس نے آپ کو' میرے اپنے دادا کو مجھ سے چھین لیا۔ آج آپ سب ایک طرف کھڑے ہیں اور میں دیوار کے ساتھ لگ چکی ہوں۔ جائیے اس سے کہہ دیجیے اس کو اس کی جیت مبارک۔ میں اب مرجانا چاہتی ہوں۔" وہ ڈاکٹر کے منع کرنے کے باوجود چلائی تھی۔

"ڈرامے بازیاں بند کرو نیلوفر! میں نے تمہیں بتایا تو ہے اموشنل بلیک میلنگ کا زمانہ گزر چکا۔" وہ ڈپٹ کر بولے۔ "ٹھیک ہے' میں چلا جاتا ہوں۔ باہر کھڑے سب لوگوں کو تمہارا پیغام بھی پہنچا دیتا ہوں' سب اپنی اپنی منزلوں تک پہنچ جائیں گے لیکن تم۔" وہ کہتے کہتے رک گئے۔

"تم یکسر تنہا ہو جاؤ گی۔ کیا کرو گی پھر۔ کتنی دیر اور سروائیو کر سکو گی۔ سکندر اعظموں' پورس کے ہاتھیوں' لکشمن کی بانسریوں اور لنکا کے بھکشوؤں کے قصوں کے ساتھ' بھلا بتاؤ انسانی رشتوں اور تعلقات' محبتوں اور چاہتوں کے بغیر بھی کبھی یہ باتیں اچھی لگ سکتی ہیں۔"

"انسانی رشتے' تعلقات' محبتیں اور چاہتیں۔" وہ سرپٹک کر بولی تھی۔ "کہاں ہیں' کدھر ہیں رشتے اور محبتیں۔" اس نے ان کی طرف دیکھا۔ "وہ تو شاید تب بھی میرے نہیں تھے جب ان کا احساس میرے پاس تھا۔ آپ میرے دادا۔ جو ہمیشہ میری تسلی اور ڈھال بنے رہے۔ میرے دونوں بھائی جن کو میں نے اپنے ہاتھوں میں جوان کیا۔ آج کہاں ہیں آپ سب۔ مجھے نظر کیوں نہیں آرہے۔ کیوں گیتی آرا کی گود میں بیٹھ گئے آپ تینوں۔" اس کی آنکھوں کو انہوں نے پہلی بار بھیگتے دیکھا تھا۔ ان کا دل پگھلنے لگا۔ لیکن انہوں نے خود کو سنبھالا۔

"کوئی نہیں ہے میرا' کوئی ایسا جو مجھ سے میری خامیوں سمیت محبت کر سکے' جو میری ذات سے سمجھوتا کر سکے۔" نیلوفر نے ان کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگا لیا تھا۔ کہ لوہا گرم ہو چکا ہے اس نے آخری چوٹ لگائی تھی۔

"کس نے کہا' کوئی ایسا نہیں ہے۔" دادا ذرا سا بھی متاثر نہ ہوئے تھے۔ "ہمایوں کو بھول گئیں تم۔ کیوں ابھی تک تم سے تعلق جوڑے بیٹھا ہے۔ اور تمہاری بیماری کا سن کر راتوں رات ٹکٹ کٹا کر وہاں سے بھاگا چلا آیا ہے۔"

انہوں نے اسے احساس دلانے کی کوشش کی۔

"قدر کرو اس کی' قدر کرو زندگی کی جس کی خوشیوں پر تمہارا ابھی حق ہے اور ان سب کا بھی جو باہر کھڑے تمہاری خاطر اپنی خوشیوں سے دست بردار ہو جانے کے لیے بھی تیار ہیں۔ آزاد کرو خود کو بھی اور انہیں

بھی۔" انہوں نے اپنی تقریر کا آخری حصہ جھاڑا اور ڈرتے ڈرتے نیلوفر کی طرف دیکھا۔

"ہمایوں واقعی میری بیماری کی خبر سن کر دوڑا چلا آیا۔" وہ ان سے پوچھ رہی تھی۔ "ابھی بھی میں اس کے لیے۔"

"ہاں ابھی بھی۔" انہوں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "باہر ہی کھڑا ہے احمق۔ بلاؤں اسے۔" انہوں نے امید بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"اس کو بھی اور ان دونوں کو بھی۔" نیلوفر نے کہا تھا۔

"ان دونوں کو نہیں چاروں کو بلاتا ہوں۔" وہ اپنی چھڑی وہیں چھوڑ کر دروازے کی طرف تیزی سے بھاگے تھے۔

☼ ☼ ☼

نیلوفر جہانگیر کے گھر کے لان میں تقریب بپا تھی۔ وہاں روشنیاں تھیں، رنگ تھے اور خوشیاں تھیں۔

دادا، عالمگیر، عفت، گیت، امائزہ، ذوالکفل، بہزاد، پری، نیلوفر اور ہمایوں۔ سب کے چہروں پر مسکراہٹ تھی اور سکون۔ تقریب کے مہمان نیلوفر جہانگیر کا یہ نیا روپ دیکھ کر حیرت زدہ تھے۔ ایک محقق، مورخ، مصنف اور نجانے کیا کیا، وہ آج تک صرف اسی نیلوفر جہانگیر سے واقف تھے، مسز نیلوفر ہمایوں سے ان کا تعارف جیسے پہلی بار ہوا تھا۔ نیلوفر ہمایوں، جو ایک بیوی، پوتی، بھتیجی اور بڑی بہن میں ڈھل چکی تھی، سکون اور مسرت کے اس کنارے تک سب کو پہنچانے کے لیے جس شخص نے آگ کے دریا میں چھلانگ لگائی تھی، وہ ان سب سے ذرا فاصلے پر گھر کی لائٹ [illegible] آبگینہ کے ساتھ کھڑا لائی کے دروازے کے شیشے [illegible] ان سب کی طرف دیکھتا آبگینہ سے پوچھ رہا تھا۔

"دیکھو، میری ٹائی کی ناٹ ٹھیک بندھی ہے نا۔ ذرا سی خراب ہوئی تو نیلوفر بہت ڈانٹیں گی۔"

"مجھے نہیں معلوم، ٹائی کی کیسی ناٹ ٹھیک ہوتی ہے۔" وہ سادگی سے بولی تھی۔

"بس آج تم گوگل پر دیکھو گی اور سیکھو گی کہ ٹائی کی ناٹ کیسے باندھی جاتی ہے۔" سلجوق نے حکم سنایا تھا۔

"نیلوفر تو کل کینیڈا جا رہی ہیں، ہمایوں بھائی اور بہزاد بھائی کے ساتھ۔ ان کے بعد کسی کو کیا فرق پڑے گا کہ ٹائی کی ناٹ ٹھیک ہے یا نہیں۔" وہ گوگل اور یوٹیوب سے سیکھنے کی مشقت کا تصور کرتے گھبرائی تھی۔

"نیلوفر یہاں سے جا رہی ہیں، ان کے بتائے اصول تو نہیں جا رہے۔" وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔ "جانتی ہو اس گھر کے اندر موجود بہت سے توازن کا سہرا نیلوفر کے اصولوں کے سر ہے۔ ان کو بدلنے کی اجازت میں نہیں دوں گا۔"

"لیکن آپ تو کہتے تھے کہ نیلوفر کی وجہ سے۔" وہ معصومیت سے بولی تھی۔

"ان کی وجہ سے اس گھر میں تنہائی اور خاموشی کا راج تھا۔ میں اس کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ اور دیکھو میں نے اس کو ختم کر بھی دیا۔" سلجوق نے ایک بار پھر شیشے کے پار دور نظر آتے ہوئے ان ہنستے مسکراتے چہروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور جانتی ہو میں ایسا کبھی نہ کر پاتا اگر میری زندگی میں تین لوگ نہ آتے۔" پھر اس نے مسکرا کر آبگینہ کی طرف دیکھا۔

"کون تین لوگ؟" اس نے ایک بار پھر سادگی سے پوچھا۔

"گیت، پری اور تم۔"

وہ ہنس کر بولا تھا اور آبگینہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے ان سب ہنستے مسکراتے، خوش باش لوگوں کی طرف چل دیا تھا۔

فرزانہ کھرل

دو اور سہ

حبہ اپنے ماموں کی رازدار سہیلی تھی' ان دونوں کی عمروں میں محض تین سال کا فرق تھا۔ چار بیٹیوں کے بعد نانا' نانی جب ناامید ہو چکے تھے اور جبرا" صبر و شکر کا بار سر پہ اٹھا رکھا تھا تو رب تعالیٰ نے ان کو دوبارہ پرامید کر دیا اور پانچویں مرتبہ ان کا دامن بیٹے کی نعمت سے بھر دیا۔

اماں' ابا کی آنکھوں کا تارا اور چار بہنوں کا راج دلارا "واثق" جب دو سال کا تھا تو اس کی بڑی آپا کی شادی کر دی گئی۔ سال بعد آپا کی زندگی میں حبہ آئی تو واثق کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا' جب آپا میکے آئی ہوئی ہوتی تو تمام وقت واثق اس ننھی پری کے ہاتھ پاؤں چوم رہا ہوتا' تو کبھی اس کے گول مٹول چہرے کو چھو چھو کر دیکھتا

عمر کے ساتھ ماموں بھانجی میں نہ صرف محبت بڑھی بلکہ بلا کی انڈر اسٹینڈنگ بھی تھی۔

ماموں چوبیسویں سال میں لگے تو ان کے بدلے بدلے انداز دیکھ کر حبہ جان گئی کہ ان کی زندگی میں کوئی مہ وش، مہ ناز، مہ جبیں آچکی ہے جلد ہی ماموں میاں نے ہتھیار ڈالے اور اپنی پاؤں پاؤں چلتی نئی نویلی محبت کی داستان حرف بہ حرف سنادی۔ دوسری طرف اماں اپنے اکلوتے لال کے لیے شہر بھر کی لڑکیوں پر نظر رکھے ہوئے تھیں۔



حبہ کے سارے ارمان اس وقت دھرے کے دھرے رہ گئے جب ماموں کا معاملہ سلجھنے سے پہلے خود اس کی شادی کی تاریخ مقرر کردی گئی۔ یہ سب اس قدر "آناً فاناً" ہوا کہ حبہ بے چاری ٹھیک سے حیران اور پریشان بھی نہ ہوسکی۔ خیر ماموں میاں نے دوست ہونے کا حق ادا کردیا اور اس کی شادی پہ خوب رونق لگائی اور تمام رسموں کو جی بھر کے انجوائے کیا، مگر وقت رخصت اس قدر آنسو بہائے کہ دریائے راوی بھی اپنی روانی پہ کئی دنوں تک شرمندہ منہ چھپائے چھپائے رہا۔

شادی کے تین ماہ بعد حبہ اپنے شوہر کے سنگ امریکا سدھار گئی تو ماموں کی راتوں کی نیند دن کا چین قرار، سکون سب ساتھ لے گئی کیوں کہ اس نے نانی سے نا صرف ماموں کی محبت کا راز افشاں کرنا تھا بلکہ سینہ تان کر ظالم سماج سے لڑنا بھی تھا۔

اب وائے قسمت حبہ کی شادی پر نانی کو حبہ کے دودھیال میں سے نازک البیلی، گوری، چٹی، سروقد، عفنین، اس قدر بھائی کہ اس کے متعلق معلومات بیٹے کے کانوں میں ڈال کر ہفتے بھر بعد رشتہ ڈال آئیں۔ واثق نے فوراً "سے پیشتر بھانجی کو فون کھڑکایا۔ بھانجی نے نانی سے دو، دو ہاتھ کیے۔ نانی نے واثق کے کان کھینچے۔

"غضب خدا کا خود لڑکی پسند کرلی اور مجھے ہوا تک نہ لگنے دی۔"

"تو کیا ٹی وی پر خبر نشر کروا دیتا تاکہ تمام ملک اس وقت میرے غم میں شریک ہوتے۔" واثق نے جھنجلاتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"اب کچھ نہیں ہوسکتا۔ میں رشتہ ڈال چکی ہوں۔ مجھ بڑھیا کے سفید چونڈے کا خیال کر۔" اماں کا اٹل فیصلہ، دودھ نہ بخشنے کی دھمکی، (حالانکہ اس بے چارے نے ڈبے کا دودھ پیا تھا) مگر اماں بھول چکی تھیں۔

ادھر حبہ کی پردیس میں بے چینیاں عروج پر تھیں۔ ادھر ماموں کا جگر چھلنی ہے، دل گھبرا رہا ہے۔ محبت کا جنازہ جا رہا ہے کہ مصداق بدترین حال۔

خیر محبت بے چاری روتی دھوتی سر پٹختی اپنے جنازے کے ساتھ جونہی روانہ ہوئی تو اسی دروازے سے دلہن بنی عفنین بڑی شان و شوکت اور سج دھج کے ساتھ آنگن میں اتری۔ اماں نے مہینے بعد تسبیح سنبھالی اور گھر کی راج دھانی بہو کے سپرد کردی، مگر وہ شوہر کے دل پہ راج نہ کرسکی۔

واثق کا رویہ اس کے ساتھ ہمیشہ سرد رہا جس کی وجہ اس کی سمجھ سے باہر تھی۔

امریکا میں حبہ کے آئے دن کے واویلے سے تنگ آکر اس کا شوہر سال بعد اسے پاکستان لے آیا۔ حبہ نے عفنین کو حقیقت میں دیکھا تو دیکھتی رہ گئی۔

"یار ماموں مجھے تو اس میں ڈھونڈنے سے بھی کوئی خامی یا کمی نظر نہیں آئی۔ اٹھنے، بیٹھنے، بول، چال میں ایک دم پرفیکٹ پھر خدا نے چاند سا بیٹا بھی دے دیا ہے تو اب اپنی کھوئی محبت پہ فاتحہ پڑھ لیں۔" حبہ نے بڑے دوستانہ، مگر مضبوط لہجے میں انہیں منانے کی کوشش کی۔

"مگر حبہ میری جان! یہ وہ تو نہیں ہے نا۔۔۔" ماموں نے پرسوز لہجے میں کچھ اس طرح کہا کہ کتنی دیر تک حبہ کچھ بول ہی نہ پائی۔ پھر اسے محسوس ہوا کہ اس کا اب بھی نہ بولنا عفنین جیسی پیاری لڑکی کے ساتھ

زیادتی ہوگی۔

"ٹھیک ہے یہ وہ نہیں۔ نہ اس کی جگہ لے سکتی ہے' مگر یہ وہ ہے جسے خدا نے آپ کے لیے چنا ہے' اس چناؤ کی وجہ سے یہ آپ کے لیے بہت انمول اور معتبر ہے۔" حبہ کے مدھم لہجے میں عجیب سی کاٹ تھی۔

"اللہ سے اور اس کے رسول سے محبت کے دعویدار تو ہم بن بیٹھتے ہیں' پھر جس اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنا کر نکاح جیسے پاکیزہ بندھن میں ہم بندھتے ہیں اس کی اہمیت سے زیادہ ہم اپنے دل کی پروا کیوں کریں۔

جوڑیاں تو میرا عظیم رب بناتا ہے اور جوگ ہم جیسا کمزور انسان خود لیتا ہے۔

ایک رب کریم کا فیصلہ..... اور دوسرا گوشت کا لوتھڑا۔ تو پھر دونوں میں کون زیادہ ہمارے لیے اہمیت کا حامل ہے' محبت کا محور ہے۔" اتنا کہہ کر حبہ وہاں رکی نہیں کیوں کہ اس نے واثق کو اللہ سے نسبت کی ایک نئی راہ دکھادی تھی۔



حبہ کی واپسی دو تین دنوں تک تھی۔ واثق اس کے پسندیدہ ریسٹورنٹ میں اسے ڈنر کروانے لایا تھا۔ اپنی پرانی عادت سے مجبور ہو کر وہ اردگرد کے مناظر پہ تبصرہ کر رہے تھے۔ تب ہی ایک مرد اور عورت ان کی قریبی ٹیبل پر آبیٹھے۔

اس عورت پر نظر پڑتے ہی واثق جیسے پتھر کا ہو گیا۔ اس کی شکل دیکھ کر حبہ نے جان لیا کہ وہ عورت کون ہو سکتی ہے۔ حبہ نے بغور اسے دیکھا وہ ایک پرکشش خاتون تھی' مگر اس خاتون نے ایک نظر ڈالنے کے بعد دوبارہ اس طرف دیکھنا بھی گوارہ نہیں کیا تھا' جبکہ واثق کی نظریں اس پر ٹھہر گئیں تھیں۔ احمد بے طرح رو رہا تھا۔ عفنین تھوڑی دیر منظر سے غائب ہوئی تو حبہ کو بات کرنے کا موقع مل گیا۔

"بس کریں ماموں! اب اور کتنا دیکھیں گے۔ ویسے کافی سمجھ دار اور اللہ کی رضا پہ خوش رہنے والی بندی لگتی ہے۔" واثق نے نظروں کا زاویہ اب حبہ کے چہرے پہ کیا۔

"دیکھ لیں' اس نے تو نظر بھر کے آپ کی طرف دیکھنے کی بے وقوفی نہیں کی۔ کیوں کہ وہ بہت پرسکون اور مسرور نظر آرہی ہے اور آپ اس کے ہجر میں اپنی زندگی کے خوب صورت ترین دن ضائع کر چکے ہیں۔ اب اللہ کے لیے نزدیک کی چیزوں پہ دھیان دیں۔" حبہ ایک ایک لفظ جتا' جتا کر بولی۔

"آپ کی مسز آرہی ہیں جو یہاں آپ کے پاس بیٹھیں گی۔" وہ بڑی گہری نظر سے ماموں کو جانچ رہی تھی جن کے چہرے پہ شرمندگی کے آثار نمایاں تھے۔

احمد سو گیا تھا۔ حبہ نے بڑی نرمی سے اسے اپنی گود میں لیا اور ماموں پہ ترچھی نظر ڈالتے ہوئے مصنوعی غصے سے ابرو چڑھا کر کہا۔

"وہ وہاں اور یہ یہاں۔ جو ہمارا نہیں ہوتا اس کے لیے تڑپ کیا معنی؟ جو ہمارا ہوتا ہے وہ ہمارے ساتھ ہوتا ہے۔" عفنین نے باری باری ان دونوں کی جانب دیکھا۔

"کچھ نہیں مامی جی۔ گھر جا کر ماموں آپ کو خود سمجھا دیں گے..... کہ انہیں اس ریسٹورنٹ میں آپ سے محبت ہونا شروع ہو چکی ہے۔" حبہ کا قہقہہ بلند تھا۔

عفنین نے جھینپتے ہوئے واثق پہ شرمیلی سی نظر ڈالی' جس کی آنکھوں میں اس کے لیے پسندیدگی سے مزین مسکراہٹ رقصاں تھی۔ کیوں کہ وہ یہ اور "وہ" کا فرق دل سے جان چکا تھا۔



عتیقہ ایوب

بہاریں آسیرے دھنک

"ایسی بات نہیں ہے بیٹا' آپ میری سب سے پیاری بیٹی ہو' کیا باپ ہونے کے ناطے میں آپ کی زندگی کا کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا؟ کیا اتنا بھی حق نہیں میرا؟" وہ بے بس ہو کر پوچھ رہے تھے۔ سامنے ان کی سب سے بڑی' سب سے لاڈلی بیٹی تن کر کھڑی تھی۔ آج تک وہ اس کی مانتے آئے تھے اور آج وہ "ان" کی نہیں مان رہی تھی۔

"سوری بابا' میں مانتی ہوں آپ کے پاس حق ہے' مگر میرے پاس بھی انکار یا اقرار کا حق ہے۔ مجھے اس شخص سے شادی نہیں کرنی۔ نہ ہی میں آپ کے خاندان یا جرگے کا کوئی فیصلہ ماننے کی پابند ہوں۔ میرا نام لائبہ محمد علی ہے' اپنی زندگی کے فیصلے میں خود بہتر کر سکتی ہوں اور آپ بابا' آپ تو بہت پیار کرتے تھے نا مجھ سے' پھر کہاں گیا وہ پیار؟ اب اپنے خاندان کو بچانے کے لیے آپ اپنی ہی بیٹی کی قربانی دے رہے ہیں۔۔۔ واہ۔" وہ بھی ان کی ہی بیٹی تھی۔ دلائل دینے میں ماہر۔ ایک لمحے کے لیے وہ بالکل چپ ہو گئے۔ یک دم احساس ہوا تھا کہ وہ واقعی بوڑھے ہو گئے ہیں۔ سامنے بیٹی تن کر کھڑی تھی۔

"وہ۔۔۔ وہ اچھا آدمی ہے وہ۔۔۔" انہوں نے کہنا چاہا۔

"میں اچھی نہیں ہوں پھر۔" وہ کہہ کر جھٹکے سے



باہر نکل گئی۔ پیچھے وہ اکیلے رہ گئے تھے' یہ تو ان کی قسمت میں لکھ دیا گیا تھا' وہ ہمیشہ' ہر مقام پر اکیلے رہ جاتے تھے۔



"کیا تم سیریسلی سیریس ہو؟" لفظوں کی طرح لہجہ بھی عجیب تھا۔ فراز سمیت پورا گروپ مسکرا دیا۔

"نہیں' میں صرف سیریس ہوں' یہ سیریسلی سیریس کیسے ہوتے ہیں؟" اب وہ چڑا رہا تھا۔

"شٹ اپ!" اس نے خفا ہو کر کہا اور منہ پھیر لیا۔

"ہیلو گائز' کہاں تک پہنچیں تیاریاں؟" دھپ سے کتابیں گھاس پر پھینک کر وہ خود بھی آلتی پالتی مار کر وہیں بیٹھ گئی تھی۔

"چلو جی' لوگوں کو ابھی تک سیریس ہونے کا یقین نہیں آرہا اور محترمہ کو تیاریوں کی بھی پڑ گئی ہے" عاصم نے آنکھیں گھما کر کہا۔

"کس کو یقین نہیں آرہا' ذرا مجھے منہ دکھانا اس کا۔" حسب توقع وہ چڑ گئی تھی۔

"تم نے منہ دکھائی میں کچھ دینا ہے؟" بڑے سنجیدہ لہجے میں فراز نے کہا۔ جواباً" اس نے ساتھ پڑی کتاب اس کے گھنگھریالے بالوں والے سر پر دے ماری۔

"یہ دینا تھا۔" کتاب مار کر وہ سکون سے بولی اور مزے سے فراز کو دیکھا' جو اسے گھور رہا تھا۔

"میں نے نہیں کہا تھا' یہ ردا صاحبہ مجھ سے پوچھ رہی تھیں کہ "سیریسلی سیریس" ہو۔" فراز نے ایک گھوری ردا اور دوسری فاطمہ محمد پر ڈالی۔

"اے ردا! سیدھی طرح تیاری کرو بس۔ نو مور آرگومنٹ۔ ان چھٹیوں میں ہم ہر صورت سندھ جائیں گے بس۔" اس نے قطعی لہجے میں کہا اور کھڑی ہو گئی۔

''اب تم کہاں جا رہی ہو؟'' کب سے خاموش عائشہ بولی۔

''مجھے کچھ کام ہے ڈاکٹر سمیع سے۔ آتی ہوں۔'' تیز تیز لہجے میں وہ کہتی ہوئی بھاگی۔ پیچھے وہ سب ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گئے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ ''فاطمہ محمد'' تھی۔ ہوا کا جھونکا۔ ایک پل میں ادھر، ایک پل میں ادھر۔ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں تھرڈ ائیر کی اسٹوڈنٹ، مگر جان پہچان سب سے تھی۔ جونیئرز سے لے کر فائنل ائیر تک سب اسے جانتے تھے اچھی طرح۔ مزاجاً بھی مہم جویانہ تھی۔ نئے سے نیا کام کرنا اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ اب بھی سردیوں کی آنے والی چھٹیوں کی پلاننگ وہ کر چکی تھی۔ فائنل ائیر کے اسٹوڈنٹس اور کچھ ٹیچرز ان چھٹیوں میں اندرون سندھ میڈیکل کیمپ لگا رہے تھے۔ ان میڈیکل کیمپس کا مقصد لوگوں کو فری ادویات فراہم کرنا اور ان کا چیک اپ کرنا اور دوسرا بھی علاقوں کے لوگوں کو مختلف بیماریوں کے پھیلنے کے بچاؤ کے طریقوں سے آگاہ کرنا تھا۔ فاطمہ بھی ان کے ساتھ جانا چاہتی تھی۔ گو کہ تھرڈ ائیر میں ہونے کے ناطے وہ نہیں جا سکتی تھی، مگر پھر بھی اس نے ہیڈ آفس سے اجازت حاصل کر لی تھی اور ساتھ میں پورے گروپ کو بھی تیار کر لیا تھا۔



''مجھے پتا تھا محمد علی، تم ناکام رہو گے۔'' سرد لہجے میں بلا کا غصہ تھا۔ وہ اس عمر میں بھی کانپ گئے۔

''نہیں بابا جان وہ... وہ نا سمجھ ہے۔ نہیں تو مان جاتی... وہ... وہ۔'' انہوں نے کہنا چاہا، مگر بابا جان نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

''نا سمجھ؟ ہونہہ، تمہاری بیٹی ہے، تم پر گئی ہے... تم بھی ہمارے لاڈلے تھے اور تقریباً اپنی بیٹی والی عمر میں ہی تم نے ہمارا اور اپنی بہن کا مان توڑا تھا۔ تمہاری بیٹی بھی تمہاری لاڈلی ہے اس نے بھی تمہارا مان توڑ دیا... جو دل کے زیادہ قریب ہوتے ہیں وہی زیادہ تکلیف میں ڈالتے ہیں۔'' ان کی آواز بھرا گئی تھی۔ وہ شرمندگی سے سر جھکا گئے۔

''مگر ایک بات کان کھول کے سن لو، شادی ہوگی اور ضرور ہوگی۔ لائبہ نہیں مانتی تو اپنی چھوٹی بیٹی کو مناؤ...'' ایک بار پھر ان کی آواز میں چٹانوں والی سختی اتر گئی تھی اور محمد علی کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔

''فاطمہ کو؟ وہ تو... وہ تو... بابا جان وہ چھوٹی ہے ابھی اور وہ تو۔'' وہ ایک بار پھر ہکلا گئے تھے۔ بابا جان ایک جھٹکے سے ان کی طرف مڑے۔

''وہ تو لائبہ سے بھی زیادہ ضدی ہے۔ ہے نا۔ یہی کہنا چاہ رہے ہو نا تم۔ اور تمہارے تو قابو میں بالکل نہیں ہے وہ۔ ہے نا اور تو اور وہ تو چھٹیوں میں بھی اپنے باپ کے گھر آنا پسند نہیں کرتی۔ ہے نا؟'' بابا جان بغور انہیں دیکھ رہے تھے اور بول رہے تھے اور وہ حیران تھے۔ انہیں شاید امید نہیں تھی کہ بابا جان اتنے ''باخبر'' تھے۔

''کیا ہوا جو ہم ان سے کبھی ملے نہیں، مگر ہم کبھی ان سے بے خبر نہیں رہے محمد علی! ہم سب جانتے ہیں۔'' انہوں نے بیٹے کی آنکھوں میں لکھی حیرانی پڑھ لی تھی۔

''وہ مجھے غلط سمجھتی ہے بابا جان۔ وہ...'' انہیں لگا آج وہ کچھ کہنے کے قابل نہیں ہیں۔

''وہ جو سمجھتی ہے، صحیح سمجھتی ہے۔ افسوس محمد علی، افسوس۔ نہ تم اچھے بیٹے بنے، نہ اچھے باپ۔ نہ بھائی۔ ہر رشتے میں ناکام ہو گئے تم۔'' وہ ٹھنڈی آہ بھر کر بیٹھ گئے تھے۔

''خیر فاطمہ کو مناؤ ہر حال میں بس... اور ہمیں امید ہے کہ وہ مان جائے گی کیونکہ وہ تمہارے جیسی نہیں۔'' سرد لہجے میں کہہ کر وہ باہر نکل گئے اور وہ وہیں سن بیٹھے رہ گئے۔

''وہ مان جائے گی کیونکہ وہ تمہارے جیسی نہیں۔''

الفاظ نہیں تھپڑ تھے جو بابا جان اس عمر میں ان کے منہ پر مار گئے تھے۔ ہر چیز کو جیتنے والے ہر چیز سے ہار رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

"اف! ٹھنڈ بہت ہے۔ مجھے تو ٹینشن ہونے لگی ہے۔" زینب ہاتھ مل رہی تھی۔ پوری بس میں ہاہاکار مچی ہوئی تھی۔

"ہائے، مجھے تو بہت مزہ آرہا ہے۔ آئی ایم ٹو ایکسائیٹڈ۔" کل تک سیریسلی سیریس پوچھنے والی ردا کو کچھ زیادہ ہی مزہ آرہا تھا۔ آج بائیس دسمبر کی صبح وہ نکل پڑے تھے۔ تھرڈ ایئر والوں نے اپنی الگ بس کروائی تھی۔ دونوں بسیں آگے پیچھے تھیں۔ ٹھنڈ بری طرح ہڈیوں میں گھس رہی تھی مگر جوش میں کوئی محسوس نہیں کر رہا تھا پوری بس میں شور و غل، ہنسی مذاق تھا۔ سندھ جانے والے سارے اسٹوڈنٹس اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ زندگی کی ہر فکر سے آزاد لوگ۔ جنہوں نے زندگی میں ہر نعمت اپنے پاس پائی تھی۔ نہ انہیں غربت سے شروع ہونے والی

لازوال اذیت کا اندازہ تھا نہ زندگی کی دوسری تکلیفوں اور تلخیوں کا۔ ان کا پڑاؤ گھوٹکی اور گھوٹکی سے ملحقہ مختلف گاؤں میں تھا۔ وہ پہلی بار کسی پسماندہ علاقے میں جا رہے تھے اور ان سب کی لیڈر فاطمہ محمد سب سے آگے تھی۔

بلیو جینز، وائٹ ٹی شرٹ اور اوپر سے بلیک اپر میں، جاگرز پہنے، اونچی پونی ٹیل باندھے، گلے میں سرخ مفلر لپیٹے وہ میڈیکل کی نہیں ایف ایس سی کی اسٹوڈنٹ لگ رہی تھی۔ سفید رنگت پر سرخ ہوتی ناک، کانچ جیسی براؤن چمکتی آنکھیں اس کی خوشی ظاہر کر رہی تھیں۔ وہ مختلف تھی، کالج کی سب سے سوشل اسٹوڈنٹ، مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ چھٹیوں میں بھی ہاسٹل میں رہتی۔ بہت کم گھر جاتی۔ سارا گروپ حیران ہوتا تھا، لیکن اس سے پوچھنے کی ہمت کس میں

تھی؟

"فاطمہ۔۔۔" عاصم نے پیچھے سے آواز لگائی تو وہ تیزی سے مڑی۔

"کیا ہے؟" حیرت سے پوچھا۔

"پیچھے آؤ، انتاکشری کھیلتے ہیں۔" جواب علی نے دیا تھا۔ وہ سرہلاتی پچھلی سیٹوں پر آگئی تھی۔ کچھ دیر بعد ہی پوری بس گانوں کے شور سے گونج رہی تھی۔ وہاں ہنسی تھی، قہقہے تھے اور خوشیاں تھیں۔

☼ ☼ ☼

"لٹا دی ہم نے ایسے
زندگی باپ کی کمائی ہو جیسے"

رات گئے ان کی گاڑی اپنے گھر کے پورچ میں داخل ہوئی تھی۔ پورا اسلام آباد دھند میں لپٹا پڑا تھا۔ ایسی ہی دھند ان کے اپنے اندر بھی اتر رہی تھی۔

"سلام صاحب۔" ملازم نے انہیں دیکھ کر کہا۔ جواباً انہوں نے سرہلانے پر اکتفا کیا پھر یک دم رکے۔

"لائبہ بی بی کہاں ہیں؟" انہوں نے ملازم سے پوچھا۔

"جی اپنے کمرے میں ہیں۔" ادب بھرا جواب آیا

تھا۔ وہ سرہلاتے آگے بڑھے پھر ایک دم دوبارہ رکے۔
"فاطمہ نہیں آئی؟" کچھ سوچتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔ لہجہ تصدیق کرنے والا تھا گویا تصدیق کر رہے ہوں کہ نہیں آئی نا۔
"جی، جی نہیں صاب۔" ملازم نے بوکھلا کر کہا۔ امید نہیں تھی کہ صاحب فاطمہ کا بھی پوچھ سکتے ہیں۔ وہ ہونٹ بھینچے سیڑھیوں کی طرف مڑ گئے۔ لائبہ کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے جھانکا، وہ پرسکون نیند سو رہی تھی۔ وہ واقعی ان کے جیسی تھی۔ ایک تلخ مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر بکھر گئی۔ ٹھنڈا سانس بھر کے وہ اپنے کمرے کی طرف آگئے۔



"میرا خیال ہے یہاں پڑاؤ ڈال لینا چاہیے۔" فائنل کے شہروز نے کہا، رات پڑ گئی تھی، وہ سندھ کی حدود میں تھے، شاید گھوٹکی کے کہیں آس پاس۔
"یہ کون سی جگہ ہے؟" فاطمہ نے باہر جھانکا۔ سردیوں کی کالی رات چھا چکی تھی، باہر صرف تاریکی تھی۔
"کوئی گاؤں ہے یہ بھی ابھی ہم اپنی منزل سے تین چار گھنٹے دور ہیں، وہاں جانا فی الحال ممکن نہیں۔" شہروز نے وضاحت کی۔ وہ سب سرہلاتے اترنے لگے، ساتھ ہی کیمپنگ کا سامان بھی اتارنے لگے۔ ٹارچ کی روشنی میں بڑے بڑے درخت، دور تک پھیلی فصلیں، عجیب ہیبت ناک منظر پیدا کر رہی تھیں۔
"کیا کیمپنگ یہیں کرنی ہے؟" فاطمہ نے فائنل ائیر کے سی آر سے پوچھا، جو ٹھنڈ کے مارے ہاتھ رگڑ رہا تھا۔
"ہاں، ظاہر ہے۔" اس نے مختصر جواب دیا۔
"مگر یہاں بہت ٹھنڈ ہے۔" روا کپکپاتے لہجے میں بولی۔
"تو؟ اب گاؤں والے تمہارے لیے مہمان خانے تو نہیں بنا کر بیٹھے۔" فراز نے خیمہ نصب کرتے ہوئے جواب دینا ضروری سمجھا۔ ٹیچرز کے خیمے لگ گئے تھے، وہ سب بھی کام کرنے لگے سوائے فاطمہ کے جو ابھی تک ٹارچ ہاتھ میں لیے متجسس سی ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ بے دھیانی میں وہ ٹارچ پکڑے تھوڑا آگے چلی گئی، کھیتوں میں موجود بستی بہت دور تھی، کچے پکے مکانات، کسی کسی مکان پر چمکتا مدھم بلب.... وہ تھوڑا اور آگے بڑھی پھر رک گئی۔ مکانوں کے درمیان سے ہی قلعہ نما عمارت دور سے ہی بڑی آب و تاب کے ساتھ کھڑی تھی، پوری عمارت تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی، ذرا بھی روشنی نہیں تھی۔ تھوڑی چاند کی روشنی میں یہ دیوہیکل عمارت اور بھی خوف ناک لگ رہی تھی۔
"یہ کسی کا گھر ہے؟ یا کوئی تاریخی عمارت ہے" وہ بڑبڑائی۔ اتنے پسماندہ علاقے میں اتنی اونچی، وسیع و عریض حدود اربعے والی عمارت.... اسے پھر سے تجسس ہوا۔ تاریکی میں ڈوبی عمارت دیکھ کر لگ رہا تھا شاید وہاں کوئی نہیں رہتا تو پھر یہ عمارت کس کی ہے؟ کیا واقعی کوئی تاریخی محل ہے.... ان ہی سوچوں میں وہ کافی آگے آگئی تھی، بستی اب تھوڑی ہی دور تھی.... ادھر وہ خیمے نصب کرتے ہی تھکے ہارے آرام کے لیے لیٹ گئے تھے۔
"ہو سکتا ہے یہ کسی گھوسٹ وغیرہ کی ملکیت ہو؟" اب کے سوچوں نے نیا رخ بدلا۔ رات کے دس بجے تھے، مگر سردی کی وجہ سے تاریکی بہت زیادہ تھی۔ بھوت؟ اوہ گڈ۔ ایکسائیٹڈ۔" ہو سکتا ہے آج میری بھوتوں سے ملنے کی خواہش پوری ہو ہی جائے۔" وہ پرجوش سی آگے بڑھتی گئی۔ کیمپ بہت دور رہ گئے تھے، وہ بستی کے سامنے پہنچ گئی تھی۔ بستی سامنے آتے ہی وہ تیز تیز قدم اٹھاتی آگے بڑھ گئی۔ اندھیرے میں اس کا پاؤں کسی چیز سے ٹکرایا تھا، ٹارچ ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گری اور کرچی کرچی ہو گئی۔
"اوہ شٹ۔ ڈیم اٹ۔" اس نے سارا غصہ اس پتھر پر نکالا جس سے پاؤں الجھا تھا۔ پھر جینز کی جیب سے موبائل نکالا اور اس کی ٹارچ آن کی۔ یک دم اسے اپنے پیچھے کسی سرسراہٹ کی آواز آئی، وہ جہاں کھڑی

تھی وہیں جم گئی۔ پھر آہستہ سے مڑی اور دھک سے رہ گئی۔ سامنے دو بڑے منہ والے کتے پورا منہ کھولے کھڑے تھے۔ شاید وہ ٹارچ کے گرنے کی آواز سن کر آگئے تھے۔

"آ.... آآآآآآآآآآآ۔" اس کے منہ سے زوردار چیخیں برآمد ہوئی تھیں، ساتھ ہی اس نے دوڑ لگادی تھی۔

"ہیلپ، ہیلپ، ہیلپ۔" وہ چیخی۔ کئی گھروں کی لائٹس آن ہوئی تھیں۔ کتے اس کے پیچھے تھے۔ اس کی جینز کا پائنچا کتے کے منہ میں آگیا تھا۔ وہ جتنا زور سے چلاسکتی تھی چلائی، اب احساس ہوا تھا کہ وہ کیمپ سے بہت دور آگئی تھی۔ دوسرا پائنچا بھی دوسرے کتے کے منہ میں آگیا تھا۔ وہ پوری شدت سے چلارہی تھی تب ہی فائرنگ کی آواز آئی گولی کتے کو لگی تھی۔ وہ وہیں گر گیا، دوسرا بھاگ گیا تھا اور وہ خود، وہ بھی وہیں گر گئی تھی۔ جھاڑیوں سے کتے کے بھاگنے کی وجہ سے ٹانگ سے خون رس رہا تھا۔ مڑ کر اس نے فائرنگ کرنے والے کو بھی نہیں دیکھا۔ آنکھوں سے زاروقطار آنسو بہہ رہے تھے۔ آنکھوں پر روشنی پڑنے پر اس نے اوپر دیکھا تھا۔ روشنی دکھانے والا نہیں صرف روشنی نظر آئی تھی۔

"کون ہو تم، یہاں کیا کررہی ہو؟" گمبھیر آواز میں پوچھا گیا تھا، پوچھنے والا اب قریب ہی بیٹھ گیا تھا۔ بندوق ایک طرف رکھ کر وہ اس کی طرف مڑا۔

"مم.... میں.... میں۔" اس سے بولا نہیں گیا تھا، ہاتھ ٹانگ پر تھا۔

"اوہ! تم زخمی ہو.... ویری سیڈ۔ یہ کتے اجنبیوں پر حملہ کرتے ہیں۔" اس نے تاسف سے کہا اور اس کا ہاتھ پیچھے کرکے زخم دیکھنے لگا۔ وہ اپنے آنسو صاف کررہی تھی۔

"میں.... مجھے واپس جانا ہے۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ مقابل نے چونک کر سر اٹھایا پھر ساکت ہوگیا۔ ٹارچ کی روشنی میں گالوں پر بکھرتے آنسو، بھیگی کانچ کی آنکھیں۔

"واپس، واپس کہاں جانا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"کیمپ میں۔" اس نے کہا۔ نچلا ہونٹ دانتوں تلے تھا۔

"اوہ۔ کوئی ٹرپ آیا ہے کیا؟ کہاں ٹھہرا ہے؟" اس نے طویل سانس لے کر پوچھا۔

"گاؤں سے تھوڑی دور۔" وہ تکلیف سے ہونٹ بھینچ رہی تھی۔

"اوہ، اوکے۔ اٹھو، تمہاری بینڈیج کردیتا ہوں پھر چھوڑ آؤں گا۔" اس نے اپنا ہاتھ آگے کیا۔ وہ ہاتھ پکڑ کر کھڑی ہوگئی۔ گن اٹھا کر اس نے کندھے پر ڈالی اور آگے بڑھ گیا۔ وہ ساتھ گھسٹتی جارہی تھی۔

"کہاں، کہاں لے کر جارہے ہو مجھے۔" کچھ خیال آنے پر اس نے پوچھا۔

"گھر....." اس نے مختصر جواب دیا۔

"مجھ سے چلا نہیں جارہا۔" اس نے روہانسے لہجے میں کہا۔ اب کے وہ اس کی طرف مڑا اور اسے سہارا دیا۔ جینز شرٹ اور ایر میں.... اگر گاؤں والے اس لڑکی کو اس حلیے میں دیکھ لیں تو.... وہ تصور کرکے مسکرا دیا۔

وہ ہونٹ بھینچ گئی۔ اسے الجھن ہورہی تھی۔ اتنی ڈرپوک اور بزدل تو نہیں تھی وہ.... تھوڑی دیر بعد وہ اسی شاندار عمارت کے سامنے کھڑے تھے۔ اسے ایک دم یاد آگیا کہ وہ اسی عمارت کے پیچھے آئی تھی یہاں، مگر اب وہ تاریکی میں ڈوبی ہوئی نہیں تھی، بتیاں جل رہی تھیں۔

"یہ.... یہ.... یہ تمہارا گھر ہے؟" وہ اسے اس قوی ہیکل گیٹ کی طرف بڑھتا دیکھ کر بولی۔

"جی ہاں۔" اس نے پھر مسکرا کر جواب دیا۔ شاید بات بات پہ مسکرانا اس کی عادت تھی۔

"اوہ۔" اس کے منہ سے ٹھنڈی سانس نکل گئی۔ اندر خاموشی کا راج تھا۔ گیٹ سے داخل ہوتے ہی اسے پورچ میں کھڑی گاڑیاں نظر آئی تھیں، سائیڈ پر وسیع و عریض لان بھی تھا۔ پورچ کے آگے شاندار قلعہ نما عمارت تھی۔ وہ پورچ کی طرف بنے چھوٹے

کمرے کی طرف بڑھا' اندر داخل ہو کر اسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور الماری سے فرسٹ ایڈ باکس نکالنے لگا۔ جب کہ وہ خاموش نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد وہ آکر نیچے بیٹھا اور بینڈیج کرنے لگا' تب اس نے بغور سامنے والے کا جائزہ لیا۔ بلیک شلوار سوٹ پر پہنی گئی بلیک جرسی میں اس کا لمبا قد بیٹھنے کی حالت میں بھی نمایاں ہو رہا تھا۔ ماتھے پر بکھرے سیاہ بال' کھڑی ناک۔۔۔ وہ اچھا خاصا خوب صورت شخص تھا اور پڑھا لکھا بھی لگ رہا تھا اپنی گفتگو سے۔

''تم کون ہو؟ کیا نام ہے تمہارا؟ یہاں کیوں رہتے ہو؟'' زخم کو تھوڑا سکون ہوا تو اس نے سوالوں کی برسات کردی۔ وہ فرسٹ ایڈ باکس بند کر رہا تھا اب۔ اس کے سوال سن کر ایک بار پھر مسکرایا تھا۔ دونوں گالوں میں گڑھے ابھرے تھے۔

''میرا نام شاہ زر ہے۔ شاہ زر سکندر۔ اور میں یہاں اس لیے رہتا ہوں کیونکہ یہ میرا گھر ہے۔'' وہ باکس دوبارہ الماری میں رکھ رہا تھا۔

''اوہ۔۔۔ اصل میں' میں تمہارا گھر دیکھنے کے لیے ہی کیمپنگ والی جگہ سے آگے آگئی تھی۔ میں حیران تھی کہ اتنے پسماندہ علاقے میں اتنی شاندار عمارت اور تمہیں دیکھ کر اور بھی حیران ہو گئی ہوں۔ مجھے امید نہیں تھی کہ یہاں بھی کوئی ایجوکیٹڈ شخص مل سکتا ہے۔'' اس نے عادت کے مطابق صاف بات بتائی۔ وہ ٹانگ موڑ کر الماری سے ٹیک لگائے کھڑا تھا' دونوں ہاتھ سینے پر باندھے مسکراتے ہوئے اس کی بات سن رہا تھا۔

''تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں ایجوکیٹڈ ہوں؟'' وہ دلچسپی سے بولا۔ سامنے بیٹھی لڑکی کافی مختلف لگی تھی اسے۔ بڑے آرام سے وہ بے خوف ہو کر رات کے اس پہر ایک جوان آدمی کے ساتھ سوال جواب کر رہی تھی۔ اگر گاؤں والے یا حویلی والے دیکھ لیتے تو۔۔۔؟ وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

''تمہاری گفتگو سے پتا چلا اور تمہارے بینڈیج کرنے سے۔'' اس نے الجھے سے لہجے میں کہا۔ وہ اس کی بے وجہ مسکراہٹ میں الجھ رہی تھی۔

''گڈ۔'' اس نے داد دی۔

''کیا کرتے ہو تم؟ مطلب کتنا پڑھے ہو؟'' اس نے اگلا سوال کیا۔ وہ مڑ کر اب ہیٹر آن کر رہا تھا۔

''میں۔۔۔ میں ڈاکٹر ہوں۔ جاب تو شہر کے اسپتال میں ہے' مگر یہاں گاؤں میں بھی کلینک ہے۔'' ہیٹر آن کر کے اس نے دوبارہ الماری کھول لی تھی۔ وہ الیکٹرک کیٹل نکال رہا تھا۔

''اوہ۔۔۔ واؤ۔۔۔ گریٹ۔ مجھے امید نہیں تھی کہ تم ڈاکٹر بھی ہو سکتے ہو۔'' حیرت اور جوش سے اس کی آواز بلند ہو گئی وہ مسکرا دیا۔

''کیوں' اس میں اتنی حیرانی کی کیا بات ہے؟'' الیکٹرک کیٹل میں پانی ڈال کر اس نے سوئچ آن کر دیا تھا۔

''نہیں' میرا مطلب ہے کہ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہاں اس پسماندہ سے علاقے میں۔۔۔'' وہ ابھی کہہ ہی رہی تھی کہ اس نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

''مائنڈ اٹ' یہ پسماندہ علاقہ نہیں ہے۔'' اس نے سختی سے کہا۔ وہ بے اختیار چپ ہو گئی۔

''سوری' تمہیں برا لگا' میں تو بس۔'' اس نے فوراً اپنی عادت کے مطابق غلطی تسلیم کرلی۔ وہ ایک بار پھر مسکرا دیا۔

''نہیں' مجھے برا نہیں لگا' میں نے جسٹ تمہیں بتایا ہے۔'' اس کے چہرے پر وہی مسکراہٹ لوٹ آئی تھی۔ وہ چائے بنا چکا تھا۔

''تمہیں پتا ہے' میں بھی میڈیکل کی اسٹوڈنٹ ہوں۔'' اس نے چائے کا مگ پکڑتے ہوئے انکشاف کیا' مگر سامنے والے کے چہرے پر کوئی حیرانی نہیں تھی۔

''میں جانتا ہوں۔'' وہ مسکرا کر بولا اور اس کے سامنے ہی بیٹھ گیا۔

''کیا؟ تم۔۔۔ تم کیسے جانتے ہو؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔ ایک دم خیال آیا تھا کہ کہیں وہ بھوت تو

نہیں۔ خیال آتے ہی وہ سمٹ سی گئی' رات کے اس پہر اس کی مدد کرنے والا' اس عجیب سی حویلی میں لانے والا اور پھر سب کچھ جاننے والا۔۔۔ یہ تو بھوت ہی ہو سکتا تھا۔ خوف کی لہر اس کے پورے وجود میں دوڑ گئی۔

"میں وہ نہیں ہوں جو تم سمجھ رہی ہو۔" وہ ہنستے ہوئے بولا' شاید وہ اس کا چہرہ پڑھ رہا تھا۔

"نن۔۔۔ نہیں نہیں میں تو کچھ بھی نہیں سمجھ رہی۔" اس نے خود کو سنبھالا۔

"ہاہاہا۔" وہ کھل کر ہنسا۔

"ان فیکٹ' تمہارے شولڈر پر کنگ ایڈورڈ کا کارڈ چسپا ہے' اسی سے پتا چلا مجھے۔" اس نے ہنستے ہوئے وضاحت کی۔ فاطمہ کے حلق سے بے اختیار طویل سانس نکلی۔

"اور کوئی نہیں ہے کیا تمہارے گھر میں؟" فاطمہ نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے اگلا سوال کیا۔

"نہیں نا' امی ہیں' پھپھو ہیں' کاکا جان' کاکی جان' آغا جان اور میرے کزنز۔" اس نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"اور تمہارے فادر؟" فاطمہ نے چونک کر پوچھا' پوری لسٹ میں اس نے فادر کا نام نہیں لیا تھا۔ شاہ زر کے چہرے پر ایک دم دکھ بھری سنجیدگی ابھر آئی۔

"وہ حیات نہیں ہیں۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"اوہ۔۔۔ آئم سوری۔" وہ بے اختیار بولی۔ کمرے میں کچھ لمحوں کے لیے سکوت چھا گیا تھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" خاموشی شاہ زر نے توڑی۔ یہ اس کا اب تک کے عرصے میں اس کا پہلا سوال تھا۔

"فاطمہ۔" اس نے بتایا۔

"پورا نام بتاؤ۔۔۔ آدھا نام انسان کی پہچان نہیں ہوتا۔" اس کی مسکراہٹ ایک بار پھر لوٹ آئی تھی۔

"فاطمہ محمد۔" اس نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔

"اوہ' نائس نیم۔" وہ پرستائش لہجے میں بولا۔ فاطمہ کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"تم اکیلی اس طرف؟ اکیلی آنے والی جگہ نہیں ہے یہ۔ خاصے خطرناک علاقے ہیں۔" اس نے بات کا رخ موڑا۔

"میں بس اس عمارت کو دیکھنے کے شوق میں پھنسی ہوں۔" اس نے لمبا سانس لے کر کہا۔

"مگر میں نہیں جانتی تھی کہ یہاں اتنے خطرناک کتے ہیں۔ تم میری چیخیں سن کر جاگے تھے کیا؟" فاطمہ نے پوچھا۔

"ہاں' میں سمجھا گاؤں کا کوئی آدمی پھنس گیا ہے۔" اس نے وضاحت کی۔ فاطمہ چائے ختم کر چکی تھی۔

"کیا تم مجھے چھوڑ آؤ گے واپس۔" مگ رکھ کر اس نے پوچھا۔

"شیور' وائے ناٹ۔" وہ بھی مگ رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر ہاتھ بڑھا کر اسے کھڑا کیا۔

"ٹھہرو' ٹھنڈ بہت ہے باہر۔ میں شال لے کر آتا ہوں تمہارے لیے۔" وہ تیز تیز لہجے میں کہتا باہر چلا گیا تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو ہاتھ میں سرخ سندھی کڑھائی والی شال تھی۔

"اوہ' یہ بہت خوب صورت ہے۔" وہ شال اس کے کندھے پر ڈال رہا تھا جب وہ بے اختیار بولی۔ وہ ہولے سے ہنس پڑا۔

"تم سے زیادہ خوب صورت نہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ فاطمہ نے جھٹکے سے سر اوپر اٹھا کر دیکھا' شاید اسے اس فقرے کی امید نہیں تھی' مگر مقابل کے چہرے پر بلا کا سکون تھا۔ یوں جیسے اسے خبر ہی نہ ہو کہ وہ کیا کہہ گیا ہے۔

"چلیں؟" اس نے فاطمہ کی آنکھوں کے آگے ہاتھ ہلایا۔

"ہوں۔۔۔ ہاں چلو۔" وہ ہونٹ بھینچ کے پیچھے چل دی۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی گرمائش کا احساس ہوا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ کیمپوں کے قریب پہنچ گئے تھے۔

"تھینک یو سوچ شاہ زر۔" اس نے پہلی بار اس کا نام لیا۔

"اگر تم نہ ہوتے تو۔" وہ کہہ رہی تھی۔

"تو کوئی اور ہوتا یقیناً"۔ اینڈ پلیز آئی ڈونٹ لائک فارملٹیز۔ یہ تھینک یو' ویلکم وغیرہ وغیرہ' مجھے پسند

نہیں۔"اس نے مسکراتے ہوئے اس کی بات کاٹی۔
"یو آر سو سویٹ رئیلی' اسپیشلی یور اسمائل۔"
فاطمہ نے بے اختیار اس کی مسکراہٹ کو سراہا۔ واقعی اس کے منہ پر مسکراہٹ بہت جچتی تھی 'شاید اسی لیے وہ اتنا زیادہ مسکراتا تھا۔ فاطمہ کی بات پر اس کی مسکراہٹ اور گہری ہوگئی۔
"اب میں تمہیں تھینک یو نہیں کہوں گا۔"اس نے کہا پھر وہ دونوں ہنس پڑے۔
"کیا ہم پھر مل سکتے ہیں؟" فاطمہ نے بے اختیار ہو کر پوچھا۔ اسے خود اپنی کیفیت سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ آج تک وہ اتنی شدت سے کسی کی طرف مائل نہیں ہوئی تھی۔ کالج میں کسی کی مجال نہیں تھی کہ اسے کوئی کچھ کہہ دیتا' ایک بار ویلن ٹائن ڈے پر ایک لڑکے نے اسے پھول دینے کی جرات کرلی تھی پھر تو سب کے سامنے اس کی جو عزت افزائی اس نے کی تھی' اس کے بعد سب فاطمہ محمد کا نام سن کر کانوں کو ہاتھ لگاتے مگر آج۔۔۔؟؟
"شیور' وائے ناٹ۔ مجھے خوشی ہوگی تم سے دوبارہ مل کر۔" وہ پھر مسکرا رہا تھا۔ یااللہ اس شخص کی مسکراہٹ۔۔۔ فاطمہ نے اس کا فون نمبر لیا پھر اسے دعوت دی کہ وہ بھی ان کا کیمپ جوائن کرکے انہیں گائیڈ کرے کیونکہ وہ اس علاقے کا رہنے والا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے یہ پیش کش بھی قبول کرلی۔
"اوکے' بائے' گڈ نائٹ۔" وہ کہہ کر گاڑی سے اتر گئی۔
"بائے' شب بخیر۔" شاہ زر نے گاڑی اسٹارٹ کی اور چلا گیا۔ وہ دیر تک وہیں کھڑی اس کی گاڑی کو دھند میں گم ہوتا دیکھتی رہی۔ پھر کچھ خیال آنے پر اس نے کندھے پر پڑی شال تھامی۔ وہ شال واپس نہیں لے کر گیا تھا اور فاطمہ نے اپنی زندگی میں پہلی بار شال اوڑھی تھی' شال اچھی طرح اپنے گرد لپیٹ کر وہ کیمپ کی طرف بڑھ گئی۔ اس کا نیا نیا تازہ ایڈونچر اتنا برا بھی نہیں تھا۔



"فاطمہ بی بی تو سندھ گئی ہیں صاب' کسی ٹرپ وغیرہ کے ساتھ۔" ہاسٹل کا چوکیدار مودبانہ لہجے میں بتا رہا تھا۔
"سندھ؟" ان کے منہ سے بے یقینی سے نکلا۔ وہ اسلام آباد سے لاہور آئے تھے فاطمہ کے لیے۔
"جی' جی صاب۔۔۔ وہ بہت سارے لوگ گئے ہیں۔" چوکیدار بوکھلا گیا۔
"سندھ کے کن علاقوں میں گئے ہیں؟" ان کا لہجہ تشویش سے پر تھا۔
"پتا نہیں صاب۔ ہم وارڈن کو بلاتے ہیں۔ ان سے پوچھ لیں۔" چوکیدار نے کہا اور مڑ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا تو ساتھ میں ایک ادھیڑ عمر عورت تھی۔
"وہ میڈیکل کیمپ لگائے ہیں انہوں نے گھوٹکی کے علاقے میں۔۔۔ لوگوں میں اویرنیس پھیلانے کے لیے۔" وارڈن بتا رہی تھی اور وہ بس "گھوٹکی" پہ اٹک گئے تھے۔
"گھ۔۔۔ گھ۔۔۔ گھوٹکی؟" بمشکل ان کے منہ سے نکلا۔
"جی۔۔۔ گھوٹکی میں اور گھوٹکی کے گردونواح میں۔" وارڈن نے ایک اور بم ان کے سر پر پھوڑا۔ وہ سر پکڑ کر رہ گئے۔
"کیا ہوا؟ آپ ٹھیک تو ہیں؟" وارڈن اور چوکیدار اکٹھے بولے۔
"ہوں۔ ہاں۔۔۔" وہ آہستہ سے بولے اور پھر مڑ گئے۔ یہ بات طے تھی کہ فاطمہ نے ہمیشہ وہ کام کرنا ہوتا ہے جو وہ نہیں چاہتے تھے۔ وہ بے بس ہو کر گاڑی چلا رہے تھے۔ ابھی تو انہوں نے فاطمہ سے بات بھی نہیں کی تھی اور بات کرنے سے پہلے ہی وہ شیروں کی کچھار میں پہنچ چکی تھی۔



"کتنا ہینڈسم ہے نا شاہ زر۔" روا' دور فراز کے ساتھ کھڑے شاہ زر کو دیکھ کر بولی۔

"ہینڈ سم بھی اور سویٹ بھی۔" یہ عائشہ تھی۔ فاطمہ چپ چاپ سب کے تبصرے سنتی جارہی تھی۔

"اور بہت اچھا گائیڈ بھی تو ہے۔ کتنا گھل مل گیا ہے۔ کل تو پروفیسر سمیع بھی تعریف کررہے تھے۔" یہ نمرہ تھی۔ شاہ زر پہ وہ محاورہ پورا اترتا تھا۔ "آگیا اور چھا گیا۔" پچھلے تین دنوں سے وہ ان کے ساتھ تھا' ان کے ساتھ اس نے چار دیہاتوں میں کیمپ لگایا' ان کی رہنمائی کی' یہاں کے لوگوں کی نفسیات سے آگاہ کیا' ان سے کیسے پیش آنا تھا' کیا کرنا تھا۔ اس سب میں وہ ان کے ساتھ تھا۔ اپنی مخصوص مسکراہٹ' نرم لہجے اور سنہری آنکھوں کے ساتھ وہ ہر کسی کے دل میں اتر گیا تھا۔ ہر بندے کے منہ پر اس کی تعریف تھی' مگر فاطمہ چپ چپ تھی۔ اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا یہ سب۔ جب سے شاہ زر ان کے ساتھ تھا' دو چار عام سی باتوں کے علاوہ ان دونوں میں کوئی بات چیت نہیں ہوئی تھی۔ وہ ہر کسی کو وقت دے رہا تھا برابر۔

آج وہ گھوٹکی آگئے تھے۔ ارادہ تھا کہ آرام کریں گے۔ پچھلے تین دنوں سے وہ پچھلے ہر گاؤں میں کیمپ لگا کر آئے تھے۔

"کیا ہوا تمہیں؟" روا نے اس کا شانہ ہلایا۔

"کچھ نہیں۔" وہ بے زاری سے بولی۔ بڑے دنوں بعد سورج نکلا تھا' سنہری دھوپ جسم کو سکون بخش رہی تھی۔ فراز اور شاہ زر سب لڑکوں سمیت ان کی طرف ہی آرہے تھے۔

"کیا خیال ہے۔ کرکٹ میچ ہوجائے؟" فراز نے آکر کہا۔ وہ سب پرجوش ہوکر کھڑی ہوگئیں البتہ فاطمہ وہیں بیٹھی رہی۔ شاہ زر نے گہری نظر اس کے بے زار چہرے پر ڈالی۔

"کیا ہوا تمہیں؟" وہ پوچھے بنا نہ رہ سکا۔ فاطمہ نے چونک کر اسے دیکھا پھر منہ پھیر لیا۔

"اسے کیا ہوا؟" وہ وہیں چٹائی پر اس کے پاس بیٹھ گیا۔ باقی سب بھی متوجہ ہوگئے۔

"پتا نہیں کیا ہوا ہے اسے۔ چپ چپ پھر رہی ہے۔" روا نے کہا۔ فراز' علی اور باقی سب بھی وہیں بیٹھ گئے۔

"کیا ہوا فاطمہ؟" وہ سب پریشان ہوگئے تھے۔ وہی تو جان تھی ان کے گروپ کی۔

"کچھ نہیں۔ ویسے ہی بس۔" اس نے جھکے سر کے ساتھ ہی کہا۔ شاہ زر بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

"نہیں کچھ تو ہوا ہے۔ بتاؤ نا پلیز۔" علی اصرار کررہا تھا۔

"کچھ نہیں ہوا یار۔" وہ کھڑی ہوگئی۔ ایک منٹ میں اس کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے۔ ایک بندے کے پیچھے وہ اپنے اتنے پیارے دوستوں کا دل نہیں دکھا سکتی تھی۔

"چلو کرکٹ کھیلتے ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ ان سب نے "یاہو" کا نعرہ لگایا۔ وہ' عائشہ' علی' کمال' احمد' رابعہ' فرزا' یہ ایک ٹیم تھے۔ شاہ زر' فراز' شہروز' روا' نادیہ' لاریب' اسامہ' عدنان دوسری ٹیم۔ باقی سب ناظرین کا کردار ادا کررہے تھے۔ شاہ زر کی ٹیم بیٹنگ کے لیے آئی تھی۔ فراز اور شاہ زر دونوں اوپنر آئے تھے اور خوب اسکور کررہے تھے۔ دونوں کی جوڑی جم کر پچ پہ کھڑی تھی۔ آؤٹ ہی نہیں ہورہا تھا کوئی۔ علی کی گیند پر شاہ زر نے شاٹ لگایا اور رن لینے کے لیے بھاگا' دوسری طرف سے فاطمہ گیند پکڑنے کے لیے آگے کو بھاگی اور پچ کے عین درمیان میں وہ شاہ زر سے ٹکرا کر بری طرح نیچے گری۔ شاہ زر وہیں رک کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔

"اوہ سوری' آئم رئیلی سوری۔ تم ٹھیک ہو؟" وہ معذرت کررہا تھا' ادھر سے علی نے گیند وکٹ پر پھینک کر اسے رن آؤٹ کردیا تھا۔ گراؤنڈ میں "ہوہو" کا شور مچ گیا تھا۔

"تم آؤٹ ہوگئے ہو' میں ٹھیک ہوں۔ تمہیں اپنا رن بنانا چاہیے تھا۔" فاطمہ نے اسے یاد دلایا۔

"اٹس اوکے۔ وکٹ تم سے زیادہ اہم نہیں۔ اگر تمہیں کچھ ہوجاتا تو مجھے بہت دکھ ہوتا۔" وہ طویل سانس لے کر بولا۔ فاطمہ ساکت کھڑی رہ گئی۔ وہ واپس جارہا تھا' اس کی جگہ نادیہ آرہی تھی کھیلنے۔ وہ وہیں

کھڑی تھی۔

"فاطمہ پوزیشن سنبھالو۔" علی کی آواز پر وہ ہوش میں آئی۔ دس دس اوور کا میچ تھا۔ بیٹنگ کے بعد وہ فوراً" دوبارہ اسٹارٹ کرنا چاہتے تھے مگر شاہ زر پندرہ منٹ کا وقفہ لے رہا تھا۔

"کیا یار؟ پندرہ منٹ میں کیا کرنا ہے تم نے؟" فراز چڑا۔

"مجھے نماز پڑھنی ہے۔" اس نے بتا ہی دیا۔ ایک لمحے کے لیے وہ سب چپ ہوگئے۔

"اوہ۔ اچھا' ٹھیک ہے۔" فراز نے کہا۔ وہ مڑ گیا تھا۔ فاطمہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ نماز بڑا اجنبی سا لفظ لگا تھا اسے۔ اسے نہیں یاد تھا کہ اس نے کبھی خود نماز پڑھی ہو۔ وہ سب ٹولیاں بنا کر وہیں بیٹھ گئے تھے مگر فاطمہ اس طرف آگئی جہاں وہ چٹائی پر نماز پڑھ رہا تھا۔ وہ سجدے میں تھا۔ اتنا اونچا لمبا شخص کیسے جھکا پڑا تھا۔ وہ چپ چاپ دیکھنے لگی۔ "تمہیں کچھ ہوجاتا تو مجھے بہت دکھ ہوتا۔" کچھ دیر پہلے کہا گیا اس کا فقرہ اسے یاد آیا۔ وہ پورے انہماک سے نماز پڑھ رہا تھا' وہ ہر کام اتنے ہی انہماک سے کرتا تھا' پوری توجہ کے ساتھ۔ جس چیز پر توجہ دے دیتا' اسے سنوار دیتا' اردگرد سب بھول جاتا تھا۔

"تم سے زیادہ خوب صورت نہیں۔" تین رات پہلے اس نے شال اوڑھا کر کہا تھا۔ اوہ' شال! اسے یاد آیا' شال تو اب بھی اس کے پاس تھی' اس نے واپس ہی نہیں کی تھی۔

وہ سلام پھیر رہا تھا' سلام پھیرنے کے بعد مڑا' ایک لمحے کے لیے اسے وہاں بیٹھا دیکھ کر وہ حیران ہوا' پھر مسکرا دیا۔

"یہاں کیوں بیٹھی ہو؟" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"میں وہ۔ میں' بس ویسے ہی۔ انفیکٹ مجھے وہ شال واپس دینی تھی تمہیں۔" اس نے بات بنائی۔

"اوہ پلیز۔ وہ تمہاری شال ہے اب۔" اس نے منع کیا واپس کرنے سے۔

"نہیں نہیں۔ میں تو اوڑھتی ہی نہیں یہ شالز وغیرہ۔" وہ فوراً" بولی۔

"اب اوڑھ لینا۔" وہ مضبوط لہجے میں کہتا کھڑا ہوگیا۔ اس کے پاس جواب میں کہنے کے لیے کچھ نہ بچا تھا۔ وہ اتنی قطعیت سے کہتا تھا کہ سامنے والے کے پاس انکار کا جواز ہی نہ رہتا تھا۔

"چلو چلیں۔" وہ کھڑا ہوگیا' وہ بھی کھڑی ہوگئی۔

"بہت خوب صورت ہے گھونٹکی۔" فاطمہ نے کہا۔ وہ ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

"ہاں مگر تم سے کم۔" اس نے مسکراتے ہوئے اسی رات کی بات دہرائی۔ وہ چلتے چلتے پھر ساکت ہوگئی اور بے یقینی سے اسے دیکھا مگر وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ سیدھا چل رہا تھا' وہی بے نیازی تھی چہرے پر' جیسے کچھ کہا ہی نہ ہو۔

"چلو' رک کیوں گئیں؟" وہ مڑا۔ فاطمہ نے بغور اسے دیکھا' سنہری آنکھیں دھوپ میں چمک رہی تھیں' بے حد لمبی پلکوں کا جال۔ وہ جادوگر تھا واقعی۔ کوئی جذبہ تھا ان آنکھوں میں مگر چہرہ بے نیاز تھا۔ آنکھیں کہہ رہی تھیں' میں جانتا ہوں تمہارے دل پر کیا گزر رہی ہے اور چہرہ کہہ رہا تھا کہ مجھے تو یہ بھی نہیں پتا تم یہاں رک کیوں گئیں۔

"ہیلو۔" اس نے ہاتھ ہلایا۔ وہ ہوش میں آئی۔

"ہاں' ہاں چلو۔" وہ بوکھلا کر بولی اور چلنے لگی۔

"اگر میں تمہیں اپنے گھر لے کر جاؤں دوبارہ' تم چلو گی؟" اس نے ایک دم کہا۔ وہ حیران ہو کر اسے دیکھ رہی تھی اور وہ ان کانچ کی آنکھوں سے نظر چرا رہا تھا۔

"دیکھوں گی۔ وقت ملا تو۔" اس نے بات وقت پر چھوڑ دی۔ وہ مسکرا دیا۔ اب وہ فراز لوگوں کے قریب پہنچ چکے تھے۔ میچ شروع ہوگیا دوبارہ مگر بنا کسی نتیجے کے ختم ہوگیا۔ میچ کے بعد پروفیسرز نے دو ٹیمیں بنادی۔ ایک کا کام وہاں میڈیکل کیمپ لگانا اور دوسری کا لوگوں کے گھر گھر جا کر انہیں نہ صرف کیمپ تک لے کر آنا بلکہ ان کو مختلف بیماریوں کے متعلق آگہی بھی دینا۔ لوگوں کے گھر جانے کا کام تھرڈ ایئر کو سونپا گیا اور شاہ زر کو

ان کا گائیڈ بنایا گیا۔
"ویسے میں نے سوچا نہیں تھا کہ اتنا مزہ آئے گا کیمپنگ میں۔" ردا چلتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار کر رہی تھی۔
"تم سوچتی بھی ہو۔ واہ۔ امیزنگ۔ اٹس نیو انفارمیشن۔" فراز نے فوراً" لفظی حملہ کیا۔ وہ سب ہنس پڑے۔
"شٹ اپ۔ ہونہہ۔ تم تو جلتے ہو میری آئی۔ کیو پاور سے۔" ردا نے منہ بنا کر کہا۔
"ہاہاہا۔ آئی کیو پاور۔ ہاہاہاہا۔ لگتی تو نہیں آئن سٹائن۔" فراز چڑا رہا تھا اور وہ چڑ رہی تھی۔
"اسٹاپ اٹ فراز۔ کم از کم تم سے تو زیادہ ہی مارکس ہوتے ہیں ردا کے اور اناٹومی کے پریکٹیکل میں ردا ہی تھی جس نے تمہیں نقل کروائی۔" فاطمہ نے ردا کا ساتھ دیا تو وہ کھل اٹھی۔
"دیکھا' فاطمہ کو پتا ہے۔" اس نے فوراً" فراز کو جتایا۔ یوں ہی باتوں باتوں میں وہ گاؤں پہنچ گئے۔ دو' دو کی ٹیم بنا کر وہ الگ الگ گھروں میں جانے لگے۔
"تم میرے ساتھ آجاؤ شاہ زر۔" فراز نے کہا۔
"نہیں' میں فاطمہ کے ساتھ ہوں۔" اس نے مسکرا کر معذرت کی۔ اور حیران کھڑی فاطمہ کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھ گیا' پیچھے وہ سب منہ کھولے کھڑے تھے۔
"کیا تم لوگوں نے وہی دیکھا جو میں نے دیکھا۔" علی نے پوری آنکھیں کھول کر خوابناک لہجے میں کہا۔
"ہاں۔ ہم سب نے دیکھا' اس نے فاطمہ کا ہاتھ پکڑا اور فاطمہ نے اسے تھپڑ نہیں مارا۔" عائشہ بے یقینی سے کہہ رہی تھی البتہ فراز مسکرا رہا تھا۔
"ٹیواٹ' چلو کام شروع کرو۔" فراز کے کہنے پر وہ بھی دو کی ٹیم بنانے لگے۔
"سلام شاہ زر صاب۔" بوڑھی سی آواز پر وہ دونوں چونک کر مڑے۔
"وعلیکم السلام قدیر خان۔ کیسے ہو بابا؟" شاہ زر گرم جوشی سے اس میلے کچیلے بڈھے کے گلے لگ گیا۔
فاطمہ کو کراہیت سی ہوئی۔ یہ پتا نہیں کون تھا اور گھوٹکی میں بھی شاہ زر کو جانتا تھا۔ حالانکہ شاہ زر کا گاؤں تو گھوٹکی سے کافی فاصلے پر تھا۔ کچھ دیر بعد وہ مل ملا کر فارغ ہوا اور پلٹا۔
"سوری۔" اس نے معذرت کی۔
"اٹس او کے' یہ کون تھا؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔
"یہاں میرا ننھیال ہے گھوٹکی میں۔ میرے ننھیال میں ملازم تھا یہ۔" اس نے وضاحت کی تو وہ سرہلاتی ایک گھر میں داخل ہو گئی۔ سب لوگ شاہ زر کو جانتے تھے وہاں۔ وہ جس گھر میں بھی گئی' سب بہت عزت' محبت اور پیار سے ملے۔ سامنے پھر شاہ زر کے گھر جیسی ہی شاندار عمارت تھی۔
"یہ تمہارے نانا کا گھر ہے۔ رائٹ؟" اس نے فوراً" اندازہ لگایا۔ وہ ہنس پڑا۔
"ہاں۔ آؤ۔" اس نے کہا اور اندر لے آیا۔ شاندار اور جدید طریقے سے سجی حویلی' خوب صورت فرنیچر' جگہ جگہ لگے پردے۔ اسے تو کوئی محل لگ رہا تھا۔ جھک کر سلام کرتے ملازم اور ملازمائیں' شاہ زر اسے سیدھا اندر لے آیا تھا۔
"بابا جان کدھر ہیں خان؟" وہ ملازم سے پوچھ رہا تھا۔
"گھر پر ہی ہیں مگر تیمور صاحب گھر پر نہیں ہیں۔" ملازم نے بتایا۔ وہ سرہلاتا آگے بڑھ گیا۔
"ارے شاہ زر آیا ہے۔" راہداری میں خوش شکل سی لڑکی ملی انہیں۔
"السلام علیکم' کیسی ہیں بھابھی۔" وہ اس لڑکی کے سر پر پیار دے رہا تھا اور بھابھی بھی کہہ رہا تھا۔
"وعلیکم السلام۔" بھابھی نے خوشدلی سے کہا پھر حیرانی سے' پینٹ شرٹ میں ملبوس بنا کسی دوپٹے کے' اس لڑکی کو دیکھا۔
"یہ فاطمہ ہے بھابھی۔ لاہور سے آئی ہے اپنے کالج والوں کے ساتھ۔ یہاں دوا وغیرہ کا کیمپ لگایا ہے۔ آپ کو انوائٹ کرنے آئی ہے کہ آپ بھی کیمپ

میں آکر فری چیک اپ کرائیں' تیمور کے پیسے بچائیں۔" وہ ہنستے ہوئے تعارف کروا رہا تھا۔

"اوہ اچھا۔ خوش آمدید۔" نماز کے اسٹائل میں لپٹے دوپٹے والی وہ لڑکی فاطمہ کو خوش آمدید کہہ رہی تھی۔ فاطمہ آہستہ سے مسکرا دی۔

"اور فاطمہ! یہ میری بھابھی ہیں۔ میرے کزن کی وائف۔" اس نے فاطمہ کو بتایا۔

"نائس ٹو میٹ یو۔" اس نے مسکرا کر ہاتھ ملایا۔

"چلیں۔" اس نے شاہ زر کو واپسی کا کہا۔ اسے وحشت ہو رہی تھی اس جگہ پر۔

"ارے نہیں نہیں' کھانا کھائے بغیر کیسے جاسکتے ہو۔" بھابھی نے ہاتھ پکڑ کر روکا۔

"نہیں بھابھی' پھر آئیں گے۔ سب کو دعوت دی تو سوچا آپ کو بھی دیتے جائیں۔" شاہ زر اس کا چہرہ پڑھ چکا تھا جب ہی بھابھی سے معذرت کی اور خدا حافظ کہہ کر پلٹ آیا۔ ابھی وہ راہداری سے نکل ہی رہے تھے کہ سامنے ایک بزرگ آگئے۔ سفید سوٹ' پشاوری چپل' ہاتھ میں چھڑی اور بارعب چہرہ۔ شاہ زر ان کو دیکھ کر رک گیا' وہ بھی مجبوراً" رک گئی۔

"السلام علیکم بابا جان۔" شاہ زر ان کے گلے لگ گیا تھا مگر ان کی آنکھیں فاطمہ پر تھیں ساکت' بے تاثر وہ بے اختیار گھبرا سی گئی۔

"وعلیکم السلام' تم آج کیسے راستہ بھول گئے۔" انہوں نے مسکرا کر تو اسے کاشانہ تھپکا مگر آنکھیں اب بھی فاطمہ پر تھیں۔ شاہ زر نے وہی تعارف کرایا اس کا جو بھابھی سے کرایا تھا۔ بابا جان نے آگے بڑھ کر اپنا نحیف ہاتھ اس کے سر پر رکھا' ان کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ فاطمہ بھی ساکت تھی' پہلی بار کسی نے اس کے سر پر یوں مان سے ہاتھ رکھا تھا۔ اس نے گھبرا کر سر اٹھایا' آنکھیں بابا جان کی آنکھوں سے ملیں۔ اسے لگا بابا جان کی آنکھیں نم تھیں۔

"جیتی رہو' خوش رہو۔" انہوں نے سر تھپک کر ہاتھ ہٹالیا۔ وہ کچھ نہ بول سکی۔ عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی اس کی۔ شاہ زر نے بابا جان سے اجازت مانگی۔ مگر انہوں نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

"جانتا ہوں کہ تمہیں بہت جلدی ہے جانے کی۔" انہوں نے شاہ زر سے کہا پھر فاطمہ کو دیکھا۔

"مگر یہ بیٹی پہلی بار آئی ہے' ایسے خالی ہاتھ تو نہیں جانے دیں گے۔ ناں۔" انہوں نے کہا اور ساتھ ہی ملازم کو آواز دی۔

فاطمہ نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے مگر بابا جان نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔ کچھ دیر بعد ملازم ہاتھ میں چنگیر پکڑے آیا۔ بڑی سی تھال جیسی چنگیر میں چادر تھی۔ انہوں نے شیشوں والی میرون چادر اس کے حوالے کی۔ وہ انکار کرنا چاہتی تھی' صاف صاف منع کرنا چاہتی تھی مگر نہ کرسکی۔ اس نے کبھی دوپٹہ تک نہ سر پر لیا تھا۔ چادر تو کہاں لینی تھی مگر پھر بھی اس نے پکڑلی۔

"شکریہ۔" مدھم لہجے میں کہہ کر اس نے چادر تھام لی۔ بابا جان نے دوبارہ ہاتھ اس کے سر پر رکھا اور پھر آگے چلے گئے جبکہ وہ عجیب کیفیات میں گھری شاہ زر کے ساتھ باہر آگئی۔



"ہائے کتنی پیاری چادر ہے۔" وہ سب کی سب چادر پر پل پڑیں۔

"کاش میں چلی جاتی شاہ زر کے ساتھ۔" ردا کو نیا صدمہ لاحق ہوا۔

"اے میڈم' وہ خود فاطمہ کو لے کر گیا تھا' تم کہاں سے چلی جاتیں۔" نادیہ نے اسے خوابوں سے باہر نکالا۔ رات کے وقت وہ کیمپ میں تھیں اور چادر پر بکھرے ہوئے تھے۔ البتہ جسے چادر ملی تھی وہ بستر پر گری پڑی تھی۔

"تمہیں نہیں لگتا کہ فاطمہ کچھ عجیب ہوگئی ہے۔" عائشہ دور کی کوڑی لائی۔ اس خیمے میں صرف لڑکیاں تھیں اور سمجھ رہی تھیں کہ فاطمہ سوگئی ہے۔

"خیر وہ تو شروع سے ہی عجیب و غریب ہے۔" سارہ کو عائشہ کی بات سے ہمیشہ ہی اختلاف ہوتا تھا۔

"مگر تم کچھ بھی کہو' کوئی نہ کوئی بات ہے ضرور۔ تم نے نوٹ کیا' شاہ زر' فاطمہ کا بہت خیال رکھتا ہے۔"
عائشہ اب بھی اس بات پر قائم تھی۔
"ہاں' یہ تو میں نے بھی۔" بات ردا کے منہ میں ہی رہ گئی تھی۔ فاطمہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ وہ سب ڈر گئیں مگر جب فاطمہ نے کانوں میں لگے ہیڈ فون اتارے تو بے اختیار ان سب نے سکون کا سانس لیا۔
"ہیلو' کیا باتیں ہو رہی ہیں۔" وہ بولی۔
"کچھ نہیں' ہم یہ چادر دیکھ رہے تھے' بہت خوب صورت ہے۔" ردا نے فوراً" بات بدلی۔
"ہاں' وہ تو ہے۔" اس نے سرہلایا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔
"تم کہاں جا رہی ہو اس وقت؟" عائشہ نے پوچھا۔
"میں۔ مجھے کچھ کام ہے۔ آتی ہوں۔" ہمیشہ کی طرح وہ بات چھپا گئی البتہ کانچ جیسی آنکھوں میں پھیلی سرخی بتا رہی تھی کہ وہ پریشان تھی۔ باہر آئی تو نظر آگ کے گرد بیٹھے فراز لوگوں پر پڑی۔ اسے دیکھتے ہی انہوں نے ہاتھ ہلایا' اس نے بھی جواباً" ہاتھ ہلا دیا اور ساتھ ہی دیکھ بھی لیا کہ شاہ زر وہاں نہیں تھا۔ وہ قریب آگئی۔
"شاہ زر کہاں ہے؟" اس نے فراز سے پوچھا۔
وہاں موجود سب کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی جسے سب نے فوراً" ہی چھپا لیا۔
"وہ نماز پڑھ رہا ہے پیچھے۔" فراز نے اشارہ کر کے بتایا وہ سرہلاتی خیموں کے پیچھے آگئی جہاں وہ اکیلا رکوع میں تھا۔ وہ ساکت کھڑی دیکھتی رہی۔ پورے چاند کی روشنی میں اس کے پرکشش چہرے پر بلا کا سکون تھا۔ وہ پوری توجہ سے نماز میں مگن تھا۔ کیوں ہے یہ اتنا پرسکون' اتنا ٹھنڈا۔ اسے الجھن ہونے لگی۔ آخر ایسا سکون مجھے کیوں نہیں ملتا۔ مگر اس کے پاس اس کی فیملی ہے' اتنے پیارے لوگ ہیں اور میرے پاس؟ وہ سوچے جا رہی تھی۔ فیملی؟ یہ وہ چیز تھی جس کے لیے وہ اپنی اکیس سالہ زندگی میں پل پل ترسی تھی۔ پاپا؟ جو ہو کے بھی اس کے نہ تھے اور نانا' دادا پتا نہیں کہاں تھے وہ سب لوگ۔ اسے تو کچھ خبر ہی نہیں تھی کہ اس کا خاندان ہے ــــــ اپنی اس محرومی کو وہ ہمیشہ اپنے اندر دفن رکھتی' کبھی بھی اس نے اپنے دوستوں سے اپنی محرومیاں نہیں بانٹی تھیں مگر آج۔ شاہ زر کے نانا' بھابھی ان کو دیکھ کر وہ اس وقت سے اُداس تھی۔
"ہیلو پرنسز۔" شاہ زر نے آکے اس کا شانہ ہلایا تو وہ ہوش میں آئی۔ سامنے کھڑا وہ پوری دلکشی سے مسکرا رہا تھا' پتا نہیں کب نماز ختم کر کے وہ اس کے پاس آگیا تھا' اسے اپنی سوچوں میں کچھ پتا نہیں چلا تھا۔
"کیا ہوا؟" وہ پوچھ رہا تھا۔
"کچھ نہیں۔" وہ آہستہ سے کہہ کر وہیں بیٹھ گئی۔ وہ بھی بیٹھ گیا۔
"شاہ زر؟" اس نے پکارا۔
"ہاں' بولو۔" وہ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔
"تم۔ تم اتنے پرسکون کیوں ہو؟" لہجے کے ساتھ سوال بھی عجیب تھا۔ اور وہ دیکھ بھی عجیب طریقے سے رہی تھی' ٹکٹکی باندھ کر مسلسل۔
"پرسکون؟" اسے سوال سمجھ میں نہیں آیا تھا شاید۔
"ہاں پرسکون۔ مطلب' مطلب تم جانتے ہو۔" وہ بھی سوال سمجھانے کے موڈ میں نہیں تھی۔ شاہ زر نے ایک طویل سانس لی۔
"میں نماز پڑھتا ہوں۔" اس نے مختصر جواب دیا۔
وہ چپ رہی۔ پھر آہستہ سے بولی۔
"میں نے کبھی نماز نہیں پڑھی' مجھے اتنا بھی علم نہیں کہ نماز میں کیا پڑھتے ہیں؟" وہ سچ بتا رہی تھی۔ اسے واقعی علم نہیں تھا۔ "کیا تم صرف اس لیے اتنا خوش رہتے ہو کہ تم نماز پڑھتے ہو۔" وہ دوسرا سوال کر رہی تھی۔
"میں اس لیے خوش رہتا ہوں کیونکہ جو اللہ مجھے دے' میں اس پر راضی ہو جاتا ہوں۔ میں اللہ سے شکوہ نہیں کرتا۔" وہ اب مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ فاطمہ نے پہلی بار محسوس کیا کہ اس کی طرح اس کی آواز بھی بہت خوب صورت تھی۔
"میں' میں بھی پرسکون رہنا چاہتی ہوں مگر مجھے سکون ملتا نہیں۔" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ شاہ زر

نے مڑ کر دیکھا وہ اپنی آنکھوں میں نمی چھپا رہی تھی۔

"نہیں، بہت بری ہوں شاہ زر میں نے کبھی کوئی نیکی نہیں کی۔ مجھ سے کوئی پیار نہیں کرتا، سب نفرت کرتے ہیں۔ میرے پاپا بھی۔" وہ اب رو رہی تھی، آنسو گالوں پر بہہ رہے تھے۔ زندگی میں پہلی بار وہ اپنے ذاتی احساسات کسی کو بتا رہی تھی۔ شاہ زر کا دل ڈوب رہا تھا۔

"نہیں، تم سے کوئی بھی، کوئی بھی نفرت نہیں کر سکتا۔" وہ پورے یقین سے تسلی دے رہا تھا۔

"اور نہ ہی تم بری ہو۔" وہ بتا رہا تھا۔ اس کے رونے میں تیزی آگئی تھی، کب کی چھپی محرومیاں اور اداسیاں پانی بن کر نکل رہی تھی۔

"میرے پاپا۔ میرے پاپا۔" اس کے منہ سے سسکیاں نکل رہی تھیں۔

"میرے پاپا نفرت کرتے ہیں مجھ سے، منحوس سمجھتے ہیں مجھے۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔ پیرنٹس کبھی بھی اپنے بچوں سے نفرت نہیں کرتے۔" اس نے ہونٹ بھینچ کر ہاتھ اس کے سر پر رکھا۔

"رونے سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا، چپ ہو جاؤ۔ مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔" وہ سادگی سے کہہ رہا تھا، ساتھ ہی ساتھ اس کا سر تھپک رہا تھا۔ وہ ایک بار پھر ساکت ہوئی تھی۔

"تھو، چلو جا کے سو جاؤ۔ ایویں ڈپریس نہیں ہو جاتے۔ پاگل لڑکی! تمہیں نہیں پتا تم کتنی سویٹ ہو، تم سے کبھی کوئی نفرت نہیں کر سکتا۔" وہ کہہ رہا تھا، فاطمہ کے آنسو خود بخود رکنے لگے۔ وہ واقعی جادوگر تھا۔

"باقی رہی بات پاپا کی۔ تو وہ اتنی پیاری بیٹی سے نفرت نہیں کر سکتے، کوئی اور وجہ ہوگی، تم انہیں محبت دو، دیکھنا تمہیں بھی محبت ملے گی۔" اب وہ اسے ہاتھ پکڑ کر کھڑا کر رہا تھا۔ وہ کسی معمول کی طرح کھڑی ہو گئی۔ وہ ویسے ہی پکڑ کر خیمے تک لے آیا تھا۔ "جاؤ، سو جاؤ اور ہاں اگر کبھی نماز نہیں پڑھی تو اب شروع کرو۔ تمہیں سکون ملے گا۔ یہ میرا نہیں اللہ کا وعدہ ہے۔" اس نے پھر اس کا سر تھپکا اور مسکرایا۔

"اب رونا نہیں سویٹ پرنسز اور نہ ہی الٹا سیدھا سوچنا ہے۔ جاؤ، سو جاؤ شاباش۔" اس کے ذہن کے سارے جالے وہ اپنی نرمی سے اتار چکا تھا۔

"اسمائل۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ وہ بے اختیار مسکرا دی۔

"گڈ گرل۔ چلو ریسٹ کرو۔" وہ ہنسا تھا پھر خدا حافظ کہہ کر مڑ گیا۔ وہ چپ کھڑی دیکھتی رہی۔ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ کبھی اسے بھی کوئی اتنا اچھا لگے گا مگر شاہ زر نے اس کی سوچ بدل ڈالی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے لیٹ گئی۔ زندگی میں پہلی بار کوئی اتنی پرواہ کر رہا تھا۔ وہ خوش تھی، بے حد خوش۔



"کیا بات ہوئی تمہاری فاطمہ سے؟" فون پر بابا جان پوچھ رہے تھے۔ اور وہ چپ تھے۔

"محمد علی، ہم تم سے پوچھ رہے ہیں۔ کیا تم نے فاطمہ سے بات کی ہے یا نہیں؟" ان کا لہجہ معنی خیز تھا۔

"بابا جان وہ۔ وہ۔" ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھی کہ وہ کیسے کہیں۔

"وہ ٹھونگی پہنچ گئی ہے۔ یہی کہنا چاہتے ہو تم۔" ان کا لہجہ اب چیلنج کرنے والا تھا۔ وہ ساکت رہ گئے۔

"بابا جان وہ۔" ان کا لہجہ بھرا گیا تھا۔ کیسے بے بس ہوئے بیٹھے تھے وہ۔

"وہ آج خود چل کر ہماری حویلی آئی تھی محمد علی اور آئی بھی پتا ہے کس کے ساتھ تھی؟ سکندر کے بیٹے کے ساتھ۔" انہوں نے گویا بم پھوڑا اور محمد علی کو لگا تھا جیسے کسی نے ان کے حواس سلب کر لیے ہوں۔ موبائل ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ دوسری طرف بابا جان ہیلو، ہیلو کر رہے تھے مگر وہ صوفے پر گر گئے تھے۔ آنکھوں کے سامنے ماضی کی فلم چلنے لگی تھی۔

پچیس سال پہلے وہ بزنس کی تعلیم حاصل کرنے لاہور گئے تھے۔ بابا جان کی تین اولادیں تھیں، عمر علی،

زاہدہ علی اور محمد علی۔ محمد علی نہ صرف چھوٹے تھے بلکہ لاڈلے بھی بہت تھے۔ خاندان میں ان کے جیسا خوب صورت اور پڑھا لکھا بھی کوئی نہیں تھا۔ اسی چیز نے انہیں مغرور کے ساتھ ساتھ خود سر بھی بنا ڈالا تھا۔ ان کے خاندان میں بچپن میں ہی رشتے طے کردیے جاتے تھے۔ بابا جان نے اپنے بھائی کی بیٹی سلمیٰ اور سکندر سے محمد علی اور زاہدہ کا رشتہ طے کر رکھا تھا۔ وہ ابھی تعلیم حاصل کررہے تھے جب ان کی بہن زاہدہ رخصت ہو کر سکندر کے گھر چلی گئیں۔ تعلیم کے دوران ہی انہیں ردابہ پسند آگئی' پڑھی لکھی' خوب صورت' خوش اطوار' انہیں ایسا ہی شریک سفر چاہیے تھا۔ قابل' جو ان کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل سکے اور وہ خصوصیات ردابہ میں تھیں' سلمیٰ تو چٹی ان پڑھ تھی۔

انہوں نے دبے لفظوں میں بابا جان سے اپنی پسند کا اظہار کیا مگر بابا جان نے صاف انکار کردیا۔ وہ اصولوں کے پکے تھے' اپنی ضد پر ڈٹے رہنے والے۔ وہ بھی ان کا ہی بیٹا تھا۔ انہوں نے لاہور آکر ردابہ سے کورٹ میرج کرلی اور حویلی والوں کو ہوا بھی نہ لگنے دی۔ تین سال گزر گئے' ان کی ایک بیٹی بھی پیدا ہوگئی لائبہ۔ پھر ان ہی دنوں حویلی میں ان کی اور سلمیٰ کی شادی کا شور مچا۔ بابا جان نے انہیں حویلی بلایا' وہ ساتھ میں ردابہ اور لائبہ کو بھی لے گئے۔ ایک بیوی اور بچی کے ساتھ جب وہ حویلی میں داخل ہوئے تو حویلی والوں پر قیامت ٹوٹی تھی۔ دونوں خاندانوں میں دشمنی کی فضا پیدا ہوگئی۔ ان کی بہن زاہدہ اور اس کے بیٹے شاہ زر کا داخلہ سکندر کے گھر والوں نے حویلی میں بند کردیا۔

زاہدہ کا میکے سے بالکل رشتہ ٹوٹ گیا اور سلمیٰ کو تا عمر اب کنواری ان کے نام پر بیٹھنا تھا۔ چند دن خوب بحث ہوئی' بابا جان نے انہیں عاق کردیا اور پوتی اور بہو کو قبول نہیں کیا۔ ادھر سلمیٰ کے معاملے پر سکندر ان کے پاس بات کرنے آئے کہ وہ سلمیٰ سے عقد ثانی کرلیں' اس بات پر وہ بھڑک اٹھے۔ لڑائی اتنی بڑھی کہ ان کے ہاتھوں پستول چل گئی اور گولی سیدھی سکندر کے دل پر جا کے لگی۔ جب انہیں ہوش آیا تب تک بہت دیر ہوچکی تھی' سکندر اللہ کو پیارا ہوگیا تھا۔ اس کے بعد دشمنی انتہا کو پہنچ گئی۔ سکندر کے بھائی ان کی جان لینے کے درپے تھے' جرگہ بٹھایا گیا اور فیصلہ کیا گیا کہ خون کا بدلہ خون ایسے میں بابا جان نے اپنے بیٹے کو بچانے کے لیے خون بہا میں ان کی بیٹی کو سکندر کے بیٹے سے منسوب کردیا۔ وہ کچھ نہ کرسکے' اگر بیٹی نہ دیتے تو اپنی جان جاتی۔ انہوں نے چپ چاپ سر جھکادیا اور طے پایا کہ وہ شاہ زر کے تعلیم مکمل ہونے کے بعد وہ ان کی بیٹی سے نکاح کرے گا۔ وہ ہار کر حویلی سے نکلے' پھر اپنی بیٹی کو دیکھ کر روتے۔ پھر فاطمہ پیدا ہوئی' جس دن وہ پیدا ہوئی' ردابہ اللہ کے پاس چلی گئی۔ وہ بالکل اکیلے ہوگئے' انہیں فاطمہ کے وجود سے چڑ ہونے لگی۔ وہ لائبہ کو پیار کرتے بس جبکہ فاطمہ آیا کے سہارے پلی بڑھی۔ پھر وقت گزرتا گیا' فاطمہ پڑھائی میں بہت اچھی تھی۔ جب وہ میرٹ پر کنگ ایڈورڈ گئی تب انہیں احساس ہوا کہ وہ اپنی دوسری بیٹی کے ساتھ بہت ناانصافی کر گئے ہیں مگر تب تک فاطمہ ان سے بدظن ہوچکی تھی۔ وہ کنگ ایڈورڈ گئی تو پھر نہ لوٹی اور وہ الفاظ ہی ڈھونڈتے رہ گئے اسے منانے کے لیے۔

انہیں ہمیشہ ہی دیر ہوجاتی تھی۔ پھر بابا جان کا فون آگیا ایک دن کہ تئیس سال پہلے کیا گیا وعدہ پورا کرنے کا وقت آگیا ہے۔ انہوں نے لائبہ کے بہت لاڈ اٹھائے تھے' پھر بابا جان نے بھی بتایا تھا کہ شاہ زر بہت اچھا لڑکا ہے' انہیں امید تھی کہ لائبہ مان جائے گی۔ مگر وہ ان پر گئی تھی۔ مکافات عمل ہوا تھا۔ جیسے وہ اپنے باپ کو جواب دے آئے تھے' ایسے ہی انہوں نے جواب پالیا تھا۔ بابا جان نے کہا کہ فاطمہ کو مناؤ۔ اور فاطمہ ماننے سے پہلے ہی شاہ زر کے پاس تھی۔ کیسے ملی وہ شاہ زر کو کب کہاں۔ وہ سوچ رہے تھے' ماضی کی یادوں سے ان کی آنکھوں میں آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی تھی۔ وہ رو رہے تھے بے تحاشا۔ اپنی زندگی میں انہوں نے بہت کچھ کھودیا تھا۔ بے بسی سے انہوں نے آسمان کی طرف آنکھیں اٹھائیں۔ ردابہ بہت یاد آرہی تھی اور

سینے کے بائیں جانب درد بڑھتا جارہا تھا۔
"میں اتنا بھی برا نہیں تھا یا اللہ پھر میرے ساتھ۔" ان کی ہچکی نکل گئی ساتھ ہی ہاتھ سینے پر آگیا۔ مارے تکلیف کے رنگ سرخ ہوگیا تھا' انہوں نے مدد کے لیے کسی کو بلانا چاہا مگر ان کی آواز نہ نکل سکی۔ وہ وہیں گر پڑے تھے' خود سے مکمل بے خبر۔



کیمپ میں داخل ہوتے ہی اسے جھٹکا لگا تھا۔ وائٹ اوور کوٹ' کھلے بال' چشمہ لگائے' گلے میں اسٹیتھسکوپ لٹکائے وہ فاطمہ ہی تھی۔ جو کسی بوڑھی عورت کا بلڈ پریشر چیک کررہی تھی۔ دھوپ کناروں سے ہو کر اس کے رخساروں پر پڑرہی تھی اور وہ سرخ ہوئے پڑے تھے۔ وہ بے اختیار مسکرادیا' اس نے پہلی بار اسے ڈاکٹروں کے حلیے میں دیکھا تھا ورنہ تو وہ پینٹ شرٹ میں ہی ہوتی تھی۔ بال بھی آج پہلی مرتبہ کھلے تھے اور گلاسز بھی پہلی بار لگے دیکھے تھے۔
"ہیلو ڈاکٹر' مجھے بھی چیک اپ کرانا ہے۔ میری باری کب آئے گی۔" وہ شرارت سے بولا تو وہ چونک کر مڑی۔ پورے کیمپ میں ہر کوئی مصروف تھا۔ اس نے دیکھا' سنہری آنکھوں میں شرارت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔
"سوری' آپ کو انتظار کرنا پڑے گا۔ میں بزی ہوں بہت۔" اس نے بھی مسکراہٹ دبا کر بے نیازی دکھائی اور دوبارہ عورت پر جھک گئی۔ وہ ہنس رہا تھا۔
"یو آر لکنگ ویری بیوٹی فل' پرنسز۔ قسم سے تم ڈاکٹر بنو گی تو تمہارے مریض تمہیں دیکھ کر ہی ٹھیک ہوجایا کریں گے۔" وہ شرارت سے کہتا کرسی کھینچ کر وہیں بیٹھ گیا۔
"بٹرنگ مت کرو' مجھے مکھن پسند نہیں۔ نکمے ڈاکٹر ہو تم' اپنے اسپتال سے بھی چھٹیاں ماررہے ہو اور یہاں بھی کچھ نہیں کررہے۔ چلو جاکے مریضوں کو چیک کرو۔" وہ رعب جھاڑ رہی تھی اور وہ ہنس رہا تھا۔

"رئیلی پرنسز' تم بہت سویٹ ہو۔" وہ ہنستے ہنستے بولا۔ فاطمہ کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔ اس کے منہ سے پرنسز' سننا بہت اچھا لگتا تھا۔
"فاطمہ!" فراز کی آواز پر وہ دونوں مڑے۔ فراز پریشان کھڑا تھا۔
"کیا ہوا؟" فاطمہ کا دل ایک دم دھڑکا کسی انہونی کے احساس سے۔
"وہ۔ وہ۔ تمہارے پاپا۔" فراز کو الفاظ نہیں مل رہے تھے۔ وہ بے اختیار آگے بڑھی۔ ایک فراز ہی تو جانتا تھا اس کی فیملی کے متعلق' دونوں فیملی فرینڈز تھے' بچپن کے دوست۔
"تمہارے پاپا کو۔ وہ تمہیں فون کررہے تھے' تم نے نہیں اٹھایا۔ وہ تمہارے پاپا کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ لائبہ کا فون۔" الفاظ فراز کے منہ میں تھے۔ جب اس کے حلق سے چیخ نکلی تھی۔
"فاطمہ' فاطمہ' فراز اور شاہ زر دونوں آگے بڑھے مگر وہ اپنے حواس برقرار نہ رکھ سکی۔ وہیں لہرا کر فراز کے بازوؤں میں گر گئی۔



اسپتال کے کوریڈور میں موت کا سکوت طاری تھا۔ آپریشن تھیٹر کے دروازے سے لائبہ' فاطمہ اور فراز چپکے کھڑے تھے۔ دونوں بہنوں کی آنکھیں رو رو کر سوجی پڑی تھیں اور فراز چپ کرانے کی کوشش میں نڈھال ہوچکا تھا۔
کوریڈور میں پانچ افراد اور بھی تھے' وہ کیوں وہاں کھڑے تھے۔ ان تینوں نے نہیں پوچھا۔ ان پانچوں میں شاہ زر' اس کے بابا جان' ایک خاتون' ایک بابا جان کے ہم عمر بزرگ اور ایک پاپا کے ہی ہم عمر آدمی تھے۔ بابا جان نڈھال کرسی پر گرے ہوئے تھے اور وہ دوسرا بزرگ ان کے قریب بیٹھا انہیں حوصلہ دے رہا تھا۔ شاہ زر بے چینی سے ٹہل رہا تھا اور وہ خاتون اور آدمی بابا جان کے پاس کھڑے تھے۔ تب ہی دروازہ کھلا اور ڈاکٹر باہر آیا۔ وہ سب کھڑے ہوگئے۔
"فاطمہ کون ہے؟"

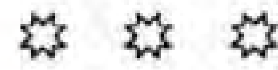
"مم۔ میں ہوں۔ میں ہوں فاطمہ" وہ تیزی سے بولی۔

"صبر کرو بیٹا' اللہ بہتر کرے گا۔" ڈاکٹر نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور مڑ گئے۔ فاطمہ وہیں بیٹھتی چلی گئی۔ اس کے حلق سے دبی دبی چیخیں نکل رہی تھیں۔

وہ سب بوکھلا کر اس کے پاس آگئے۔

"ہوش کرو فاطمہ۔" شاہ زر نے اسے اٹھایا مگر وہ نہیں اٹھ رہی تھی۔

"سب میری غلطی ہے' سب میری وجہ سے ہوا۔ میرا بیٹا۔" بابا جان کی آواز پر وہ سب چونکے۔ فاطمہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ شاہ زر کے نانا کو جو اس کے پاپا کو اپنا بیٹا کہہ رہے تھے۔



"کوریڈور میں ایک بار پھر سکوت تھا۔ صرف بابا جان بول رہے تھے اور سب کو بتا رہے تھے جب کہ وہ دونوں بہنیں یوں کھڑی تھیں جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ وہ ادھیڑ عمر عورت ان کی پھپھو زاہدہ تھی' شاہ زر کی ماں۔ وہ شخص پاپا کا بھائی عمر علی تھا اور وہ دوسرے بزرگ شاہ زر کے دادا اور بابا جان کے بھائی آغا تھے۔ جنہیں شاہ زر' آغا جان کہتا تھا۔ بابا جان نے سب کچھ بتا دیا' شروع سے لے کر خون بہا تک۔ وہ داستان مکمل کر چکے تھے۔

"مگر محمد علی غلط سمجھا۔ اسے لگا شاہ زر اپنے باپ کے قتل کا بدلہ ان کی بیٹی سے لے گا شادی کے بعد' جب کہ ایسا کچھ نہیں تھا۔ آغا نے اسے معاف کر دیا تھا۔ زاہدہ پوری شان سے اپنی بھتیجی کو بہو بنا کر لانا چاہتی تھی لیکن محمد علی لاعلم تھا۔" وہ رو رہے تھے۔

شاہ زر نے فاطمہ کو دیکھا' وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ وہ بے اختیار نظر چرا گیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ کھڑی ہوئی اور زوردار تھپڑ اس کے منہ پہ مارا' وہ بے اختیار جھٹکے سے پیچھے ہوا' سب ساکت ہو گئے تھے۔ کسی کو فاطمہ سے اتنے شدید ردِعمل۔ کی امید نہیں تھی۔ وہ خود بھی گال پر ہاتھ رکھے ششدر سا فاطمہ کو دیکھ رہا تھا۔

"یو چیٹر۔ یو اسٹوپڈ' یو نان سینس۔ تم نے مجھے دھوکہ دیا' مجھ سے اجنبی بن کر ملے جان بوجھ کے۔ میرے جذبات کا مذاق بنایا اور میرے پاپا کو۔ میرے پاپا کو۔" وہ اس کا گریبان پکڑے کھڑی ہانپ رہی تھی۔

"اگر میرے پاپا کو کچھ ہوا تو۔ تو۔" غصے کی شدت سے اس کا پورا وجود کانپ رہا تھا۔ فراز نے جھٹکے سے اسے پیچھے کھینچا۔

"ہوش میں آؤ۔" فراز نے اسے جھنجھوڑا۔

"نہیں فراز۔ ان لوگوں نے۔ ان لوگوں نے۔ ان سب نے۔ ان سب نے میرے پاپا کو۔" وہ کہتے کہتے پھر رو پڑی تھی' لائبہ بھی رو پڑی تھی۔ فراز نے پھر دونوں کو ساتھ لگا کے تسلی دی' ادھر بابا جان' آغا جان اور زاہدہ پھپھو رو رہے تھے۔ البتہ شاہ زر چپ کھڑا تھا۔ تب ہی ڈاکٹر پھر باہر آیا۔

"مبارک ہو آپ کو' پیشنٹ کی حالت خطرے سے باہر ہے۔" ڈاکٹر نے آکے نئی روح پھونکی تھی۔ وہ سب خوشی کے مارے چیخ اٹھے تھے۔



اسپتال کے کمرہ نمبر 59 میں موجود سب لوگوں کے چہروں پر مسکراہٹ تھی۔ فاطمہ اور لائبہ دونوں پاپا کے دائیں بائیں بیٹھی تھیں۔ بابا جان' آغا جان' زاہدہ پھپھو' عمر تایا' سب ہنس رہے تھے۔ غلط فہمیاں دور ہو چکی تھیں۔ فاطمہ کو بھی پتا چل گیا تھا کہ شاہ زر اور اس کے گھر والوں کا ظرف کتنا بڑا تھا جو وہ سکندر انکل کی موت کو بھلا کر پاپا کو معاف کر چکے تھے۔ اور پاپا' وہ خوش تھے' بے حد خوش۔ جس سکون کی اسے تلاش تھی' وہ اب فاطمہ کو اپنے اندر تک اترتا محسوس ہو رہا تھا۔

"بس تم اب جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ محمد علی تاکہ میں اپنی فاطمہ کو اپنے گھر لے جاؤں۔" زاہدہ پھپھو محبت پاش نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ اس نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔ "پاپا اکیلے ہو جائیں گے'

لائبہ کی بھی۔ شادی ہوجائے گی' میری بھی۔" اس نے سوچا پھر ایک دم ایک خیال آیا۔

"جی بابا' آپ جلدی سے ٹھیک ہوجائیں تاکہ ہم اپنی نئی مما کو گھر لے آئیں۔" فاطمہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر دھماکا کیا' سب چونک اٹھے۔

"نئی مما!"

"جی نئی مما' مطلب سلمیٰ آنٹی۔ بس بہت اکیلے رہ لیے آپ دونوں۔" اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ایک لمحے کے لیے سب حیران ہوئے پھر باباجان نے اٹھ کر اسے گلے لگالیا' سب پھر سے مسکرا دیے۔

"ہاں ہاں ضرور۔" زاہدہ پھپھو جوش سے بولیں۔ بابا شرمندگی سے آنکھیں جھکا گئے۔

"نہیں۔ میں اس کے لائق نہیں۔" انہوں نے آہستہ سے کہا مگر آغا جان نے ہاتھ ان کے منہ پر رکھ دیا۔

"ہمیشہ تمہیں داماد کے روپ میں دیکھا اور تم ہی داماد بنو گے۔" وہ بولے تو سب نے سرہلایا۔ فاطمہ نے ادھر ادھر دیکھا' وہ وہاں نہیں تھا۔ وہ اٹھ کر باہر آگئی' وہ وہیں تھا کوریڈور میں۔

"ناراض ہو ناں۔" وہ پاس جاکر بولی۔ شاہ زر نے دیکھا تک نہیں اور منہ پھیرلیا۔

"آئم سوری۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ مگر وہ نہیں مڑا۔

"شاہ زر پلیز۔ پلیز۔" وہ بولی۔ لیکن مقابل پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

"میں چھوٹو نہیں ہوں' جب تم سے ملا تو تم مجھے اچھی لگیں۔ میرے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ تم میری کزن ہو۔ میں اپنی پوری رضامندی کے ساتھ تمہاری طرف بڑھا مگر پھر جب تم باباجان سے ملیں۔ تب مجھے باباجان نے بتایا' میں اور بھی خوش ہوگیا کہ تم ہی میری زندگی میں آؤ گی۔ میں تمہیں بتانا چاہتا تھا مگر وقت نہ ملا اور تم نے۔" وہ بولتے بولتے رک گیا۔ آنسو فاطمہ کے گالوں پر تھے۔

"مجھے پتا ہے میں بہت بری ہوں۔ میں۔" اس نے کہنا چاہا' شاہ زر نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

"جیسی بھی ہو' میری ہو۔ میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہوسکتا کبھی بھی نہیں۔ رونا بند کرو۔ اینڈ اسمائل۔" اس کی نرمی لوٹ آئی تھی۔ وہ روتے روتے ہنس پڑی' وہ بھی ہنس دیا۔



نمرہ احمد



فارس غازی انٹیلی جنس کے اعلا عہدے پر فائز تھا۔ فارس غازی اپنے سوتیلے بھائی وارث غازی اور اپنی بیوی کے قتل کے الزام میں چار سال سے جیل میں قید ہے۔ سعدی یوسف غازی کا بھانجا ہے جو اپنے ماموں فارس غازی سے جیل میں ہر ہفتے ملنے آتا ہے۔

سعدی یوسف تین بہن بھائی ہیں' ان کے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ سعدی یوسف کی والدہ نے کڑی مشقت کر کے بچوں کی پرورش کی ہے' حنین اور اسامہ' سعدی سے چھوٹے ہیں۔ ان کی والدہ ایک چھوٹا سا ریسٹورنٹ چلاتی ہیں۔ زمر' سعدی یوسف کی پھپھو ہے۔ وہ چار سال قبل فائرنگ کے ایک واقعہ میں زخمی ہو جاتی ہے۔ فائرنگ کا الزام فارس غازی پر ہے۔ فارس غازی کو شک تھا کہ اس کی بیوی اس کے بھائی کے ساتھ انوالو ہے۔ اس نے جب فائرنگ کی تو زمر اس کی بیوی کے ساتھ تھی فائرنگ کے نتیجہ میں بیوی مرجاتی ہے اور زمر شدید زخمی ہو جاتی ہے۔ ایک انگریز عورت اپنا گردہ دے کر اس کی جان بچاتی ہے۔ فارس غازی' سعدی یوسف کا ماموں ہے۔ اسے یقین ہے کہ اس کا ماموں بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا گیا ہے۔ اس لیے وہ اسے بچانے کی کوشش کرتا ہے' جس کی بنا پر زمر اپنے بھتیجے سعدی یوسف سے بدظن ہو جاتی ہے۔ بدظن

ہونے کی ایک اور بڑی وجہ یہ ہے کہ زمر جب موت و زندگی کی کشمکش میں ہوتی ہے تو سعدی اس کے پاس نہیں ہوتا۔ وہ اپنی پڑھائی اور امتحان میں مصروف ہوتا ہے۔

جواہرات کے دو بیٹے ہیں۔ ہاشم کاردار اور نوشیرواں۔

ہاشم کاردار بہت بڑا وکیل ہے.... ہاشم اور اس کی بیوی شہرین کے درمیان علیحدگی ہو چکی ہے۔ ہاشم کاردار کی ایک بیٹی سونیا ہے۔ جس سے وہ بہت محبت کرتا ہے۔ ہاشم سونیا کی سالگرہ دھوم دھام سے منانے کی تیاریاں کر رہا ہے۔

فارس غازی' ہاشم کاردار کی پھپھو کا بیٹا ہے۔ جیل جانے سے پہلے وہ ہاشم کے گھر میں جس میں اس کا بھی حصہ ہے' رہائش پذیر تھا۔ سعدی کی کوششوں سے فارس رہا ہو جاتا ہے۔

چیف سیکریٹری آفیسر خاور ہاشم کو اس کے کمرے کی فوٹیج دکھاتا ہے۔ جس میں سعدی کمرے میں جاتے ہوئے نظر آتا ہے' ہاشم خاور کے ساتھ بھاگتا ہوا کمرے میں پہنچتا ہے' لیکن سعدی پکڑ میں آئے بغیر وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

نوشیرواں ایک بار پھر ڈرگز لینے لگتا ہے اس بات پر جواہرات فکر مند ہے۔

حنین اپنے اور سیم کے مشترکہ کمرے میں آتی ہے جب الماری کھولتی ہے تو اس کی نظر سنہری مخملیں ڈبے پر پڑتی ہے تو اس کے اندر ایک لاکٹ رکھا تھا۔ اس کی زنجیر میں سیاہ ہیرے کی شکل کا پتھر پرویا تھا جس کے اوپر سنہرے حروف میں "اینسس ایور آفٹر" کندہ تھا۔ یہ سعدی کی چین کا جڑواں تھا۔

سعدی زمر سے ایک رشتے دار کی شادی میں جانے کا پوچھتا ہے۔ جس میں زمر کا سابق منگیتر حماد بھی آئے گا۔ زمر سعدی سے کہتی ہے کہ اگر وقت ملا تو وہ شادی میں جائے گی یہ بات جب بڑے ابا کو پتا چلتی ہے تو وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔

مکمل ناول



سارہ آفس جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی کہ فارس آجاتا ہے۔ فارس سارہ سے پوچھتا ہے کہ کیا اس کے خیال میں اس نے ہی وارث کو قتل کیا تھا؟ سارہ جواب میں کہتی ہے کہ اسے یقین ہے کہ اسے پھنسایا گیا تھا۔

ہاشم کی سیکریٹری کال کرکے اسے بتاتی ہے کہ آج سعدی اپنی مصروفیت کی بنا پر نہیں آرہا۔ وہ سمجھ جاتا ہے کہ سعدی کو جب تک کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ملے گا' وہ اس سے ملاقات کو یونہی ٹالتا رہے گا۔

ہاشم سعدی کو فون کرتا ہے کہ کیا ہم اچھے وقتوں میں واپس جاسکتے ہیں! جب تم مجھے دل سے ہاشم بھائی کہتے تھے۔ ہاشم کی بات پہ سعدی "شاید نہیں" کہہ کر کال کاٹ دیتا ہے۔

دوسری طرف سعدی لیپ ٹاپ پہ فائلز کھولنے کی کوشش کرتا ہے لیکن فائلز ڈیمج ہو جاتی ہیں۔ سعدی پریشان ہو کر سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیتا ہے۔ اس وقت سعدی اپنے ماضی کے اچھے وقتوں کی یادوں میں کھو جاتا ہے۔ وہ سب باتیں یاد آنے لگتی ہیں جب ہاشم کو دل سے بھائی کہتا تھا اور جواہرات کے دل میں اس نے کس طرح اپنی جگہ بنائی تھی اور نوشیرواں سے بھی اس کی اس وقت دوستی ہو گئی تھی۔ ماضی کے تمام واقعات ایک ایک کرکے سعدی کے سامنے کسی کہانی کے کرداروں کی طرح گھوم رہے تھے۔

بعد میں سعدی لیپ ٹاپ پہ فائلز کھولنے کی کوشش کرتا ہے لیکن فائلز ڈیمج ہو جاتی ہیں۔

سعدی حنین کو بتاتا ہے کہ وہ گیم کے ہائی اسکورز کی فہرست میں پہلے نمبر پر نہیں ہے' حنین حیران ہو کر اپنی گیم والی سائٹ کھول کر دیکھتی ہے تو پہلے نمبر "آنس ایور آفٹر" لکھا ہوتا ہے۔ وہ علیشا ہے ورجینیا سے۔ حنین کی علیشا سے دوستی ہو جاتی ہے۔

اب کہانی ماضی میں آگے بڑھ رہی ہے۔ فارس' زمر سے لاء کی کچھ کلاسز لیتا ہے۔ ندرت اس سے شادی کا پوچھتی ہیں۔ وہ لاپروائی سے زمر کا نام لے لیتا ہے۔ ندرت خوش ہو کر ابا سے بات کرتی ہیں۔ ان کی ساس فارس کو اجڈ اور بدتمیز سمجھتی ہیں اور اس کے مقابلے میں فہد سے زمر کی بات طے کردیتی ہیں۔ وارث غازی' ہاشم کے خلاف منی لانڈرنگ کیس کے پر کام کر رہا ہے۔ اس کے پاس مکمل ثبوت ہیں۔ اس کا باس فاطمی ہاشم کو خبردار کردیتا ہے۔ ہاشم' خاور کی ڈیوٹی لگاتا ہے کہ وہ وارث کے پاس موجود تمام شواہد ضائع کرے۔ وارث کے ہاسٹل کے کمرے میں خاور اپنا کام کر رہا ہے۔ جب وارث ریڈ سگنلز ملنے پر اپنے کمرے میں جاتا ہے۔ پھر کوئی راستہ نہ ہونے کی صورت میں بہت مجبور ہو کر ہاشم' خاور کو وارث کو مار دینے کی اجازت دے دیتا ہے۔ دوسری صورت میں وارث' فارس کو وہ سارے شواہد میل کردیتا۔ وارث کے قتل کا الزام ہاشم' فارس پہ ڈلواتا ہے۔

زرتاشہ کو قتل اور زمر کو زخمی کرنا بھی فارس کو وارث کے قتل کے الزام میں پھنسانے کی ہاشم اور خاور کی منصوبہ بندی ہوتی ہے۔ وہ دونوں کامیاب ٹھہرتے ہیں۔ 'زرتاشہ مر جاتی ہے۔ زمر زخمی حالت میں فارس کے خلاف بیان دیتی ہے۔ فارس جیل چلا جاتا ہے۔ سعدی زمر کو سمجھاتا ہے کہ فارس ایسا نہیں کر سکتا۔ اسے غلط فہمی ہوئی ہے۔ زمر کہتی ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتی اور اپنے بیان پر قائم رہتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ زمر کی ناراضی کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ وارث کے قتل کے وقت بھی اس کی شادی لیٹ ہو جاتی ہے اور وہ اپنی شادی روک کر فارس کے لیے مقدمہ لڑتی ہے۔ اب وہی شخص اپنے اس قتل کو چھپانے کے لیے اسے مارنا چاہتا ہے۔ وہ بظاہر اتفاقاً "بچ جاتی ہے مگر اس کے دونوں گردے ضائع ہو جاتے ہیں۔ اور اس حادثے کی صورت اس کی شادی ٹوٹ جاتی ہے۔

حنین کی نیٹ فرینڈ علیشا دراصل اورنگ زیب کی بیٹی ہے جسے وہ اور ہاشم تسلیم نہیں کرتے۔ وہ باقاعدہ منصوبہ بندی کرکے حنین سے دوستی کرتی ہے اور پڑھائی کے لیے کاردار سے پیسے کے لیے غیر قانونی پاکستان آتی ہے۔ مگر ہاشم اس سے بہت برے طریقے سے پیش آتا ہے اور کوئی مدد نہیں کرتا۔ زرتاشہ اور زمر کے قتل کے وقت فارس اور حنین وارث کیس کی ایل بی ائی کے سلسلے میں علیشا کے پاس ہی ہوتے ہیں مگر علیشا ہاشم کی وجہ سے کھل کر ان کی مدد کرنے سے قاصر ہے۔

زمر فیصلہ کرچکی تھی کہ وہ فارس کے خلاف بیان دے گی۔ گھر میں اس فیصلے سے کوئی بھی خوش نہیں' جس کی بنا پر زمر کو

دکھ ہوتا ہے۔

جواہرات' زمر سے ملنے آتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ فارس کے خلاف بیان دے۔ وہ زمر کے ساتھ ہے' اسی وقت زمر کا منگیتر اس کو دیکھنے آتا ہے۔ اس کی ہونے والی ساس یہ رشتہ ختم کرنا چاہتی ہے۔ جواہرات اس کے منگیتر کو اپنی گاڑی میں بٹھالیتی ہے اور اسے آسٹریلیا بھجوانے کی آفر کرتی ہے۔

سعدی' فارس سے ملنے جاتا ہے تو وہ کہتا ہے ہاشم اس قسم کا آدمی ہے جو قتل بھی کر سکتا ہے اور وہ فارس سے مخلص نہیں ہے۔

سعدی کو پتا چلتا ہے کہ اسے اسکالرشپ نہیں ملا تھا۔ زمر نے اپنا پلاٹ بیچ کر اس کو باہر پڑھنے کے لیے رقم دی تھی۔ اسے بہت دکھ ہوتا ہے۔

زمر کو کوئی گردہ دینے والا نہیں ملتا تو سعدی اسے اپنا گردہ دے دیتا ہے۔ وہ یہ بات زمر کو نہیں بتاتا۔ زمر بدگمان ہو جاتی ہے کہ سعدی اس کو اس حال میں چھوڑ کر اپنا امتحان دینے ملک سے باہر چلا گیا۔

سعدی' علیشا کو راضی کرلیتا ہے کہ وہ یہ کہے گی کہ وہ اپنا گردہ زمر کو دے رہی ہے' کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر زمر کو پتا چل گیا کہ گردہ سعدی نے دیا ہے تو وہ کبھی سعدی سے گردہ لینے پر رضامند نہیں ہوگی۔

ہاشم حنین کو بتادیتا ہے کہ علیشا نے اورنگ زیب کاردار تک پہنچنے کے لیے حنین کو ذریعہ بنایا ہے۔ حنین اس بات پر علیشا سے ناراض ہو جاتی ہے۔

ہاشم' علیشا کو دھمکی دیتا ہے کہ وہ اس کی ماں کا ایکسیڈنٹ کروا چکا ہے اور وہ اسپتال میں ہے۔ وہ علیشا کو بھی مروا سکتا ہے۔ وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ اور اس کی ماں بھی امریکن شہری ہیں۔

جواہرات' زمر کو بتاتی ہے کہ زمر کا منگیتر حماد شادی کر رہا ہے۔

فارس کہتا ہے کہ وہ ایک بار زمر سے مل کر اس کو بتانا چاہتا ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا جا رہا ہے۔ وہ ہاشم پر بھی شبہ ظاہر کرتا ہے' لیکن زمر اس سے نہیں ملتی۔

ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی اس کے کمپیوٹر سے ڈیٹا چرا کرلے جا چکا ہے۔ وہ جواہرات سے کہتا ہے کہ زمر کی شادی فارس سے کرانے میں خطرہ ہے' کہیں وہ جان نہ جائے کہ فارس بے گناہ ہے' لیکن وہ مطمئن ہے۔ جواہرات' زمر کو بتاتی ہے کہ فارس نے اس کے لیے رشتہ بھجوایا تھا' جسے انکار کردیا گیا تھا۔ زمر کو یقین ہو جاتا ہے کہ فارس نے اسی بات کا بدلہ لیا ہے۔ زمر' جواہرات کے اکسانے پر صرف فارس سے بدلہ لینے کے لیے اس سے شادی پر رضامند ہو جاتی ہے۔

ڈیڑھ ماہ قبل ایک واقعہ ہوا تھا جس سے سعدی کو پتا چلا کہ ہاشم مجرم ہے۔

ہوا کچھ یوں تھا کہ نوشیرواں نے ایک ڈراما کیا تھا کہ وہ کوریا میں ہے اور اغوا ہو چکا ہے۔ تاوان نہ دیا گیا تو وہ لوگ اس کو ماردیں گے۔

ہاشم' حنین اور سعدی کو آدھی رات کو گھر بلاتا ہے اور ساری سچویشن بتا کر اس سے پوچھتا ہے' کیا اس میں علیشا کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔

وہ حنین سے کہتا ہے کہ تم اس کے بارے میں پتا کرو۔ حنین کمپیوٹر سنبھال لیتی ہے۔ سعدی اس کے ساتھ بیٹھا ہوتا ہے۔ تب ہی ہاشم آکر اپنا سیف کھولتا ہے تو سعدی کی نظر پڑتی ہے۔ اس کو جو کچھ نظر آتا ہے۔ اس سے اس کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔

اس میں وارث کی بیٹیوں کی تصویر ہوتی ہے۔ جو وارث ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ وہ ہاشم کے سیف کے کوڈ آئینے میں دیکھ لیتا ہے اور کمرے سے اس کے جانے کے بعد سیف کھولتا ہے۔ اس سے ایک لفافہ ملتا ہے' جس میں اس ریسٹورنٹ میں فائرنگ کے فوراً" بعد کی تصویر ہوتی ہے' جس میں زمر خون میں لت پت نظر آتی ہے اور ایک فلیش ڈرائیو بھی ملتی ہے۔

تب اسے پتا چلتا ہے کہ ہاشم مخلص نہیں تھا۔ یہ قتل اسی نے کرایا تھا۔

حنین' نوشیرواں کی پول کھول دیتی ہے' وہ کہتی ہے کہ نوشیرواں پاکستان میں ہی ہے اور اس نے پیسے اینٹھنے کے لیے اغوا کا ڈراما رچایا۔
سعدی وہ فلیش سنتا ہے تو سن رہ جاتا ہے۔ وہ فارس کی آواز کی ریکارڈنگ ہوتی ہے۔ جس میں وہ زمر کو دھمکی دیتا ہے۔
سعدی بار بار سنتا ہے تو اسے اندازہ ہوجاتا ہے کہ یہ جعلی ہے۔ وہ فارس کے وکیل کو فارغ کردیتا ہے۔ جو ہاشم کا آدمی تھا۔
سعدی' زمر کے پاس ایک بار پھر جاتا ہے اور اسے قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ فارس بے گناہ ہے۔ وہ کہتا ہے اس میں کوئی تیسرا آدمی بھی ملوث ہوسکتا ہے۔
"مثلاً" کون؟" زمر نے پوچھا۔
"مثلاً".... مثلاً "ہاشم کاردار...." سعدی نے ہمت کرکے کہہ ڈالا۔ زمر سن سی ہوگئی۔
زمر کو ہاشم کاردار کے ملوث ہونے پر یقین نہیں آتا سعدی زمر سے کسی اچھے وکیل کے بارے میں پوچھتا ہے تو وہ ریحان خلجی کا نام لیتی ہے۔ سعدی فارس کا وکیل بدل دیتا ہے۔
حنین علیشا کو فون کرتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ وہ جیل میں ہے کیونکہ اس نے چوری کی کوشش کی تھی۔
ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی نے وہ آڈیو حاصل کرلی ہے جس میں فارس کا جعلی فون ٹیپ ہے لیکن وہ مطمئن ہے کہ جج تو ان کا ہے۔
ہاشم کی بیوی شہرین ایک کلب میں جوا کھیلتی ہے اس کی سی سی ٹی وی فوٹیج ان کے کیمروں میں ہے۔ اسے غائب کرانے کے لیے سعدی کی مدد لیتی ہے۔
ریحان خلجی عدالت میں زمر کو لاجواب کردیتا ہے۔ یہ بات فارس کو اچھی نہیں لگتی۔
فارس جیل سے نکلنا چاہتا ہے لیکن اس کا ساتھی غلطی سے زمر کو اس میں استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ زمر کا غصہ فارس کے خلاف مزید بڑھ جاتا ہے۔
زمر فارس سے ملتی ہے تو فارس کہتا ہے کہ ایک بار وہ اس کے کیس کو خود دیکھے۔ فارس کہتی ہے کہ وہ زمر سے معافی نہیں مانگے گا۔
جیل سے علیشا حنین کو خط لکھتی ہے وہ حنین سے کہتی ہے تم میں اور مجھ میں ذہانت کی علاوہ ایک اور چیز مشترک ہے وہ ہے' ہماری برائی کی طرف مائل ہونے والی فطرت۔ اس لیے کسی کی کمزوری کو شکار مت کرنا۔ گناہ مت کرنا ورنہ کفارے دیتے عمر بیت جائے گی۔
حنین کو اپنا ماضی یاد آجاتا ہے۔ جب اس نے کسی کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا تھا اور وہ شخص صدمہ سے دنیا سے رخصت ہوگیا تھا۔ وہ کفارہ کے لیے آگے پڑھنے سے انکار کردیتی ہے۔ وہ سعدی کو یہ ساری بات بتاتی ہے تو سعدی کو شدید صدمہ ہوتا ہے۔
اورنگ زیب نوشیرواں کو عاق کرنا چاہتے ہیں۔ یہ جان کر جواہرات غصہ سے پاگل ہوجاتی ہے۔ وہ اورنگ زیب کو قتل کردیتی ہے اور ڈاکٹر سے مل کر اسے بلیک میل کرکے پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی اپنی مرضی کی حاصل کرلیتی ہے۔
زمر' فارس کی طرف سے مشکوک ہے۔ وہ اسے تہ خانے میں بنے کمرے میں جانے سے منع کرتا ہے لیکن زمر نہیں مانتی' وہ کمرے میں جاتی ہے تو وہ دیوار پر کچھ تصویریں لگی دیکھتی ہے' یہ وہ لوگ ہیں جو فارس کے مجرم ہیں۔
جسٹس سکندر (فارس کے کیس کے جج) وارث غازی کا باس الیاس فاطمی' ڈاکٹر توقیر بخاری' ڈاکٹر ایمن بخاری (فارس کی سائیکالوجسٹ) اور دوسرے لوگ.... فارس کہتا ہے کہ وہ ان سب سے اپنے ساتھ کی گئی ناانصافی کا انتقام لے گا۔
سعدی جب نوشیرواں سے ملنے جاتا ہے تو ڈاکٹر سارہ کو ساتھ لے جاتا ہے۔ سعدی کو امید ہے کہ ڈاکٹر سارہ نے سب کو بتادیا ہوگا۔

ہاشم نے حنین سے وہ یو ایس بی مانگی جو سعدی نے اس کے لیپ ٹاپ سے چرائی تھی۔ حنین نے دے دی تو زمر اور فارس کو بہت غصہ آتا ہے لیکن حنین بتاتی ہے کہ اس نے اصلی یو ایس بی نہیں دی تھی۔
ہارون عبید مشہور سیاست دان جو اہرات کے حسن کے اسیر ہیں۔ وہ ایک اسے ہیرا تحفہ میں دیتے ہیں۔ زمر احمر کو اپنا کوئی کام کرنے کے لیے کہتی ہے۔ احمر ہارون عبید کی الیکشن کمپین چلا رہا ہے۔ آب دار ہارون عبید کی بیٹی ہے، جو سعد کے ساتھ پڑھتی رہی ہے۔
فارس، زمر سے کہتا ہے کہ اس نے تین وجوہات کی بنا پر زمر سے شادی کی ہے۔
(1) زمر کے والد کے احسانات (2) شادی کر کے وہ سب کو یہ تاثر دینا چاہتا ہے، وہ سب کچھ بھول کر نئی زندگی شروع کر چکا ہے۔
تیسری وجہ وہ زمر کے اصرار کے باوجود نہیں بتاتا۔
حنین ہاشم کے بارے میں زمر کو بتا دیتی ہے۔ زمر کسی تاثر کا اظہار نہیں کرتی لیکن اسے ہاشم پر بہت غصہ ہے۔ زمر اسے اپنے جرم کے بارے میں بتاتی ہے تو زمر کہتی ہے کہ ایک اوسی پی ایک معمولی سی لڑکی کو دھمکی سے بلیک میل نہیں ہو سکتا۔ اس کی موت کسی اور وجہ سے ہوئی ہے۔
سعدی کی یاد میں ایک تقریب منعقد کی گئی ہے، جہاں احمر شفیع، ڈاکٹر ایمن بخاری اور ڈاکٹر توقیر بخاری بھی شریک ہیں۔
زمر اور فارس، حنین کو تقریر کرنے کا کہہ کر باہر نکل آتے ہیں۔
ڈاکٹر ایمن بخاری اور ڈاکٹر توقیر بخاری کا نیا تعمیر شدہ شان دار اسپتال جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔ فارس اور زمر واپس تقریب میں آجاتے ہیں۔
حنین اور زمر، ہاشم کی سیکرٹری حلیمہ کا نام سن کر چونک جاتی ہیں۔

ہاشم، سعدی سے کہتا ہے کہ حنین اس کے کہنے پر اس سے ملنے ہوٹل آرہی ہے۔ سعدی پریشان ہو جاتا ہے، پھر ہاشم اس کو فون پر حنین کا پروفائل دکھاتا ہے، تب وہ جان لیتا ہے کہ حنین چھ منٹ پہلے قرآن پاک کی وہ آیت پڑھ چکی ہے جو اس نے اپنے کمپیوٹر میں لوڈ کی تھی۔ سعدی پورے یقین سے کہتا ہے کہ "حنین ہاشم سے ملنے نہیں آئے گی۔" اور واقعی ایسا ہی ہوتا ہے۔ ہاشم تلملا کر رہ جاتا ہے۔
جسٹس سکندر کی ایک ویڈیو جس میں وہ اوسی پی کو قتل کر رہے ہیں۔ ٹی وی چینلز پر چل جاتی ہے۔ یہ وہی ویڈیو ہے، جو سعدی نے اوسی پی کے گھر سے حاصل کی تھی۔
زمر ڈاکٹر کے پاس جاتی ہے تو اس کو پتا چلتا ہے کہ اس کا واحد گردہ، جو سعدی نے دیا تھا۔ ناکارہ ہو چکا ہے۔

اکیسویں قسط

کافر۔ ماکر۔ کاذب۔ قاتل

تمہیں جنگ میں کامیابی ملے گی صرف مکاری سے!

سو تم خود کو رکھنا ہوا کی مانند تیز۔۔۔
اور جنگل کی مانند گھنا۔۔۔
جھپٹنا آگ کی لپٹ کی طرح۔۔۔
اور جم کر کھڑے ہونا پہاڑ کی طرح۔۔۔

اپنے منصوبوں کو پُراسرار رکھنا، رات کی طرح
اور جب چلو تو بجلی کی کڑک کی طرح گرنا
جب مضبوط ہو تو خود کو کمزور ظاہر کرنا
اور جب کمزور ہو تو خود کو مضبوط ظاہر کرنا۔
دشمن کو لڑے بغیر جیت کر دینا ہی بہترین فتح ہے!
فتح یاب جنگجو پہلے جنگ کو جیت لیتے ہیں
اور پھر اس جنگ کو شروع کرتے ہیں۔

شکست خوردہ لوگ پہلے جنگ شروع کرتے ہیں اور پھر اسے جیتنے کی کوشش کرتے ہیں۔
ساری جنگی حکمت عملی منحصر ہے فریب کاری پہ
تب حملہ کرو جب لگے کہ نہیں کر سکتے۔
جب قوت استعمال کر رہے ہو تو لگے کہ تم جامد بیٹھے ہو
جب قریب پہنچ چکو تو خود کو دور ظاہر کرو
اور جب دور ہو تم
تو یقین دلاؤ اسے کہ تم ہو بہت قریب!
اگر اس کی طاقت تم سے کہیں زیادہ ہے تو اس سے اعراض برتو۔
اگر وہ غصیلا ہے تو اس کو چھیڑو۔
خود کم کمزور ظاہر کرو تاکہ وہ غرور میں بڑھتا جائے۔
اگر اس کی فوجیں متحد ہیں تو ان کو توڑو
اس پہ تب حملہ کرو جب وہ تیار نہ ہو
اور وہاں سے کرو جہاں تمہارے ہونے کا اسے گماں تک نہ ہو۔
صرف وہ جیتے گا جنگ
جو جانتا ہے کہ کب ہے لڑنا!
اور کب ہے نہیں لڑنا۔

(The Art of war)Sun Tzu

چند ساعتوں کے لیے ہم ماہ کامل کی رات میں واپس جاتے ہیں۔

کرنل خاور کو بے ہوش کر کے اس کے پیسے 'اسلحہ اور پاسپورٹ چرا کر سعدی یوسف اب تیز تیز سڑک کنارے چلتا جا رہا تھا۔ بار بار احتیاط سے پیچھے مڑ کر دیکھتا۔ سوتے جاگتے 'شہر میں کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ ذرا دور جا کر اس نے ایک ٹک ٹک رکشہ روکا' اور اس میں سوار ہو گیا۔ "بلرز لین۔" اس نے فوراً" سے پتا بتایا۔

کوئی آدھے گھنٹے بعد وہ اسے پاکستانی سفارت خانے سے چند فرلانگ دور اتار گیا۔ وہ ٹک ٹک سے اترا' اور دور۔۔۔ کافی دور تک نظر آتی سفارت خانے کی عمارت کو دیکھا۔ سفید اونچے محل جیسی عمارت جس کے سامنے سرسبز لان بنا تھا۔ وہ اس اجنبی ملک میں پاکستان کی سرزمین کا واحد ٹکڑا تھی' جس پہ سری لنکن قانون نہیں چل سکتے تھے' وہ ایک دفعہ اس میں داخل ہو جائے تو سری لنکن پولیس اسے چھو بھی نہیں سکتی تھی۔ اسٹریٹ میں لوگ 'ٹریفک' روشنیاں' سب جاگ رہے تھے۔

سعدی کی نگاہیں عمارت سے ہٹ کر سڑک پہ پھسلیں۔ کونے میں درخت کے ساتھ ایک سیاہ وین پارکڈ تھی۔ پرلے کونے میں ایک آدمی کھڑا موبائل پہ بات کر رہا تھا۔

وہ ہاشم کا آدمی تھا کیا؟ وہ سفارت خانے جائے گا' سب کو اندازہ تھا۔ اس کی تاک میں بیٹھے ہوں گے وہ لوگ۔ وہ ایک ایک چہرے کو دیکھتا۔ ہر شخص مشکوک تھا' ڈرا رہا تھا۔

اس سفارت خانے میں بھی ان کا ڈھانے کے لیے بہت سے دیسی بھیدی ہوں گے ہی۔

سعدی واپس رکشہ میں بیٹھا اور اسے چلنے کو کہا۔ بیگ سینے سے لگائے' اب وہ سمٹ کر بیٹھا تھا۔ محتاط' قدرے ڈرا ہوا۔ اب وہ کیا کرے گا؟ کچھ علم نہیں تھا۔ خاور کو گرانا تو پلان کیا تھا' مگر اس سے آگے نہیں۔

ٹک ٹک نے اسے ایک ہوٹل کے کنارے اتارا۔ وہ چند منٹ ادھر کھڑا رہا۔ (کیا ان کو معلوم نہیں ہو گا کہ وہ کسی ہوٹل جائے گا؟) وہ مڑ گیا اور اسٹریٹ میں آگے چلتا گیا' چلتا گیا' یہاں تک کہ ٹانگیں تھک گئیں اور سانس تیز چڑھ گیا تو وہ رکا۔ یہ ایسی جگہ تھی جہاں سے سمندر کی لہروں کا شور سنائی دیتا تھا۔ سمندر۔۔۔ جو انسان کے دل جیسا ہوتا ہے' کبھی پرسکون' کبھی اضطراب سے ٹھاٹھیں مارتا۔۔۔ ہر پل بدلتا۔۔۔

وہ مین روڈ سے اتر کر ساحل تک آگیا۔ ساحل کا یہ حصہ سنسان پڑا تھا۔ اوپر پورا چاند خاموشی سے بادلوں کے بیچ نیم دراز گویا ٹیک لگا کر بیٹھا' نیچے بہتے سمندر کو کھینچ رہا تھا۔ ٹھاٹھیں مارتا شور۔۔۔ چیختی چنگھاڑتی' کئی

کئی فٹ بلند ہوتی لہریں، اور پھر واپس پسپا ہوتا پانی۔۔۔

وہ ایک طرف آگیا جہاں چٹانیں اور پتھر پڑے تھے۔ بیگ اتار کر نیچے رکھا، اور ٹیک لگا کر وہیں بیٹھ گیا۔ ٹھنڈ بھی تھی، اوپر سے پورا جسم نمی کا شکار ہونے لگا تھا۔ اس نے سر پتھر سے ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ اور نیند تو سولی پہ بھی آہی جاتی ہے، وہ سولی سے گزر کر آیا تھا، سو دھیرے دھیرے اس کا جسم ڈھیلا پڑتا گیا۔ ذہن نیند میں ڈوبتا گیا۔

اس کی آنکھ جانے کس آواز سے کھلی تھی۔ ایک دم وہ ہڑبڑا کر اٹھا۔ اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ بیگ کو دیکھا۔ سب ٹھیک تھا۔ مگر۔۔۔ اس نے چہرہ اٹھایا۔۔۔ ایک چیز غلط تھی۔ سورج نکل آیا تھا۔

سامنے افق پہ سنہری تھال اتنا چمکیلا، آگ برسا رہا تھا، کہ سعدی کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اس نے فوراً" چہرہ ہاتھوں میں گرا لیا۔ صبح روشن تھی اور ٹریفک پیچھے سڑک پہ رواں دواں تھی۔ رش، لوگ، آوازیں۔ اس نے ہر چیز کے لیے خود کو تیار کیا تھا۔ سوائے ایک کے۔

سورج! جو اس نے آٹھ ماہ سے نہیں دیکھا تھا۔ 21 مئی سے 21 جنوری۔۔۔ پورے آٹھ ماہ۔۔۔

سعدی بدحواسی سے اٹھا، بیگ اٹھایا اور سڑک کی طرف بھاگا۔ سورج اس کی پشت پہ آگ برسا رہا تھا، گویا پیچھا کر رہا ہو اور وہ خوف زدہ سا آگے بھاگتا جا رہا تھا۔ ہاتھ پیر عجیب سی سنسنی کا شکار تھے۔ سردی میں بھی پسینے آ رہے تھے۔ وہ رکا نہیں۔ ہر طرف روشنی تھی۔ تیز روشنی۔ یوں جیسے ساری دنیا کے پردے ہٹ گئے ہوں گے۔ عیاں ہو گیا ہو سب۔ وہ دوڑتا گیا۔ سڑک کنارے۔۔۔ گلیوں میں۔۔۔ وہ تیز تیز بھاگتا گیا۔

اس سارے میں ایک بھی جگہ نہیں نظر آئی جہاں وہ رک سکے۔ جہاں وہ رکنے کا سوچے ہی۔ چونکنی مگر، خوف زدہ نظروں سے ادھر ادھر دیکھ کر چلتا وہ ایک جگہ بالآخر رک گیا۔

یہ ایک پرانا کارخانہ تھا جو بند پڑا تھا۔ اس کھنڈر کو نشئی لوگ اپنے قیام کے لیے استعمال کرتے تھے۔ وہ بھاگتا ہوا اندر داخل ہوا اور آگے بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ ایک بالکل اندرونی کمرے میں آرکا۔۔۔ جہاں سورج کی روشنی نہ پہنچتی تھی۔ گندا، میلا، کاٹھ کباڑ سے بھرا کمرہ۔۔۔ کچھ بھی برا نہیں لگا اسے۔ بس ہانپتا ہوا وہ جلدی سے نیچے ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ بالکل سکڑ سمٹ کر، خوف زدہ نگاہیں دروازے پہ جمائے۔۔۔ خاور کی پستول ہاتھ میں رکھ لی۔ کوئی آئے اور وہ اسے چلا دے۔

سعدی اگلے کئی گھنٹے اسی طرح بیٹھا رہا۔ جسم اکڑ گیا۔ پستول اب بھی ہاتھ میں تھی۔ چہرے پہ پسینہ تھا۔ ہر آہٹ پہ وہ چونک کر سیدھا ہوتا۔ پستول تان لیتا۔ مگر وہ ہوا کا کوئی کھٹکا ہوتا، یا نیچے بیٹھے نشئیوں کی آوازیں۔ کولمبو بالکل کراچی جیسا تھا۔ وہی ماحول، وہی آدھے صاف ستھرے پوش علاقے اور باقی اس کے برعکس۔



اپنی تعمیر اٹھاتے تو کوئی بات بھی تھی

تم نے اک عمر گنوادی میری مسماری میں
سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے کا دروازہ کھلا تھا۔ اندر اٹھا پٹخ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ فارس نے گاڑی سے نکلتے ہوئے سیل فون کو کان سے لگایا اور آستین کا خون آلود حصہ اندر کو موڑ لیا۔ آنکھیں چندھیا کر دور سنہرے آسمان پہ جمائے' وہ گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑا دوسری طرف جاتی گھنٹی سن رہا تھا۔

"ہاں فارس...!" ہاشم کا مصروف سا لہجہ سنائی دیا۔

"آفس میں ہو؟ آجاؤں؟" کان کی لو مسلتے ہوئے اس نے سادگی سے پوچھا۔

"میں کولمبو میں ہوں۔ کہو' کیا ہوا؟"

"اوہ... تم سے کام تھا۔ خیر' تم آؤ تو بات کرتے ہیں۔" وہ گویا فون رکھنے لگا۔

"میرے آئے بغیر' میری ایک کال پہ بھی یہاں سو کام ہو جاتے ہیں۔ تم بولو۔" ہاشم محتاط انداز میں غور سے سن رہا تھا۔ اپنے سوئیٹ کے صوفے پہ بیٹھا' گرے سوٹ میں ملبوس' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' وہ پوری طرح تیار تھا۔ اگر سعدی یوسف نے اسے فون کیا ہے تو...؟

"تم نے ایک دفعہ پیشکش کی تھی کہ اگر مجھے نوکری چاہیے تو تم سے..."

"تم میرے پاس کام کرنا چاہتے ہو؟"

"نہیں' تمہارا زیادہ احسان نہیں لینا چاہتا۔" اکھڑ انداز میں بولا۔ "مگر کراچی میں جو تمہارا دوست ہے... ادریس الطاف... سنا ہے اس کو سیکیورٹی میں کسی آدمی کی ضرورت ہے۔ اگر تم اس سے بات کر لو۔ تو میں اس کے پاس چلا جاتا ہوں۔"

"تم کراچی جانا چاہتے ہو جاب کے لیے؟" ہاشم کو اس کے لہجے میں کچھ بھی غیر معمولی نہ لگا تھا۔ وہ عام انداز میں بات کر رہا تھا۔

"پھر اور کیا کروں؟"

"اچھا۔" ہاشم نے سوچنے کے لیے وقفہ لیا۔

"اگر نہیں کر سکتے تو مجھے بتا دو میں تمہارا احسان نہ ہی لوں تو بہتر ہے۔" وہ تلخی سے بولا۔ ہاشم نے گہری سانس لی۔

"فارس... ابھی ایسا کوئی کام نہیں بنا جو میں نہ کر سکوں۔ تم سمجھو کام ہو گیا۔" ذرا ٹھہرا اور مسکرایا۔ "مجھے خوشی ہوئی کہ تم نے مجھ سے کام کہا..."

"مجھے خوشی نہیں ہوئی۔ مجبوری نہ ہوتی تو نہ کہتا۔ میری بیوی کا..." وہ کہتے کہتے رک گیا۔ ہاشم نے ابرو اٹھایا۔

"کیا اس کی صحت کو کوئی مسئلہ ہے؟ تم بے فکر رہو ہماری کمپنی اس کے بلز پے کرتی رہے گی' ڈیڈ کی خواہش کے مطابق۔"

"وہ میری بیوی ہے ہاشم! اس کے بلز میں خود پے کرنا چاہتا ہوں۔ تم ادریس الطاف سے بات کرو' میں کل سے ہی کام پہ لگنے کو تیار ہوں۔" اس کے لہجے میں ہاشم کاردار نے بے چینی محسوس کی تھی۔ وہ مطمئن ہو گیا تھا۔

(وہ لوگ اپنے مسئلوں میں الجھے تھے۔ شاید زمر کی صحت پھر سے خراب ہونے لگی تھی۔ اسے افسوس ہوا' مگر اب اس کے بلز تو دے رہا تھا وہ' اور کیا کرتا۔ سعدی نے ان کو کال نہیں کی' اس کی تشفی ہو گئی تھی۔)

فون رکھتے ہی اس نے ادریس کو کال ملائی۔ علیک سلیک کے بعد وہ مدعا کی طرف آیا۔

"فارس غازی... میرا کزن ہے... وہ تمہارے پاس آئے گا' اور تم اس کو رکھ لو گے' چاہے تمہیں ضرورت ہو یا نہیں۔ اور پھر تم اس پہ نظر رکھو گے۔ وہ کیا کرتا ہے' کہاں جاتا ہے' کس سے ملتا ہے' پل پل کی رپورٹ چاہیے مجھے۔" سخت لہجے میں وہ دوسری طرف کسی کو سمجھا رہا تھا۔



ایسا نہیں کہ ہم کو محبت نہیں ملی
ہم جیسی چاہتے تھے وہ قربت نہیں ملی

فون بند کر کے فارس گھر کے اندر داخل ہوا تو مصروفیت سی ہر سو بکھری تھی۔ ندرت کچن سے

آوازیں دے رہی تھیں' حنین لاؤنج کے شیلف جوڑ رہی تھی' زمر کونے میں کھڑی استری اسٹینڈ پہ کپڑے پریس کر رہی تھی۔ (یقیناً" پچھلی رات وہ دونوں کہاں رہے' وہ ان کو مطمئن کر چکی تھی۔) فارس ذرا کھنکھارا۔ بڑے ابا نے اپنے دوائیوں کے باکس سے چہرہ سراٹھا کر اسے دیکھا' عینک کے پیچھے سے غور سے۔ وہ سامنے صوفے پہ آبیٹھا۔ باری باری سب کو دیکھا۔

زمر نے صرف اسے دیکھ کر ابرو اٹھائی (ڈاکٹر سے مل آئے؟)

فارس نے سر کو خم دے کر اشارہ کیا۔ (ہاں' سب ٹھیک ہے۔) پھر کچن سے آتی ندرت کی طرف متوجہ ہوا۔

"مجھے جاب مل گئی ہے۔"

سب رک کر اسے دیکھنے لگے' ندرت کے چہرے پہ خوشی اتری۔ اس کے قریب آکر بیٹھیں۔

"اللہ کا شکر ہے۔ یہ تو بہت اچھا ہوا۔ کہاں ملی ہے؟"

"کراچی۔ مجھے کل سے جوائن کرنا ہے۔"

زمر کے ہاتھ پہ استری لگی تھی۔ "سی۔" اس نے جلنے والی جگہ لبوں میں دبائی۔ ندرت کی رنگت پھیکی پڑی۔ حنین بھی فوراً" اس طرف گھومی۔

"آپ ہمیں چھوڑ کر چلے جائیں گے ماموں؟" بھنویں اکٹھی کر کے بولتی' وہ پریشان اور خفا دونوں تھی۔

"تھوڑے عرصے کی بات ہے' پھر کوشش کروں گا' ادھر ہی پوسٹنگ کروالوں۔"

"فارس! اتنی دور جانے کی کیا ضرورت ہے؟" ندرت اس کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھے پریشان سی کہنے لگیں۔

"تو کیا ہو گیا ندرت؟ لوگ نوکری کے لیے دوسرے ملکوں میں بھی جاتے ہیں۔ کوئی انوکھی بات نہیں ہے اس میں۔ اس کو یوں فکر مند نہ کرو۔ سکون سے جاب پہ جانے دو۔ اور خبردار جو تم نے یہاں رونا ڈالا۔"

بڑے ابا نے آخری فقرہ حنہ کو دیکھ کر کہا تھا۔ حنین نے پہلے فارس کو دیکھا جو خاموشی سے گردن اٹھائے اسے دیکھ رہا تھا' پھر زمر کو جو سر جھکائے بہت ست روی سے کپڑے استری کر رہی تھی' اور پھر پیر پٹخ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اسے یقین تھا فارس اس کے پیچھے آئے گا' اسے منائے گا' مگر وہ نہیں آیا۔

حنین اپنے کمرے کے دروازے کے ساتھ لگی' زمین پہ بیٹھی خاموشی سے سر گھٹنوں میں دیے رونے لگی۔ وہ انہیں چھوڑ کر جا رہا ہے' اسے پتا تھا۔۔۔ پہلے ابو پھر وارث' پھر سعدی' ان کے سارے مردان کو چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔ کیوں؟ آخر کیوں؟

دوپہر کے کھانے کے بعد جب زمر اپنے کمرے میں داخل ہوئی وہ سامنے کھڑا نظر آیا۔ ایک چھوٹا بیگ بیڈ پہ کھلا پڑا تھا اور وہ سر جھکائے کھڑا' اس میں سامان رکھ رہا تھا۔ زمر اس کے سامنے آکھڑی ہوئی اور سینے پہ بازو لپیٹے اسے دیکھے۔۔۔ بس دیکھے گئی۔

"یہ اچانک سے جاب کس نے لگوا کر دی؟" وہ مشکوک تھی۔ (ذہن میں ہارون عبید کا نام گردش کر رہا تھا۔)

"ہاشم نے۔" سنجیدگی سے کہتے اس نے زپ بند کی۔ زمر کا منہ کھل گیا۔

"ہاشم؟ تم ہاشم کے کہنے پہ شہر چھوڑ رہے ہو' ہم سب کو چھوڑ رہے ہو؟ تم اس پہ کیسے اعتبار کر سکتے ہو؟"

فارس نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ہاشم میرا کزن ہے۔" پھر آنکھوں کی پتلیاں سکڑیں۔ "کیوں؟ کیا اس کے بارے میں کچھ ایسا ہے جو میں نہیں جانتا؟"

زمر نے کندھے جھٹکے۔ "مجھے کیا پتا' میں تو اس لیے کہہ رہی تھی کہ کل تک تمہارا ناپسندیدہ کزن آج تمہارا بی ایف کیسے بن گیا۔ خیر' تمہاری مرضی جو بھی کرو۔" وہ آنکھوں میں ڈھیروں خفگی لیے' ایک ملامتی نظر اس پہ ڈال کر مڑی تب ہی سنگھار میز پہ رکھا فارس کا موبائل بجنے لگا۔ زمر قریب کھڑی تھی۔ گردن جھکا کر دیکھا۔ "آبدار کالنگ۔" اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

"صرف آبدار؟ تو اب تم اس کے ساتھ فرسٹ نیم ٹرمز پہ ہو۔" مڑ کر ایک تیز نظر اس پہ ڈالی۔ وہ خاموشی سے آگے آیا اور فون اٹھا کر اسے سائیلینٹ کر کے جیب میں ڈال لیا۔

"میں چلی جاتی ہوں کمرے سے' تم تسلی سے اس سے بات کر لو۔"

"وہ تو میں تمہارے جانے کے بعد ویسے بھی کر لوں گا۔" وہ اس کو دیکھ کر مسکرا کر بولا۔

"ظاہر ہے' جیل میں یہ ہی سب تو سیکھا ہو گا تم نے۔" وہ جبراً" مسکرا کر بولی تھی۔

فارس نے ذرا سا اس کی طرف جھک کر' مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "تم جل رہی ہو اس سے؟"

"میں؟" زمر نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ "اور اس پلاسٹک کی گڑیا سے جلوں گی؟ ہونہہ۔" اس نے سر جھٹکا۔ "جلنے کے لیے سامنے والا آپ سے بہتر نہ ہو تو کم از کم آپ کے مقابلے کا تو ہونا چاہیے۔"

"خوب صورت تو خیر وہ بہت ہے۔ اور اس کی سب سے اچھی بات پتا ہے کیا ہے۔" وہ اس کے مزید قریب جھک کر سادگی سے بولا۔ "اس کے بالوں کا رنگ نیچرل سرخ ہے۔ وہ خوب صورت لگنے کے لیے مصنوعی ڈائی نہیں لگاتی۔"

زمر نے بمشکل اپنے بھڑکتے جذبات پہ قابو پایا تھا۔ "تو تم سارا وقت فون پہ اس سے اس کے بالوں کا رنگ ڈسکس کرتے ہو؟"

"نہیں' اور بھی بہت کچھ کرتا ہوں۔ کام کی ساری باتیں۔ اس نے بہت کچھ کیا ہے میرے لیے۔ ایکچوئلی مجھے وہ اپنی ورک وائف لگتی ہے۔"

اس سے زیادہ زمر یوسف اس آدمی کو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اسے پرے دھکیلا اور خود دروازے کی طرف بڑھی۔

"اچھا سوری' میں مذاق کر رہا تھا' بات تو سنو۔" فارس نے اسے روکنے کے لیے اس کا ہاتھ پکڑا مگر زمر نے تیزی سے اپنا ہاتھ واپس کھینچا۔

"تم نا مجھ سے دور ہی رہو ورنہ...." اگلے ہی پل وہ منجمد ہو گئی۔ فارس نے جس ہاتھ سے اس کی کلائی پکڑ رکھی تھی' اس کی آستین پہ خون کے دھبے لگے نظر آ رہے تھے۔

"یہ خون کیسا ہے؟" اس نے چونک کر فارس کو دیکھا۔ وہ جو مسکرا کر کچھ کہنے لگا تھا' نظریں اپنی آستین تک گئیں' چہرے کی رنگت بدلی' فوراً" ہی اس کی کلائی چھوڑ کر ہاتھ پیچھے کر لیا۔

"یہ.... شاید کان سے آ رہا تھا۔" اس نے ساتھ ہی دو انگلیاں کان کے پیچھے لگا کر دیکھیں۔

"کیوں؟" اس نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔ "ٹھہرو' مجھے دیکھنے دو۔"

"اب ٹھیک ہے۔ شاید کوئی زخم وغیرہ تھا۔" مگر وہ آگے آنے لگی تو وہ بولا۔ "فکر مت کرو' آبدار ایک بہت اچھے ای این ٹی اسپیشلسٹ کو جانتی ہے' میں اسے دکھا دوں گا۔" اور وہ جو فکر مندی سے آگے کو ہوئی تھی' اس نام پہ رکی' ماتھے پہ بل پڑے۔

"ہاں' اسے ہی دکھاؤ۔" اور برے موڈ کے ساتھ باہر نکل گئی۔

فارس نے بند دروازے کو دیکھتے ہوئے طویل سانس لی اور پھر سویٹر کی آستین دوبارہ سے موڑی اور بیڈ کے کنارے آ بیٹھا۔ سر دونوں ہاتھوں میں گرائے' اس نے بند آنکھوں کو مسلا۔

زمر اور حنین.... دونوں اسے بہت عزیز تھیں۔ وہ دونوں کو تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا مگر' حقیقت کے تیز چمکتے سورج میں کھڑے ہونے کا وقت ابھی نہیں آیا تھا۔ بس کچھ دن اور....

"اسٹیفنی.... آج مل سکتے ہو؟" چند منٹ بعد وہ فون پہ کہہ رہا تھا۔

احمر شفیع نے فارس کا فون رکھا اور نظر اٹھا کر سامنے نصب اسکرینز کو دیکھا جن پہ ایک آفس کی مختلف فوٹیجز چل رہی تھیں۔ احمر اس وقت کنٹرول روم میں کھڑا تھا اور اس کے چہرے پہ سنجیدگی چھائی تھی۔ بس یک ٹک' پتھریلی آنکھوں سے ان فوٹیجز کو دیکھ رہا تھا۔

ذہن میں وہ فون کال گونج رہی تھی۔ جو چند گھنٹے پہلے اسے موصول ہوئی تھی۔

"احمر شفیع..." وہ عورت کہہ رہی تھی جو سفید شال میں نیو ایئر پارٹی میں اسے نظر آئی تھی اور جو چترال کے ایک بااثر سیاسی خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔

"آج صبح جب میرے آفس کی فوٹیجز لیک ہوئیں تو میرے سیکیورٹی اسٹاف نے فورا" سے بھاگ دوڑ شروع کردی کہ معلوم کریں، کسی آئی پی ایڈریس، کس سرور، کس جگہ سے ان کو لیک کیا گیا ہے۔ بیک ٹریسنگ، اور پتا نہیں کس کس کام میں لگے ہیں وہ، لیکن میں نے صرف ایک بات سوچی کہ اس سب کا فائدہ کس کو ہوگا؟ اگر اس بات کا جواب ہو تو انسان کو کسی سراغ رسانی کی ضرورت نہیں رہتی۔"

ذرا توقف کرکے وہ بولی۔ "سانپ کو مارتے وقت اس کا سر کچلا جاتا ہے کیونکہ قدیم داستانوں میں آتا ہے کہ اس کی آنکھوں میں اپنے قاتل کی تصویر عکس بند ہو جاتی ہے۔ اور میری آنکھوں میں احمر شفیع تمہاری اور تمہاری مالکن کی تصویر نقش ہو گئی ہے۔"

احمر نے ریموٹ اٹھا کر اسکرینز کو آف کیا، اور موبائل اور چابی اٹھاتا باہر نکل گیا۔ اس کا ذہن اس وقت شدید دباؤ کا شکار تھا۔



منتظر میرے زوال کے ہیں
میرے اپنے بھی کیا کمال کے ہیں

کولمبو کے اس پرتعیش ہوٹل کے تہہ خانے میں اس وقت شدید تناؤ چھایا تھا۔ ہاشم کاردار ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا موبائل کے بٹن دبا رہا تھا۔ نیوی بلیو سوٹ، اسٹرائپس والی ٹائی، ڈائمنڈ کف لنکس پہنے، بال جیل سے پیچھے کو جمائے، وہ اپنی ساری شان و شوکت اور جاہ و جمال سے وہاں بیٹھا تھا گویا پچھلی رات اس کے قیدیوں کا نکل جانا اس کے لیے پریشانی کا باعث تھا ہی نہیں۔

سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہوئے لوگوں کی تعداد کافی زیادہ تھی۔ فصیح بھی پہنچ چکا تھا اور سخت مضطرب دکھائی دیتا تھا۔ ہیڈ شیف تحمل سے بتا رہا تھا کہ معزز دولہن نے آرڈر پہ تیار کیا کیک کیسے فریج سے غائب کیا اور یہ کہ ان کے ساتھ یقینا" اندر سے کوئی ملا ہوا تھا۔ ہیڈ شیف، فصیح، رئیس، سب اپنے اپنے خیالات پیش کر رہے تھے۔ یا بار بار خاموش ہو کر ہاشم کو دیکھتے۔

"سر؟" فصیح سے مزید برداشت نہیں ہوا تو پکار بیٹھا۔ ہاشم چند منٹ مزید بٹن دباتا رہا، پھر بالآخر سر اٹھایا اور مسکرا کر ان سب کو دیکھا۔

"Sun Tzu قدیم چین کا ایک جرنیل، اور فلسفی تھا۔ اس نے ایک مشہور زمانہ کتاب لکھی تھی۔ دی آرٹ آف وار (جنگ لڑنے کا فن)" موبائل میز پہ ڈال کر وہ مسکرا کر گویا ہوا۔ "اس کتاب میں جب وہ یہ بات کہتا ہے کہ جنگ کے دو طریقے ہیں، ڈائریکٹ اور ان ڈائریکٹ لیکن ان دونوں کا "ملاپ" بہترین نتائج سامنے لاتا ہے تو ساتھ وہ مثال دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ..." وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ سامنے کھڑے افراد کی کمریں اور گردنیں مزید سیدھی ہوئیں۔

"کہ میوزیکل نوٹس پانچ سے زیادہ نہیں ہوتے لیکن ان کا ملاپ لامحدود دھنیں بنا دیتا ہے۔" قطار میں کھڑے افراد کے ساتھ سے گزرتا ہوا، چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا، وہ کہہ رہا تھا۔ "وہ کہتا ہے کہ پرائمری کلرز پانچ سے زیادہ نہیں ہوتے... نیلا... سرخ... زرد... سفید اور سیاہ... لیکن ان کا کمبی نیشن لامحدود رنگ بنا سکتا ہے۔" سب توجہ سے اسے سنے گئے۔ کمرے میں غیر معمولی سناٹا تھا۔

"اور وہ کہتا ہے کہ بنیادی ذائقے پانچ سے زیادہ نہیں ہیں، کھٹا، تیکھا، نمکین، میٹھا اور کڑوا۔ مگر ان کا ملاپ لامحدود ذائقے بنا دیتا ہے۔" ہاشم نے رک کر گہری سانس لی۔

"ہر چیز بہت پرفیکٹ تھی۔ منصوبہ بندی۔ اس پہ عمل پیرا ہونے کا انداز۔ سب شاندار تھا۔ میں متاثر ہوا ہوں۔ لیکن۔" سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے وہ چند قدم مزید آگے آیا۔ سب سانس روکے اسے دیکھ رہے

تھے۔

"لیکن ان پانچ ذائقوں میں سے ایک ایسا بھی ہے جو میری بیٹی کو نہیں پسند۔ nuts (خشک میوے) کا نمکین ذائقہ۔ اس ہوٹل میں جب بھی یہ کیک بنایا جاتا ہے..... وہ بلیو بیری کیک جو سعدی کل میری بیٹی کے لیے لایا تھا..... اس میں ہیڈ شیف nuts ڈالتا ہے' لیکن پچھلے سال جب سونی نے یہ کیک چکھا تھا تو nuts کے ذائقے پہ اس نے برا منہ بنایا تھا۔ اور اب میں کیا دیکھتا ہوں کہ یہ کیک جو کسی مہمان کے آرڈر پہ تیار کیا گیا تھا' اور جو بظاہر سعدی اور خاور نے چوری کیا تھا' اس کیک میں۔" وہ ہیڈ شیف کے سامنے آکھڑا ہوا اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "اس کیک میں nuts نہیں تھے۔"

شیف کا رنگ سفید پڑا۔ ادھر کمرے میں سب چونکے تھے۔ دوسرے ہی لمحے فصیح اس پہ جھپٹا اور اسے نیچے گرایا۔ دو گارڈز بھی اس پہ پل پڑے اور چند ہی لمحوں میں وہ اس کے ہاتھ پیچھے کو باندھ کر اسے قابو کر چکے تھے۔ وہ نفی میں سر ہلاتا کہہ رہا تھا۔

"سر! آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے' میں....."

"اونہوں!" ہاشم نے اسی پر سکون چہرے کے ساتھ نفی میں سر ہلایا اور ایک پنجے کے بل زمین پہ بیٹھا۔ "جانتے ہو' مسئلہ کیا ہے؟ میرے اور تمہارے جیسے لوگ دوسروں کے ساتھ مخلص ہوں یا نہ ہوں' ہم اپنے کام کے ساتھ بے حد مخلص ہوتے ہیں۔ اس کو پرفیکشن کے آخری لیول پہ کرتے ہیں۔ اور ایک بہترین شیف کی انا یہ کہتی ہے کہ جس کے لیے کیک بناؤ' اس کو وہ پسند آنا چاہیے۔" کالر سے نادیدہ گرد جھاڑ کر وہ اٹھا اور بے تاثر تحت نگاہوں سے فصیح کو دیکھا۔

"اس کی چمڑی ادھیڑ دو فصیح۔ یہ جو کچھ جانتا ہے اس سے اگلواؤ۔ زندہ یا مردہ' مجھے ان دونوں کو واپس اس جیل میں دیکھنا ہے۔" پھر ایک قہر آلود نظر اس شیف پہ ڈالی جس کو وہ زنجیر پا کر چکے تھے اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

پاؤں رکھتے ہیں جو مجھ پر' انہیں احساس نہیں میں نشانات مٹاتے ہوئے تھک جاتا ہوں

فوڈلی اور آفٹرز ریسٹورنٹ میں اس شام ہلکی پھلکی گہما گہمی تھی۔ سلک شرٹ اور ڈنر جیکٹ میں ملبوس احمر شفیع اندر داخل ہوا' شناسائی سے کاؤنٹر والے لڑکے کو ہاتھ ہلایا اور سیدھا زینے اوپر چڑھتا گیا۔ اس کا چہرہ سنجیدہ اور بے تاثر تھا۔ بالائی ہال کا دروازہ کھولا تو دیکھا' وہاں صرف فارس غازی کھڑا تھا۔ گرے سوئیٹر میں ملبوس' سینے پہ بازو لپیٹے وہ احمر کی طرف پشت کیے' شیشے کی دیوار سے باہر دیکھ رہا تھا۔ احمر نے دروازہ بند کیا تھا تو فارس اس کی طرف گھوما۔ پھر چہرے پہ سنجیدگی لیے' تیکھی نظریں اس پہ جمائے' وہ چند قدم آگے بڑھا۔

"کیا حال ہے غازی؟"

"بلایا اور کام سے تھا مگر نیوز میں کچھ دیکھا ہے میں نے' اسٹینی۔" وہ تیز لہجے میں بولا۔ "اور لوگ کہہ رہے ہیں کہ اس میں کاردارز کا ہاتھ ہے مگر کاردارز کا دایاں ہاتھ تو آج کل تم ہو۔ ہے نا؟"

احمر نے بہت ضبط سے اسے دیکھا۔ "کنسلٹنٹ کلائنٹ پریویلج کے تحت میں اس بات کا جواب نہیں دے سکتا۔"

"اور اس بے ہودہ فقرے کا مطلب دوسرے لفظوں میں "ہاں" ہوتا ہے۔"

"ہاں ہو یا ناں' تم کیوں جاننا چاہتے ہو؟"

"کیا مطلب میں کیوں جاننا چاہتا ہوں؟" فارس کی آنکھوں میں غصہ اور تعجب دونوں عود کر آئے۔ "منع کیا تھا تمہیں' کاردارز کی غلامی مت کرو' وہ تم سے ایسے ہی کام کروائیں گے۔ ایک بے قصور عورت کو رسوا کر کے کیا ملے گا تمہیں؟ کرمنل بنتے جا رہے ہو تم!"

احمر لب بھینچے خاموش رہا۔ وہ دونوں چند قدم دور آمنے سامنے کھڑے تھے۔

"اپنا استعفیٰ لکھو اور اپنی مالکن کے منہ پہ مار کر

آؤ- آج ہی استعفیٰ- تم یہ جاب چھوڑ رہے ہو' اور میں تمہارے منہ سے ناں نہیں سنوں گا۔"

"جہاں تک مجھے یاد ہے' میں تم سے آرڈر نہیں لیتا فارس غازی!" اس کا لہجہ اجنبی اور روکھا تھا۔

فارس کے ابرو مزید تن گئے' پیشانی کے بلوں میں اضافہ ہوا۔ دو قدم مزید قریب آیا۔

"اور جہاں تک مجھے یاد ہے' میں تمہارا دوست ہوں' اور تمہیں ایسا انسان نہیں بننے دینا چاہتا جس کو میں پہچانوں بھی نا۔"

"پہچانتا تو میں نہیں ہوں اب تمہیں۔" احمر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ٹھنڈے لہجے میں بولا تھا۔ لمحے بھر کو فارس کا سانس تھم گیا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"یہی کہ تم خود کیا ہو؟" احمر کی آواز بلند ہونے لگی۔ "میں جو کچھ کر رہا ہوں اپنے سروائیول (بقا) کے لیے کر رہا ہوں' میں قانون توڑوں' اپنی گردن آزاد رکھنے کے لیے تو وہ غلط..... لیکن عظیم فارس غازی وہی کام کرے تو وہ صحیح۔ کیوں غازی؟ کیا تم وہ انسان رہے ہو جو مجھے پہلی دفعہ ملے تھے؟ تب تم نمازیں پڑھتے تھے' اب تم ایک athiest بن چکے ہو۔ کیا ایسا نہیں ہے؟ کیا تم نے ڈاکٹر ایمن کے ہسپتال میں آگ نہیں لگائی تھی؟ کیا وہ جرم نہیں تھا؟ کیا تم انتقام کے نام پہ لوگوں سے جھوٹ نہیں بولتے؟ تم دھوکا نہیں دیتے؟ تم کیا معلوم تم نے وہ تینوں قتل بھی کیے ہوں۔ تم کرو تو سب ٹھیک۔ سب Justified (منصفانہ) کاردارز وہی کام کریں' احمر شفیع لوگوں کے ویڈیو اسکینڈل لیک کرے تو وہ غلط۔"

"تم ایک ہی سانس میں مجھے کافر' دھوکے باز' جھوٹا اور قاتل کہہ رہے ہو۔" فارس سرخ آنکھوں سے غرایا۔ "یہ مت بھولو کہ میرا خاندان تباہ ہوا تھا۔ میں جو بھی کرتا ہوں' ان لوگوں کے ہاتھ روکنے کے لیے کرتا ہوں تاکہ وہ ہمیں مزید تباہ نہ کر سکیں۔"

"دو غلط مل کر ایک صحیح نہیں بناتے' فارس غازی!" احمر نے زور سے میز پہ ہاتھ مارا۔ وہ دونوں آمنے سامنے' سرخ چہروں کے ساتھ کھڑے تھے اور اتنی سردی میں بھی ہال میں شدید گرم سا تناؤ در آیا تھا۔ "اسی طرح کاردارز کے پاس بھی اپنے غلط کاموں کی توجیہات ہوتی ہیں۔"

فارس انگارہ آنکھوں سے اسے دیکھے گیا۔

"یہ..... "میرا" سروائیول ہے۔ یہ میرا سیلف ڈیفنس (دفاع) ہے' غازی اور اگر تمہارے لیے یہ درست ہے تو غلط یہ میرے لیے بھی نہیں ہے۔"

"اگر تمہیں یہ دونوں چیزیں ایک جیسی لگتی ہیں' اور تم ان دونوں میں فرق نہیں کر سکتے' تو میں تمہیں کبھی نہیں سمجھا سکتا۔"

"تم مجھے سمجھانے کی کوشش نہ کرو تو بہتر ہے۔ میں اپنی بقا کے لیے لڑنا سیکھ چکا ہوں۔ اس لیے میرے معاملوں سے دور رہو غازی۔" ایک قہر آلود نظر اس پہ ڈالتا وہ تیزی سے مڑا اور باہر نکل گیا۔ پیچھے لمبے لمبے سانس لے کر خود کو قابو کرتا فارس تنہا کھڑا رہ گیا۔



رات ہر چند کہ سازش کی طرح ہے گہری
صبح ہونے کا مگر دل میں یقین رکھنا ہے

وہ رات کولمبو پہ بھی اتر آئی تھی۔ وہ ابھی تک نہیں سویا تھا۔ یونہی بیٹھا رہا۔ حتیٰ کہ رات بھی آدھی بیت گئی۔ شہر خاموشی میں ڈوبتا گیا۔ تب وہ اٹھا اور بیگ کندھے سے لگائے باہر نکلا۔ سڑک سنسان تھی۔ وہ چوکنا سا آگے بڑھتا گیا۔ بار بار گردن موڑ کر پیچھے دیکھتا۔ چند منٹ بعد وہ ایک ویران گلی میں آگے بڑھتا جا رہا تھا جب دائیں طرف ایک بند بیکری کا بینر دیکھا۔ وہ انگریزی میں لکھا تھا۔ مسٹر بیکر۔ سعدی نے ادھر ادھر دیکھا۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ وہ تیزی سے بیکری کے دروازے تک آیا۔ اس کا لاک عام سا تھا۔ مگر کھولنے کے لیے کوئی تار' کوئی پن' کوئی بھی چیز دستیاب نہ تھی۔ اس نے پستول نکالا (جس کے اوپر سائلنسر فٹ تھا) اور لاک کی طرف رخ کر کے ٹریگر دبایا۔ پستول سے آواز نہ آئی مگر اس نے زور کا جھٹکا کھایا۔ وہ پورے

کا پورا بل کر رہ گیا۔ دل تک کانپ گیا۔ مگر خیر.... اب دروازے کو ٹھوکر ماری تو وہ کھل گیا۔

اندر بیکری سنسان' تاریک پڑی تھی۔ اس اسٹریٹ کی بہت سی دکانوں کی طرح۔ یہ درمیانے درجہ کی بیکری تھی۔ اس نے لائٹ جلائی تو کمرہ روشن ہوا۔ وہ گھوم کر کاؤنٹر کے پیچھے آیا اور شوکیس کے اندر جھانکا۔ کیکس' پیسٹریز' براؤنیز۔ اس سے آگے اس نے نہیں دیکھا۔ وہ دو دن کا بھوکا تھا۔ اس نے بیگ پرے رکھا اور ایک بڑا سا کیک باہر نکالا۔ اردگرد کسی چمچ کی تلاش میں نظر دوڑائی۔ کچھ خاص نظر نہ آیا تو وہ ہاتھوں سے شروع ہو گیا۔ وحشت سے' دیوانہ وار' وہ تیز تیز کھاتا جا رہا تھا۔ ساتھ بار بار دروازے کو بھی دیکھتا۔

حنین کی فینٹسی تھی' کہ کبھی وہ کسی بیکری میں بند ہو جائے اور پھر.... مزے مزے کی چیزیں بلا روک ٹوک کھاتی جائے' کھاتی جائے۔ کس کی خواہش کس کے نصیب میں لکھی تھی۔ ایک دم سے اسے کسی آہٹ کا احساس ہوا۔ وہ برق روی سے پیچھے کو گھوما اور پستول والا ہاتھ تان لیا۔ دوسرے بازو کی آستین سے منہ پہ لگی کریم رگڑی۔

بیکری کے اندرونی دروازے پہ ایک آدمی شب خوابی کے لباس میں کھڑا تھا۔ اس کے پستول تاننے پہ اس نے ہاتھ اٹھا دیے۔

''ریلیکس ریلیکس....'' وہ اسے تسلی دینے کے انداز میں کہنے لگا۔ سعدی سرخ انگارہ آنکھیں اس پہ جمائے پستول تانے رہا۔

''مجھے مت مارنا۔ تم کھالو' جتنا کھانا ہے۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔'' وہ چوکھٹ میں ہاتھ اٹھائے کھڑا کہہ رہا تھا۔ سعدی اسی طرح پستول اس پہ تانے اسے گھورتا رہا۔

''اس فریج میں صبح کے پزا رکھے ہیں۔ مائیکروویو میں گرم کرلو ان کو' بچے! اور ساتھ لے جاؤ۔ میرا دل اتنا چھوٹا نہیں۔ لے جاؤ۔'' وہ ہاتھ اٹھائے' نرمی سے کہتا دو قدم مزید آگے بڑھا۔ سعدی نے آہستہ سے پستول والا ہاتھ نیچے کیا۔

''میں بغیر پیسوں کے کچھ نہیں لوں گا۔'' ڈیڑھ دن بعد وہ پہلی دفعہ بولا تو احساس ہوا کہ آواز پھٹی پھٹی سی تھی۔

''کوئی بات نہیں۔ تم جو لے جانا چاہتے ہو' لے جاؤ۔ تم برے انسان نہیں ہو' میں دیکھ سکتا ہوں۔ تم صرف بھوکے ہو۔'' وہ ہمدردی سے بولا۔

سعدی نے اثبات میں سر ہلایا اور سر جھکا کر شوکیس میں رکھی براؤنیز کو دیکھا۔ ''مجھے یہ ایک ڈبے میں ڈال دو۔ جلدی۔''

بیکر ہاتھ گرا کر تیزی سے آگے آیا' ایک ڈبے کا گتا اٹھایا' اس کی اطراف کو موڑ کر اس کو چوکور ڈبے کی شکل دی' پھر سعدی کے ساتھ آکھڑا ہوا' اور جیسے ہی وہ براؤنیز نکالنے کے لیے جھکا' سعدی یوسف نے کہنی اس کی گردن کی پشت پہ ماری' اور اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا' وہ بیکر کی گردن کو اپنے بازو کے نرغے میں لے کر اس کی مخصوص رگ کو دباتا گیا۔

''تم نے پہلا فقرہ ہی مجھ سے انگریزی میں بولا۔ سنہالی کیوں نہیں بولی' ہاں؟ نیم روشن کمرے میں پہلی دفعہ مجھے دیکھتے ہی تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں انگریزی سمجھنے والا فارنر ہوں' ہاں؟'' بیکر ہاتھ پاؤں مارتا رہا' مگر منہ سے آواز تک نہ نکلی' یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو کر ڈھے گیا۔

سعدی نے جلدی سے ٹشو اٹھا کر اپنے کریم والے ہاتھ صاف کیے' پھر جھک کر اس کی جیب تھپتھپائی۔ اندر سے موبائل نکالا۔ نیا پیغام آیا ہوا تھا۔ اس نے ٹوٹی پھوٹی سنہالی کے باوجود بیکر کا پیغام اور جوابی پیغام سمجھ لیا۔ اپنے کسی جاننے والے کو ''پوسٹر والے لڑکے'' کی اپنی بیکری میں موجودگی کی اطلاع دے رہا تھا۔

کسی احساس کے تحت سعدی اٹھا اور بیکری کی بتیاں جلائیں۔ تلاش کی ضرورت ہی نہ پڑی۔ کیش کاؤنٹر کے اوپر ہی اس کا پوسٹر لگا تھا۔

وہ 100 فیصد اس کی شکل نہیں تھی' مگر سیاہ رنگ سے کھنچا خاکہ' گھنگھریالے بال' بھوری آنکھیں' گوری رنگت' اٹھی ہوئی ناک.... نوے فیصد وہ سعدی ہی

تھا۔ اس پوسٹر پہ لکھا تھا کہ وہ تامل ٹائیگرز کا جاسوس ہے (تامل ٹائیگرز سری لنکا میں وہی تھے جو پاکستان میں تحریک طالبان ہے۔ فرق اتنا ہے کہ تامل ٹائیگرز 2009ء میں مکمل طور پہ پسپا ہو چکے تھے۔) اور وہ تامل تحریک کو پھر سے اٹھانے کے لیے سرگرم کارکنوں کے ساتھ کام کر رہا ہے۔ اس کی گرفتاری پہ بھاری انعام رکھا گیا تھا۔ ساتھ ایک فون نمبر بھی درج تھا۔

''ڈیم اٹ؟'' سعدی نے تیزی سے وہ پوسٹر پھاڑ کر اتار لیا (اوپر لکھے فون نمبر کے دو ہندسے دیوار سے لگے رہ گئے۔)

پوسٹر بیگ میں ڈال کر وہ تیزی سے باہر نکلا۔ ابھی تک گلی سنسان تھی۔ اسے پکڑنے آنے والوں کو ابھی (پیغام کے مطابق) دس منٹ لگنے تھے۔ مین روڈ سے اس نے ٹک ٹک پکڑا اور اس میں بیٹھ گیا۔ اب وہ جھک کر' بیگ کو خود سے لگا کر نہیں بیٹھا تھا۔ اب وہ گردن اٹھائے' سنجیدہ اور ہوشیار سا بیٹھا تھا۔ رستے میں اس نے تین رکشے بدلے۔

آدھے گھنٹے بعد وہ اس جگہ سے کافی دور' ایک فلیٹ بلڈنگ کی تیسری منزل میں ایک اپارٹمنٹ کا تالہ کھول کر' اس کے اندر کھڑا تھا۔ پوری عمارت میں صرف یہی فلیٹ یوں لگتا تھا کہ مکینوں سے خالی ہے۔ (اس کی بالکونی میں رکھے پودے سوکھ رہے تھے۔ گویا سارا خاندان جلدی میں گھر سے گیا ہو' کوئی ناگہانی آگئی ہو' اور ابھی تک واپس نہ آسکا ہو۔) اس نے مختلف الماریاں کھولیں۔ کپڑے دیکھے۔ جوتے دیکھے۔ لاؤنج میں پڑا فون بھی دیکھا۔ مگر اس کو چھوا تک نہیں۔ پھر وہ ایک باتھ روم میں چلا گیا۔

چند منٹ بعد جب وہ باہر نکلا تو بڑھی ہوئی شیو ویسی ہی تھی البتہ گھنگھریالے بالوں پہ گویا استرا پھیر کر ان کو بہت چھوٹا کر چکا تھا۔ شاید ناخن سے بھی آدھے رہ گئے ہوں۔ نئی جینز شرٹ میں ملبوس' اس نے باہر آکر بوٹ پہنے۔ اور آئینے میں خود کو دیکھا۔ اب وہ اسکیچ والے سعدی سے کافی مختلف لگ رہا تھا۔

وہ رات سعدی اسی فلیٹ میں رہا۔ ان کا کمپیوٹر اس نے کھول کر' پاس ورڈ اڑا کر' انٹرنیٹ کھولا۔ اپنا کوئی میل اکاؤنٹ وہ لاگ ان کرنے کی غلطی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے ندرت کی فیس بک آئی ڈی کھولی۔ (یہ کسی زمانے میں اسی کو بنا کر دی تھی' بیرون ملک رشتے داروں کی تصاویر دیکھنے' ان پہ جھوٹی تعریفیں لکھنے اور اپنے ریسٹورنٹ کے پیج پہ لوگوں کے اچھے ریویوز پڑھ کر خوش ہونے کے لیے وہ اسے استعمال کرتی تھیں۔) پاس ورڈ سعدی کے پاس تھا۔ اس نے ڈالا اور پھر.... گویا ایک نئی دنیا کھل گئی۔

وہ ایک کے بعد ایک گھر والے کی آئی ڈی دیکھتا رہا۔ سب کی ٹائم لائن بھری ہوئی تھی۔ تصویریں' چیک ان' کون کہاں گیا' کس کی سالگرہ ہوئی' کس نے کس کو ٹیگ کیا.... حنین اور زمر کی اکٹھی مسکراتی ہوئی سیلفی.... (یہ دونوں.... ایک دوسرے کے ساتھ اتنی خوش؟) اسامہ کی تصویر.... (یہ.... اتنا بڑا؟ اتنا لمبا؟) اور پھر.... فارس کی پروفائل.... اس میں کچھ خاص نہ تھا.... وہ کم ہی لاگ ان کرتا تھا.... مگر اوپر اوپر اسامہ نے پوسٹ کی ہوئی تھی۔ ''ماموں.... کراچی نہ جائیں۔'' فارس نے کوئی کمنٹ نہیں کیا تھا مگر نیچے حنین اور زمر کے جوابات تھے۔ زمر کہہ رہی تھی کہ وہ فارس کو تنگ نہ کرے' اور حنہ نے خفگی سے زمر کو فارس کی سائیڈ نہ لینے کا کہا تھا۔

وہ بالکل چپ بیٹھا رہا۔ سارے حساب الٹے ہو گئے تھے۔ زندگیاں بدل گئی تھیں۔ وہ بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ وہ سب آگے نکل گئے تھے۔ ان کی زندگیاں کتنی پُرسکون' اور صاف ستھری تھیں۔ فارس.... جو جیل میں تہجد اور فجر پڑھا کرتا تھا' اب بھی اس کا ایمان ایسا ہی مضبوط تھا۔ ہر قسم کے کفر سے پاک۔

حنین.... اس کی بہن جس کی پروفائل پہ فجر کی نماز سے متعلق احادیث لکھی تھیں۔ وہ کتنی پچی سی حنہ تھی۔ ہر طرح کے جھوٹ سے پاک۔

زمر.... صاف' کھری' نڈر سی زمر' جو ہر فریب سے دور تھی۔ ہر فکر سے پاک تھی۔

اور وہ خود.... اس نے سر جھکا کر اپنے ہاتھوں کو

دیکھا۔ وہ ایک قاتل تھا۔
اس نے مڑ کر ایک دفعہ پھر لاؤنج میں پڑے فون کو دیکھا۔ مگر پھر سر جھٹک کر ارادہ بدل دیا۔
وہ اپنے گھر واپس نہیں جا سکتا تھا۔ وہ ان کی طرح روشن' نیک اور صاف ستھرا نہیں رہا تھا۔ اس کے اندر کے اندھیرے اس کے اپنوں کی ساری روشنی نگل لیں گے۔
یوں سعدی یوسف نے رہائی کے بعد کسی کو کال نہیں کی۔ اسے کرنی ہی نہیں تھی۔ صبح وہ اس فلیٹ سے باہر نکلا اور کیب لے کر کولمبو فورٹ کے ٹرین اسٹیشن کی طرف آگیا۔ بالکل کراچی یا لاہور کے جیسا اسٹیشن تھا۔ مگر ذرا صاف ستھرا زیادہ تھا۔ پہلے وہ اسٹال کی طرف آیا۔ موٹے فریم کا چشمہ خریدا اور اسے آنکھوں پہ لگایا' پھر پی کیپ ماتھے پہ مزید جھکا کر ٹکٹ ونڈو تک آیا۔ لائن میں تب کھڑا ہوا جب سب سے آخر میں اس نے ایک لڑکی کو کھڑے دیکھا۔ وہ ساتھ کھڑے لڑکے سے بات کر رہی تھی۔
"اوہ گاڈ۔" وہ جیب تھپتھپا کر اونچا سا بولا۔ "میں اپنا سیل فون شاپ پہ چھوڑ آیا۔" وہ دونوں مڑ کر اس کا پریشان چہرہ دیکھنے لگے۔
"آپ میرے لیے کینڈی کا ٹکٹ خرید دیں گی۔ پلیز میں سیل فون لے آؤں۔" جلدی جلدی چند نوٹ اسے تھما کر وہ مڑ کر بھاگا۔ لڑکی حیران رہ گئی مگر لڑکے نے اسے تسلی دی کہ وہ اس کے لیے ٹکٹ لے لیں گے۔
جب اس نے دیکھا کہ ان کی باری آچکی ہے اور وہ ٹکٹ لے چکے ہیں' تب وہ واپس ان تک آیا اور بہت ہی مایوسی سے بتایا کہ وہ سیل کھو چکا ہے۔ انہوں نے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے اس کے بقایا پیسے اور ٹکٹ اسے تھمائے' جنہیں لے کر وہ پھر سے وہاں سے غائب ہو گیا۔ ٹرین کی روانگی تک وہ ایک باتھ روم میں دروازہ بند کر کے کھڑا رہا' اور جیسے ہی وقت قریب آیا' وہ باہر نکلا اور ٹرین میں جا سوار ہوا۔ نہ کسی نے اسے دیکھا' نہ کسی نے اسے محسوس کیا۔ وہ ایک کونے کی سیٹ پہ بیٹھ گیا اور اخبار' وہ کسی مسافر نے نہیں چھوا تھا کہ ہر کوئی اپنے اسمارٹ فون کے ساتھ لگا تھا' کو چہرے کے سامنے پھیلا لیا۔
دو منٹ بعد ٹرین چل پڑی۔۔۔ اور اسے کولمبو سے دور لے گئی۔۔۔ دور۔۔۔ بہت دور۔۔۔



یہ دن ہیں کہ یاروں کا بھروسا بھی نہیں ہے
وہ دن تھے کہ دشمن سے بھی نفرت نہ ہوئی تھی
ہوٹل کی زیر زمین جیل میں فصیح' سعدی کے کمرہ بجن میں کھڑا تھا اور اس کی چیزیں الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ ساتھ والے کمرے میں تین افراد اس شیف کو باندھ کر اس کے چہرے پہ کپڑا ڈالے اس پہ بار بار گرم پانی ڈال رہے تھے اور وہ درد سے کراہتا بے ربط الفاظ بولے جا رہا تھا۔
میری فصیح کے ساتھ کھڑی تھی اور اس کو سعدی کی چیزوں کا معائنہ کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔
"وہ یہاں سے کچھ بھی نہیں لے کر گیا' سوائے ان کاغذات کے جن پہ وہ کچھ لکھا کرتا تھا۔"
"ہوں۔" فصیح نے ہنکارا بھرا' پھر سر اٹھا کر میری کو دیکھا۔ "تم اوپر چلی جاؤ۔ تم کاردار صاحب کے ساتھ واپس جاؤ گی۔"
میری کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ "مگر میں نے ان کو مایوس کیا ہے۔ میری مخبری کی وجہ سے وہ اس کمرے تک پہنچے اور وہاں سے بھاگے۔"
"مگر تمہاری نیت صاف تھی۔ جاؤ' کاردار صاحب اوپر تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔" وہ بے نیازی سے بولا۔ میری آنکھوں کو پونچھتی باہر نکل گئی۔ فصیح موبائل پہ بٹن دباتا باہر آیا اور لفٹ کی طرف بڑھتے' دوسری جانب جاتی گھنٹی سنتا رہا۔
"سر! ایک اہم بات ہے۔" لفٹ میں داخل ہو کر وہ مدھم آواز میں بولا تھا۔
"کیا ہوا' فصیح؟" ہارون مصروف لہجے میں بولے تھے۔

"شیف ٹوٹ چکا ہے۔ سب اگل دیا ہے۔ لیکن زہریلی سرنج کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتا۔ سر۔" وہ متذبذب سا رکا۔ "سعدی یوسف کے سامان میں دو چیزیں مسنگ ہیں۔ ایک اس کے کاغذ' دوسرا مس آبدار کا پین۔۔۔ مس اپنی نوٹ بک اس کے پاس چھوڑ گئی تھیں۔ میں وہ لینے لگا تو وہ پین یاد آیا۔ صرف وہی پین تھا جو سیکیورٹی پوائنٹ پہ چیک نہیں کیا گیا تھا۔ میرا خیال ہے' مس آبدار نے اس میں زہر۔۔۔"

"آج تو تم نے میری بیٹی پہ الزام لگا دیا ہے' آئندہ کبھی مت لگانا۔" وہ ایک دم گرج کر بولے تھے۔ "وہ میرا پین تھا' اور وہ سعدی نے نہیں رکھا تھا۔ آبی اسے واپس لے آئی تھی۔ تمہاری یادداشت کمزور ہوتی جا رہی ہے۔ اپنی ناک کے نیچے سارا کھیل رچاتے شیف کو تم پکڑ نہیں سکے' اور میری بیٹی پہ الزام لگاتے ہو؟"

فصیح کے ایک دم پسینے چھوٹ گئے۔ رنگت متغیر ہوئی۔ "سوری سر' میرا یہ مطلب۔۔۔" مگر ہارون اس کے سارے خاندان کو مغلظات سے نواز کر' اسے گویا ادھ موا کر کے فون بند کر چکے تھے۔

وہ اس وقت اپنے آفس میں بیٹھے تھے۔ فون بند کر کے انہوں نے ریموٹ اٹھایا اور دیوار گیر کھڑکی کی طرف کر کے بٹن دبایا۔ بلاک آؤٹ بلائنڈز "فوراً" سے کھڑکیوں پہ گرنے لگے یہاں تک کہ ساری روشنی ختم ہو گئی اور آفس میں اندھیرا چھا گیا۔ ہارون ٹیک لگائے ٹھوڑی مسلتے' چھت کو دیکھتے کتنی ہی دیر سوچتے رہے۔ پھر انہوں نے انٹرکام اٹھایا۔

"آفتاب کو بلاؤ۔"

"آدھے گھنٹے بعد۔۔۔ وہ اسی طرح اندھیرا کیے' کرسی پہ ٹیک لگا کر بیٹھے تھا جب آفتاب اندر داخل ہوا۔ وہ دبلا پتلا' ادھیڑ عمر شخص تھا اور اچھا سوٹ پہنے ہوئے تھا۔ ہارون نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بیٹھنے کو کہا۔

"میری بیٹی نے مجھے صبح اطلاع دی تھی کہ وہ چند دن کے لیے میرا جیٹ۔۔۔ لے جا رہی ہے۔ اس نے میرے عملے کو بھی چھٹی دے دی ہے۔۔۔ مجھے معلوم ہے' وہ کسی ایسے شخص کو اپنے ساتھ لے کر جانا چاہتی ہے' جس کے بارے میں وہ مجھے نہیں بتانا چاہتی۔"

آفتاب توجہ سے سن رہا تھا۔

"وہ اپنے قابل بھروسا لوگوں کو عملے میں رکھے گی۔ وہ تم پہ بھروسا کرتی ہے۔ اکثر تمہیں کام کہتی رہتی ہے۔ تم اس عملے میں شامل ہو گے۔"

"اور میں آپ کو معلوم کر کے دوں گا کہ وہ کس کو اپنے ساتھ لے جا رہی ہیں؟"

"میں پہلے سے ہی جانتا ہوں کہ اس کا نیا دوست کون ہے اور یہ بھی کہ وہ کولمبو کیوں جانا چاہتا ہے۔ تم بس کولمبو میں آبی کے قریب رہو گے' اور اس کی حفاظت کرو گے۔" ان کا چہرہ اندھیرے میں تھا' اور دن کے اوقات کے باوجود آفتاب کو ان کا چہرہ دیکھنے میں دقت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ دھیان اور غور سے سنتا گیا۔



اب سانس کا احساس بھی اک بارِ گراں ہے
خود اپنے خلاف ایسی بغاوت نہ ہوئی تھی

میری اینجیو نے اس روز یونیفارم کے بجائے سادہ بھوری اسکرٹ' بلاؤز کے ساتھ سیاہ لمبی جرابیں پہنی تھیں۔ جس وقت وہ گاڑی سے نکل کر سبزہ زار پہ کھڑی ہوئی' اس کی گردن خود بخود قصر کاردار کو دیکھنے۔۔۔ نگاہوں میں سمونے کے لیے۔۔۔ اوپر اٹھتی گئی۔ دھند اور سرخ شام کے ڈھلتے موسم میں پوری شان سے کھڑا اونچا محل روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ اگلی گاڑی سے ہاشم اور جواہرات نکلے تھے۔ سونی آگے بھاگ گئی تھی۔ وہ دونوں باتیں کرتے قصر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ میری نے گردن سیدھی رکھی' اور دلی جذبات پہ قابو پاتی' ہمت مجتمع کر کے ان کے پیچھے چل پڑی۔ رواج کے مطابق خوش آمدید کہنے ملازم دروازے پہ آ کھڑے ہوئے تھے۔ فیونا بھی ان میں سے ایک تھی۔ سب سے آگے' وہ اعتماد سے مسکرا کر جواہرات

کا استقبال کر رہی تھی۔ دونوں ماں بیٹا اسی بے نیازی سے اندر داخل ہوئے اور فیٹونا نے دیکھا' ان کے پیچھے میری اینجیو چلی آرہی ہے۔ فیٹونا یکدم بت بن گئی۔ بالکل منجمد۔ میری قدم قدم چلتی قریب آئی۔ اس کے ادھیڑ عمر چہرے پہ فیٹونا کے مقابلے میں ڈھیروں لکیریں اور تجربے کے بل پڑے تھے۔ سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے فیٹونا کو دیکھا۔

"بہروز سے کہو' میرا کمرہ تیار کرے۔" تحکم سے کہا تھا۔ فیٹونا نے مڑ کر جواہرات کو دیکھا جو اندر جا رہی تھی اور پھر بے بسی بھرے تعجب سے واپس میری کو۔

"بہروز... سارا پرانا اسٹاف... اب یہاں جاب نہیں کرتا۔" پھر ذرا اعتماد سے بولی۔ "اب یہاں کا اسٹاف بدل گیا ہے میری اینجیو۔"

"بہت اچھے۔ اس بدلے ہوئے اسٹاف کے لوگوں سے کہو' میرا کمرہ تیار کریں اور یہ بھی کہو' صبح منہ اندھیرے وہ اٹھ کر تیار ہو جائیں' کل میں سارے گھر کے ان ڈور پلانٹس کی جگہیں بدلنا چاہوں گی۔" پھر ایک طائرانہ نظر برآمدے پہ دوڑائی۔ "اور ادھر کے سارے پودے کہاں گئے؟ میں چند دن کے لیے کیا گئی' تم لوگ تو نکمے ہو گئے ہو۔" ڈپٹ کر بولتی وہ اندر بڑھ گئی۔ فیٹونا ہکا بکا سی ساکت کھڑی رہ گئی۔

اندر اپنے کمرے کی طرف بڑھتی جواہرات کہہ رہی تھی۔ "میری... مساج کے لیے سامان تیار کرو۔ میرے پیر بہت درد کر رہے ہیں۔"

اور اوپر سیڑھیوں کے زینے چڑھتے ہاشم نے آواز لگائی تھی۔ "میری... بلیک کافی بھیجو میرے کمرے میں' فٹافٹ۔" اور میری اینجیو مسکرا کر' سر کو خم دیتی' دونوں کو جواب دیتی آگے بڑھ گئی تھی۔ پہلے احمر شفیع اور اب میری اینجیو... فیٹونا کا سارا وجود زمین بوس ہو گیا تھا۔

اپنے کمرے کے دروازے کے قریب ہاشم رکا۔ سامنے سے نوشیرواں چلا آرہا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا' پھر ہاشم تنے تاثرات کے ساتھ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ اسے امید تھی کہ شیرو معذرت کرنے پیچھے آئے گا مگر چند لمحے بعد زینے اترنے کی آواز نے اس کے دل کو دھکا سا لگایا۔ مگر وہ بہت مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ کوٹ اتارتے ہوئے اس نے دروازہ بند کر لیا۔ زندگی اس کے لیے معمول پہ آچکی تھی۔ سعدی یوسف کے بھاگنے کے بعد اسے اگلا کارڈ کون سا کھیلنا تھا' اب اسے یہی سوچنا تھا۔



اب تیرے قریب آ کے بھی کچھ سوچ رہا ہوں
پہلے تجھے کھو کر بھی ندامت نہ ہوئی تھی

ایئرپورٹ جانے سے پہلے' گھر کے اندر سب سے مل کر' خدا حافظ کہہ کر اب وہ پورچ میں آکر کار میں سامان رکھنے لگا تھا' اور جانتا تھا کہ اس سے اس وقت کوئی خوش نہیں تھا۔ اس نے سارہ کو فون کرنے کا سوچا پھر رہنے دیا۔ وہ اسے اس کے حال پہ چھوڑ چکا تھا۔

موبائل نکال کر اس نے کال ملائی اور تھوڑی دیر کے لیے گیٹ سے باہر جا کر بات کرنے لگا۔

"میں پھر سے دہرا رہا ہوں۔ تم چوبیس گھنٹے میرے گھر کے باہر رہو گے۔ میرے گھر کون آتا ہے' یہاں سے کون کہاں جاتا ہے' تم ان پہ نظر رکھو گے۔ قادر میرے بھانجے کے قریب رہے گا۔ جب تک وہ اسکول میں ہو گا' وہ اسکول کے باہر کھڑا رہے گا۔ میں کچھ دن میں آجاؤں گا' لیکن میرے پیچھے تم لوگ میرے گھر والوں کی حفاظت کرو گے۔" اور دوسری طرف موجود نذر اسے تسلی دے رہا تھا کہ ایسا ہی ہو گا۔

زمر نے ایئرپورٹ تک کی ڈرائیو خاموشی سے طے کی۔ وہ بھی چپ سا کھڑکی کے باہر دیکھتا رہا۔ صرف حنین ساتھ آئی تھی اور پیچھے چپ بیٹھی تھی۔ فارس نے اس سے ابھی تک بات نہیں کی تھی۔

پھر احاطے کے اندر آکر... ڈھیروں مسافروں کے درمیان... زمر اس جگہ رکی جہاں سے آگے وہ نہیں جا سکتی تھی۔ وہ بھی ٹھہر گیا۔ کچھ دیر دونوں خاموش

کھڑے رہے۔
"تو طے ہوا کہ تم نہیں رکو گے۔ بھلے کوئی کتنا ہی روکے!" سینے پہ بازو لپیٹے وہ اس کے مقابل کھڑی، اداس مسکراہٹ کے ساتھ پوچھنے لگی۔
"کسی نے روکا ہی نہیں تو کیسے رکتا؟" اس نے مسکراہٹ دبائی۔
زمر بس یاسیت سے اسے دیکھتی رہی۔ "مت جاؤ۔"
"آجاؤں گا واپس۔" اس نے نظریں چرائیں۔
"اور اگر جو نہ آئے، فارس..." وہ بے بسی سے دونوں ہاتھ اٹھا کر بولی تھی۔ جیسے اپنی بات کی وضاحت نہ کر پا رہی ہو۔ "مجھے لگتا ہے میں تمہیں کھو دوں گی۔"
"تم سب محفوظ ہو۔ پہلے نہیں تھے۔ اب ہو۔ کیونکہ اب ہم سب اکٹھے ہیں۔" اردگرد موجود لوگوں سے قطعاً" بے نیاز ہو کر اس نے زمر کے دونوں ہاتھ تھامے۔ اسے پروا نہیں تھی کوئی دیکھ کر کیا سوچتا ہے۔
ہاتھ تھامنے کا مطلب صرف رومانس تو نہیں ہوتا۔ جیسے بھائی بہن کا، یا باپ بیٹی کا ہاتھ تھام کر اسے حفاظت، اور بھروسے کا احساس دلاتا ہے، ویسے ہی شوہر اور بیوی کے رشتے میں (اگر بالی وڈ کی عینک اتار کر تم دیکھو) تو دوستی، اعتماد، حفاظت، مان، یہ سب ہوتا ہے، اور رومانس تو ایک بہت ثانوی چیز بن کر رہ جاتا ہے۔
اور اس وقت وہ خود کو جتنا کمزور محسوس کر رہی تھی، فارس کا یوں ہاتھ تھام کر احساس دلانے سے... اس کی آنکھیں جانے کیوں بھیگ گئیں۔ سرخ گڑیا سے جڑی ساری تلخی ہوا ہوئی۔
"پچھلے ساڑھے چار سال اچھے گزرے فارس! میں ان سیکیور نہیں محسوس کرتی تھی خود کو۔ کھونے کے لیے کچھ رہا ہی نہیں۔ مگر اب... ماہ کامل کے بعد سے... اس رشتے کے بعد سے... کھونے کے لیے بہت کچھ آگیا ہے زندگی میں۔ پلیز جلدی واپس آجانا۔" وہ دکھی دل سے کہہ رہی تھی۔ آج اس سے لڑنے کا بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔
"تو تم مجھے مس کرو گی؟" وہ مسکرایا۔ مگر خوش وہ بھی نہیں تھا۔
"میں تمہیں مس کیوں کروں گی؟" زمر نے مسکراہٹ دبائے اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں سے نکالے۔ "آئی ہیٹ یو۔" اور فارس غازی نے سر کو خم دیا۔
"آئی لو یو ٹو!" اور بیگ اٹھا کر کندھے پہ ڈال لیا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہنس دی۔ گردن پیچھے کو پھینک کر محظوظ ہو کر پھر اسے دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ مسکرا کر۔ محظوظ ہو کر۔ زمر کے دل میں ایک دم بہت سے واہمے در آئے۔
"تم ایسے ہی واپس آؤ گے نا؟ بدل تو نہیں جاؤ گے؟"
"نہیں۔" اس نے مسکرا کر تسلی دی۔ پھر اس کی طرف جھکا۔ "اور میں اس کو دن میں تین چار کے بجائے صرف ایک یا دو کالز کیا کروں گا۔"
"ہاں ہاں، کرلینا۔" وہ پھر ہنس دی تھی۔ وہ اسے صرف ستا رہا ہے۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ اس نے خود کو تسلی دے دی تھی اور پھر مڑ آئی۔ اس کو دور جاتے دیکھنا مشکل تھا۔ خود دور جانا زیادہ آسان تھا۔ حنین اس کی منتظر تھی۔ وہ چپ چاپ اس سے آملی۔ ماحول بوجھل سا تھا۔ اور پھر اسی بوجھل ماحول میں وہ دونوں گھر جانے کے بجائے ایک ریسٹورنٹ میں آبیٹھیں۔ حنین نے آرڈر دیا اور زمر گھونگھریالی لٹ انگلی پہ لپیٹتی، خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی رہی۔
"مبارک ہو۔ آپ کا شوہر بھاگ گیا اور میرا بھائی ابھی تک گمشدہ ہے۔" حنہ نے تھوڑی دیر بعد جلے کٹے انداز میں کہا۔
"ہم دونوں ناکام عورتیں ہیں کیونکہ ہمارے سب سے عزیز مرد ہمیں چھوڑ جاتے ہیں۔" وہ خفگی سے بول رہی تھی۔ "فرعون بھی تو یہی کرتا تھا۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ باربار... کہ بنی اسرائیل... وہ تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ

چھوڑدیتے تھے۔"
"بیٹیوں کو نہیں عورتوں کو۔" زمر نے دھیمی آواز میں تصحیح کی مگر وہ نہیں سن رہی تھی۔
"یہ عذاب تھا بنی اسرائیل کا۔ ایسی ذلت کہ کوئی آپ کے مردوں کو مار دے اور عورتوں کو چھوڑ دے۔ اکیلی عورتوں کو۔ بنی اسرائیل کی بے بسی اور لاچاری تو دیکھو۔ بالکل ہماری طرح۔"
"ہاں ٹھیک ہے یہ آیت "یقتلون ابنائکم وہ یستحیون نسائکم" بنی اسرائیل کی بے بسی بیان کرتی ہے مگر اس کے اور زاویے بھی ہیں۔" زمر نے نرمی سے اسے مخاطب کیا۔
"مثلاً" کون سے؟" وہ سخت جلی کٹی بیٹھی تھی۔ فارس اس سے بات تک نہیں کر کے گیا تھا۔
"بہت سے ہوں گے نا حنین۔" وہ جیسے اس ذکر سے احتراز برت رہی تھی۔ اتنے برس سخت دل کے ساتھ گزارے تھے اب کیا پگھلنا؟
"آپ بتائیں میں سن رہی ہوں۔" حنہ نے لہجہ ذرا دھیما کیا۔
"ہر آیت کے بہت سے رموز بہت سے زاویے ہوتے ہیں۔"
"ایک منٹ زمر۔ میں نے ایک بات بھائی سے کبھی نہیں پوچھی پہلے ضرورت نہیں پڑی لیکن اب میں خود کنفیوژڈ ہو رہی ہوں کہ جیسے بھائی کی فیس بک پہ تفسیر کی وڈیوز ہیں۔" وہ ذرا ہچکچائی "ہم جیسے عام لوگ قرآن کی تفسیر کیسے کر سکتے ہیں؟"
زمر دونوں کہنیاں میز پہ جمائے آگے کو ہوئی اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ "ہم جیسے عام لوگ قرآن کی تفسیر کر بھی نہیں رہے تفسیر تو مفسر کرتے ہیں۔ عربی گرامر صرف نحو وغیرہ کی باتیں۔ حقائق کے حوالہ جات۔ آیات کا شان نزول وغیرہ بتانا۔"
"تو پھر وہ جو بھائی کے فیس بک گروپ میں اس کی ویڈیوز ہیں وہ کیا ہے؟"
زمر لمحے بھر کے لیے چپ ہوئی۔ آنکھیں نیچے جھکا کر اس نے گویا کچھ سوچا۔ حنہ کے ماتھے کے بل غائب ہونے لگے اور اس کی آنکھوں میں دلچسپی اتری۔ پھر زمر نے آنکھیں اٹھائیں۔ (فارس کے جانے کا غم دونوں کے دل سے لمحے بھر کو نکل گیا۔)
قرآن ایک علمی کتاب بھی ہے لیکن یہ "صرف" علمی کتاب نہیں ہے۔ کیا اللہ نے قرآن میں یہ نہیں فرمایا کہ...
ہم نے نازل کی آپ پر یہ کتاب جو مبارک ہے تاکہ آپ اس میں تدبر (غور و فکر) کریں اور اس کے ذریعے عقل مند لوگ نصیحت پکڑیں۔ تو حنین ہم لوگ قرآن کی تفسیر نہیں کر سکتے مگر اس کی آیت کے معانی کے اندر رہ کر اس میں تدبر تو کر سکتے ہیں اور اس کی دعوت خود قرآن ہر انسان کو دیتا ہے۔ اللہ کے نزدیک سب برابر ہیں۔ کوئی پیدائشی عام یا خاص نہیں ہوتا۔ اور اگر ہم اس کی ایک ایک آیت کو اپنی زندگی سے ریلیٹ نہیں کریں گے تو نصیحت کیسے پکڑیں گے اس سے؟"
حنین پیچھے ہو کر بیٹھی۔ ویٹر آرڈر سرو کرنے لگا مگر زمر ادھر متوجہ نہیں تھی۔
(اچھی بات ہے۔)
حنہ نے اپنی پلیٹ سیٹ کرتے ہوئے کہا۔
"زمر لیکن اگر ہر انسان کو خود سے تدبر کرنے لگے گا تو کیا یہ صحیح ہو گا؟ کیونکہ اللہ اسی قرآن کے ذریعے لوگوں کو بھٹکاتا بھی ہے۔"
"تو پھر ہر قرآن پڑھنے والا بھٹک کیوں نہیں جاتا؟" وہ اب زیادہ روانی سے بول رہی تھی۔ "لوگوں نے اس آیت کو بہت غلط استعمال کیا ہے کہ چونکہ قرآن سے بندہ بھٹک بھی سکتا ہے اس لیے اس کو صرف کھول کر پیو اور پھر چوم کر کسی اونچی جگہ پر رکھ دو۔ دیکھو حنہ... کوئی شخص کسی راستے پہ سفر کرنے نکلے تو یا تو وہ بھٹکے گا یا منزل تک پہنچ جائے گا۔ بھٹکنے کے ڈر سے اب کوئی سفر ہی نہ کرے کیا؟ لوگ تو روز سفر کرتے ہیں۔ کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ جو سائن بورڈز دیکھ کر سفر کرے گا کامن سینس یوز کرے گا وہ نہیں بھٹکے گا۔"
"میں بحث نہیں کرنا چاہ رہی زمر۔" حنہ نے

مزے سے پلیٹ میں اچھی اچھی اسٹیکس نکالیں' فرنچ فرائز بھرے' ساس ڈالی اور پھر سرسری انداز میں بولی۔ "مگر.... اس طرح اگر ہر شخص قرآن کی تفسیر...."

وہ رکی اور تصحیح کی۔ "قرآن میں تدبر کرکے اس کو بیان کرنا شروع کردے' یعنی اپنی رائے یہ بیان کرنے لگ جائے تو...."

"اپنی رائے تو کوئی بیان نہیں کرسکتا۔ قرآن میں ہے نا وہ کہ جہنم والے کہیں گے ہم قیامت کو جھٹلاتے رہے۔ یہاں تک کہ آگیا ہم کو الیقین۔ اب الیقین کا مطلب "موت" ہے۔ آپ اس کا مطلب "یقین کر لینا" نہیں لے سکتے۔ آپ کو اس آیت کے اندر رہ کر اس کے مطلب کے دائرے میں رہ کر ہی تدبر کرنا ہے اور عقل استعمال کرکے اس سے اپنے لیے سبق نکالنے ہیں۔ اسی لیے اللہ کہتا ہے قرآن میں کہ یہ نصیحت ہے عقل والوں کے لیے۔"

"یہی تو میں کہہ رہی ہوں زمر کہ اگر ہر شخص یوں تدبر کرنے لگے گا' بھلے وہ اس کی اپنی رائے نہ ہو' بھلے وہ آیت کے اندر رہ کر ہی کیے یہ سب.... تب بھی.... کیا فتنہ نہیں کھڑا ہوگا؟ کیونکہ بہت سے لوگ غلط تدبر نہیں کرنے لگ جائیں گے اور دوسروں کو بھٹکائیں گے؟"

حنین اب فرنچ فرائز ساس میں ڈپ کرکرکے کھاتی پوچھ رہی تھی۔ (برے ماموں.... آپ کی وجہ سے کل سے کھانا نہیں کھایا۔)

"کیا مطلب کہ لوگ غلط تدبر کریں گے؟ لوگ پہلے ہی غلط تدبر کررہے ہیں' حنین! اسی قرآن کی آیات کو استعمال کرکے دہشت گرد بے گناہ لوگوں کو قتل کرتے ہیں۔ ختم نبوت پر یقین نہ کرنے والے اسی قرآن سے اپنے مطالب نکالتے ہیں۔ سلمان رشدی جیسے لوگ اسی قرآن کو کوٹ کرکے اپنی کتابیں لکھتے ہیں۔ مسلمانوں میں ہی لوگ "دین میں کوئی جبر نہیں" جیسی آیات کے معانی بدل کر اسے استعمال کرتے ہیں۔ لوگ تو ہمیشہ سے یہ کام کررہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ ایسے میں تو ہمیں زیادہ ضرورت ہے قرآن میں صحیح تدبر کرنے کی تاکہ ہم روشنی پھیلائیں اور اس سے غلط تدبر کرنے والوں کے اندھیرے کو مٹائیں۔ لوگوں کو قرآن کا اصل مطلب بتائیں۔"

"وہی تو زمر.... اگر ہم بھی تدبر کو فروغ دیں گے تو یوں لوگوں کے غلط تدبیر کا رسک بڑھے گا۔ پہلے جہاں بیس لوگ قرآن کو غلط بیان کرتے تھے وہاں اب سو لوگ ایسا کرنے لگ جائیں گے۔"

"ہاں تو کرتے رہیں۔" اس نے شانے اچکائے تھے۔

"کرتے رہیں؟" حنین کا کانٹا پکڑا ہاتھ فضا میں معلق ہوگیا۔ منہ کھل گیا۔ "کرتے رہیں؟" زمر نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"ہاں کرتے رہیں' مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کیونکہ یہ قرآن ہے۔ ڈیئر حنین! اور اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے لیا ہے۔ جو اس میں غلط تدبر کرے گا' اس میں معنوی تحریف کرے گا' وہ خود ہی رسوا ہو کر کسی کونے میں پڑا ہوگا۔ اللہ فرماتا ہے' ہر چیز سمندر کے جھاگ کی طرح ہے' بہہ جائے گی' لیکن جو لوگوں کو نفع دیتا ہے' صرف وہی رہ جائے گا۔ تو جو صحیح تدبر کرے گا' اس کا کام رہ جائے گا۔ باقی سب سمندر کے جھاگ کی طرح بہہ جائے گا۔ کتنے عرب شعراء نے قرآن کی طرح کلام لکھنے کی کوشش کی' کہاں ہے ان کا کام؟ کہاں ہے سلمان رشدی کی کتاب؟ پتا ہے کیا' جب امام مالک مؤطا لکھ رہے تھے (حدیث کی ایک مستند کتاب) تو بہت سے لوگوں نے اپنی اپنی کتب کا نام مؤطا رکھ کر لکھنا شروع کردیا تو کسی نے امام مالک سے کہا کہ آپ اپنی کتاب کا نام بدل دیں تو انہوں نے فرمایا "جو اللہ کے لیے ہے وہ رہ جائے گا۔" آج صرف ایک مؤطا مارکیٹ میں ملتی ہے جو امام مالک کی ہے۔ باقی کہاں گئیں؟ تو قرآن کی بقا کے لیے ہمیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اس نے خود ہمیں دعوت دی ہے کہ ہم اس کے اندر تدبر کریں اور اس کے ساتھ لوگوں کو نصیحت

کریں۔ ہم اچھی نیت سے، اور اس کو سمجھ کر اس کا مطلب بیان کریں گے اور اس سے اپنے لیے اسباق نکالیں گے تو ہمارا کام رہ جائے گا، لیکن جہاں ہم غلط کچھ کہیں گے یا لکھیں گے، تو ہم خود ہی مٹ جائیں گے۔"

"رائٹ!" حنین بھی گویا چونک سی گئی تھی۔ اس نہج پہ اس نے پہلے نہیں سوچا تھا۔ زمر نے پلیٹ میں اسٹیک نکالتے ہوئے اسی اعتماد سے حنہ کو مخاطب کیا۔

"اور تم مجھ سے پوچھ رہی تھیں کہ فرعون بنی اسرائیل کے بیٹوں کو مارتا تھا اور عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا، اس میں اور کس طرف اشارہ ہو سکتا ہے؟ تو اگر تم اس آیت کے الفاظ پہ غور کرو تو "بیٹوں" کو مارتے تھے اور "عورتوں" کو زندہ چھوڑتے تھے کہا گیا ہے۔ "بیٹوں" کے مقابلے پہ "بیٹیاں" کہا جانا چاہیے مگر نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا "عورتیں۔" اب کے اس نے بھی اپنی پلیٹ میں اسٹیک نکالی اور اسی روانی سے بولتی گئی۔

"فرعون کو جب معلوم ہوا کہ ایک بنی اسرائیلی لڑکا اس کے زوال کا سبب بنے گا تو اس نے پتا کروایا کہ وہ کس سال میں پیدا ہو گا۔ ان کے اپنے حساب تھے۔ ایک سال میں پیدا ہونے والے بچے وہ مرواتا تھا، اگلے سال والے چھوڑ دیتا تھا۔

جس سال ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے، اس سال بچے نہیں مارنے تھے، سو ان کو چھوڑ دیا گیا۔ مگر جس سال موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، اس سال بچے قتل کیے جا رہے تھے۔ تو ہاں، ایک طرف یہ آیت بنی اسرائیل کی بے بسی اور ذلت کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ وہ ان کے بیٹوں کو مارتا تھا، مگر عورتوں کو چھوڑ دیتا تھا۔ بیٹیوں کو نہیں، عورتوں کو۔ ماں بھی، بہن بھی۔ چاہے کوئی بھی اسرائیلی عورت ہو، فرعون نے اسے چھوڑ دیا۔ اور پھر ان ہی دو عورتوں نے.... موسیٰ کی والدہ اور ان کی بہن.... ان ہی نے تدبیر کی.... نہ صرف موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جان بچائی بلکہ ان کا فرعون کے محل میں رہنا سہل بھی بنایا۔ اگر موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ اللہ کے حکم کو اس وقت نہ مانتیں، اور تدبیر نہ کرتیں، تو فرعون کا زوال کیسے ہوتا؟ سو مجھے لگتا ہے اس آیت میں فرعون کی غلطی کی طرف بھی اشارہ ہے۔ فراعنہ غلطی کرتے ہیں جب وہ کسی قوم کی عورتوں کو کمزور اور کم عقل جان کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اور سارا فوکس ان کے مردوں پہ رکھتے ہیں۔"

اور زمر یوسف کو لگا، یہ سب کہہ کر خود اس کے دل کے سخت پتھر بنے خول میں دراڑیں پڑ رہی تھیں۔ سنا تھا قرآن دلوں کو نرم کرتا ہے، آج لگا تھا واقعی کرتا ہے۔ ہلکی پھلکی سی ہو کر وہ اب کھانا شروع کرنے لگی۔

"بالکل عورتیں بہت کچھ کر سکتی ہیں، لیکن اگر وہ اکٹھی ہوں۔"

حنین نے مسکرا کر زمر کو دیکھا۔ "بہت سالوں بعد آپ کے منہ سے قرآن کی باتیں سنیں۔ اچھا لگا۔ کبھی آپ بھی لکھا کریں نا یہ سب سعدی بھائی کے فیس بک گروپ پہ۔" زمر کے چہرے پہ سایہ لہرایا۔

"جو لوگ اپنی ذاتی عبادات میں اچھے نہیں ہوتے، ان کو کوئی حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ دین کا کام کریں۔ میں بے روح عبادت کے بعد کیسے لوگوں کے سامنے قرآن کو بیان کر سکتی ہوں؟ یہ کام سعدی جیسوں کے لیے ہی صحیح ہے۔" وہ خاموشی سے سوچتی رہی، بولی نہیں۔

حنہ اب سارا غم بھلائے کھانا کھا رہی تھی۔ (کاش کسی دن وہ کسی بیکری میں بند ہو جائے اور سب کچھ چٹ کر جائے۔) وہ بچپن کی معصوم خواہش آج پھر دل کو گدگدانے لگی تھی۔

ملنے کو زندگی میں کئی ہم سفر ملے
لیکن طبیعتوں سے طبیعت نہیں ملی

جیٹ فضا میں تیر رہا تھا اور نیچے پھیلی دنیا کی سردی کے برعکس اس کے اندر کا ماحول گرم اور آرام دہ تھا۔ چھوٹی چوکور کھڑکی سے باہر دیکھتے فارس کی

آنکھوں میں گہری سوچ تھی۔ ابرو ذرا اکٹھے کیے ہوئے تھے اور سر پہ سیاہ پی کیپ پہن رکھی تھی۔
اس کے مقابل نشست پر آبی بیٹھی تھی۔ اس نے سرخ ریشمی رومال سر پہ باندھ کر گردن کے پیچھے گرہ لگا رکھی تھی اور رومال سے نکلتی بھوری سرخ چوٹی بائیں شانے پر آگے کو ڈال رکھی تھی۔ وہ ہتھیلی پہ چہرہ جمائے، سرخ لپ کاٹتی، سرمئی آنکھیں فارس پہ مرکوز کیے ہوئے تھی۔ اس کے چہرے پر معصومیت اور خوشی دونوں تھیں۔ ملازم ٹرے لیے اس کے پاس آکر کھنکھارا تو وہ چونکی، سر اٹھا کر اسے دیکھا اور "تھینک یو آفتاب" کہتے ہوئے گلاس اٹھالیا۔ ملازم فارس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اس نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے، گردن موڑے بنا "نو تھینکس" کہا۔ آبی نے ہاتھ کے اشارے سے آفتاب کو جانے کا کہا۔ وہ ایک خاموش نظر فارس پہ ڈال کر مڑ گیا۔
وہ دونوں تنہا رہ گئے تو آبدار کھنکھاری "کیپ اتار دیں۔ میرے ملازم کسی کو کچھ نہیں بتائیں گے۔"
فارس نے سنجیدہ چہرہ اس کی طرف موڑا۔
"اس نے تین دفعہ مجھے سر سے پیر تک دیکھا ہے۔ وہ ذہن میں میری پروفائلنگ کر رہا تھا۔ لینڈ کرتے ہی وہ آپ کے والد کو کال کرے گا اور ان کے سامنے مجھے پروفائل کرے گا۔"
"نہیں، وہ قابل بھروسا آدمی ہے، آپ فکر مت کریں وہ..."
"مجھے بالکل فکر نہیں ہے، آبدار! میں چاہتا ہوں کہ وہ آپ کے والد کو بتائے۔" وہ بے تاثر نظروں سے اس کو دیکھ کر بولا تھا۔
آبدار کی آنکھیں اس پہ ساکت سی ہو گئیں۔
"جی؟"
"میں اپنے کام خود کرتا ہوں، لیکن جب کوئی کام بساط سے بڑھ کر لگے تو اس کا بوجھ بانٹ لیتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ ہاشم جانے میں کولمبو جا رہا ہوں۔ اس کے لیے جو کر سکتا تھا، وہ کیا۔ لیکن قوی امکان ہے کہ کوئی مجھے دیکھ لے اور ہاشم کو بتا دے۔ سو میں نے آپ کے ساتھ جانے کو ترجیح دی، کیونکہ آپ کا عملہ ضرور آپ کے والد کو بتائے گا اور میرے حصے کا آدھا کام وہ کریں گے۔"
"اور آپ کو کیوں لگتا ہے کہ بابا ہاشم سے اس بات کو مخفی رکھنے کی کوشش کریں گے؟"
"کیونکہ آپ میرے ساتھ ہیں۔ وہ آپ کو دو دشمنوں کی فائر لائن کے درمیان نہیں کھڑا کرنا چاہیں گے۔" وہ ہلکا سا مسکرایا۔ کیپ نے اس کی آنکھوں پہ اندھیرا سا کیا ہوا تھا۔
"یعنی۔" آبی متحیر رہ گئی۔ "آپ مجھے استعمال کر رہے ہیں۔"
"جی، میں آپ کو استعمال کر رہا ہوں۔" وہ کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔
آبی کو پھر بھی برا نہیں لگا۔ کہنی سیٹ کے ہتھے پہ جمائے، ہتھیلی پہ چہرہ گرائے، اس کو دیکھتے ہوئے سوچ کر کہنے لگی۔ "میرا خیال تھا ہم دوستوں کی طرح ساتھ جا رہے ہیں۔"
"ہم دوست نہیں ہیں آبدار۔"
"آپ مجھے آبی کہہ سکتے ہیں۔"
"اوکے!" فارس نے سر کو خم دیا اور بات دہرائی۔
"ہم دوست نہیں ہیں مس عبید۔"
"میں آپ کے ذاتی مسئلے میں آپ کی مدد کر رہی ہوں، پھر بھی ہم۔"
"یہ "ذاتی" نہیں ہے میرے لیے۔" اس نے سنجیدگی سے چہرہ آبدار کی طرف موڑا۔ "یہ میرے لیے "کام" ہے۔ مجھے کچھ کام کرنے ہیں واپس جانے سے پہلے اور۔" وہ رک گیا۔
"کہاں واپس جانے سے پہلے؟" وہ چونکی۔ چہرہ ہتھیلی سے اٹھایا اور سیدھی ہو کر بیٹھی۔ فارس چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔
"جیل واپس جانے سے پہلے۔"
آبی دھک سے رہ گئی۔ "آپ دوبارہ جیل کیوں

جائیں گے؟" فارس نے کافی دیر جواب نہیں دیا' لیکن جب وہ اسی طرح اسے دیکھتی رہی تو وہ قدرے نرمی سے بتانے لگا۔

"جب چار سال کی قید کاٹ کر نکلا تھا تو میرے پاس ایک پلان تھا' سب اسی کے مطابق کر رہا ہوں۔ یہ میرا "کام" ہے "ورک" ہے۔ "پرسنل" نہیں ہے۔ اور اس کا انجام ایک ہی طرح سے ہو گا۔ مجھے واپس جیل جانا ہے ان جرائم کے لیے' جو مجھے ابھی کرنے ہیں۔ مگر اس سے پہلے' مجھے اپنی فیملی کو محفوظ کرنا ہے' اور سعدی کو واپس لانا ہے۔"

آبدار چند لمحے کچھ بول ہی نہ سکی۔ "پھر "ذاتی" کیا ہے آپ کے لیے؟ کیا آپ اپنے لیے نہیں جیتے؟"

"میری ایک بیوی ہے' جس سے میں جھوٹ بول کر آیا ہوں' میری ایک بھانجی ہے' جس سے میں بات کیے بنا آیا ہوں۔ میرا ایک دوست ہے' جس سے لڑا ہوں میں کل رات۔ مگر ذاتیات میں آپ سے ڈسکس نہیں کرنا چاہتا' اس لیے ہم اس طرف نہیں جائیں گے۔" اس نے حد بندی واضح کی۔ آبی بس اس کو دیکھ کر رہ گئی۔

"اسی لیے مسز زمر اور آپ کی ڈائیورس ہونے جا رہی ہے۔ (فارس نے چونک کر اسے دیکھا)۔ آپ آخر میں جیل جانا چاہتے ہیں' اس لیے ان کو آزاد کر دیں گے۔ حیران مت ہوں' مجھے مسز کاردار نے بتایا تھا۔"

فارس نے خاموشی سے سر کو اثبات میں خم دیا۔

"کون سا جرم ہے' جو آپ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ذاتی تو نہیں ہے۔ "ورک" ہے نا' اس لیے بتا دیں۔"

جہاز کے اندر ایک دم ڈھیر سارا سناٹا اتر آیا۔

"مجھے دو قتل کرنے ہیں۔"

آبی کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد لہر اترتی محسوس ہوئی۔

"تو ابھی تک کیے کیوں نہیں؟"

"پہلے ان کو تقسیم کرنا ہے' پھر توڑنا ہے' پھر مارنا ہے۔ یہ شروع دن سے میرا ہدف تھا۔" اس کی آواز ہلکی تھی۔

"اور پھر آپ گرفتاری دے دیں گے؟" اس نے اداسی سے پوچھا۔ "لیکن اس کے علاوہ بھی تو کوئی راستہ ہو سکتا ہے۔ آپ ملک سے باہر بھاگ سکتے ہیں نا اور......"

"اپنے جرائم کی سزا بھگتنا چاہتا ہوں میں۔ فرار نہیں چاہتا ان سے۔"

آبدار نے گہری سانس لی۔ "تو میں آپ کی کیا ہوں؟ دوست نہیں ہوں تو کیا پارٹنر ان کرائم ہوں؟"

اس بات پہ وہ مسکرایا۔ جیسے کسی کو یاد کر کے مسکرایا ہو۔ "میری پارٹنر ان کرائم ایک ہی ہے' اس کی جگہ میں کسی کو نہیں دے سکتا۔"

"مگر اس سے جھوٹ بول کر آئے ہیں اور اس کے ساتھ اپنے پلان کا انجام بھی ڈسکس نہیں کیا آپ نے۔ سو وہ آپ کی بیوی ہو سکتی ہے' آپ کی پارٹنر ہو سکتی ہے' لیکن......" آبی کی سرمئی آنکھوں میں شرارت چمکی۔ وہ آگے کو ہوئی اور مسکرا کر اسی فاتحانہ انداز میں بولی۔ "آپ کو ماننا پڑے گا کہ آپ کی ورک وائف آبدار عبید ہی ہے۔"

اس بات پہ وہ ہلکا سا ہنس دیا اور پھر سر کو اثبات میں دو تین دفعہ ہلایا۔ "اوکے۔ آپ میری ورک وائف ہیں۔"

"جسے آپ استعمال کر رہے ہیں۔" مصنوعی خفگی سے اس نے گلہ کیا۔

"بالکل' کیونکہ میں بدلے میں آپ کو کچھ دوں گا جو کبھی آپ لوگوں کو ہپناٹائز کر کے ڈھونڈتی ہیں' کبھی فرانزک والوں کے ساتھ کام کر کے مجرموں کے انٹرویوز کر کے تلاش کرتی ہیں۔ کبھی [illegible] آپ جنوں اور پرندوں کی فوج جمع کر کے حاصل کرنا چاہتی ہیں' کبھی لوگوں کے NDE [illegible] ن کر کے۔"

آبدار نے حیرت بھری دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"اور وہ کیا ہے' جو آپ مجھے دیں گے؟"

فارس نے ذرا سا مسکرا کر ابرو اچکائے۔ "ایک دلچسپ ایڈونچر!"

آبدار کا دوران خون ایک دم تیزی سے بڑھا' اس کے گال دہک گئے اور آنکھیں چمک اٹھیں۔

"پھر ٹھیک ہے!" وہ بہت محظوظ ہوئی تھی۔



تو بھی کسی کے باب میں عہد شکن ہے غالباً
میں نے بھی ایک شخص کا قرض ادا نہیں کیا

فوڈلی ایور آفٹر کے بالائی ہال میں سورج کی روشنی کھڑکیوں سے چھن چھن کر آ رہی تھی۔ زمر کونے والی میز پہ موٹی کتاب رکھے اس میں سے نوٹس بنا رہی تھی۔ گاہے بگاہے موبائل پہ نظر ڈالتی جو صبح فارس کے جانے کے بعد سے ابھی تک اس کے نام سے روشن نہیں ہوا تھا۔ (کیا آدمی گھر اطلاع نہیں دے سکتا؟ یہ کیا کہ ایک میسج کر دیا پہنچنے کا۔ وہ بھی فیس بک پہ۔ کال نہیں کر سکتا تھا کیا؟) وہ سر جھٹک کر کام کرنے لگی' پھر ایک دم زور سے قلم بند کیا اور فون اٹھا لیا۔ (ڈاکٹر کے ساتھ کیا بات ہوئی' تفصیل ہی نہیں بتائی۔ وہ پوچھ لوں۔) جواز گھڑ کر اس نے کال ملائی۔ گھنٹی جانے لگی' مگر..... جواب ندارد۔

اکتا کر اس نے فون پرے ڈال دیا۔ تب ہی کسی نے دروازہ ہلکا سا کھٹکھٹایا۔ زمر نے مصروف سے انداز میں سر اٹھایا' مگر ایک دم ٹھہر گئی۔ چوکھٹ میں نوشیرواں کھڑا تھا۔ ویسٹ اور ٹائی میں ملبوس' بالکل تیار سا' وہ متذبذب لگ رہا تھا۔

"آ.. یئے..." زمر نے استفہامیہ نگاہوں سے اسے دیکھتے کہا تو وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا سامنے آیا اور کرسی کھینچ کر بیٹھا۔

"کیسی ہیں آپ' ڈی اے؟" زمر نے کہنیاں میز پہ جمائے' سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"میں ڈی اے نہیں تھی' ڈی پی تھی۔ مجھے امریکی فلموں کے سے انداز میں مخاطب..." ضبط سے گہری سانس لی۔ "کر سکتے ہیں آپ۔ خیر کہیے۔ کیسے آنا ہوا؟"

شیرو اپنی فرنچ کٹ دو ناخنوں سے کھجاتے' نگاہیں اس پہ جمائے' سوچ سوچ کر کہنے لگا۔

"ایک مشورہ چاہیے تھا۔ لیگل ایڈوائس۔"

"میں سن رہی ہوں۔"

"مجھے..... کسی بہت اچھے اور با اعتماد وکیل کا بتائیں جو کارپوریٹ کیسز اچھے سے ڈیل کر سکے۔"

"ہاشم کاردار!" وہ سہولت سے بولی۔

نوشیرواں کی آنکھوں میں بے چینی اور ناگواری ایک ساتھ ابھریں۔ "کوئی اور....."

زمر نے "اوہ" والے انداز میں ابرو اٹھائے۔ "یعنی آپ اس معاملے کو ہاشم سے خفیہ رکھنا چاہتے ہیں۔"

"ان سے خفیہ کیوں رکھوں گا' وہ میرے بھائی ہیں' بس ان کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا۔" اس نے پہلو بدلا۔ انداز دفاعی تھا۔

"اوکے۔" زمر نے نوٹ پیڈ اٹھایا اور چند نام لکھنے لگی۔ "یہ بیس افراد ہیں' مگر یہ آپ کا فون رکھتے ہی ہاشم کو کال کر کے بتائیں گے۔ آپ کو کوئی ایسا ماہر وکیل نہیں ملے گا جن کو میں جانتی ہوں اور جو ہاشم کو نہ بتائے۔"

"کیا آپ بھی ہاشم کو بتائیں گی؟"

زمر نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اور پھر قلم کو بند کر دیا۔ "آپ کو کس قسم کا کام ہے نوشیرواں؟"

"میں اپنی کمپنی کے پچاس فیصد شیئرز کا مالک ہوں۔ جبکہ پچیس ہاشم بھائی کے اور پچیس ہارون انکل کے ہیں۔ میں چاہتا ہوں وہ ان کے پچاس بھی میرے پاس آ جائیں۔ اگر میرا وکیل کوئی ایسا چکر چلائے اور کمپنی کے بائی لاز کے دو چار جھول تو میرے بھی ذہن میں ہیں' اور....."

"آپ ہاشم کو سزا دینا چاہتے ہیں؟" نوشیرواں ٹھہر گیا۔ زمر پہ نگاہیں جمائے' اس نے تھوک نگلا۔ آنکھوں میں بہت سے جذبات ابھر کر ڈوبے۔ مگر خاموش رہا۔

"آپ کسی بات پہ ہاشم سے ناراض ہیں اور اس کو سزا دینا چاہتے ہیں۔" وہ ٹیک لگا کر بیٹھی، قلم انگلیوں میں گھمائی، اسے دیکھ کر سوچتے ہوئے بول رہی تھی۔ شیرو چپ رہا۔

"آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ اگر آپ کسی طریقے سے 50 فیصد شیئرز لے بھی لیں تب بھی، ہاشم اگلے ہی دن اس کاغذ کو بھک سے اڑا دے گا۔ شیئرز حاصل کر کے آپ کو کیا ملے گا؟ پیسے کے لیے تو آپ یہ نہیں کر رہے۔ اندرونی تسکین کے لیے کر رہے ہیں۔ تو ایسا نہیں کرنا چاہیے آپ کو بلکہ اس کے بجائے... آپ وہ کریں جو ہاشم نہیں چاہتا، مگر وہ کچھ نہ کر سکے۔ آپ شیئرز "لینے" کی بجائے شیئرز "دے" دیں۔"

نوشیرواں کی آنکھوں میں حیرت ابھری۔ وہ ذرا آگے کو ہوا۔

"کسے دے دوں؟"

زمر نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ "فری کنسلٹیشن کے پانچ منٹ گزر چکے ہیں۔ اب میں اگلی بات صرف اس صورت میں بتا سکتی ہوں جب آپ مجھے ہائر کریں۔ سو... آپ مجھے ہائر کر رہے ہیں یا نہیں؟" نرمی سے اس نے پوچھا۔ نوشیرواں کی آنکھیں چمکیں اور وہ پہلی دفعہ مسکرایا۔



یہ عجب قیامتیں ہیں تیری رہگزر میں گزراں
نہ ہوا کہ مر مٹیں ہم، نہ ہوا کہ جی اٹھیں ہم

ایئر پورٹ کے احاطے سے باہر نکلتے ہی آبدار نے ایک پیکٹ اس کی طرف بڑھایا تھا۔

"یہ میرے اپارٹمنٹ کی چابی ہے۔ ہمارے ہوٹل سے کافی دور ہے۔ اس کے اندر اس کا ایڈریس اور چابیاں موجود ہیں۔ آپ جب تک چاہیں ادھر رہ سکتے ہیں۔"

فارس نے کیپ ماتھے پہ مزید ترچھی کر کے جھکاتے ہوئے وہ پیکٹ پکڑا۔

"اور کیوں لوں گا میں آپ کا فلیٹ؟"

"کیونکہ آپ مجھے استعمال کر رہے ہیں۔" وہ شرارت سے مسکرائی۔

فارس نے بے اختیار مسکراہٹ دبائی اور سر کو خم دیا۔ "سو تو ہے۔ جاتے وقت واپس کر جاؤں گا۔" اور پیکٹ جیکٹ کی جیب میں ڈال لیا۔

"ہم دوبارہ ملیں گے فارس غازی!" وہ چیلنج کرنے والے انداز میں کہہ کر مڑ گئی۔ اس کی کار دور سڑک پہ آ رکی تھی۔

وہ وہاں سے سیدھا آبدار کے فلیٹ پہنچا۔ پوش علاقے میں واقع ایک خوب صورت عمارت کا وہ فلیٹ اندر سے بھی بہت خوب صورت تھا۔ چکنی چکنی سفید دیواریں، ہلکے رنگوں کے پردے، قیمتی مگر ماڈرن فرنیچر۔ وہ بنا آرام کیے، سب سے پہلے لیپ ٹاپ کھول کر بیٹھا اور اپنے جی پی ایس پین کا سگنل چیک کیا۔ وہ ابھی تک اسی پارک میں تھا۔ فارس نے راستے میں خریدا ہوا نقشہ نکالا اور اسے پھیلا کر سامنے رکھا۔ وہ پارک یہاں سے پچاس منٹ کی مسافت پہ تھا۔ وہ نقشے پہ مختلف نکات پہ نشان لگاتا، آگے کا لائحہ عمل طے کرتا رہا۔ وہ مصروف ہو گیا تھا۔ زمر یا گھر والوں کو کال کرنا اس کے ذہن سے نکل گیا تھا۔ یاد تھا تو صرف سعدی۔

نوشیرواں کو "رخصت" کر کے زمر نیچے آئی تو ریسٹورنٹ کے باہر پھولوں والا لڑکا گل خان بیٹھا تھا۔ اپنے پھولوں کے اسٹال پہ پانی کا چھڑکاؤ کرتا وہ مصروف نظر آ رہا تھا۔

"السلام علیکم گل خان!" اس نے نرم ٹھنڈے انداز میں پکارا تو وہ چونکا، اسے دیکھا اور شرما کر مسکراتے ہوئے سلام کیا۔ پھر جلدی سے بولا۔

"باجی! یہ جو لڑکا ابھی یہاں سے نکلا تھا سفید گاڑی والا جس کا سعدی بھائی سے..." گل خان نے مزید جاسوسی کے جوہر دکھانے چاہے مگر زمر نے "مجھے پتا ہے" کہہ کر بات ختم کر دی۔

(ہاشم نے سعدی پر گولیاں چلوا دیں، یہ معلوم ہو جانے کے بعد یہ سوچنا کہ شیرو کا اس سے زبانی کلامی

کبھی کوئی جھگڑا ہوا تھا' بے معنی سا لگتا تھا۔)

وہ گھر آئی تو لاؤنج میں معمول کی چہل پہل تھی۔ اس گھر کا لاؤنج کافی کھلا اور بڑا تھا۔ کچن یہاں سے دکھائی نہیں دیتا تھا۔ بغلی گیلری میں آگے بڑھو تو پھر آتا تھا۔ لاؤنج کے ایک طرف ڈائننگ ہال تھا۔ دونوں کے درمیان میں شیشے کے سلائیڈنگ دروازے تھے۔ (ان کے پردے ابھی بنوانے تھے۔) بڑی ایل ای ڈی اسکرین دیوار پہ نصب تھی اور ندرت صوفے پہ بیٹھیں' عینک لگائے' موبائل کو دیکھ کر حنین کو پکار رہی تھیں۔

"حنین' ذرا میرا جی میل تو دیکھو' بار بار تنگ کر رہا ہے۔" مگر نقار خانے میں امی کی کون سنتا ہے؟ حنہ ڈائننگ روم میں کرسی پہ بیٹھی' لیپ ٹاپ میز پہ رکھے کھٹ کھٹ کام کیے جا رہی تھی۔

"زمر' فارس نے پہنچ کر اطلاع دی؟" ابا نے اسے پکارا تو اس نے نرم سی مسکراہٹ کے ساتھ "جی" کہہ کر ان کی تسلی کرا دی۔

"اس سے کہنا ویک اینڈ پہ گھر آجائے' مگر پھر بار بار فلائٹس کا خرچا۔۔۔ اونہوں۔" ندرت نے اپنی بات خود ہی مسترد کر دی۔

زمر حنہ کے پاس آگئی اور شیشے کا دروازہ بند کر دیا۔ پھر اس کے ساتھ کرسی پہ بیٹھی اور بے زاری سے اسے دیکھا۔

"کیا کر رہی ہو؟" حنین کو جیسے کسی سامع کی تلاش تھی۔ جوش سے شروع ہو گئی۔

"اس فلیش میں فروزن کے سوا کچھ نہیں ہے' مگر یاد ہے' سونیا کی سالگرہ کا کیک؟" اس نے پچھلے سال کی سیاہ سنہری سالگرہ یاد دلائی۔

"باربی کیک تھا۔ پنک باربی۔"

جواباً" حنہ نے اسکرین پہ چند تصاویر نکالیں۔ سونی کی سالگرہ کی تصاویر۔

"یہ باربی لگتی ہے' مگر یہ باربی نہیں ہے۔ اس کی شکل غور سے دیکھیں۔ یہ آنا Anna ہے۔ پرنسس آنا۔ سونی کو فروزن پسند ہے۔"

"تمہیں کیسے پتا؟"

"زمر! کون سا بچہ ہے۔ جس کو فروزن نہیں پسند؟ مگر سونی اپنے باپ کی طرح (دل میں کچھ چبھا) بہت انا والی ہے۔ وہ کھلم کھلا یہ ظاہر نہیں کر سکتی کہ وہ بھیڑ چال کا حصہ بن کر' عام لوگوں کی طرح کسی فلم کی دیوانی ہے۔ وہ مختلف ہے۔ اس نے آنا اور باربی کو مکس کر کے ایک نئی ڈول بنائی۔ یہ بات ہم نے نوٹ نہیں کی تھی' مگر سونی کے دوست' بچوں نے نوٹ کی ہوگی اور اس کی واہ واہ ہوئی ہوگی۔" وہ جوش سے بتا رہی تھی۔

"فلیش' حنہ!" زمر نے یاد دلایا۔

"ہاں وہی۔ اس فلیش میں صرف فروزن ہے۔ یہ فلیش ہاشم کے ڈیٹا سے بھری ہونی چاہیے تھی۔ ہے نا؟ مگر فلیش کو خالی دیکھ کر میں سمجھی یہ غلط فلیش ہے۔ جب کہ ایسا نہیں ہے۔ اس میں ہاشم کا ہی ڈیٹا تھا۔ فروزن بھی اسی کے ڈیٹا میں ہوگی' سونی نے ڈاؤن لوڈ کی ہوگی نا۔ اس فلیش میں زمر! ہاشم کی ساری فائلز موجود تھیں' مگر کسی نے فروزن کے سوا سب کچھ مٹا دیا۔"

"مگر کس نے؟" زمر چونکی۔

"یہ تو سعدی بھائی ہی بتا سکتا تھا۔" اس نے گہری آہ بھری۔ یہ ایسا ذکر تھا جس پہ دونوں خاموش ہو گئیں۔ باہر سے امی کی پکار پھر سے شروع ہو گئی۔ "حنہ۔۔۔ میرا میل باکس فل ہو رہا ہے۔"

"ایک تو ان امیوں کو اسمارٹ فون نہ لے کر دے بندہ۔ مصیبت میں اولاد آجاتی ہے۔" وہ جل کر بولی۔ پھر سر اونچا کر کے آواز لگائی۔

"میں بزی ہوں امی۔ رات میں دیکھ لوں گی۔" پھر وہ زمر کی طرف گھومی اور چمکتی آنکھوں کے ساتھ اعلان کیا۔

"مجھے وہ فائلز چاہئیں۔۔۔ میں ہاشم کے کمپیوٹر کو ہیک کرنے لگی ہوں۔ اور مجھے کسی کا ڈر نہیں ہے۔"

زمر خاموش رہی۔ وہ اس کے ساتھ تھی۔ خاور نہیں تھا۔ اب ڈر کیسا؟

☼ ☼ ☼

اچھی لگتی نہیں اس درجہ شناسائی

ہاتھ ہاتھوں سے ملاتے ہوئے تھک جاتا ہوں
کولمبو۔ نیلی اور بھیگی بھیگی سی شام اپنے سائے پھیلانے لگی۔ ایسے میں اس بلند بالا عمارت سے فارس نکلتا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ بھورے سوئیٹر اور نیلی جینز میں ملبوس' جیبوں میں ہاتھ ڈالے' سنجیدہ سنہری آنکھوں سے سامنے دیکھتا' چلتا جا رہا تھا کہ قریبی کیفے کا شیشے کا دروازہ کھلا اور اندر سے آبدار نکلتی دکھائی دی۔ نیلی جینز پہ سفید' گھٹنوں تک آتا کوٹ پہنے' اس کی سیدھے سرخ بال کمر پہ جھول رہے تھے اور سر کے اوپر سرخ ریشمی رومال باندھ کر گردن کے پیچھے گرہ لگا رکھی تھی۔ سرمئی آنکھوں میں چمک لیے' وہ شرارت سے سرخ لب کاٹتی دوڑتی ہوئی آئی اور اس کے ساتھ آملی۔ فارس رک گیا اور قدرے خفگی سے اسے دیکھا۔

"آپ ادھر کیا کر رہی ہیں مس آبدار؟"

"آپ کو اپنے ذہن میں موجود باتیں شیئر کرنے کے لیے کسی کی ضرورت تو ہوگی۔" اس نے چمک کر ورک وائف کا مقصد یاد دلایا۔

"میں اکیلے زیادہ آرام دہ رہتا ہوں۔"

"مگر زیادہ خوش نہیں۔" فارس نے قدرے برہمی سے سر جھٹکا اور تیز تیز چلنے لگا۔

"تھینک یو۔ میرا دل رکھنے کے لیے۔" وہ اب ہنستی مسکراتی ہوئی اس کے ساتھ فٹ پاتھ پہ چلتی جا رہی تھی۔ اس نے قریب سے گزرتے بچے کے ماتھے پہ ہاتھ پھیر کر اس کے بال بکھیرے۔ پھر ذرا آگے ایک ننھی بچی کی پونی پیچھے سے کھینچی اور اس سے پہلے کہ وہ مڑتی' آبی جلدی سے آگے نکل گئی۔

"آپ کو بچے اچھے لگتے ہیں' فارس؟" وہ پیچھے مڑ کر ایک شرارتی نظر اس بچی پہ ڈال کر کہہ رہی تھی۔ فارس نے ایک دم رک کر اس کو دیکھا۔ وہ بظاہر مگن سی کہہ رہی تھی۔

"آپ کا اپنی فیملی کے لیے دل نہیں چاہتا کیا؟ مگر۔۔۔ اوہ۔۔۔ مسز زمر تو۔۔۔ خیر۔۔۔" آبی نے سادگی اور معصومیت سے شانے اچکائے اور ایک کیب کو رکنے کا اشارہ کیا۔ وہ بالکل خاموش ہو گیا تھا' جیسے اس کی بات کو سوچنے لگا ہو۔

"جب آپ کو معلوم ہے کہ میں اور مسز زمر الگ ہو جائیں گے تو اس بات کا مقصد؟"

"ان سے الگ ہونے کے بعد آپ کی زندگی ختم تو نہیں ہو جائے گی نا؟ کبھی تو آپ کو اپنے ذات کے لیے بھی کچھ سوچنا پڑے گا۔"

"آپ میرے ساتھ نہیں آرہیں۔ واپس جائیے۔" قدرے پست مگر برہمی سے اسے ٹوکتا' وہ رکی ہوئی کیب کی طرف بڑھا۔

کیب ڈرائیور اب گردن نکال کر اس سے کچھ پوچھ رہا تھا۔ وہ آگے کو جھکا اور مطلوبہ پارک کا نام لیا۔ ڈرائیور نے ایک نظر سر سے پیر تک اسے دیکھا اور پھر اثبات کا اشارہ کرتے ہوئے کرایہ بتایا۔

"اتنے پیسوں میں تو ہم پورا کولمبو گھوم لیں۔ فارنر جان کر لوٹو نہیں۔" آبی چمک کر کہتی آگے آئی۔ "تمہارا میٹر دیکھ سکتی ہوں میں اور اسٹینڈرڈ کرایہ بھی معلوم ہے مجھے۔" پھر معصومیت سے فارس کو دیکھا۔ "اب بھی ساتھ نہیں لے کر جائیں گے کیا؟" اور کیب کا دروازہ کھول لیا۔

وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔ وہ تو ہارون عبید اور ہاشم کاردار کو آمنے سامنے لانا چاہ رہا تھا' مگر یہ اچھی بلا پیچھے پڑ گئی تھی۔ وہ پارک کافی بڑا اور خوب صورت تھا۔ وہاں غیر ملکی سیاحوں کی بہتات تھی۔ وہ دونوں اندر داخل ہوئے تو فارس نے موبائل نکال کر اسکرین دیکھی۔ پارک کے وسط میں پین کا سگنل آرہا تھا۔

"اتنے بڑے پارک میں ہم کہاں ڈھونڈیں گے اس پین کو؟" آبی کو مایوسی ہوئی۔ وہ خاموشی سے ادھر ادھر دیکھتا آگے بڑھتا گیا' یہاں تک کہ اس کے قدم رک گئے۔ سگنل کی جگہ اس کے اپنے فون سے قریباً چند میٹر دور تھی۔ اس نے آنکھیں چندھی کر کے سامنے دیکھا۔

سبزہ زار پہ۔۔۔ چند میٹر دور ایک ٹکٹ گھر کی کھڑکی تھی اور اندر ایک باوردی ملازم کھڑا لوگوں کو ٹکٹ دے

رہا تھا۔

"وہ پین اس ٹکٹ کیبن میں ہے۔ آؤ۔" وہ اسے اشارہ کرتے ہوئے آگے بڑھا۔

کیبن کے اندر کھڑا ملازم' سر جھکائے کمپیوٹر پہ ٹائپ کر رہا تھا۔ سامنے لوگوں کی قطار تھی۔ وہ دونوں بھی قطار میں کھڑے ہو گئے۔ آلی اس کے آگے تھی اور وہ پیچھے تھا۔ ان کی باری آئی تو آلی اس سے سنہالی میں ٹکٹ کا پوچھنے لگی۔ فارس نے گردن ذرا اٹھا کر اندر جھانکا۔ شیشے کی دیوار سے اندر کا منظر واضح نظر آ رہا تھا۔ بڑے سے ڈسٹ بن میں فاسٹ فوڈ کے چند خالی ڈبے۔۔۔ پڑے تھے۔ ٹکٹ کلرک کے جوتوں پہ سوکھی ہوئی کیچڑ لگی تھی اور وہ جمائی روکتا کمپیوٹر پہ کچھ ٹائپ کیے جا رہا تھا۔ ساتھ ہی سنہرا قلم کاؤنٹر پہ رکھا تھا۔ پین دیکھ کر آلی کی آنکھیں چمکیں۔ مگر۔۔۔

"چلو۔ جلدی۔" اس نے پیچھے سے سرگوشی کی۔ آواز میں بے چینی تھی۔ آلی نے جلدی سے وہ ٹکٹ تھامے اور پھر متحیر' متعجب سی قطار سے نکلی۔

"پھینکو ان ٹکٹس کو اور یہاں سے نکلو۔" وہ غیر محسوس انداز میں رفتار بڑھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"مگر کیوں؟ وہ پین اس کے پاس تھا' اس سے پوچھو تو سہی کہ۔۔۔"

"کوئی فائدہ نہیں۔ سعدی ادھر نہیں ہے۔" وہ بمشکل اس کی رفتار کا ساتھ دے پا رہی تھی۔ جب وہ باہر آ گئے تو اس نے پھولی سانس کے ساتھ خفگی سے پوچھا۔

"وہ پین سامنے تھا' آپ نے۔۔۔"

فارس اس کی طرف گھوما اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ "پارک کی انٹری کے قریب جگہ کچی ہے' چند کھڈے ہیں' جہاں بارش کا پانی جمع ہو جاتا ہے۔ آخری دفعہ بارش کب ہوئی تھی؟ ماہ کامل کی رات سے اگلی صبح۔ سعدی کے بھاگنے سے اگلی صبح۔ اس صبح یہ ملازم یہاں آیا تھا۔ وہ کیچڑ کے پاس سے گزرا تھا' اب وہ کیچڑ سوکھ چکی ہے' مگر اس کے جوتے اب بھی گندے ہیں۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ وہ دو دن سے گھر نہیں گیا۔ وہ صبح شام ادھر ہی بیٹھا رہتا ہے۔ کھانا کھانے بھی نہیں جاتا۔ فاسٹ فوڈ منگواتا ہے' وہی کھاتا ہے۔ ایک ٹکٹ کلرک فاسٹ فوڈ' وہ بھی اتنا سارا کیسے افورڈ کر سکتا ہے؟ سوائے اس کے کہ کوئی اس کو کھانا پہنچا دیتا ہے' تاکہ وہ یہاں بیٹھا رہے اور اگر کوئی سعدی کے پین کی تلاش میں آئے تو وہ اس کو پکڑ لے۔"

"مگر ہو سکتا ہے سعدی نے اسے یہاں بٹھایا ہو۔"

"سعدی اس ملک میں پہلی دفعہ آیا ہے' رہائی کی اگلی صبح ہی اس کے اتنے کانٹیکٹس کیسے بن سکتے ہیں؟" وہ نفی میں سر ہلاتا کہہ رہا تھا۔ "کسی کے پاس سعدی کا پین ہے اور وہ اس میں موجود جی پی ایس ٹریسر سے واقف ہے' اس لیے وہ اس کو bait کی طرح لگا کر' اس شخص کا انتظار کر رہا ہے' جس نے اسے وہ پین بھیجا تھا۔"

"واوا!" وہ ایک دم چہکی' پھر شکل پہ مسکینیت طاری کی۔ "کیا میں اتنے مزے کے ایڈونچر پہ تھوڑا خوش ہو سکتی ہوں؟"

"نہیں۔ آپ واپس جا رہی ہیں۔" وہ سڑک پہ آگے آیا اور اس کے لیے ایک ٹک ٹک روکنے لگا۔

"مگر۔۔۔" وہ احتجاج کرنے لگی۔

"اگر آپ چاہتی ہیں کہ میں بغیر بتائے آپ کا فلیٹ چھوڑ کر روپوش نہ ہو جاؤں تو خاموش رہیں۔"

وہ منہ بسورے کھڑی تھی۔ ٹک ٹک ساتھ آ کر رکا تو فارس نے اشارہ کیا۔

"اب جائیے۔" پھر آواز میں نرمی پیدا کی۔ "صبح ملیں گے۔"

اس بات پہ وہ تھوڑا سا مسکرائی اور اندر بیٹھ گئی۔ پھر اس نے ہاتھ ہلایا۔ "صبح پکا!"

"پکا۔" اس کے انداز پہ وہ بمشکل مسکراہٹ روک پایا۔ چلو' جو بھی تھا۔ وہ ایک معصوم اور پیاری لڑکی تھی۔

وہ چلی گئی تو گویا ایک بوجھ سا اس کے کندھوں سے

سرکا۔ واپس پارک میں آیا اور ایک کونے میں آبیٹھا۔ درختوں کے جھرمٹ میں اس جگہ سے دور ٹکٹ گھر کی کھڑکی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ نیلگوں شام بھی آہستہ آہستہ گہری ہونے لگی تھی۔

فارس غازی انتظار کرنے لگا۔ ایک طویل اور کڑا انتظار۔



یہ لفظ لفظ محبت کی یورشیں بھی فریب
یہ زخم زخم مسیحائیاں بھی جھوٹی ہیں

کینڈی پہاڑی شہر تھا' جیسے مری۔ سرسبز پہاڑیاں' نیلا' سرمئی بادلوں سے ڈھکا آسمان۔ خوب صورت موسم اور چائے کے باغات کی سوندھی سوندھی مہک۔ سیاح دور دور سے کینڈی میں انجوائے کرنے آتے تھے۔ مگر وہ نہیں کر رہا تھا۔ وہ سڑک کنارے بنے اوپن ایئر کیفے میں بیٹھا تھا۔ عینک پہنے' برساتی کے کالر کھڑے کیے' وہ گردن گھما کر ادھر ادھر گہری نظر ڈالتا پھر کافی کا مگ لبوں سے لگالیتا۔ سیاہ بیگ اس کے قدموں کے ساتھ رکھا تھا۔

بائیں ہاتھ پر ریسٹورنٹس اور دکانوں کی قطار تھی۔ ابھی صبح تازہ تھی۔ دکانوں اور ریسٹورنٹ کے مالکان آکر اپنی اپنی دکانیں کھول رہے تھے۔ ایسے میں وہ ہر کیفے کے مالک یا اسے کھولنے والے ورکر کو آنکھوں سے تاڑتا' پھر رد کردیتا۔ کوئی شاطر لگتا تھا' کوئی مکار۔ کوئی خطرناک۔ کوئی بے حد ٹھس۔

تھوڑی دیر بعد ایک درمیانی عمر کی سنہالی عورت ایک کافی شاپ کا تالا کھولتی نظر آئی۔ ساتھ ایک ننھا لڑکا بھی تھا جو مسلسل اسے تنگ کر رہا تھا اور وہ روہانسی ہوئی اسے ڈانٹ رہی تھی۔ سعدی کی آنکھوں میں چمک ابھر آئی۔ وہ وہاں سے اٹھ گیا۔ اب وہ ذرا دور جاکر ایک اوپن کیفے کے باہر بیٹھ گیا۔ چہرے کے آگے ایک میگزین پھیلالیا۔ اس کی نظریں اس کافی کی دکان پہ تھیں۔

کوئی گھنٹے بھر کے بعد وہ عورت دکان سے باہر نکلی۔ بچہ اس کے ساتھ تھا اور ہاتھ میں سامان کا تھیلا بھی تھا اور ایک لسٹ بھی۔ وہ الجھی ہوئی سی' خریداری کرنے جارہی تھی۔ سعدی تیزی سے اٹھا اور فاصلہ رکھ کر اس کا پیچھا کرنے لگا۔ وہ رکتی تو وہ بھی رک کر مڑ جاتا' کہیں کسی اسٹال پہ کچھ دیکھنے لگ جاتا۔

دوپہر کینڈی کے پہاڑوں پہ پگھلنے لگی۔ بادلوں کی اوٹ سے سنہری کرنیں جھانکنے لگیں۔ اب وہ اس کا پیچھا کرتے ہوئے مارکیٹ کے وسط میں آچکا تھا۔ یہاں سے وہ مڑ گیا اور دو گلیاں عبور کرکے ایک تیسری گلی میں آیا۔ ادھر کونے میں ایک لڑکا کھڑا' بہت رازداری سے اپنے مخصوص گاہکوں کو ایک طرف بلا کر انہیں منشیات کی پڑیاں بیچ رہا تھا۔ وہ اسے گزشتہ شام ہی تاڑ چکا تھا۔

اب سیدھا اس کے قریب گیا جو ادھر ادھر دیکھتا کسی گاہک کا متلاشی تھا۔ سعدی نے اسے آنکھوں سے اشارہ کیا اور دوسری گلی کی جانب قدم بڑھا دیے۔ منشیات فروش لڑکا' ذرا فاصلہ رکھ کر اس کے پیچھے آنے لگا۔ جیسے ہی وہ دوسری گلی میں مڑے' سعدی گھوم کر اس کی طرف آیا اور اسے کالر سے پکڑ کر دیوار سے لگایا۔ پھر رکھ کر ایک مکا اس کے منہ پہ جڑا۔

"نکڑ پہ کھڑے پولیس والے کے حوالے کردوں گا تمہیں اگر آواز نکالی تو۔" پستول اس کی پسلی میں چبھوتے وہ غرایا تھا۔ سختی سے لڑکے نے گھبرا کر ہاتھ اٹھا دیے۔ وہ خود بھی نشے کا عادی لگتا تھا۔

"میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔" وہ جلدی سے کہنے لگا۔

"پیسے میں تمہیں دوں گا' بدلے میں میرا ایک کام کروگے۔ نہیں تو پولیس والے کو بلاتا ہوں میں۔" اس کو دیوار سے لگائے' وہ غرایا۔

چند منٹ بعد وہ واپس اسی گلی میں آکھڑا ہوا جہاں وہ عورت اب بھی ایک دکان سے چیزیں خرید رہی تھی۔ وہ قریبی دکان پہ کھڑا ہو کر اخبارات کھنگالنے لگا۔ اسی لمحے وہ منشیات فروش سنہالی لڑکا اس گلی میں داخل ہوا۔ اب کے اس نے منہ پہ رومال باندھ رکھا تھا۔ وہ

سیدھا اس عورت تک گیا' اور ساتھ سے گزرتے ہوئے اس کا پرس اچک لیا اور ایک دم بھاگ کھڑا ہوا۔ عورت پہلے ۔ تو حیران رہ گئی' پھر وہ چلائی۔

"میرا پرس....."

سعدی بجلی کی سی تیزی سے لڑکے کے پیچھے بھاگا۔ راستے میں اس نے جان بوجھ کر چند اسٹال بازو مار کر گرائے۔ گلی میں شور و غل برپا ہو گیا۔ کچھ اور لوگ بھی اٹھ کر بھاگے' مگر سعدی نے گلی کے کونے میں اس لڑکے کو جالیا اور دبوچ کر نیچے گرایا۔ پھر پرس واپس جھپٹا۔ لمحے بھر کو اپنی گرفت ڈھیلی کی اور لڑکے نے ہاتھ میں پکڑا ننھا چاقو اس کے بازو میں اتار دیا۔ سعدی بے اختیار نیچے کو لڑھکا۔ لڑکا دم دبا کر بھاگ چکا تھا۔

وہ عورت دوڑتی ہوئی اس تک آئی تھی' بچہ بھی پیچھے تھا۔ سعدی نے خون بہاتے بازو کو دوسرے ہاتھ سے پکڑے' اٹھتے ہوئے پرس اس کو تھمایا۔ عورت نے پرس پکڑتے ساتھ ہی بچے کو تھمایا' اور لپک کر اس کا خون سے سرخ ہوتا گیلا بازو پکڑا۔

"آپ کا پرس۔" سعدی نے نقاہت بھری مسکراہٹ کے ساتھ کھڑے ہو کر کہا' مگر وہ جیسے پرس کی طرف متوجہ ہی نہیں تھی۔ فکر مندی سے کچھ کہنے لگی۔ اس نے کھنکھار کر "انگلش پلیز" کہا۔

"اوہ... فارنر۔" پھر ادھر ادھر دیکھا۔ "چلو میں تمہیں اسپتال لے چلوں۔"

"نہیں' اٹس او کے' میں خود چلا جاؤں گا۔" ساتھ ہی دھیرے سے کراہا۔ اب مزید لوگ جمع ہونے لگے تھے۔

"یہیں رکو' میں کار لاتی ہوں۔" عورت بھاگتی ہوئی آگے کو گئی۔ وہ قریب جمع ہوتے لوگوں سے بچنے کے لیے چہرہ جھکائے' رخ موڑے کھڑا ہوا اور ایک طرف کو چلنے لگا جیسے دور جانا چاہ رہا ہو۔ لوگ کچھ کہہ رہے تھے' مگر اتنی سنہالی وہ نہیں سمجھتا تھا۔

عورت جلد ہی ٹیکسی لے آئی' مگر وہ وہاں نہیں تھا۔ وہ لوگوں سے پوچھتی' اسے ڈھونڈتی دوسری گلی تک آئی جہاں وہ فرض شناس اور نیک دل انسان' جو اس کا پرس بچانے کے لیے اپنی جان خطرے میں ڈال بیٹھا تھا' سر جھکائے' بازو کے زخم پہ اوپری جیکٹ لپیٹے چلتا جا رہا تھا۔ اس عورت کا نام کامنی روپا سنگھی تھا اور اس کا دل اس طرح اس کو دیکھ کر بہت دکھا تھا۔ وہ تیزی سے کار سے نکلی اور اس کو جالیا۔

"میں نے تمہیں رکنے کو کہا تھا فارنر۔ چلو میں تمہیں اسپتال لے جاتی ہوں۔"

"میں خود چلا جاؤں گا' آپ کی ٹیکسی گندی ہو جائے گی۔" وہ چھوٹے بالوں اور عینک والا لڑکا مسکرا کر بولا تھا' مگر کامنی نے خفگی سے اسے ڈپٹا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو' تم زخمی ہوئے ہو' میری وجہ سے۔ بس اسپتال قریب ہی ہے۔"

"مجھے اسپتال نہیں جانا۔ میں زخم خود سی لوں گا۔" اس کے انداز میں منت سی تھی۔ اب کے کامنی چونکی۔

"اچھا ٹیکسی میں بیٹھو۔ میں فرسٹ ایڈ کٹ لا کر تمہیں شاپ پہ لے جاتی ہوں۔" اس نے اسے قائل کر لیا۔ وہ لڑکا بدقت ٹیکسی میں بیٹھا۔ ننھا بچہ اس کے ساتھ پچھلی سیٹ پہ آبیٹھا اور کامنی آگے۔

"پلیز..." وہ پچھلی سیٹ کی پشت پہ سر گرائے' نقاہت سے آنکھیں موندے کہنے لگا تو کامنی نے بیک ویو مرر میں اسے دیکھا۔ "مجھے اسپتال کے اندر مت لے جایئے گا۔ پولیس میرے پیچھے ہے۔ میں گرفتار ہو جاؤں گا۔ خود کو میری وجہ سے خطرے میں نہ ڈالیں۔"

سنہالی عورت ہکا بکا رہ گئی۔ اور سعدی یوسف کو انسانوں کی اتنی پہچان تو تھی کہ بند آنکھوں کے باوجود وہ جان گیا تھا کہ تیر نشانے پہ لگا ہے۔



وہ کون لوگ تھے ان کا پتا تو کرنا تھا
مرے لہو میں نہا کر جنہیں نکھرنا تھا

بیلوں سے ڈھکے بنگلے میں اس صبح حسین لیپ ٹاپ پر' ہاشم کے کمپیوٹر کو ہیک کرنے کی سر توڑ کوشش

کر رہی تھی۔ اس کی زنبیل میں بہت سے طریقے تھے جن کو ایک ایک کر کے وہ استعمال کر رہی تھی۔

ادھر زمر یوسف کورٹ سے نکل کر، اپنی فائلز اور کاغذوں میں الجھی، پارکنگ ایریا کی طرف جا رہی تھی جب اس کے ارد گرد سوٹ میں ملبوس تین افراد آکھڑے ہوئے تھے۔ زمر نے سن گلاسز اوپر کر کے بالوں پہ ٹکائے اور دھوپ کے باعث آنکھیں سکیڑ کر ان کو دیکھا۔

"جی؟"

"مسز زمر!" ان میں سے ایک نے ادب سے مخاطب کیا۔ "ہارون عبید آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ اپنے آفس کے کانفرنس ہال نمبر ٹو میں۔ آپ چاہیں تو ہم آپ کو لے جا سکتے ہیں۔" ساتھ ہی ہارون کا آئی ڈی کارڈ اس کی طرف بڑھایا۔ یہ ایک طرح کی ضمانت تھی۔

"نو تھینک یو۔ میں خود آجاؤں گی۔" کارڈ پکڑ کر رکھائی سے کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی۔ البتہ دل۔۔۔ عجیب سے واہموں کا شکار ہو رہا تھا۔

جب اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ نہیں جائے گی، تب ہی خود بخود کار کا رخ ان کے آفس کی طرف موڑ دیا۔ پون گھنٹے بعد وہ ان کے کانفرنس روم کے دروازے کی چوکھٹ میں کھڑی تھی۔ سفید لمبی قمیص اور سیاہ کوٹ پہنے، گھونگھریالے بال جوڑے میں باندھے اور بھوری آنکھوں کو مشتبہ انداز میں سکیڑے، اس نے سامنے کانفرنس ٹیبل کی سربراہی کرسی پہ بیٹھے ہارون کو دیکھا۔

"مجھے یوں طلب کیا جانا پسند نہیں ہے، عبید صاحب!"

"مسز زمر، مجھے بھی آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔ آیئے۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ سیاہ سوٹ میں ملبوس تھے اور سفید سرمئی بال جیل سے پیچھے کو جما رکھے تھے۔ چہرے پہ مسکراہٹ سجا کر انہوں نے کرسی کی طرف اشارہ کیا ۔۔۔ دزدیدہ نگاہوں سے ان کو دیکھتی، سربراہی کرسی کے دائیں طرف دو کرسیاں چھوڑ کر بیٹھی۔

"کیسی ہیں آپ؟" وہ واپس بیٹھے اور شفقت سے پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں، شکریہ۔ آپ بتایئے، میں کیا کر سکتی ہوں آپ کے لیے؟"

"آپ کا شوہر کہاں ہے مسز زمر! کیا آپ کو معلوم ہے؟"

زمر کے ابرو ناگواری سے بھنچے ۔۔۔ "میں آپ کو کیوں بتاؤں اپنے شوہر کے بارے میں؟"

"میں نے یہ نہیں پوچھا کہ وہ کہاں ہے، یہ پوچھا ہے کہ کیا آپ جانتی ہیں کہ وہ کہاں ہیں؟"

اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے وہ مسکرا کر پوچھ رہے تھے۔ زمر کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ ماہ کامل کی رات کی چاندنی برف کی سفیدی میں بدلنے لگی۔

"وہ کراچی گیا ہے، جاب کے۔۔۔"

"وہ کولمبو میں ہے میری بیٹی کے ساتھ۔ کل وہ میرے پرائیویٹ جیٹ پہ کولمبو گیا ہے۔"

زمر نے ضبط سے گود میں رکھی مٹھیاں بھینچ لیں۔ چہرے کو نارمل رکھنا چاہا، مگر وہ جانتی تھی کہ اس کی رنگت زرد پڑنے لگی ہے۔

"تو اس نے آپ کو نہیں بتایا؟" انہوں نے افسوس سے سر جھکا۔

"مجھے نہیں معلوم آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" وہ بدقت کہہ پائی۔ دل و دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔

ہارون نے جواباً موبائل کے چند بٹن دبائے اور اسکرین اس کے سامنے رکھی۔ زمر نے موبائل کو نہیں چھوا، صرف نگاہ جھکا کر دیکھا۔ ایئرپورٹ پہ وہ آبی کے سامنے کھڑا اس سے کوئی پیکٹ لے رہا تھا۔ کیپ کی وجہ سے شکل واضح نہیں تھی، مگر وہ فارس تھا۔ اسے وہ لاکھوں میں پہچان سکتی تھی۔ پیچھے ایئرپورٹ کا نام اور ارد گرد کا ماحول سب نظر آ رہا تھا۔

دل پہ ڈھیروں آنسو گرے۔ وہ جانتا تھا۔ وہ سب جانتا تھا۔ وہ اس کا گھر سے باہر رہنا۔۔۔ وہ اس کا راتوں کو

دیر سے واپس آنا... وہ اس کی فون کالز... وہ جاب نہیں ڈھونڈ رہا تھا... وہ شروع سے ہاشم کے پیچھے تھا۔

"پھر؟" بظاہر ابرو اچکائے۔ وہ بمشکل خود پر قابو رکھے ہوئے تھی۔

"کیا آپ کو معلوم ہے وہ وہاں کیوں گیا ہے؟"

وہ ان کی آنکھوں پہ آنکھیں جمائے خاموش رہی۔

"ہمارا مہمان کچھ دن قبل ہماری میزبانی سے تنگ آکر بھاگ گیا ہے۔ وہ اسی کو ڈھونڈنے گیا ہے۔ آپ فکر نہ کریں، میں ہاشم کو پتا نہیں چلنے دوں گا۔"

"ہاشم درمیان میں کہاں سے آگیا؟ وہ اس کا کزن ہے۔" زمر کی آواز کانپی۔ نگاہیں اب بھی ہارون پہ جمی تھیں۔ انہوں نے مسکرا کر پیچھے ہوتے ہوئے، دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"آپ کو معلوم ہے میں کیا بات کر رہا ہوں، فارس کو بھی معلوم ہے۔" زمر کی آنکھوں میں ایک دم ڈھیروں جذبات ایک ساتھ ابھرے۔ اور ان سارے جذبات نے اس کی آنکھوں کو سرخ گلابی سا کر دیا۔ وہ ذرا چونکے۔ "آپ کو لگا تھا وہ نہیں جانتا؟"

زمر گردن موڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگی اور بہت سے آنسو اندر اتارے۔

"خیر، میں نے یہاں آپ کو یہ بتانے کے لیے نہیں بلایا کہ وہ اتنے عرصے سے میری بیٹی کے ذریعے ہمارے مہمان سے رابطہ رکھے ہوئے تھا۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ وہ میری بیٹی کے ساتھ کیوں ہے؟"

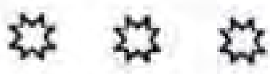
زمر نے چہرہ ان کی طرف موڑا تو آنکھیں خشک تھیں، مگر سرخی مائل سی۔ "اپنے جاسوسوں سے پوچھ لیں۔" اور پرس اٹھا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اب مزید بیٹھنا دوبھر ہو گیا تھا۔ انہوں نے محظوظ ہو کر گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تو مسز کاردار آپ کی شادی کے بارے میں درست کہتی ہیں۔ آپ دونوں واقعی الگ ہونے جا رہے ہیں۔ مگر کب؟"

"یہ آپ مسز کاردار سے پوچھ لیں۔" ایک پرتپش نظر ان پہ ڈال کر وہ مڑی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"میرے اندازے درست ثابت کرنے کا شکریہ مسز زمر۔ مجھے یقین ہے کہ ہم جلد دوبارہ ملیں گے۔ آپ کے بہت سے ٹیڑھے کام ایسے ہیں جو صرف میں سیدھے کر سکتا ہوں۔" کانفرنس ہال سے نکلتے وقت، اپنے جذبات اور آنسوؤں پہ قابو پاتی زمر نے تہیہ کر لیا تھا کہ اس مکروہ انسان سے دوبارہ کبھی نہیں ملے گی۔

مگر وہ غلط تھی۔



اپنی گلی میں اپنا ہی گھر ڈھونڈتے ہیں لوگ
امجد یہ کون شہر کا نقشہ بدل گیا

وہ رات ان چاروں نے عجیب سی کیفیت میں بسر کی تھی۔

حنین ڈائننگ ہال میں لیپ ٹاپ کھولے، پیر اوپر کرسی پہ چڑھائے، ناخنوں کو دانتوں سے کترتی، اسکرین کی طرف متوجہ تھی۔ ایک دفعہ پھر سے... نہ کھانے کا ہوش، نہ پینے کا... وہ بار بار ہاشم کے کمپیوٹر پہ "حملہ" کرتی اور ہر دفعہ اس کے کمپیوٹر کا مضبوط نظام اس کے حملوں کے خلاف بھرپور مدافعت کر کے ان کو ناکام بنا دیتا۔ پے درپے ناکامی اسے پاگل کر رہی تھی۔

زمر گویا خود کو گھسیٹتی ہوئی گھر کے اندر آئی اور اس کو دیکھے بنا... سیدھی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اندر آکر اس نے دروازہ بند کر لیا اور پھر... دروازے کے ساتھ نیچے بیٹھتی چلی گئی۔ سر پیچھے ٹکائے اس نے آنکھیں موندیں تو خود بخود گرم گرم پانی ٹپک کر چہرے کو بھگونے لگا۔

"وہ جانتا تھا۔ وہ سب جانتا تھا، مگر اس نے مجھے نہیں بتایا۔" اس نے بھیگی آنکھیں کھولیں اور دکھ سے اپنے اردگرد خالی درودیوار کو دیکھا۔ پھر اوپر نگاہیں اٹھائیں۔ ان میں شکوہ تھا۔ صدمہ تھا۔ اس کا دل بری طرح سے ٹوٹا تھا۔

کیا میں اتنی بری ہوں کہ وہ میرے ساتھ کچھ شیئر نہیں کر سکتا؟ میں نے تو ہمیشہ سب شیئر کیا۔ جب

نفرت تھی تب بھی۔ جب بیمار ہوئی تب بھی۔ نہیں بتائی تو ایک یہی بات نہیں بتائی کہ کہیں وہ خود کو نقصان نہ پہنچالے 'مگر اس نے تو کچھ بھی نہیں بتایا۔ ایسا کیوں کرتا ہے وہ ہمیشہ؟ اسے ہر دفعہ نئے سرے سے جاننا اتنا کٹھن کیوں ہوتا جا رہا ہے؟

چہرہ جھکائے اس نے سختی سے آنکھیں رگڑیں 'مگر پانی ابل ابل کر آرہا تھا۔

(شاید میں اسی قابل تھی۔ میں نے کتنی زیادتیاں کی اس کے ساتھ۔ اسے مجھ پہ اعتبار ہی نہیں کرنا چاہیے اب تو۔ مجھ سے زیادہ اسے اس پلاسٹک کی گڑیا پہ بھروسا ہے تو ٹھیک ہے۔ میں اسی کی مستحق تھی۔) اب کے اس نے سر گھٹنوں پہ رکھ دیا اور چہرہ ایک طرف موڑے 'خالی نظروں سے دیوار کو دیکھتی' آنسو بہائے گئی۔

(اور میں کس حیثیت سے اللہ سے شکوے کر رہی ہوں؟ جو لوگ اپنی ذاتی عبادات میں اچھے نہیں ہوتے' جو نماز کے بعد دعا نہیں مانگتے' اللہ سے اپنا رشتہ کھو چکے ہوتے ہیں' ان کو کیا حق ہے کہ وہ اللہ کو پھر سے مخاطب کر سکیں؟ ایک زمانہ تھا جب میری نمازیں بے جان' بے روح نہیں ہوتی تھیں۔ جب میں جائے نماز پہ بیٹھ کر' خوشی غمی کی بات اللہ تعالیٰ سے کہہ لیتی تھی۔)

آنسو اب بہنا رک گئے تھے اور وہ یاد کرنے لگی تھی۔ (تب میں کتنی زندہ دل تھی۔ سعدی کو بھی یہی سکھایا تھا۔ وہ سیکھ گیا۔ میں بھول گئی۔ اتنی سخت دل' اتنی تلخ کلام' یہ میں کیا بنتی جا رہی ہوں؟ اوہ زمر۔۔۔ اب تو تم خود کو بھی نہیں پہچان پا رہیں۔)

فارس نے اس کو اعتبار کے قابل نہیں سمجھا' اس ایک بات نے اس کے اندر کے پر اعتماد انسان کو توڑ کر رکھ دیا تھا' مگر اب وہ کیا کر سکتی تھی۔ وہ اتنی دور آچکی تھی' اتنی کھو چکی تھی کہ اب اس کا سخت دل پہلے کی طرح اللہ کے کلام پہ نہیں پگھلتا تھا' نہ اللہ سے کلام کرنے کا ڈھنگ یاد رہا تھا۔ وہ اب کیسے اس نرم مزاج' اچھی زمر کو واپس لائے جو انتقام اور تلخ جذبات سے نا آشنا' صرف محبت اور قربانی کا پیکر تھی۔ وہ اس زمر کو کہاں ڈھونڈے؟

اور سمندر پار۔۔۔ فارس گویا تھک کر' مگر چوکنا سا درختوں کے جھرمٹ کے بیچ بیٹھا تھا۔ ارد گرد کی جگہ اب سنسان ہو چلی تھی۔ لوگ قریباً" جا چکے تھے۔ ایسے میں اس کی چبھتی ہوئی نظریں اس ٹکٹ کیبن پہ جمی تھیں۔ پچھلی رات اور آج کا سارا دن وہ مختلف جگہوں پہ بیٹھا انتظار کرتا رہا تھا۔ (آج آبی نے کسی سیمینار میں جانا تھا سو اس کے پاس نہیں آئی تھی۔) مگر ٹکٹ کلرک کے پاس کوئی نہیں آیا تھا۔

اور جانے کتنی رات بیت چکی تھی جب وہ ایک دم چونک کر سیدھا ہوا۔

ایک آدمی برساتی اور ٹوپی اوڑھے کیبن کی طرف آرہا تھا۔ کھڑکی کے پاس رک کر اس نے ٹکٹ چیکر سے کچھ پوچھا۔ وہ جواباً" نفی میں سر ہلا کر کچھ بتانے لگا۔ فارس اس جگہ سے کافی دور تھا' اور اس آدمی کی اس کی طرف پشت تھی' مگر وہ اس کی جسامت' اس کی چال ڈھال کو۔۔۔ لاکھوں میں پہچان سکتا تھا۔

بات کرتے ہوئے دور کھڑے نووارد نے مڑ کر اطراف کا سرسری جائزہ لیا تو اس کا چہرہ واضح ہوا۔

وہ کرنل خاور تھا۔

فارس نے گہرا سانس اندر کھینچا۔

تو خاور نے سعدی کا پین چرا لیا تھا' اور اب وہ اس پین کے ذریعے سعدی تک پہنچنا چاہتا تھا۔ وہ دونوں اکٹھے فرار ہوئے تھے' مگر اب اکٹھے نہیں تھے۔ پھر کہاں گیا سعدی؟ خاور کے جانے تک وہ وہیں بیٹھا سوچتا رہا' پھر قریباً" گھنٹے بعد وہ وہاں سے نکل آیا۔

اب وہ کیا کرے؟

ادھر کینڈی میں۔۔۔ وہ عورت سعدی کو اپنی کافی شاپ کی پچھلی طرف سے داخل کر کے کچن میں لے آئی۔ فارمیسی سے ضروری سامان اس نے راستے میں خرید لیا تھا۔ سعدی کو وہاں بٹھا کر اس نے بچے کو شاپ کے لاؤنج میں بھیجا اور خود دوسرا اسٹول کھینچ کر بیٹھی۔

"میرے والد آرمی آفیسر ہیں۔" (سعدی کا دل دھک سے رہ گیا۔ فورسز سے تعلق رکھنے والوں کی

شاپ پہ وہ کیوں آگیا؟ اوہ نو) "ڈرو نہیں' وہ ریٹائرڈ ہیں۔ ڈاکٹر نہیں مگر چھوٹے موٹے ٹانکے لگا لیتے ہیں۔"

وہ ایک رومال اپنے خون سے سرخ ہوئے بازو پہ باندھے اور اسے ہاتھ سے زور سے دبائے' درد کو برداشت کرتا خاموشی سے سنتا گیا۔

"اب بتاؤ' پولیس سے کیوں چھپ رہے ہو؟"

"بتایا تو آپ مجھے نکال دیں گی۔"

"جانتی ہوں تم کچھ گڑ بڑ ہو' مگر اتنی انسانوں کی پہچان تو مجھے بھی ہے کہ اچھے اور برے میں تمیز کرسکوں۔ بتادو۔" وہ سنجیدہ تھی۔ تب ہی بچہ ایک بوڑھے آدمی کے ساتھ واپس آیا جو گھور گھور کر سعدی کو دیکھ رہا تھا۔ کامنی اور اس کا سنہالی میں ایک قدرے تلخ مکالمہ ہوا پھر وہ بیٹھ کر خاموشی سے سعدی کا زخم صاف کرنے لگا۔

"میں..." اس نے چہرے پہ دنیا جہاں کی سادگی اور معصومیت طاری کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ "ایک لڑکی کو پسند کرتا ہوں۔ مگر غریب ہوں۔ اس کا باپ مجھے پسند نہیں کرتا۔ میں نے سوچا اسے کچھ بن کر دکھاؤں' اس لیے انگلینڈ سے یہاں آگیا۔"

"وہاں کدھر رہتے تھے۔" وہ غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"لیڈز میں۔ پڑھائی بھی چھوڑ دی اس کے پیچھے... پیسے کمانے ادھر آیا۔ اس کے قریب رہنا چاہتا تھا' مگر اس کے باپ کو جب پتا چلا تو اس نے۔" درد سے اس نے آنکھیں میچیں۔ بوڑھا اب اس کے ٹانکے لگا رہا تھا' مگر میں اس لڑکی کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا۔" آدمی گاہے بگاہے اس پہ نظر ڈالتا' چپ چاپ اپنا کام کرتا رہا۔

"نام کیا ہے اس لڑکی کا؟" کامنی نے جتنی جاسوسی فلمیں دیکھ رکھی تھیں' ان کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس نے ترنت سوال در سوال شروع کردیے۔

"سونیا۔" جواب تیار تھا۔

"اور تمہارا؟"

"شفیع... شفیع احمر۔" جواب تیار نہیں تھا' جو منہ میں آیا بول دیا۔

"اب کیا کرو گے۔" عورت نے ذرا ہمدردی سے پوچھا۔ اسے وہ بے ضرر لگا تھا۔

"پیسے کماؤں گا' بڑا آدمی بنوں گا۔ پھر دیکھتا ہوں وہ کیسے اس کی شادی مجھ سے نہیں کرتے۔" مسکرا کر بولا۔ عورت نے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔

"تم آج کل کے نوجوان۔ تم لوگوں کی سوچ شادی سے آگے جاتی ہی نہیں۔" وہ افسوس کر رہی تھی۔ "اپنا ملک' اپنی فیملی' کسی بڑے مقصد کے لیے جینا' یہ باتیں تم کیوں نہیں سمجھتے۔" وہ اداسی سے مسکرایا۔

"میں کیا کروں' میری سمجھ میں ہی نہیں آتیں یہ باتیں۔"

مرہم پٹی ہو چکی تھی۔ بوڑھا اس پہ ایک ناپسندیدہ نظر ڈال کر چیزیں سمیٹ کر خاموشی سے اٹھ گیا۔

"بابا کے رویے کا برا نہ مانا' وہ ایسے ہی ہیں۔ اجنبیوں پہ اعتبار نہیں کرتے۔ انہیں لگتا ہے کہ میں بے وقوف ہوں جو لوگوں پہ اعتبار کر کے انہیں گھر کے اندر لے آتی ہوں۔ مونچو کے باپ کو بھی ایسے ہی لائی تھی۔ پھر وہ ہمیں چھوڑ کر اپنی ایک اسٹوڈنٹ کے ساتھ بھاگ گیا۔" وہ اس تنگ سی پینٹری کی چیزیں درست کرتی کہہ رہی تھی۔ وہ درمیانی عمر کی عورت تھی' بال اسٹیپ کٹنگ میں کٹے تھے' کافی دبلی اور سانولی تھی مگر آنکھوں میں سکون تھا' چمک تھی۔ اور اداسی بھی۔

"مگر میں یہ سوچتی ہوں شفیع کہ اگر انسان انسانوں پہ اعتبار ہی نہ کرسکے تو اس دنیا کو ہی ختم ہو جانا چاہیے۔ اب ہر کوئی تو ہم سے جھوٹ نہیں بولتا نا۔"

سعدی ذوالفقار یوسف خان کے دل کو کسی نے الٹی چھری سے کاٹ دیا مگر بظاہر وہ جبراً" مسکرا دیا۔ "ایسا ہی ہے۔"

"خیر' تم ابھی زخمی ہو' یہ دوا کھالو اور ادھر۔" ایک پرانے کاؤچ کی طرف اشارہ کیا۔ "سوجاؤ۔ ہماری کافی شاپ کے ورکرز ادھر ہی سوتے ہیں کبھی کبھار۔ صبح

تک یہیں رہو' پھر بے شک چلے جانا' پیسے کمانے۔"
مسکرا کر وہ کاؤچ پہ کشن برابر کر رہی تھی۔ ایسی پھرتیلی اور تیزی سے کام کرنے والی عورت تھی وہ۔ محنتی سی۔
سعدی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "تھینک یو۔ میں صبح چلا جاؤں گا۔"
"اور سنو۔" وہ جاتے جاتے مڑی۔ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر گویا یاد دلایا۔ "ایسا کچھ بھی مت کرنا۔ چوری وغیرہ... کہ میرے پاپا دوبارہ میری ججمنٹ پہ اعتبار نہ کر سکیں۔ مجھے پتا ہے' تم ایسے نہیں ہو' مگر خیال رکھنا۔"
سعدی نے مسکرا کر سر کو خم دیا۔ "آپ کا نام؟"
"کامنی۔" وہ مسکرا کر بولی اور بتی بجھا کر باہر چلی گئی۔ سعدی نے دوا کی گولیاں جوتے کی نوک سے مسل کر فرش پر پھیلا دیں' اسے درد ہو رہا تھا مگر وہ "بے ہوش" ہو کر نہیں سو سکتا تھا۔ اسے الرٹ رہنا تھا۔ ان ہی خیالات میں گھرا وہ کاؤچ پہ لیٹ گیا اور آگے کا لائحہ عمل طے کرنے لگا۔



ہم نے کہا نہ تھا کہ نہ بدمست ہو کے چل
مہنگی بہت پڑے گی یہ عزت ادھار کی

سردی کا زوال شروع ہو چکا تھا۔ جنوری کا آخری عشرہ چل رہا تھا' دھند میں ذرا کمی آگئی تھی۔ ایسے میں اس پرشکوہ اور بلند عمارت کے بالائی فلور کے کارنر آفس کی شیشے سے ڈھکی دیوار کے آگے سے بلائنڈرز ہٹے تھے اور تیز روشنی اندر گر رہی تھی۔ ہاشم کوٹ' ویسٹ اور ٹائی میں ملبوس' کمر سیدھی رکھ کر کرسی پہ بیٹھا' لیپ ٹاپ کے کی بورڈ پہ دونوں ہاتھوں سے جلدی جلدی ٹائپ کر رہا تھا۔ اس کی سنجیدہ نظریں اسکرین پہ جمی تھیں۔ دفعتاً" دروازہ کھلا تو اس نے چونک کر چہرہ اٹھایا۔
جواہرات چوکھٹ میں کھڑی تھی۔ بند گلے کے سیاہ ٹاپ اور کانوں میں دمکتے ہوئے ہیرے پہنے' وہ مسکارے سے سجی آنکھوں کو اس پہ جمائے قدم قدم چلتی قریب آئی۔
"کہو۔ کیا بات ہے؟"
ہاشم نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ "میں نے آپ کو نہیں بلایا۔"
جواہرات کی آنکھوں میں حیرت ابھری۔ "تو پھر تمہاری سیکریٹری نے مجھے فون کر کے کیوں کہا کہ کاردار صاحب میٹنگ کے لیے بلا رہے ہیں۔ تمہارا موبائل آف جا رہا تھا' سو میں فوراً" چلی آئی۔" ہاشم نے تیزی سے انٹرکام اٹھایا۔
اگلے ہی لمحے حلیمہ ان کے سامنے کھڑی تھی۔
"میں نے غلط نہیں کہا' میم۔ نوشیرواں کاردار نے مجھے آپ کو کال کرنے کو کہا تھا۔"
ہاشم نے نوشیرواں کی ایکسٹینشن ملائی۔ اس کے ابرو تنے ہوئے تھے اور آنکھوں میں برہمی تھی۔ شیرو نے جان بوجھ کر "مسٹر کاردار" کہلوایا تھا تاکہ جواہرات غلط سمجھے' وہ جانتا تھا۔
"ثناء' نوشیرواں کو میرے آفس آنے کا کہو۔" حکم جاری کر کے اس نے فون رکھا اور حلیمہ کو بھیج دیا۔
"کوئی بات نہیں ہاشم!" وہ جو کرسی کی پشت پہ کہنی جمائے' ابھی تک کھڑی تھی' نرمی سے بولی۔ ہاشم نے صرف ایک خفگی بھری نگاہ اس پہ ڈالی۔
"رویہ کس کا خراب ہے آپ جانتی ہیں۔"
"وہ چھوٹا ہے' ناسمجھ ہے' تم برداشت کا مظاہرہ کر لو اور..."
"تاکہ وہ کبھی بڑا نہ ہو۔" پہلے تلخی سے بولا' پھر سر جھٹکا اور گہرا سانس لیا۔ "خیر' میں پرانی باتوں کو بھلا کر موو آن کرنے کے لیے تیار ہوں اگر وہ بھی اپنا رویہ بدلے۔"
"وہ بدلے گا' آئی ایم شیور۔ اس نے اسی لیے ہمیں اکٹھا کیا ہے۔" وہ ایس کا دل نرمی سے صاف کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ہاشم خاموشی سے سنتا رہا۔
دروازہ بنا کسی دستک کے کھلا اور نوشیرواں نظر آیا۔

جواہرات نے مڑ کر دیکھا۔ ویسٹ میں ملبوس کوٹ کے بغیر ' آستین کہنیوں تک موڑے ' بال جیل سے سیٹ کیے وہ سنجیدہ سا کھڑا تھا۔ جواہرات مسکرا کر ایک قدم آگے بڑھی ' شیرو چوکھٹ کے سامنے سے ہٹا جواہرات کی مسکراہٹ معدوم ہوئی۔ پیچھے زمر کھڑی تھی۔ سیاہ کوٹ ' شانوں پہ سفید دوپٹا اور بندھے گھنگھریالے بال ' چہرے پہ مسکراہٹ ... (کل رات اپنے کمرے میں بیٹھ کر رونے والی زمر سے وہ مختلف لگ رہی تھی۔)

"گڈ مارننگ مسز کاردار..." پھر پیچھے بیٹھے ہاشم کو دیکھ کر سر ہلایا۔ "مسٹر کاردار!"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ماں کو دیکھا ' جو بالکل ششدر سی نوشیرواں اور زمر کو اندر داخل ہوتے دیکھ رہی تھی۔ شیرو تھری سیٹر صوفے پہ جا بیٹھا اور ٹانگ پہ ٹانگ جمالی ' جبکہ زمر ساتھ رکھے سنگل صوفے پہ گھٹنے ملا کر بیٹھی اور میز پہ فائلز رکھ کر کھولنے لگی۔

"گڈ مارننگ زمر!" اب کے ہاشم مسکرا کر بولا اور واپس اپنی کرسی پہ ٹیک لگا کر بیٹھا۔ جواہرات ابھی تک کھڑی تھی۔ "کیسے ' کیسے آنا ہوا؟ فارس کی جاب کیسی جا رہی ہے؟ میں نے اپنے دوست سے کہہ کر لگوائی ہے ' امید ہے کچھ عرصے تک کام کرلے گا۔"

زمر نے بھوری آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ "میں یہاں ذاتی نہیں ' پروفیشنل حیثیت سے آئی ہوں۔"

"کیا مطلب؟" جواہرات ماتھے پہ بل لیے اسے گھور رہی تھی۔

"مسز زمر میری وکیل ہیں۔"

ہاشم کی مسکراہٹ برقرار رہی۔ (جواہرات کی آنکھوں کی تپش بڑھتی گئی۔) اور وہ بولا۔

"شیرو! تمہیں کس سلسلے میں ضرورت پڑ گئی لائیر کی؟" اس نے دوستانہ انداز اپنایا۔

"اپنی کمپنی میں اپنے شیئرز کی ملکیت کے سلسلے میں..." وہ رکھائی سے بولتے ہوئے ہاشم کو دیکھ رہا تھا۔

"تم میرے بیٹے کو بہکا کر اس کو جائیداد میں اپنا حصہ مانگنے پر اکسا رہی ہو ' ہے نا؟" جواہرات خود پہ قابو نہ رکھ سکی۔

"خوب سن لو کہ شیرو جو مانگے گا میں اس کو دوں گا۔ بولو نوشیرواں جو بھی چاہیے تمہیں ' مگر اپنی وکیل کو یہاں سے بھیجو۔" ہاشم کھنکھارا... گویا تھمنے کا اشارہ کیا۔

"مسز کاردار! مجھے آپ لوگوں کی ذاتی سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور میں صرف تب جاؤں گی جب نوشیرواں مجھے جانے کے لیے کہیں گے۔ کیوں نوشیرواں؟" سنجیدگی سے شیرو کو دیکھا۔

"یہ یہاں سے نہیں جائے گی۔"

"تم مجھے بتاؤ ' تمہیں مزید شیئرز چاہئیں شیرو!" جواہرات نے زمر کو نظرانداز کر کے پوچھا اور پہلی دفعہ نوشیرواں کو احساس ہوا کہ زمر نے اس کا آئیڈیا کیوں مسترد کر دیا تھا۔

"مجھے آپ سے کچھ نہیں چاہیے ممی!" وہ باری باری ان دونوں کو دیکھ کر بولا۔ صوفے کی پشت پہ بازو پھیلائے ' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے ' اٹھی گردن کے ساتھ اسے پہلی دفعہ اپنا آپ معتبر لگا تھا۔ ہاشم نے آنکھیں سکیڑ کر زمر کو دیکھا۔ "تو پھر؟" وہ بھی نہیں سمجھ پا رہا تھا۔

"نوشیرواں کاردار نے اپنے شیئرز کا آدھا حصہ..." وہ فائل کھولتے ہوئے خبرنامہ پڑھنے کے انداز میں بتانے لگی۔ "یعنی کل شیئرز میں سے پچیس فیصد شیئرز کی ملکیت کسی اور کو دے دی ہے۔"

ہاشم کرنٹ کھا کر سیدھا ہو کر بیٹھا۔ ساری مسکراہٹ غائب ہوئی۔ آنکھوں میں حیرت اور غصہ در آیا۔ "تم ایسا کیسے کر سکتے ہو؟ وہ صرف تمہاری کمپنی نہیں ہے۔"

"مسٹر کاردار! نوشیرواں نے صرف اپنے حصے کے شیئرز آگے دیے ہیں۔ سارا پیپر ورک ہو چکا ہے۔ آپ اس وقت سری لنکا میں تھے۔ ورنہ ہم آپ سے کچھ پوچھ لیتے۔" بہت تہذیب اور نرمی سے وہ بولی تھی۔ ہاشم نے ناگواری سے شیرو کو دیکھا۔ جواہرات بھی اتنے ہی غصے میں کھڑی تھی۔

"میں دو دن میں اس انتقال کو ختم کروا سکتا ہوں

نوشیرواں۔"

"کمپنی کے بائی لاز کے مطابق آپ ایسا نہیں کرسکتے۔" زمر سادگی سے بولی تھی۔

"بائی لاز میں نے لکھے تھے' ان کے سارے جھول معلوم ہیں مجھے۔" غصے سے اس نے میز پہ ہاتھ مارا۔

نوشیرواں خاموش سرد نگاہوں سے ہاشم کو دیکھ رہا تھا۔ اسے خوشی نہیں مل رہی تھی۔ انتقام خوشی نہیں دیتا' مگر سکون مل رہا تھا۔

"ہاشم! آپ جو چاہیں کرسکتے ہیں' لیکن مجھے معلوم ہے کہ مسز کاردار آپ کو یہ نہیں کرنے دیں گی۔" زمر نے اسی سادگی سے خود کو گھورتی جواہرات کو دیکھا۔

"کیونکہ نوشیرواں آپ کے بھائی ہیں' اور ایک بھائی دوسرے کی خواہش کا احترام نہ کرے تو وہ اس کو کھو دیتا ہے۔ ایک وکیل کی حیثیت سے میں یہ چاہوں گی کہ معاملہ صلح صفائی سے نپٹ جائے۔ ہاشم! نوشیرواں آپ کا بھائی ہے اور وہ یہ سب اچھی نیت سے کررہا ہے' صرف اتنے سالوں کے اپنے برے سلوک کے مداوے کے لیے۔"

اس آخری بات پہ ہاشم چونکا' مگر جواہرات غصے میں بولنے لگی۔

"کیا تمہارے خاندان والوں کو دے دیے ہیں اس نے شیئرز؟ ہاں؟"

"میں نے اپنے خاندان والے کو دیے ہیں۔" شیرو چبا چبا کر بولا۔ ہاشم اور جواہرات کا سانس رک گیا۔ مگر ہاشم آہستہ سے سیدھا ہو کر بیٹھا۔ ایک دم سے سب اس کی سمجھ میں آگیا تھا۔

"نہیں۔" شیرو اٹھا اور جا کر دروازہ کھولا' پھر کسی کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔

جواہرات اور ہاشم نے بے اختیار اس طرف گردن موڑی اور جب شیرو سامنے سے ہٹا تو انہوں نے دیکھا۔ وہ قدم قدم چلتی اس کے پہلو میں آکھڑی ہوئی تھی۔ بلیک کوٹ اور اسکرٹ میں ملبوس با اعتماد انداز میں گردن اٹھائے۔

علیشا ریکا کاردار۔

زمر فائلز اٹھا کر کھڑی ہوئی اور مسکرا کر جواہرات کو دیکھا۔

"کتنی لکی ہیں آپ کہ اپنی اولاد کی خوشیاں دیکھ رہی ہیں۔ مگر آف کورس' میں یہ کبھی نہیں سمجھ سکتی۔" اور دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے نوشیرواں کو سر کے خم سے اشارہ کیا۔ جیسے ہی وہ باہر نکلی' شیرو ایک سرد نگاہ ان دونوں پہ ڈالتا مڑ گیا اور علیشا.... جو بالکل سپاٹ سی کھڑی تھی' کسی روبوٹ کی طرح شیرو کے ساتھ ہولی۔

پیچھے کمرے میں محض ایک ہولناک سناٹا رہ گیا۔

باہر آکر علیشا نے نوشیرواں کو روکا' "شو ڈاؤن ہو گیا' اب میرا کیا ہو گا؟"

"تم ابھی اسی اپارٹمنٹ میں رہو گی۔ ڈرائیور تمہیں چھوڑ آئے گا۔ جب تمہیں قصر میں لانے کا وقت ہو گا تو میں لے آؤں گا۔" وہ معتبر انداز میں کہتا اس کے ساتھ آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ زمر نے مسکرا کر ان دونوں کو جاتے دیکھا اور حلیمہ کی طرف مڑی۔

"حلیمہ.... کیا مجھے آپ کا نمبر مل سکتا ہے؟"



عقل ہر بار دکھاتی تھی جلے ہاتھ اپنے
دل نے ہر بار کہا آگ پرائی لے کے

اس چھوٹی سی پینٹری کے باہر سے مکھیوں کے بھنبھنانے جیسی آوازیں آرہی تھیں۔ ایک نسوانی اور ایک مردانہ آواز جیسے دبے دبے انداز میں جھگڑ رہی تھیں۔ سعدی ان آوازوں کا پیچھا کرتے' گردن ادھر ادھر گھماتے ہوئے' پینٹری سے باہر آیا تو سامنے مستطیل لمبا سا کچن تھا۔ اندر ایپرن پہنے کھڑا بوڑھا تلخی سے کچھ کہہ رہا تھا اور اس کے سامنے اتنی ہی تلخی سے جواب دیتی کامنی کی اس طرف پشت تھی۔ وہ سنہالی بہت کم سمجھتا تھا' مگر ان کے انداز کو سمجھنے کے لیے زبان جاننا ضروری نہیں تھا۔ جانتا تھا کہ موضوع گفتگو وہی ہے۔ بوڑھا اس کو رکھنے کے لیے تیار نہیں اور کامنی اس کے حق میں ہے۔

''گڈ مارننگ۔'' وہ ہلکا سا کھنکھار کر بولا تو ان دونوں نے مڑ کر دیکھا۔ بوڑھے نے فوراً" ناگواری سے منہ پھیر لیا' اور کام کرنے لگا' جبکہ کامنی شرمندہ سی اس تک آئی۔

''تمہارا زخم کیسا ہے؟'' اس نے ہمدردی سے اس لڑکے کو دیکھا جس کے بال بہت چھوٹے چھوٹے سے اگے تھے' اور چہرے پہ ہلکی ہلکی شیو بڑھی تھی' تھوڑی کی ذرا اٹھتی فرنچ۔ گردن پہ زخم کا نشان۔ بازو پہ بندھی پٹی۔ وہ عینک کے پیچھے نقاہت سے مسکرایا۔

''اچھا ہوں۔ بس ذرا چکر آرہے ہیں۔ سوچا تھا ابھی چلا جاؤں مگر....''

کامنی کے چہرے پہ خفت اور ہمدردی ابھری۔ ''تم جب تک چاہو یہاں رہ سکتے ہو' بابا کی باتوں کا برا نہ مانو۔''

''آپ پہلے ہی میرے لیے بہت کر چکی ہیں' اب مجھے جانا ہوگا۔ مجھے پیسے کمانے ہیں۔'' کامنی چپ ہو گئی۔ مڑ کر باپ کو دیکھا جو خفا خفا سا کام کر رہا تھا۔ سعدی نے بھی ایک گہری نظر سنہالی بوڑھے پہ ڈالی اور واپس مڑ گیا۔

پینٹری کے کاؤچ پہ واپس جب وہ بیٹھا تو سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔ عورت اچھی تھی' مگر بوڑھا؟ اسے چند دن کے لیے ایک محفوظ چھت چاہیے تھی۔ تب ہی وہ اس ملک سے نکلنے کا لائحہ عمل طے کر سکتا تھا۔ اسے آج دوپہر میں واپس نہیں جانا تھا' اسے ہر صورت یہاں رکنا تھا۔ کیا کرے جو کامنی خود اس کو روک لے؟ کیا تھا سعدی یوسف کا بہترین ٹیلنٹ؟

وہ اٹھا اور باہر آیا۔ کامنی سے پوچھا کہ وہ ای میل چیک کر سکتا ہے اس نے پوری فراخ دلی سے اپنا لیپ ٹاپ اس کے حوالے کر دیا۔ وہ کچن کے ہی ایک کونے میں' وائی فائی کے قریب بیٹھ گیا اور کام کرنے لگا۔

سنہالی بوڑھا وقفے وقفے سے پینٹری میں آجا رہا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ زخمی مشکوک نوجوان لیپ ٹاپ میں منہمک ہے تو اب کے جب وہ پینٹری میں آیا تو تیزی سے اس کے کاؤچ کی طرف لپکا۔ کشن تلے دبا اس کا بیگ نکالا اور کھولا۔ دو مختلف پاسپورٹ' نوٹوں کا بنڈل' پستول' مختلف سرنجز' ایسی مشکوک چیزیں اور وہ پھٹا ہوا پوسٹر جو کہہ رہا تھا کہ وہ ایک تامل جاسوس ہے۔ وہ اسی کا تھا۔ وہ پہچان گیا تھا۔ زپ بند کرتے بوڑھے کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ ماتھے پہ پسینہ آرہا تھا۔ وہ واپس آیا تو بالکل خاموشی سے کچن میں کام کرنے لگا۔ وہ لڑکے کو بالکل نہیں دیکھ رہا تھا۔



اتنی قبریں نہ بناؤ میرے اندر محسن !
میں چراغوں کو جلاتے ہوئے تھک جاتا ہوں

وہ صبح فارس کے لیے پہلے سے زیادہ پریشان کن اور مایوسی بھری تھی۔ وہ آبدار کی معلومات کے مطابق' ہارون عبید کے ہوٹل کے باہر.... چند گلیاں چھوڑ کر.... کھلنے والے مین ہول تک گیا جہاں سے وہ بھاگے تھے۔ وہ آگے پیچھے کی ایک ایک عمارت میں گیا۔ جہاں کے اسٹریٹ کیمروں کے رخ وہاں تھے۔ چند گھنٹوں کی ''محنت'' کے بعد اس نے ایک کیمرے کی ٹیپ حاصل کرلی' اور دوسری جگہ جب رشوت سے کام نہ چلا تو فائر الارم بجا دیا اور اسی بھگدڑ میں ان کا پورا ڈی وی آر اٹھا کرلے آیا۔

اپارٹمنٹ میں واپس آکر اس نے فوٹیج دیکھی۔ اندھیرے میں وہ دونوں نکل کر بھاگتے ہوئے دوسری گلی میں گئے تھے۔ سعدی کا ایک ہیولہ سا تھا۔ وہ دیکھ سکتا تھا۔ وہ اسے پہچان سکتا تھا۔ بے اختیار اسکرین کو ہاتھ سے چھوا۔ پھر سر جھٹکا۔ خاور کو دیکھ کر ماتھے پہ بل پڑ گئے' مگر خود کو قابو کر لیا۔ اب وہ یہ جانتا تھا کہ وہ دونوں کس گلی میں مڑے تھے۔ دوپہر تک وہ واپس اس گلی میں پہنچ چکا تھا۔ اس دفعہ اسے چند نوٹ دینے پڑے' اور وہیں آفس میں فوٹیج دکھا دی گئی۔ وہ دونوں ایک ٹک ٹک رکشے میں بیٹھے تھے۔ اس نے رکشے کا نمبر نوٹ کیا اور قریبی رکشہ اسٹینڈ تک آیا۔

وہاں کوئی بھی اس رکشے والے کی معلومات دینے پہ

راضی نہ تھا۔ چند نوٹ 'مزید دیے تو شام تک وہ رکشہ ڈرائیور مل گیا۔ اس کو اکیلے کوتے میں لے جا کر فارس نے اس سے پوچھنا چاہا کہ ان دونوں کو کہاں اتارا تھا۔ وہ بولنے کے بجائے بھاگنے لگا 'مگر فارس نے اسے گریبان سے پکڑ کر دیوار سے لگایا 'اور پہلے غصے سے پھر نرمی سے پوچھا۔ وہ کچھ بھی بتانے کو تیار نہ تھا۔ مگر پستول کی پہلی جھلک پہ وہ ٹوٹ گیا۔

جس جگہ ٹک ٹک نے ان دونوں کو ماہ کامل کی اس رات اتارا تھا' وہاں پہنچتے پہنچتے رات بیت گئی۔ مگر معلوم ہوا کہ فوٹیجز غائب ہیں۔ یقیناً" خاور نے اپنے قدموں کے نشان صاف کرا دیے تھے۔ رات کو جس وقت وہ واپس اپارٹمنٹ میں پہنچا' تھکا ہوا لگتا تھا۔ شیو بھی بڑھی ہوئی تھی۔ چپ چاپ آکر صوفے پہ بیٹھ گیا۔ سارے دن کی محنت کے بعد بھی وہ وہیں کھڑا تھا۔

"مجھے ساتھ کیوں نہیں لے کر گئے آج؟ میں صبح آئی تو آپ جا چکے تھے۔" وہ کچن کے دروازے پہ جانے کہاں سے نمودار ہوئی۔ فارس نے کرنٹ کھا کر سر اٹھایا۔ پہلے تعجب اور پھر ناگواری اس کی آنکھوں میں بھرنے لگی۔

"آپ اس وقت یہاں کیا کر رہی ہیں؟"

"میں دوپہر سے آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔"

"کیوں؟" اس کا موڈ پہلے خراب تھا' اوپر سے وہ بلا۔

آبی ایک دم بالکل چپ ہو گئی۔ پھر اٹھی' پرس اٹھایا 'چابیاں سنبھالیں۔ "کھانا لائی تھی' کچن میں پڑا ہے۔ کھا لیجئے گا۔ اب جب تک آپ کو ورک وائف کی ضرورت نہیں ہو گی' نہیں آؤں گی۔" خفگی سے کہتی دروازے تک گئی۔ لمحے بھر کو رکی۔ شاید وہ معذرت کر لے مگر اس نے اسی رکھائی سے آواز لگائی۔

"دروازہ لاک کر کے جانا۔ میں لاک کرنے کے لیے اٹھ کر نہیں آنے والا۔"

آبی نے آہستہ سے دروازہ بند کیا' لاک کیا اور چلی گئی۔ زمر ہوتی تو زور سے دے مارتی۔ اس ساری تھکن اور ذہنی دباؤ میں ایک دم اس کی یاد کسی تازہ ہوا کے جھونکے جیسی لگی تھی۔ وہ مسکرایا اور موبائل اٹھا لیا۔ پیچھے کو ٹیک لگائی اور پیر لمبے کر کے میز پہ رکھ لیے۔ کال ملا کر فون کان سے لگایا۔

پاکستان میں.... زمر اپنے بیڈ روم میں بیٹھی تھی اور فائلز سامنے پھیلائے' لیپ ٹاپ پہ کھٹا کھٹ ٹائپ کیے جا رہی تھی' یکدم زوں زوں ہونے لگی۔ ساتھ میں موبائل کی غیر شناسا سا گھنٹی بھی۔ قدرے حیرت سے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر اسٹڈی ٹیبل سے اٹھی اور بیڈ تک آئی۔ سائیڈ ٹیبل کی پہلی دراز کھولی۔ اندر ایک چھوٹا بھدا سا موبائل پڑا بج رہا تھا۔ اچنبھے سے اس نے اسے اٹھا کر دیکھا۔ "بلاکڈ نمبر کالنگ۔"

"ہیلو؟" وہ محتاط انداز میں بولی۔

"وعلیکم ہیلو۔" وہ مسکرا کر بولا تھا۔ یہ آواز.... یہ لہجہ وہ اسی طرح کھڑی رہی۔

"کیسی ہیں آپ؟" زمر کے دل میں ایک دم بہت سے جذبات امڈ آئے۔ جن میں غصہ سرفہرست تھا۔

"ٹھیک ہوں۔" وہ رکھائی سے بولتے ہوئے بیڈ پہ بیٹھی۔ "کیسے فون کیا؟"

"سوری' پہلے نہیں کر سکا۔ مصروف رہا۔" وہ شائستگی سے معذرت کر رہا تھا۔ اس نے محض "اچھا" کہا۔ اور کیا کہتی۔ آنکھوں سے پٹی ہٹی تو جان گئی تھی کہ اس کی کیا مصروفیت تھی۔ مگر کیسے حالات تھے ایک سوال بھی نہیں کر سکتی تھی۔

"یہ فون کس کا ہے؟"

"میرا ہی ہے۔ انکریپٹڈ ہے۔ سیف لائن ہے۔ اس لیے اسے چھوڑ گیا تھا۔"

وہ کچھ نہیں بولی۔ فارس ذرا سیدھا ہو کر بیٹھا۔ آنکھوں میں سوچ ابھری۔

"تم ٹھیک ہو۔"

"مجھے کیا ہونا ہے۔"

"ناراض ہو؟"

"نہیں۔" اس کے ابرو اسی طرح تنے تھے۔

"پھر ایسے کیوں بات کر رہی ہو؟ میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں' تم مجھے مزید پریشان کر رہی ہو۔" وہ

سنجیدگی سے بولا تو زمر کی ساری رکھائی ہوا ہوئی۔ مفاد مشترکہ پھر سے درمیان میں آگیا۔

"تم کیوں پریشان ہو؟ کام... کام ٹھیک سے نہیں ہو رہا؟" وہ بے چینی سے بولی۔

وہ خاموش ہو گیا۔ ورک وائف سے زیادہ اصلی وائف سے بات کرنا مشکل تھا مگر زیادہ سکون بھی اسی میں تھا۔ اس نے سر مزید پیچھے گرا کر آنکھیں موند لیں۔ دل ایک دم بہت بھاری ہو گیا تھا۔

"فارس... بولو نا۔" وہ واقعی پریشان ہو گئی تھی۔ ہر دفعہ سعدی کے قریب پہنچتے پہنچتے وہ دور کیوں چلے جاتے تھے؟

"تم میرے لیے دعا کیا کرو۔" وہ آنکھیں بند کیے، پیشانی مسلتا کہہ رہا تھا۔

"کیا دعا کروں؟" وہ بیڈ کے قریب نیچے فرش پہ بیٹھتی گئی۔ آنکھوں میں اداسی در آئی تھی۔

"یہی کہ میں athiest (دہریہ) نہ بن جاؤں۔" زمر کے دل کو دھکا سا لگا۔

"تم athiest (دہریہ) کبھی نہیں بن سکتے۔ تم مسلمان ہو اور رہو گے۔"

"شاید اب نہیں ہوں۔ زمر مجھے اب کسی چیز کا یقین نہیں رہا۔" اس نے آنکھیں کھول کر چھت کو دیکھا تو ان سنہری آنکھوں میں بے پناہ مایوسی تھی۔

"مجھے نہیں لگتا کہ ایسا کچھ ہے۔ تم اندر سے مسلمان ہی ہو۔ تم صرف اپنے دین سے ناراض ہو۔"

وہ خاموش رہا۔ ساری ناراضی بھلا کر وہ نرمی سے، فکر مندی سے کہہ رہی تھی۔

"تم یہ سوچتے ہو کہ تمہارے دشمن سب کچھ کر کرا کے بھی وائٹ کالر اور شریف نظر آتے ہیں اور ہم جو اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے ہیں، ہم کرمنلز لگنے لگے ہیں۔"

"میں کرمنل بن چکا ہوں۔ تم بھی، شاید سعدی بھی۔"

"فارس۔" اس نے دھیرے سے پکارا۔ "شریعت سخت ہو سکتی ہے، مگر وہ قانون کی طرح اندھی نہیں ہوتی۔ اپنے دین سے اتنے ناراض نہ ہو۔ تم کل بھی بے گناہ تھے، اور کل بھی رہو گے۔"

"تم میرے لیے دعا کیا کرو۔" وہ پھر سے بولا۔

"میں ضرور کروں گی۔ مگر پہلے تمہیں واپس انسان بننا پڑے گا۔ فارس تم خدا نہیں ہو۔ تم سارے کام ایک ساتھ نہیں کر سکتے۔ تم جو بھی کام ابھی کر رہے ہو، اگر تم نہ بھی کر سکے، تو بھی ہم میں سے کوئی تمہیں الزام نہیں دے گا۔ تم انسان ہو۔ اپنی ہمت کے مطابق جتنا کر سکتے تھے کر لیا۔ وہ خدا ہوتا ہے، جو سب ٹھیک کر سکتا ہے۔ انسان نہیں۔"

"اگر میں یہ نہ کر سکا تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔"

"تو پھر اپنے اندر کے مسلمان سے جنگ کرنا چھوڑ دو۔ میں یہ نہیں کہتی کہ نمازیں پڑھو، تہجد پڑھو، قرآن پڑھو۔ کچھ بھی نہ کرو۔ صرف خود کو اس مسلمان کے حوالے کر دو۔"

"کیا اس طرح مجھے سکون مل جائے گا؟"

"فارس ہم سکون کے لیے مسلمان نہیں بنتے۔ خود کو اپنی تسکین کے لیے نہیں جھکاتے۔ خود کو اللہ کے سپرد اپنی خوشی کے لیے نہیں کرتے۔ ہم اس لیے کرتے ہیں یہ کیونکہ ہمارے پاس اس کے سوا کوئی آپشن نہیں ہے۔ اس دنیا میں... اور اس دنیا سے باہر کی دنیا میں، اس خود سپردگی کے سوا کوئی راستہ ہے ہی نہیں ہماری بقا کا۔"

"اچھا۔" وہ دھیرے سے مسکرایا۔ "کوشش کروں گا۔"

"گڈ۔" وہ بھی مسکرائی۔ فارس نے الوداعی کلمات کہہ کر فون رکھ دیا تو زمر بھول چکی تھی کہ وہ اس سے ناراض ہے۔ وہ مسکرا کر واپس فائلز کھولنے لگی۔



خوابوں کی ہوا راس تھی جب تک مجھے محسن
یوں جاگتے رہنا میری عادت نہ ہوئی تھی

زمر کے کمرے سے چند گز دور... حنین ڈائننگ

ہال میں اپنی مخصوص کرسی پہ پیر اوپر کیے بیٹھی تھی۔ لیپ ٹاپ پہ اس کا پروگرام چل رہا تھا ' (ناکامی در ناکامی) اور ساتھ وہ شیخ کی کتاب کھولے ہوئے تھی۔

روز فجر پڑھ لینے اور باقی نمازیں وقت پہ ادا کر لینے کے باعث مرض سے بننے والے زخم کسی حد تک مندمل ہوتے گئے تھے مگر کبھی کبھی جو خالی پن در آتا' وہ گھر کے ڈھیروں کاموں اور کمپیوٹر کے بکھیڑوں کے باوجود ختم نہ ہوتا۔ ایسے میں امام ابن قیم الجوزیہ کی کتاب "ایک تسلی بخش جواب اس کے لیے' جس نے سوال کیا تھا دوائے شافی کے بارے میں" کھول لینا راحت اور سکون کا سبب بنتا تھا۔ اس کتاب کے کئی نام تھے۔ مرض اور دوا' الجواب کافی' دوائے شافی' مگر اسے اس کا اصل اور مکمل نام ہی سب سے زیادہ پسند تھا۔ پس منظر میں آتی امی کی پکار کو نظرانداز کر کے اس نے وہ قدیم' بھاری سا دروازہ دھکیلا تو آگے زرد سنہری دھوپ میں لپٹا منظر کھلتا گیا۔

وہ سونے کے ذرات جیسا تاحد نگاہ چمکتا ہوا صحرا تھا۔ دور قطار میں اونٹ سامان اٹھائے' خراماں خراماں چلتے دکھائی دے رہے تھے۔ حنین نے دھوپ سے بچنے کے لیے ماتھے پہ ہاتھ سے سایہ کیا اور پھر ادھر ادھر گردن گھمائی۔ دوسری طرف... کافی دور... کھجور کے دو درخت تھے۔ ایک بے حد اونچا اور گھنا' اور ایک اس سے کافی چھوٹا۔ بڑے شجر تلے بیٹھے بوڑھے استاد کو دیکھ کر وہ مسکرائی اور اسی طرف کو چلنے لگی۔ پیروں کو گرم ریت جلانے لگی مگر سائبان میں بیٹھ کر تو نخلستان نہیں اگائے جاتے۔ علم کے لیے محنت تو کرنی ہوتی ہے۔

ان کے سامنے جا کر وہ ادب سے دوزانو ہو کر بیٹھی۔ وہ زمین پہ کپڑا بچھا کر بیٹھے' سر جھکائے' ہاتھ میں پکڑی تختی پہ قلم سیاہی میں ڈبو ڈبو کر لکھ رہے تھے۔

"لوگ محبت کی راہ میں کیوں بھٹکتے ہیں' اے شیخ؟"

"انہوں نے بنا سر اٹھائے اسی طرح لکھتے ہوئے جواب دیا۔" صرف وہی بھٹکتے ہیں' جو محبت کی قسموں کے درمیان فرق اور تمیز نہیں کر سکتے۔"

"محبت کے وہ سات درجے جو آپ نے بتائے تھے؟"

"نہیں۔ ہم محبت کی پانچ اقسام کی بابت گفتگو کر رہے ہیں۔ سنو گی؟"

"بالکل چپ ہو کر سنوں گی' کیونکہ میں نے یہ سیکھا ہے کہ دین پڑھانے والوں کا ادب کرنا چاہیے اور ان کے بارے میں احتیاط سے بات کرنی چاہیے۔ کیا پتا اللہ کے نزدیک ان کا دل سونے کا اور ہمارا نارگول کا ہو۔" وہ دونوں ہتھیلیوں میں چہرہ گرائے بیٹھی' توجہ سے سننے لگی۔

شیخ نے آخری فقرہ لکھا پھر تختی پرے رکھی' اور سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ تھوڑا سا مسکرائے۔ "محبت کی پانچ قسمیں ہیں۔ پہلی ہے... اللہ سے محبت کرنا۔ مگر یاد رکھنا' صرف اللہ سے محبت کرنا انسان کو دونوں جہانوں میں کامیاب نہیں کرا سکتا' کیونکہ اللہ سے تو کافر' مشرک' یہود' صلیبی' سب محبت کرتے ہیں۔" حنین ذرا الجھ گئی' مگر خاموش ہو کر سننے لگی۔ وہ کہہ رہے تھے۔

"دوم۔ جو کچھ اللہ کو پسند ہے' اس سے محبت کرنا۔ یہی محبت انسان کو اسلام میں داخل کرتی ہے' اور انسان کو اللہ کا دوست بناتی ہے۔"

سوم۔ وہ محبت جو صرف اللہ کے لیے ہو اور اللہ کی راہ میں ہو۔ یعنی جس سے اللہ محبت کرتا ہے' اس سے محبت رکھنا۔ دوسری محبت وہ تھی جو اللہ کے پسندیدہ کاموں سے کی جائے۔ یہ تیسری وہ ہے' جو اللہ کو خوش کرنے کے لیے اس کی مخلوق سے بالعموم اور اس کے محبوب لوگوں سے بالخصوص رکھی جائے۔ یہ صرف تب صحیح ہے' جب مقصد اللہ کی رضا ہو۔

چہارم۔ ایسی محبت جو اللہ کے ساتھ انسان کسی دوسرے سے بھی کرے اور یہ اللہ کے دین کے لیے نہ ہو' اس کی رضا کے لیے نہ ہو' اس کی مرضی کے مطابق نہ ہو تو یہ مشرکانہ محبت ہے۔ یعنی وہ اللہ کے برابر کسی دوسرے انسان کو لا کھڑا کر رہا ہے۔ مشرک

لوگ ایسی ہی محبت کرتے ہیں اللہ سے۔"

حنہ نے سوچتے ہوئے سر ہلایا۔ "اور بھلے یہ محبت کتنی ہی پاک صاف ہو' یہ انسان کو شرک کی طرف لے جاتی ہے۔"

"بالکل۔ اب رہی پانچویں محبت۔ تو اس سے ہمیں بحث نہیں۔" شیخ نے ملائمت سے کہتے ہوئے اپنی تختی دوبارہ اٹھالی اور اس پہ لکھتے ہوئے بولے۔

"اور یہ ہے طبعی محبت۔ انسان اپنی فطرت سے مجبور ہو کر محبت کرتا ہے۔ جیسے پیاسا پانی سے.... بھوکا روٹی سے.... انسان اپنی بیوی بچوں سے.... اپنے ماں باپ گھر والوں سے.... دوستوں سے محبت کرتا ہے.... کوئی اپنے کام سے محبت کرتا ہے.... اگر یہ محبت آپ کو اپنے اندر الجھا کر اللہ سے غافل نہیں کر رہی تو اس میں کوئی برائی نہیں۔ یہ اچھی اور مثبت محبت ہے جو انسان کو انسان بناتی ہے۔"

"حنین.... حنین۔" اور اس کے سارے ارتکاز کو امی کی آواز نے توڑ کر رکھ دیا۔ اس نے پوری کوشش کی کہ وہ اسی صحرا کے.... نخلستان میں بیٹھی رہے مگر سلگتی ریت کی تپش ختم ہونے لگی.... سائبان کی ٹھنڈ عنقا ہوئی.... شیخ کی آواز مدھم ہوئی اور....

اس نے جھلا کر ڈائننگ ٹیبل سے سر اٹھایا۔ "کیا ہے امی؟" وہ تن فن کرتی باہر لاؤنج میں آئی۔

رات کے کھانے کے بعد کا معمول کا منظر سامنے تھا۔ ٹی وی چل رہا تھا۔ سیم 'اور ابا نیوز دیکھ رہے تھے۔ ملازم کام ختم کر کے جا چکے تھے۔ اور ندرت صوفے پہ بیٹھی 'عینک لگا کر موبائل دیکھتی کہہ رہی تھیں۔

"پہلے تو یہ آدھا کھلا تھا ہی مگر جب سے اس کی بیٹی ہوئی ہے 'مزید سٹھیا گیا ہے۔"

"کون 'امی!" حنہ نے بڑے ہی ضبط سے پوچھا۔

کون سی منحوس گھڑی تھی جب بھائی امی کو android پہ لایا تھا۔

"یہی فیس بک والا مارک زکر برگ۔ عجیب عجیب میلز بھیجتا ہے مجھے کہ میرا اکاؤنٹ لاگ ان ہو رہا ہے کہیں اور.... پہلے اس نے فیس بک کے شیئرز آگے دے دیے.... پھر...." حنین کے تو پتنگے لگ گئے۔

"امی فیس بک ای میلز وہ خود بیٹھ کر آپ کو نہیں بھیجتا' وہ آٹومیٹک ہوتی ہیں۔ ہزار دفعہ منع کیا ہے آپ کو کہ ہر دوسری آنٹی کے گھر جا کر وائی فائی سے فون نہ جوڑ لیا کریں 'مگر آج کل کی مائیں سنتی کہاں ہیں۔" وہ مڑ گئی۔

ندرت نے عینک کے پیچھے سے غصے سے اسے گھورا۔ "ناں کس کے گھر جاتی ہوں میں؟ سارا دن ریسٹورنٹ میں خوار ہو کر گھر آتی ہوں۔ پہلے تمہاری بک بک سنوں' پھر اس ڈھیٹ فیس بک کی' دو دن سے پاگل کر رہا ہے مجھے میلز کر کر کے' آیا وڈا کہ تمہارا اکاؤنٹ سری لنکا میں کھولا جا رہا ہے۔ نہ اس سے پوچھو وہاں میرے ابا کے۔"

امی کو مارک زکر برگ کی اپنی بیٹی کی پیدائش سے قبل کی ہر اپ ڈیٹ پہ سخت تاؤ چڑھتے تھے۔ (خود بھی بے غیرت 'اس کا فیس بک بھی بے غیرت) اور وہ اس کی شان میں گھنٹوں گستاخی کر سکتی تھیں مگر حنین ذوالفقار یوسف خان کی ساری دنیا اس ایک لفظ پہ تھم سی گئی تھی۔

"سری لنکا؟"

"سری لنکا!" وہ بے یقینی سے پلٹی اور دوسرے ہی پل گویا چھلانگ لگا کر امی کی طرف لپکی۔ اور فون ان کے ہاتھ سے جھپٹا۔ راستے میں پانی کے جگ سے ٹکرائی جو لڑھک کر گرا اور سیم کو بھگو گیا۔ وہ الگ چیخنا شروع ہوا اور ندرت کا ہاتھ بے اختیار جوتے تک گیا مگر حنہ دیوانہ وار کھڑی ہوئی 'ان کا فون پکڑے پاگلوں کی طرح بٹن دبا رہی تھی۔ ابا بھی حیران پریشان اسے دیکھنے لگے۔ پھر وہ گرجے۔ "کیا بدتمیزی ہے حنین؟"

ایک دم سے اتنا شور وغل مچ گیا کہ زمر کمرے سے نکل آئی۔ "کیا ہوا؟"

"امی.... امی۔" وہ ایک ای میل نیچے کرتی جا رہی تھی۔ آنکھیں گلابی سی ہو رہی تھیں۔ "بڑے ابا.... زمر یہ سعدی ہے.... یہ میرا بھائی ہے 'امی کا اکاؤنٹ بھائی کھول رہا ہے۔ یہ میرا بھائی ہے امی!"

کیا تم نے کبھی سانس رکنے کی آواز سنی ہے؟

☆ ☆ ☆

اب سانس کا احساس بھی اک بارِ گراں ہے
خود اپنے خلاف ایسی بغاوت نہ ہوئی تھی

کینڈی کے پہاڑوں پہ اترتی شام اپنے ساتھ ٹھنڈ کی نئی لہر لائی تھی۔ مگر کافی شاپ کے اندر ہیٹر کی گرماہٹ اور گرما گرم کافی کی مہک نے ماحول کو خوشگوار بنا رکھا تھا۔ سعدی کچن کے کونے میں اسٹول پہ بیٹھا تھا۔ کامنی آتے جاتے اسے دیکھتی تو مسکرا دیتی' وہ بھی مسکرا دیتا۔ بوڑھا سنہالی مہندرا روپا سنگھی سعدی کو دیکھے بنا کام نپٹا رہا تھا۔ دفعتاً" ایپرن پہنے کھڑی کامنی نے ایک ویٹر کو کچھ کہا تو سعدی کھڑا ہوا۔

"اس کے اوپر پہلے ہی بہت کام ہے۔ میں کر دیتا ہوں۔"

کامنی نے فوراً" ہی نفی میں سر ہلا کر اس کو روکنا چاہا۔ "نہیں' تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ تم آرام کرو۔" مگر سعدی صرف مسکرا کر ویٹر کی طرف مڑا۔

"کس میز سے آرڈر لینا ہے؟ مجھے دکھا دو۔" ویٹر کو اور کیا چاہیے تھا' وہ اسے فوراً" باہر لے آیا۔ بوڑھے سنہالی کی گہری نظروں نے دور تک دونوں کا پیچھا کیا تھا۔ ویٹر نے میز اسے دکھائی' تو وہ سر ہلا کر آگے بڑھ گیا۔ کامنی بھی پیچھے چلی آئی۔

"وہ مینیو تو لے کر ہی نہیں گیا۔" اس نے الجھنے سے پہلے ویٹر کو دیکھا' پھر سعدی کو جو اعتماد سے مسکراتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ پھر مینیو کارڈ اٹھایا اور پیچھے گئی۔

سعدی نے میز کے قریب رک کر وہاں بیٹھے تینوں افراد کو دیکھا۔ ایک درمیانی عمر کے انکل اور دو گول مٹول سے بچے۔

"کیا آپ انگریزی بول سکتے ہیں' سر؟" اس نے شائستگی سے مخاطب کیا۔ کامنی گہری سانس لے کر رہ گئی۔ جانتی تھی لڑکے کو جاب چاہیے اور اب وہ اسے متاثر کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ (مگر کارڈ تو میرے ہاتھ میں ہے۔) وہ بھی ہاتھ سینے پہ لپیٹ کر مزے سے تماشا دیکھنے کھڑی ہو گئی۔

سنہالی انکل نے مسکرا کر بتایا کہ وہ انگریزی بول سکتا ہے۔ (سری لنکا ایک انتہائی پڑھا لکھا ملک ہے۔ جہاں لوگوں کی ایک کثیر تعداد انگریزی میں مہارت رکھتی ہے۔)

"آپ آئسکریم لیں گے یقیناً؟" اس نے پوچھا۔ انکل نے سر ہلایا اور مینیو کارڈ مانگا۔

"مجھے آپ سے مینیو پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے' سر! مجھے معلوم ہے کہ آپ کیا لیں گے۔"

مسکرا کر کہتا وہ مڑا' کامنی پہ ایک فاتحانہ نظر ڈالی اور کچن کی طرف آ گیا۔ مہمان انکل اور بچوں نے اچنبھے سے اسے دیکھا اور کامنی گڑبڑا کر پیچھے گئی۔

"یہ کیا کیا تم نے؟" وہ قدرے حیران' قدرے خفا تھی۔ وہ چپ چاپ پیالوں میں مختلف فلیورز کے سکوپ بھرنے لگا۔ پھر ہر پیالے کو الگ الگ پلیٹ میں رکھ کر اوپر سے ڈھکا اور میز پہ لے گیا۔

"میں نے ابھی آرڈر کرنا تھا' جناب۔" ان صاحب نے فوراً ٹوکا۔ اس نے مسکرا کر ایک ڈھکا ہوا پیالہ نکال کر ان کے سامنے رکھا۔

"آپ کون سا فلیور پسند کریں گے' سر؟"

ان صاحب نے پہلے مینیو کو دیکھا' پھر قدرے غیر آرام دہ انداز میں اسے دیکھا۔

"ونیلا مگر میں..."

سعدی نے ان کے پیالے کا کور اٹھایا۔ اندر ونیلا آئسکریم رکھی تھی۔ انہوں نے چونک کر اسے دیکھا جواب بچوں کی طرح متوجہ تھا۔ ایک ایک پیالہ دونوں کے سامنے رکھ کر پوچھا۔ "آپ کیا لیں گے؟" متجسس اور پُراشتیاق بچوں نے اپنے من پسند فلیور بتائے اور پھر اپنے پیالوں کے کور ہٹائے۔ دونوں کے وہی تھے جو وہ چاہتے تھے اور وہ دونوں مختلف تھے۔

"واؤ!" انہوں نے حیرت اور ستائش سے اسے دیکھا۔ پیچھے کھڑی کامنی کا منہ کھل گیا۔ کاؤنٹر پہ کھڑے ویٹر ہکابکا سے ٹکر ٹکر اسے دیکھ رہے تھے۔

"ہم یہاں پہلی دفعہ آئے ہیں، تمہیں کیسے پتا کہ؟"
وہ صاحب حیرت سے بولے تھے۔
"پہلی دفعہ آئے ہیں تو اب آتے رہیے گا" اور بچوں کو دیکھ کر کہا۔ "یہ میجک آئس کریم ہے اور میں جادوگر ہوں۔ جب آپ اگلی دفعہ اپنے دوستوں کے ساتھ آئیں گے تو میں ان کے فلیور بھی بوجھ لوں گا۔" اور سر کو خم دے کر مڑا، کامنی کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے آنکھ دبائی اور آگے بڑھ گیا۔
"تم نے یہ کیسے کیا؟ ہاں؟" کامنی حیران اور قدرے پریشان سی پیچھے آئی تھی۔
"میں تو ویٹر کا کام ہلکا کر رہا تھا۔ یو نو، اب میں بہتر محسوس کر رہا ہوں، مجھے چلنا چاہیے۔" پینٹری میں آ کر اس نے اپنا بیگ اٹھایا۔ (اس بات سے ناواقف کہ بوڑھا سنہالی اتنی دیر میں اس کے بیگ سے وہ پوسٹر نکال چکا ہے۔)
"ایک منٹ۔ تم بتاؤ۔ تمہیں کیسے پتا تھے ان کے فلیورز؟"
"مجھے نہیں پتا تھے یہ صرف ایک ٹرک تھی۔"
"کیسی ٹرک؟" سعدی گہری سانس لے کر اس کی طرف گھوما۔
"امریکہ کے ایک ریسٹورنٹ میں ایسے کرتے ہیں وہ۔ مجھے کسی نے ان کی ٹرک کا راز بتا دیا تھا۔" کامنی کی آنکھیں چمکیں۔
"تو مجھے بھی بتاؤ نا۔"
"سوری۔ میں اس ٹرک کو خود استعمال کر کے اپنی کافی شاپ بناؤں گا۔" وہ فاتحانہ نظروں سے اسے دیکھتا مسکرایا۔ کامنی کچھ دیر سوچتی رہی۔
"میں اتنی بے وقوف نہیں ہوں جتنی لگتی ہوں۔"
"اچھا!" وہ پھر مسکرایا۔

"بیگ رکھ دو۔ اوپر ایک کمرہ ہے اسے صاف کر لو اور وہیں رہو۔ آج سے تم یہاں کام کرو گے اور تمہاری اس ٹرک سے ہم دونوں پیسے کمائیں گے۔" وہ جانتی تھی لڑکا نوکری چاہتا ہے، اور اب اس کے پاس اس کو اپنی دکان سے دور کرنے کی کوئی وجہ نہیں رہی تھی۔ کافی شاپ میں ان صاحب اور ان کے بچوں کے چہرے کی خوشی۔۔۔ اور ایسے کتنے کسٹمر اب بار بار پلٹ کر ادھر آئیں گے۔ کامنی جب مڑی تو ذہن میں جمع تفریق کر رہی تھی اور وہ لڑکے کے لیے خوش بھی تھی۔
سعدی نے گہری سانس لے کر آنکھیں بند کیں اور وہیں کاؤچ پہ بیٹھ گیا۔ اس کو ایک قدرے مضبوط چھت مل گئی تھی۔
اور کافی شاپ سے باہر۔۔۔ سڑک کنارے مہندرا ہاتھ میں ایک کاغذ پکڑے اس پہ لکھے نمبرز دیکھ رہا تھا۔ پوسٹر کے ادھورے نمبر میں ایک ہندسہ تو موبائل کوڈ کا حصہ تھا جو اسے معلوم تھا کہ ایک ہی ہوتا ہے۔ دوسرے ہندسے کی جگہ اس نے صفر سے نو تک سب نمبر ملا کر لکھ لیے اور اب باری باری سب پہ کال کر رہا تھا۔
"آپ کا نمبر میں نے پوسٹر پہ پڑھا۔۔۔ اچھا سوری رانگ نمبر۔" وہ بار بار معذرت کر کے فون بند کر دیتا۔ اس کی بے چینی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔
"کیا آپ نے وہ اشتہار دیا ہے؟ اچھا معذرت۔"
کوئی آٹھواں نمبر تھا جب دوسری جانب سے فصیح نے کال اٹھائی۔
"کیا آپ نے وہ پوسٹر والا اشتہار دیا تھا؟" وہ اب تھکنے لگا تھا۔
"ہاں، میں نے دیا تھا۔ تم نے دیکھا ہے کہیں اس کو؟" وہ چونک کر بولا۔ مہندرا کا چہرہ چمک اٹھا۔
"اگر میں کہوں ہاں، تو؟ کیا مجھے انعام کی وہ رقم ملے گی؟"



اجڑے ہوئے اس دل کے ہر اک زخم سے پوچھو
اس شہر میں کس کس سے محبت نہ ہوئی تھی

"میں بتاتی ہوں۔" زمر انگلیاں مروڑتی صوفے پہ ان کے سامنے بیٹھی۔ حنین تو ہر چیز سے بے نیاز لیپ ٹاپ آن کر کے دیوانہ وار امی کی میلز کھول کھول کر دیکھ رہی تھی اور سیم اس کے ساتھ آ بیٹھا تھا۔ ندرت نے گویا دل تھام لیا تھا اور ابا بست امید سے زمر کو دیکھ

رہے تھے۔ وہ سر جھکائے' انگلیاں مسلسل مروڑتی کہنے لگی۔

"ہاشم کاردار نے سعدی پر گولیاں چلوائی تھیں۔ اسی نے سعدی کو اغوا کروایا تھا۔ ہم سب یہ بات جانتے تھے' آپ سے چھپایا' اس لیے کہ....." نظریں اٹھا کر ان دونوں کو دیکھا۔ ندرت صوفے پہ آگے کو ہو کر بیٹھی' نم آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ ابا البتہ تھکن سے زمر کو دیکھ کر بولے۔

"اس لیے کہ تمہیں لگا ہم کسی کو بتا دیں گے؟" زمر نے ندامت سے سر ہلایا۔

"جی۔ مگر ہم غلط تھے۔ ہمیں اپنے خاندان سے باتیں نہیں چھپانی چاہئیں۔"

"ہاشم!" ابا نے چہرہ ایک ہاتھ میں گرا دیا۔ وہ افسوس' اور صدمے کا شکار تھے۔ "میں اسے کبھی پسند نہیں کرتا تھا' مگر ہمیشہ لگتا تھا ایک دن وہ اچھا آدمی بن جائے گا۔ اس نے کیوں کیا ہمارے بچے کے ساتھ ایسا؟ ہم نے کیا بگاڑا تھا اس کا؟"

"وارث غازی کو اس نے قتل کروایا تھا' سعدی یہ بات جان گیا تھا' تو اس نے....."

"زمر' مجھے یہ بتاؤ سعدی کہاں ہے؟" ندرت قدرے بے قراری سے بولی تھیں۔ آنکھوں میں آنسو تھے۔ ان کو کسی کاردار' کسی مجرم' کسی وجۂ قتل کی پرواہ نہ تھی۔ بس ایک ہی سوال تھا۔ وہ ہے کہاں؟

"وہ سری لنکا میں ہے۔ مجھے نہیں پتا کیسے' مگر وہ ان کی قید سے نکل گیا ہے۔ اب وہ کہاں ہے' ہمیں نہیں معلوم۔ اس نے ہمیں فون تک نہیں کیا۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ ہمیں فون بھی نہ کرے؟" وہ الجھی تھی۔

"تم نے بھی تو چار سال اسے فون نہیں کیا تھا۔"

ابا کے شکوے پہ اس کا دل کٹ گیا۔ وہ چار سال کب آئے' کہاں گئے؟ اسے یاد ہی نہ تھے۔ مگر ندرت کو پروا نہ تھی۔ وہ بے قراری سے پوچھ رہی تھیں۔

"وہ مل جائے گا نا؟" آنسو ان کی آنکھوں سے نکل نکل کر چہرے پہ لڑھک رہے تھے۔

"فارس اس کو ڈھونڈنے گیا ہے۔ وہ کولمبو میں ہے۔"

"ماموں کولمبو میں ہیں؟" حنین نے چونک کر اسے دیکھا۔ زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔ حنہ بالکل سُن رہ گئی۔

"تم سب اتنے جھوٹ کیوں بولتے ہو' زمر؟ میں نے کس کو بتانا تھا؟ میں نے تو صرف دعا کرنی تھی۔" ندرت نے آنسو صاف کرتے ہوئے دکھی دل سے شکوہ کیا۔ بڑے ابا ہنوز ماتھے کو ہتھیلی پہ گرائے آنکھیں موندے بیٹھے تھے۔

"تو ماموں کولمبو....." اس کی آنکھیں چمکیں۔ لبوں پر مسکراہٹ کھلی مگر پھر وہ چونکی۔ "مگر بھائی اب کولمبو نہیں ہے۔ پہلے اس نے اکاؤنٹ کولمبو سے کھولا تھا' اب کینڈی سے کھولا ہے۔"

"جی' پھپھو۔ یہاں کینڈی لکھا آرہا ہے۔" سیم نے بے قراری سے حنہ کے کندھے کے پیچھے سے اسکرین کو دیکھ کر کہا۔ وہ بار بار سب کے چہرے دیکھتا تھا۔ رونا تھا یا خوش ہونا تھا' کون سا تاثر دینا تھا' وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔

ندرت نے دوپٹہ سر پہ لیا' اور تسبیح اٹھا کر وہاں سے اٹھ گئیں۔ زمر نے یاسیت سے انہیں جاتے دیکھا۔

"سوری بھابھی! مجھے آپ کو سب سے پہلے بتانا چاہیے تھا۔ آپ کا سب سے زیادہ حق تھا۔"

"فارس..... تم' سعدی تم سب ایک جیسے ہو۔" وہ شکوہ کرتی' نم آنکھیں انگلی کی نوک سے صاف کرتی وہاں سے نکل گئیں۔ سیم اس کے پاس آیا اور اس کا بازو ہلایا۔ "پھپھو ماموں کو کال کریں' ان کو بتائیں نا۔" زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔

"اس کو پتا ہو گا سیم۔"

"تو پھر وہ کولمبو میں کیوں ہیں؟" حنین نے سنجیدگی سے پوچھا۔ "اور آپ نے مجھ سے بھی چھپایا۔"

"مجھ سے بھی اس نے چھپایا تھا۔" وہ دکھی دل سے کہتی اٹھی اور کمرے میں جا کر وہ موبائل نکالا۔ اس میں ایک ہی کانٹیکٹ فیڈ تھا۔ زمر نے کال ملائی۔

برف ایسی کہ پگھلتی نہیں پانی بن کر

پیاس ایسی کہ بجھاتے ہوئے تھک جاتا ہوں

زمر سے بات کرنے کے بعد فارس کتنی ہی دیر صوفے پہ لیٹا رہا۔ پھر وہ اٹھا اور لب ایک دوسرے میں پیوست کیے، کچھ سوچنے لگا، جیسے کچھ ناپسندیدہ کرنے جا رہا ہو۔ چند منٹ جب وہ اپارٹمنٹ کا دروازہ باہر سے لاک کر رہا تھا تو اس کے چہرے پہ ایک عزم تھا اور ساری تھکن ہوا ہو چکی تھی۔

وہ مڑا تو ایک دم ٹھٹک کر رکا۔

باہر سیڑھیوں پہ وہ بیٹھی تھی۔ سرخ بلی۔ اداسی سے گھٹنوں پہ ٹھوڑی ٹکائے، وہ سامنے دیکھ رہی تھی۔ وہ گہری سانس لے کر سر جھٹکتا اس سے ایک زینہ اوپر بیٹھا۔

"یہاں کیا کر رہی ہیں آپ؟"

"آپ کو تنگ تو نہیں کر رہی۔ اب کیوں پوچھ رہے ہیں۔" وہ اسی طرح چہرہ گھٹنوں پہ رکھے، انگلی سیڑھی کے ماربل پہ پھیرتے ہوئے بولی تھی۔

"آبدار، آپ بہت اچھی ہیں۔ آپ نے میری بہت مدد کی ہے، لیکن میں آپ کو اپنی وجہ سے مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا۔" تب ہی اس کا موبائل تھرتھرانے لگا۔ فارس نے نکال کر دیکھا۔ نمبر دیکھ کر مسکراہٹ خود بخود لبوں پہ بکھری۔

"ایک منٹ، میری بیوی ہے۔" اس کو خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے اس نے فون اٹھا لیا۔ آبی کے ہاتھوں کی حرکت تھم گئی۔ دل بھی تھم گیا۔ آنکھوں میں چبھن سی ابھری۔ مگر چہرہ نہیں اٹھایا۔ اسی طرح بیٹھی رہی۔

"ہیلو؟" وہ خوشگوار انداز میں بولا۔

زمر لاؤنج سے اٹھ کر گیلری میں آکھڑی ہوئی۔ حقیقت کے سورج کی آگ برساتی روشنی میں کھڑے ہو کر اس کا سامنا کرنا آسان نہیں تھا۔ سر جھکائے، انگلی سے ناخن رگڑتے اس نے کہنا شروع کیا۔

"وہ کولمبو میں نہیں ہے۔ کینڈی میں ہے۔" آواز بدقت لبوں سے نکلی تھی۔

فارس ایک دم بالکل پتھرا گیا۔ اس کا سانس بھی رک گیا۔ بے اختیار وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ چہرے کی رنگت پھیکی پڑی۔ پھر ندامت سے پیشانی مسلتے اس نے نگاہیں جھکائیں، کہنا چاہا۔ "زمر... آئی ایم سوری میں نے تم سے جھوٹ..."

"مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ میں اپارٹمنٹ کے اندر جا رہی ہوں۔ آپ بات کر کے آجانا۔" آبدار زینے سے اٹھتے ہوئے کافی اونچی آواز میں بولی تھی۔ فارس بالکل سُن رہ گیا۔ بے یقینی سے، سکتے سے اس نے آبی کو دیکھا جو کہہ کر زینے چڑھنے لگی تھی۔ اردگرد سے بے نیاز، جیسے اپنے خیال میں کھوئی ہو۔

زمر نے ایک ایک لفظ سنا تھا۔ اس نے بے اختیار سہارے کے لیے دیوار پہ ہاتھ رکھا۔ چہرے کی رنگت سفید پڑ گئی اور آنکھیں سرخ۔ "تم کہاں ہو فارس؟ اتنی رات کو تم کس کے ساتھ ہو؟" اس کی آواز کپکپائی تھی۔

"کچھ نہیں... سنو، ایسا کچھ نہیں ہے۔" غصے سے گردن موڑ کر اوپر مطمئن اور مگن سی جاتی آبی کو دیکھ کر وہ بدقت کہہ پایا۔ سارے الفاظ ختم ہو گئے تھے۔ اس کا ایک فقرہ کئی تقریروں پہ بھاری ہوتا تھا، آج سارے لفظ ہلکے ہو گئے تھے۔

"تم اس کے ساتھ ہو... اس کے اپارٹمنٹ میں؟ تم..." صدمے اور غصے سے اس کی آواز کانپی۔ "تم!"

ہر طرف دھواں ہی دھواں تھا۔

"میری بات سنو۔ میں تمہیں سب بتاتا ہوں۔ شروع سے۔ پلیز میری بات سنو۔" وہ پسینے سے تر ہوتے چہرے کے ساتھ کہہ رہا تھا۔

مگر سچ بولنے کا وقت اب گزر چکا تھا۔ اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ زمر نے کال کاٹ دی تھی۔ وہ پریشانی سے بار بار اسے کال ملا رہا تھا مگر وہ اٹھا نہیں رہی تھی۔

اوپر آسمان پہ چمکتا چاند چار روز پہلے ماہ کامل تھا۔

اب وہ کامل نہیں رہا تھا۔

چاند کی چاندنی گھٹ چکی تھی اور آگے اندھیری رات تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

میں نے ابھی کھڑکیوں کے پردے سمیٹے ہی تھے کہ افشی زور سے دروازہ دھکیلتی کمرے میں آئی تھی.... پردے میرے ہاتھوں سے چھوٹ گئے تھے۔

"آپ اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہیں۔؟" افشی کے سوال پر میں نے غور کیا۔ کیا میں "کچھ" تھی....؟.... کیا

کھڑکی کے پار سے ہوا آئی.... انگارے اڑے تھے یا راکھ۔

میں دھڑ دھڑ جلنے لگی.... میں "موم" بن گئی۔ افشی "خاص" بن گئی تھی.... میں "خام" کھڑی تھی۔

"وہ مجھے دیکھے گا.... مجھے سراہے گا.... مجھ سے

بنت سحر

یہاں نہیں آئیں گے

مجھے ایک کھوکھلی ہنسی ہنس دینی چاہیے....؟

"میں سمجھی نہیں افشی.... تم کیا کہنا چاہتی ہو....؟"

میں واقعی نہیں سمجھی تھی.... وہ ہرنیوں کے بھرے ہوئے غول کی ایک ہرنی کی مانند لگ رہی تھی۔ سنہری رنگت میں گلابی پن دوڑنے لگا تھا۔ "وہ استری اسٹینڈ کے پاس رکھے گل دان پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔ اور.... میں جو "کچھ" نہیں تھی۔ اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی تھی.... سکون سے.... اطمینان سے.... وہ جیسے غرائی تھی۔

"آپ جانتی ہیں ناں ہالے.... کہ میں کاشان سے کتنا پیار کرتی ہوں.... آپ ایک اچھی عورت ہونے کے ناتے آج یہ سمجھ لیں کہ وہ صرف "میرا" ہے.... وہ آپ سے منسوب تھا.... آپ اب "لڑکی" نہیں "عورت" ہیں.... آپ کی اب نہ تو عمر پیار کرنے کی ہے اور نہ ہی بیاہ رچانے کی۔" میرے سکون سے باندھے گئے ہاتھ جھٹکے سے گرے تھے....

"کاشان اگلے ہفتے ہی آرہا ہے.... اور آپ اس "بھول" میں نہ رہنا کہ وہ آپ کو دیکھے گا.... سراہے گا.... آپ نے اس کی غیر موجودگی میں جو تاریک راتیں تارے گن گن کر گزاری ہیں ناں.... وہ ان راتوں کے تاروں کی "گنتی" نہیں پوچھے گا۔"

باتیں کرے گا.... پتا ہے کیوں۔؟" وہ سہج سہج چلتی میری طرف آئی تھی۔ میری آنکھوں کا نور بجھنے لگا تھا۔

"کیونکہ آپ "عورت" ہیں۔ اڑتیس سال.... اور میں "لڑکی" ہوں بائیس سال....

میں موم تھی.... جلی.... پگھلی.... میں نے افشی کے پیروں کو دیکھا.... سفید تتلیوں کے پروں جیسے.... اور میں ان پروں پر جھک گئی.... اٹھ نہ سکی۔

"نہیں.... افشی.... نہیں.... میں نے اس کا بہت انتظار کیا ہے.... میں نے اس کے آنے کا حساب رکھا ہے۔ ہر رات.... ہر دن.... ہر پہر.... کیلنڈر کے نشان دیکھو.... وہ.... وہاں میرا انتظار رقم ہے۔" میں تڑپ رہی تھی۔

سفید تتلیوں کے پروں جیسے پیر کیلنڈر کے پاس جا ٹھہرے۔ تاریخوں کے دائروں پر بڑی نزاکت سے کالی سیاہی پھیر دی گئی تھی۔

انتظار چھپتا گیا.... کرب ظاہر ہوتا گیا۔

میں دیوانہ وار افشی کی طرف لپکی تھی۔

"ناں افشی.... ایسا نہ کرو۔"

وہ مڑی.... ہنسی.... اور کیلنڈر پر کالے مار کر سے صلیب کا نشان سا بنا دیا۔ مجھے لگا میں صلیب میں گڑی کھڑی ہوں۔

میں نے اس کے کندھے تھامے تھے۔ ”وہ میرا ہے۔۔۔ میں اس کا سالوں سے انتظار کر رہی ہوں۔“ اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔۔۔ میرے ہاتھ اس کے کندھوں پر تھے اور اس کے ہاتھ میرے کندھے پر۔۔۔

”حقیقت کو سمجھیں۔۔۔ جو پہلے آپ کا تھا وہ اب آپ کا نہیں رہا جو آپ کا ماضی تھا وہ میرا حال ہے۔“ وہ مجھے سمجھا رہی تھی۔ وہ مجھے نہیں سمجھ رہی تھی۔

”میں نے صرف اسی امید پر اتنے سال کاٹے ہیں۔۔۔ وہ میرا حق ہے۔۔۔ میں اب تنہائیوں کے بوجھ نہیں ڈھو سکتی۔“ وہ مشتعل ہو کر پیچھے ہٹی تھی۔۔۔



ہمارے ہاتھوں سے کندھے چھوٹ گئے تھے... میں نے پہلو میں خوف اترتا محسوس کیا تھا... خوف کی زنجیروں نے میرا وجود جکڑا...

افشی نے مجھے جیسے وارننگ دی تھی...

"ہالے پھپھو کا شان۔ صرف پچیس سال کا ہے... جن کے "جوڑ" خاندان میں نہیں ہوتے پھر "کنوارپنا" تا عمران کا مقدر بن جاتا ہے... اتنے سال پرانے نکاح کو وہ نہیں مانے گا... مجبوری کے سودوں پر ہر بار سمجھوتا نہیں کیا جاتا..."

میرا "دل" نہیں تھا۔ "میں کون ہوں...؟"

ایک وجود... مٹی سا... اک روح... ارزاں سی...

انگلیوں پر گنا جائے میرا انتظار تو انگلیاں تھک جائیں... یہ گنتی ختم ہو جائے... مگر میرا انتظار ختم نہ ہو۔

وہ دروازے کی طرف بڑھی... مڑ کر مجھے دیکھا... ہنسی۔ "سارے حوصلے، ہمتیں، جمع رکھیں کیونکہ بعد میں خود کو جوڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔"



میں جو "ہالے نور" ہوں... نور کا ہالہ... نور کی رونق... حویلی کے باغوں کی سنہری بلبل... جس کو تختہ دار پر لٹکایا گیا۔

حویلی کے لوگوں کے نقوش کے ساتھ ساتھ دل بھی "پکے" تھے... "پکے" دلوں پر رشتوں کی... پیار کی ضربیں اثر ہی نہیں کرتیں۔

میں جو سرسوں کے پھولوں کے ہار بنا رہی تھی... بی اماں کی بات پر چونکی تھی... انہوں نے مجھے نہیں دیکھا تھا... کیونکہ میں تخت کے نیچے چھپی بیٹھی تھی۔

"اللہ کرے... خاندان میں کوئی ہالے کا جوڑ مل جائے ورنہ میری دھی رل جائے گی۔"

برکت خالہ سڑک سڑک چائے پی رہی تھیں... اور... بی اماں کی چائے ٹھنڈی پڑی تھی... وہ چائے کیوں نہیں پی رہی تھی؟

مجھے ان کی چائے ٹھنڈی ہونے کی "فکر" تھی۔

"برکت...! میری دھی بڑی معصوم ہے... روایات کی بھینٹ نہ چڑھ جائے... وہ تو گرجتے بادل کی آواز سے سہم جاتی ہے... تنہا زندگی کیسے کاٹے گی...؟" برکت خالہ نے پیالی زور سے پٹخی تھی۔

"ارے... جانے تمہارے خاندان کے مردکیوں اتنے پھنے خان بنے پھرتے ہیں... رسم و رواج کی جانے کون سی گرہ ہے جو کھلتی ہی نہیں... کنواری لڑکیاں بڑھاپا بھی بابل کے گھر بسر کر کے گزر جاتی ہیں... اپنے دین دھرم بنا رکھے ہیں... معصوم کلیوں کی موت کی صدائیں قبر تک ان کا پیچھا کریں گی۔"

اور برکت خالہ اور اماں کے اٹھنے کے بعد میں تخت کے نیچے سے نکلتی کچن میں آ گئی تھی... جہاں سکینہ کام کر رہی تھی۔ میں پیلے پھولوں کے ہار تھامے وہیں چلی آئی تھی اور آرام سے اسٹول پر بیٹھ گئی تھی۔

"پھول کتنے اچھے ہوتے ہیں نا سکینہ..." وہ برتن دھو رہی تھی۔

"ہاں... خوب صورت، جو ہوتے ہیں۔"

"ساری خوب صورت چیزیں اچھی ہوتی ہیں کیا...؟"

"شاید..." وہ میری طرف پشت کیے کھڑی... اپنے کام میں مگن تھی۔

"ہاں... لوگ بھی سارے اچھے ہوتے ہیں۔" اور میں سکینہ کی اس جھوٹی بات پر یقین کر بیٹھی تھی۔

"میں اپنی شادی پر پیلے پھولوں کے ہار پہنوں گی۔" میں نے سکینہ کو بتایا تھا... وہ میری طرف مڑی اور اس کے ہاتھ کانپے تھے اور چینی کی پلیٹ فرش پر چکنا چور ہوئی تھی... میں اس وقت دس سال کی عمر میں نہیں جانتی تھی کہ وہ اتنی چھوٹی سی بات پر پلیٹ کیوں توڑ بیٹھی تھی؟

اور اس بات کا جواب مجھے "بیس سال" کی عمر میں ملا تھا۔ کچھ باتوں کے جواب اتنی تگ و دو کے بعد ملتے ہیں کہ ان کی حقیقت پر یقین ہی نہیں آتا... دور حویلی

کے پار کچنار کے باغوں میں شعلہ بھڑکا۔۔۔ اور۔۔۔ بھڑکا۔۔۔ پھول جلے اور جلی ہوئی خوشبو چار اطراف گھومنے لگی تھی۔



میں جتنا ابا سے اور حویلی کے مردوں سے ڈرتی تھی اس سے کہیں زیادہ اماں کے قریب تھی۔۔۔ اماں کی آنکھیں اکثر بھیگی رہتی تھیں۔۔۔ جانے کیوں؟

"ابا اور حویلی کے مرد اتنے سخت کیوں ہیں؟"

"پتا۔۔۔ نہیں میری دھی! ان کے دلوں میں کیوں اتنے "ول" ہیں جو کھلتے ہی نہیں ہیں۔" اماں بالوں میں تیل لگا رہی تھیں۔۔۔ اور میں قریب بیٹھی ان کے لمبے اور گھنے بال رشک سے دیکھ رہی تھی۔

"آپ کے بال کتنے لمبے ہیں نا اماں۔۔۔" میں نے کہا تھا۔

"ہاں۔۔۔ تمہاری نانی نے بہت حفاظت کی تھی بچپن میں۔۔۔"

"جیسے آپ میرے بالوں کی حفاظت کرتی ہیں؟" میں نے پوچھا تھا۔ انہوں نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔۔۔

"اماں! یہ عاشی خالہ ہر وقت کمرے میں کیوں بند رہتی ہیں؟" میں نے پوچھا تھا اور اماں کے ہاتھوں سے تیل کی بوتل چھوٹی تھی۔۔۔ ساری چادر خراب ہو گئی تھی اور اب تیل قطرہ قطرہ فرش پر گر رہا تھا۔۔۔ میں سوال و جواب بھول کر سکینہ کو بلانے بھاگی تھی۔

اور وہ سوال "وہیں" رہ گیا تھا۔ باقی سوالوں کی طرح۔۔۔

اور جب میں نے عاشی خالہ سے ان کی تنہائی کی وجہ پوچھی تھی تو وہ کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی تھیں۔۔۔ وہ

کتنی پیاری تھیں۔۔۔ نرم و ملائم۔۔۔ اور ان کے بال تو اماں سے بھی لمبے تھے۔۔۔ کالے۔۔۔ سیاہ۔۔۔ رات سے۔۔۔ وہ جب کنگھی کرتی تھیں تو چمکیلی آبشار فرش پر جیسے پھسلنے لگتی تھی۔۔۔ وہ مجھے موم کی بنی لگتی تھیں۔۔۔ جدھر موڑو۔۔۔ مڑ جائیں گی۔

میں بھی موم بننا چاہتی تھی۔۔۔ جب میں نے انہیں بتایا تھا تو وہ تڑپ گئی تھیں۔۔۔ "ناں۔۔۔ ہائے۔۔۔ ہارنے والے موم کے بنے ہوتے ہیں۔۔۔ وقت پگھلا دیتا ہے۔۔۔ پگھل جاؤ گی۔۔۔ گھل جاؤ گی۔"

وہ ٹھنڈے فرش پر بیٹھی تھیں۔۔۔ تیل کی بوتل پاس رکھے۔۔۔ بال کھول کر اپنی گود میں رکھے۔۔۔ شاید وہ سنڈریلا لگ رہی تھیں یا پھر راپنزل۔۔۔ اسی پل میں نے دعا کی تھی۔

"اللہ۔۔۔ کرے۔۔۔ انہیں نیند آجائے۔۔۔ اور میں ان کے بال کاٹ کر بھاگ جاؤں۔" اور میری دعا قبول ہوئی تھی، مگر کسی اور طریقے سے۔۔۔

جب شام ڈھلنے کو تھی۔۔۔ حرارتی گولہ حویلی کی دیواروں پر نارنجی عکس ڈال رہا تھا۔۔۔ سکینہ حویلی کے دروازے پیٹتی بھاگ رہی تھی۔

"ارے۔۔۔ عاشی بی بی نے اپنے بال کاٹ ڈالے ہیں۔" میں حیران ہوئی تھی اور بعد میں پریشان۔۔۔ مجھے زندگی میں پہلی بار اپنی دعا کی قبولیت پر تشویش ہوئی تھی۔۔۔ اور میں رات کے ڈھائی بجے تک روتی رہی۔

"یہ میں نے کیا کر دیا۔۔۔ مجھے ایسی دعا مانگنی ہی نہیں چاہیے تھی۔۔۔ اب عاشی خالہ کے بال پھر سے کیسے آئیں گے۔"

میں سوچتی رہی۔۔۔ کڑھتی رہی۔۔۔ رات ڈھلتی رہی۔

میں اگلے دن عاشی خالہ کے پاس گئی تھی۔۔۔ ہاتھ جوڑے اور کہا۔۔۔ "مجھے نہیں پتا تھا کہ میری دعائیں قبول ہو گی۔۔۔ میں شرمندہ ہوں۔"

وہ مجھے دیکھ کر ہنسی تھیں اور نفی میں سر ہلایا تھا۔۔۔ ان کے بال بہت چھوٹے ہو گئے تھے۔۔۔ مجھے وہ کسی ٹیڈی بیئر کی مانند لگی تھیں۔۔۔ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے ساتھ بٹھا لیا۔۔۔ مجھے کبھی بھی ٹھنڈے فرش پر بیٹھنا پسند نہیں رہا تھا۔۔۔ مگر میں اس دن چپ چاپ ان کے پاس بیٹھ گئی تھی۔۔۔ ٹھنڈے فرش کا سرد پن ان کے لہجے میں اور میرے وجود میں اترتا جا رہا تھا۔

"ہالے... نہ پیدا ہونا ہمارے اختیار میں ہوتا ہے اور نہ ہی مرنا... مگر زندگی سے خوشیاں حاصل کرنا ہر کسی کا حق ہوتا ہے... پھر مجھے کیوں میرے حصے کی خوشیوں سے محروم کردیا گیا ہے... کیوں ہالے... کیوں...؟" وہ رو چلا رہی تھیں۔

"میں سفید وجود کے ساتھ کسی تابوت میں قید کردی گئی ہوں... اور تابوتوں میں تو "مردے" بند ہوتے ہیں نا... اور میں بھی جیسے مردہ ہوگئی ہوں... تنہائی' افسردگی' جیسے میرے وجود پر ثبت کردی گئی ہے... حویلی کی دیواریں اتنی اونچی ہیں کہ دم گھٹنے لگتا ہے... انسان مرجاتے ہیں... دل مرجاتے ہیں... مگر ان پر افسوس نہیں ہوتا... مگر جب "روح" مرجائے تو کچھ باقی نہیں رہتا... میری روح کی مرگ پر بھی قہقہے لگائے گئے... جاؤ... ہالے نور... تم بھی جلد اس سفر پر قدم رکھوگی... تب تمہیں میری یاد آئے گی۔

تب اس وقت تم "موم" نہ بن جانا... ورنہ پگھل جاؤگی یا پھر پگھلادی جاؤگی... گھل جاؤگی یا پھر گھلا دی جاؤگی... جاؤ... ہالے نور... جاؤ..."

میں بھاگی تھی اور فرش پر پڑے کانچ سے ٹکرائی تھی... مگر پھر بھی میں بھاگتی گئی...



جب میں نے جوانی کی سیڑھی پر قدم رکھا تھا... تب ہی ابو کے دوست کا بیٹا پیدا ہوا تھا... میں حیران تھی بیٹا ان کا پیدا ہوا تھا' مگر جشن ہماری حویلی میں کیوں ہو رہا تھا...؟ کیا دوسروں کی خوشی میں خوش ہو کر جشن منائے جاتے ہیں؟

ابا کے دوست کے بیٹے کا نام "کاشان" رکھا گیا تھا... میں اکثر حویلی کے برآمدے میں کھڑی اس نام کی گردان کیے جاتی۔

کتنا میٹھا سا نام تھا... شہد سا... شیریں... مجھے وہ نام بہت پسند آیا تھا... میں نے اس سے تب بات کی تھی جب وہ میٹرک کا امتحان دے چکا تھا۔

ابا کے کمرے میں ٹیلی فون رکھا ہوا تھا... میں روز ابا کے کمرے میں صفائی کرنے جاتی تھی ابا کی کتابیں' ٹیبل' عینک کورز' غالیچوں کی صفائی سب میرے ذمہ تھا۔

میں بڑا سا چائے کا کپ تھامے کرسی پر جھول رہی تھی... جب دفعتاً" ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تھی... چائے کا سارا مزہ کرکرا ہونے کو تھا۔

"ہیلو... جی... کون...؟" میں نے پوچھا تھا۔

"کاشان بات کر رہا ہوں۔" چائے کا کپ میں نے تپائی پر رکھا تھا... ساری آوازیں غیر حاضر... بس اک آواز کا ورد حاضر...

"اوہ... جی... کس لیے فون کیا...؟" میں نے کہا۔

"میرے ابا کو آپ کے "ابا" سے بات کرنی تھی۔" میں اس دلچسپ جواب پر ہنسی تھی... مجھے لگا میں کوئلوں کے جھنڈ کی البیلی کوئل ہوں۔

"اوہ مائی گاڈ... آپ کتنا خوب صورت ہنستی ہیں... آپ ہیں کون...؟" وہ پوچھ رہا تھا... میں نے دھک دھک کرتے دل پر ہاتھ رکھا تھا۔

"جی میں ہالے نور ہوں..."

"ہالے نور کون...؟"

"اپنے ابا کی بیٹی..."

"اوہ... اچھا..."

"تم کیا کرتے ہو...؟" میں نے پوچھا تھا۔

"میں پڑھتا ہوں... میٹرک کا رزلٹ آج ہی آیا ہے میری پہلی پوزیشن آئی ہے۔" اس کی آواز خوشی سے لرز رہی تھی... اور میں چاہ رہی تھی ایک بار پھر "جشن" ہو... میں "اس" کی خوشی پر خوش ہوکر جشن منا سکتی تھی... ہاں... میں ایسا کرسکتی تھی... حویلی کی دائیں منڈیر سے بائیں منڈیر تک دیسی گھی کے دیے جلا دیے جائیں... گلال کے ڈول حویلی پر اڑا دیے جائیں...

"بہت بہت مبارک ہو تمہیں..." میں نے اس سے کہا تھا... اور پوچھا تھا... "تم آگے زندگی میں کیا بننا چاہتے ہو... تمہارے کیا خواب ہیں...؟"

خوابوں کی باتیں شروع ہوئی تھیں... شاید خوابوں کے بغیر زندگیاں بے معنی سی ہوتی ہیں... "میں زندگی کی دوڑ کا کامیاب انسان بننا چاہتا ہوں... میں اپنے وجود پر لفظ "کامیاب" کی چھاپ ڈالنا چاہتا ہوں... مجھے رسم و رواج سے محبت نہیں ہے... میں کسی کی دل آزاری کا سبب نہیں بننا چاہتا... مجھے بنجر خوابوں پر پھول اگانے ہیں۔"

"تم بننا کیا چاہتے ہو...؟" میں نے دوبارہ پوچھا تھا۔

"میں "بڑا لڑکا" بننا چاہتا ہوں..." میں آہستہ سے ہنسی تھی۔

"بڑا آدمی" بننا سنا تھا' مگر یہ بڑا لڑکا بننا... کتنا عجیب جواب تھا... "مگر میں "یہ" نہیں جانتی تھی کہ اس کا جواب مجھے مار ڈالنے والا ہوگا۔" مجھے لفظ "بڑھاپے" سے ہی خوف آتا ہے۔

میں بڑا لڑکا بننا چاہتا ہوں... مجھے "آدمی" نہیں کہلوانا... یہ لفظ بوڑھا سا تاثر دیتا ہے... بڑھاپے کا فیز مجھے اتنا پسند نہیں... مجھے بوڑھا نہیں ہونا۔" وہ کہہ رہا تھا... میں سن رہی تھی... اور "سن" ہو رہی تھی۔ ریسیور میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا... میرے شعور پر ضرب لگی تھی... اور مجھے لگا میں کسی دائرے میں مقید ہوں... اور میرے اردگرد حرارت پھیلتی جا رہی ہو... تپش... آگ...



ساری زندگی میں سوچتی رہی تھی کہ سر پر آسمان گرنا اور پیروں تلے سے زمین کھسک جانا کسے کہتے ہیں...؟ اور مجھے یہ بات اس دن پتا چلی گئی تھی جب حویلی کے در و دیوار کو سجا دیا گیا... پوری حویلی برقی قمقموں سے سجی ہوئی تھی... میرے سر پر سرخ دوپٹا اڑھا دیا گیا... ابا' اماں اور حویلی کے کچھ اور مرد مجھ سے جواب مانگنے آئے تھے... میں حیران زیادہ تھی یا پریشان... میں سمجھ ہی نہ سکی تھی۔

"اماں... یہ سب کیا ہے...؟" میرے آنسو بہہ رہے تھے۔

"میری دھی... چپ کر کے "ہاں" کہہ دے... تیرا کاشان کے ساتھ نکاح ہے۔"

آسمان سر پر گرا تھا... یا... زمین پیروں تلے سے کھسکی تھی... مجھے لگا میرے وجود سے... خون بہنے لگا ہو...

اور میں رسم و رواج کی سولی پر چڑھا دی گئی... لڑکیاں' بالیاں گیت گا رہی تھیں... میری سماعتوں پر جیسے پگھلا سیسہ انڈیل دیا گیا تھا... عمروں کا فرق' مزاج' کچھ بھی تو ایک سا نہیں تھا... ایک سا نہیں ہو سکتا تھا۔

وہ جو "کچی" عمر میں بھی "پکی" باتیں کرتا تھا... کیا وہ میرا وجود' میری روح قبول کر پائے گا...؟

ہاں... میں سرخ آندھیوں میں اڑتا ہوا کسی خستہ کتاب کا بوسیدہ سا ورق تھی... اور میں جو "ہالۂ نور" تھی... نور کا ہالہ... نور کی رونق... میں "نہ" رہی تھی... مری نہیں تھی شاید "مار" دی گئی تھی۔

اور... میری پہلی ملاقات کاشان سکندر سے اس وقت ہوئی تھی جب حویلی میں ایک شادی ہوئی تھی۔

میں گیلری سے مہندی کے تھال اٹھائے آرہی تھی... اس وقت گیلری میں ملگجا سا اندھیرا چھایا ہوا تھا... گیلری کے سرے پر دو لڑکے آپس میں کھڑے باتیں کر رہے تھے... ایک کی پشت میری طرف تھی دوسرا کچھ اندھیرے میں کھڑا تھا... جو میری طرف پیٹھ کیے کھڑا تھا اس نے کرتا پہن رکھا تھا اور کافی نمایاں لگ رہا تھا... میں مہندی کے تھال تھامے کشمکش میں کھڑی تھی کہ آگے جاؤں یا نہیں...

"بس یار... یہ رسم و رواج اور پرانی روایتیں مجھے سخت ناپسند ہیں... معاشرے کو یہ رواج دیمک کی طرح چاٹ رہے ہیں۔" نفرت تو مجھے بھی تھی ان رسم و رواج سے... ان شکنجوں سے...

"حیرت ہے اتنی نفرت کے باوجود تم بھی ان کی بھینٹ چڑھ گئے..."

"بس یار... مجبوری بن گئی تھی اس وقت' ورنہ تو جانتا ہے کہ میں کس مزاج کا بندہ ہوں..."

ان دونوں کی باتیں جاری تھیں... میں مجبوراً "سن رہی تھی... آخر میں خود ہی آگے بڑھی۔ "سنیے... راستہ دیجیے..." کرتے والا لڑکا ایک طرف ہٹا تھا... میں تیزی سے آگے بڑھی تھی... جیسے ہی سیڑھیاں چڑھنے لگی دوپٹا دھاتی گرل میں اٹک گیا تھا...

کرتے والا لڑکا آگے بڑھ کر دوپٹا دھاتی گرل سے نکالنے لگا تھا... میں نے نظر اٹھائی تھی... اس لڑکے کی آنکھیں چمک دار بھوری' پیشانی کشادہ اور بال سیاہ سے تھے... وہ جوانی کی دہلیز پر تھا... قد کاٹھ سے وہ کافی بڑا لگتا تھا... دوپٹا چھڑا کر اس نے منتظر نگاہوں سے مجھے دیکھا تھا... میں نظریں چرا گئی تھی شاید کچھ زیادہ ہی جائزہ لے ڈالا تھا میں نے...

"آپ کا بہت شکریہ..." میں نے کہا تھا... وہ خفیف سا ہنسا تھا۔

"کوئی بات نہیں..." کہہ کر وہ نیچے جانے لگا تھا... اور میں اوپر قدم رکھ رہی تھی۔ تب ہی وقت تھما... رکا... اور میں بھی "جامد" ہوئی تھی۔

اوپر سے مجھے سکینہ نے بلایا تھا۔ "ہالے بی بی... جلدی آئیے..." کاشان بے ساختہ مڑا تھا... میں بے نیاز سی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔

جب ساتھی لڑکے نے کہا تھا... "کاشان یار... جلدی آؤ..."

میں ٹھٹکی تھی... یہ نام... شہد سا... گڑ سا... شیریں... وہ مجھے دیکھ رہا تھا۔ ہماری آنکھیں چار ہوئی تھیں... حویلی کی کھڑکیوں' برآمدوں میں سے چنبیلی کی مہک اڑتی آئی اور اپنے وجود کے گرد میں نے خود کو خوشبو کے جال میں جکڑتا ہوا محسوس کیا تھا... وہ بے نیاز سا پلٹ گیا تھا... وہ مجھے نہیں "پہچان" سکا تھا شاید... اور میں...؟

محبت کے عطردان نے مجھ پر چھڑکاؤ کیا تھا... حویلی کی ساری روشنیاں جیسے میرے وجود میں اتر آئی تھیں... میں "روشن" ہوئی تھی... میں جو "ہالے نور" تھی۔

☆ ☆ ☆

سنہری دوپہر سہ پہر کے سانچے میں ڈھل رہی تھی... ہواؤں میں جیسے گزرے زمانوں کے "پہر" زندہ تھے... سانس لیتے تھے۔

میں بھائی کو دیکھ رہی تھی' اماں اور ابا کے بعد میرے سرپرست تھے۔

"دیکھو... ہالے... کبھی کبھی انسان بہت مجبور ہو جاتا ہے اور اسے وہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے' جو وہ نہیں کرنا چاہتا... تم میری بات سمجھ رہی ہو نا...؟" وہ پوچھ رہے تھے۔

"ہاں..." شاید میں "اچھی" طرح سمجھ رہی تھی۔

"تمہیں پتا ہے نا کہ کبھی کبھی والدین اپنی اولاد کی وجہ سے بہت مجبور ہو جاتے ہیں... میں اور تمہاری بھابھی بھی بہت مجبور ہیں... افشی' کاشان کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہے... تم جانتی ہو نا... کہ وہ کتنی ضدی ہے..." میں نے اپنے آپ کو پگھلتا ہوا محسوس کیا تھا۔ میں... میں "موم" کا گھر بنتی جا رہی تھی... یا... پھر بن رہی تھی۔

افشی کی "ضد" اہم تھی... مگر ہالے نور کا "حق" اہم نہیں تھا۔

"تمہاری عمر بھی اب کافی ہو گئی ہے... اور کاشان بھی نئے دور کا بچہ ہے...... سوچ کا بھی بہت فرق ہے... وہ کہاں نا سمجھی کے وقت کیے گئے فیصلے کو تسلیم کرے گا..." وہ دلیلیں' وضاحتیں میرے آگے ڈھیر کرتے جا رہے تھے۔

اور میں اس "ڈھیر" کے آگے دبتی جا رہی تھی...

"میں نے کاشان کے گھر والوں سے بات کر لی ہے... وہ راضی ہیں... بس اتوار کو میں نے کاشان اور اس کی فیملی کو رات کی دعوت پر بلایا ہے... افشی اور کاشان بھی ایک دوسرے کو سمجھ لیں گے..." وہ اب اٹھ رہے تھے۔

میں تابوت میں "رکھ" دی گئی ہوں... تابوت کے خانوں میں کیلیں ٹھونک دی گئی ہیں... کہیں کوئی

روزن نہیں۔۔۔ سہ پہر میرے وجود پر رنگ چھوڑنے لگی تھی۔۔۔ بھیا نے میرے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

"اف۔۔۔ بھئی۔۔۔ یہ آج کل کے بچے۔۔۔ بس انسان وقت کے ساتھ ساتھ چلنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔۔۔ ہالے۔۔۔ خوش رہا کرو۔"

ہاں۔۔۔ میں "خوش" تھی۔۔۔ میں ہمیشہ "خام" ہی رہی تھی۔ "خاص" ہونے کا ہنر ہالے نور میں نہیں تھا۔۔۔ میں تو بس "موم" کا گھر تھی جو "پگھل" رہی تھی۔۔۔ اور گھل گھل کر ختم ہو رہی تھی۔



میں آہستہ آہستہ لالٹین تھامے سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔۔۔ لالٹین کمرے کے باہر ہی رکھ دی تھی۔۔۔ کھانے کی ٹرے تھامے میں ان کی طرف آئی تھی۔۔۔ وہ کھڑکی کے ساتھ لگی آج بھی ٹھنڈے فرش پر بیٹھی تھیں۔۔۔ مجھے ان پر ہمیشہ "رحم" آتا تھا۔۔۔ مگر آج ان کے ساتھ ساتھ مجھے "خود" پر بھی رحم آرہا تھا۔ میں نے عاشی خالہ کی طرف دیکھا۔

"عاشی خالہ۔۔۔ دیکھیے۔۔۔ غور سے مجھے دیکھیے۔۔۔ آج ہالے نور بھی ہار گئی ہے۔۔۔ آپ تو جنگ لڑے بغیر ہی ہار گئی تھیں۔۔۔ اور میں تو جیتی ہوئی جنگ ہی ہار بیٹھی ہوں۔۔۔ آپ کی طرح میں بھی "موم" بن گئی ہوں۔۔۔ بھیا نے مجھے بھی موڑ دیا ہے۔۔۔ میں بھی تنہائی کا لباس اوڑھ کر اب آپ کی طرح رات کے آخری پہر گھوموں گی۔۔۔ چاند سے باتیں کروں گی۔۔۔ مگر۔۔۔؟" میں رو رہی تھی۔۔۔ زور۔۔۔ زور۔۔۔ سے۔۔۔ وہ مجھے دیکھ رہی تھیں۔

"آپ بھی تو چاند سے باتیں کرتی ہیں مگر "یہ" چاند جواب تو نہیں دیتا نا۔۔۔ بنجر وجودوں پر کونپلیں نہیں آتی ہیں۔۔۔ کبھی بھی نہیں۔"

میں گھٹنوں کے بل بیٹھی رو رہی تھی۔

"میں مر جاؤں گی۔۔۔ میری مدد کو کوئی نہیں آئے گا۔۔۔ انسانوں کے لیے "ابابیل" نہیں بھیجے جاتے۔۔۔ مگر دعاؤں سے تو سب ہوتا ہے نا۔۔۔ میں "اللہ" سے ابابیل مانگوں گی۔۔۔ جو ظالموں پر کنکر گرائے گا۔۔۔ ابابیل میری مدد کو آئیں گے نا۔۔۔؟" میں ہذیانی ہو کر انہیں جھنجوڑ رہی تھی۔۔۔ چاند اپنے مدار سے سرکا اور تارے تاریک ہونے لگے۔۔۔ سیاہی پھیلنے لگی۔۔۔

بند لبوں کے قفل پر ضرب پڑی تھی۔

"ہالے نور۔۔۔ اللہ برگزیدہ بندوں کی مدد کو ابابیل بھیجتا ہے۔۔۔ عام انسانوں کی مدد کو ابابیل نہیں بھیجے جاتے۔۔۔ مگر عام انسانوں میں سے کسی "عام" انسان کو ابابیل ضرور بنا دیا جاتا ہے۔" عاشی خالہ کی آواز نے مینار کی سی بلندی اختیار کرلی تھی۔

ابابیل انسان نہیں ہوتے۔۔۔ مگر انسان "ابابیل" ہو جاتے ہیں۔

اور بنت سحر کہتی ہے۔۔۔ "ہر انسان ابابیل نہیں ہوتا۔۔۔ اور جو ہوتا ہے وہ بہت خاص ہوتا ہے۔۔۔ بہت خاص۔۔۔ ابابیل "مددگار" ہیں۔۔۔ اور تم بھی ہو جاؤ مددگاروں میں سے۔۔۔"



بھیا ٹیبل لیمپ کی روشنی میں کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔۔۔ بھابھی آرام کرسی پر بیٹھی تھیں۔۔۔ جب عائشہ شال اوڑھے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔۔۔ بھابھی جلدی سے اٹھ بیٹھی تھیں۔

"خالہ۔۔۔ آپ۔۔۔ آیئے۔" بھیا نے کتاب رکھ کر اٹھے۔

سے۔۔۔

عائشہ چپ چاپ صوفے پر بیٹھ گئی تھیں۔۔۔ بھیا نے حیرت سے انہیں دیکھا تھا۔۔۔ وہ آج کافی عرصے بعد ان کے پاس آئی تھیں۔۔۔ بھابھی بھی حیران تھیں اور پریشان بھی۔۔۔

"خیریت تو تھی خالہ۔۔۔" بھیا نے جھجک کر پوچھا تھا۔۔۔

"میں ہالے نور کی بات کرنے آئی ہوں۔" بھیا پریشان سی نظروں سے دیکھنے لگے۔

"کیسی بات خالہ۔۔۔؟"

"یہی کہ کاشان تو آرہا ہے، تم نے کیا سوچا ہے۔۔۔؟" بھابھی جیسے تڑپ کر بولی تھیں۔

"ارے۔۔۔ خالہ۔۔۔ ہالے نور نے خود انکار کردیا ہے کاشان کے ساتھ شادی سے۔۔۔" عائشہ استہزائیہ ہنسی ہنسی تھیں۔

"میں جانتی ہوں محکوم رعایا پر حکم ہی چلائے جاتے ہیں۔۔۔ اور ہالے کی کیا قدر اور حیثیت ہے اس گھر میں اچھی طرح جانتی ہوں۔"

بھیا گڑبڑائے تھے "مگر وہ افشی۔۔۔؟"

"بچوں کی ہر ضد پوری نہیں کی جاتی۔۔۔ مظلوم کی آہ نہیں لیتے ورنہ گھر برباد ہوجاتے ہیں۔" وہ بہت بے بس سی لگ رہی تھیں۔

"تنہائیاں، اکیلا پن بے موت "مار" دیتا ہے۔ جو میرے حصے میں آیا میں وہ بھگت چکی ہوں۔۔۔ ہالے کو اس کی خوشی دے دو۔۔۔ بہن ہے تمہاری۔۔۔ بھائیوں کے دل اور ظرف تو بہت بڑے ہوتے ہیں۔" بھابھی تناؤ بھرے چہرے کے ساتھ بڑبڑا رہی تھیں۔۔۔ بھیا نے کوفت اور بے زاری سے بھرپور نظر عائشہ خالہ پر ڈالی تھی۔۔۔ وہ بے بسی کی انتہا پر تھیں۔

عائشہ خالہ اٹھیں اور بھیا کے قدموں کے پاس جا بیٹھیں وہ رو رہی تھیں۔۔۔ پھوٹ پھوٹ کر۔۔۔

"میں نے تنہائیوں کے عذاب بھگتے ہیں۔۔۔ میں زندہ درگور ہوئی ہوں۔۔۔ جو میرے ساتھ ہوچکا۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ ہالے کا مقدر بنے۔۔۔ میرے جڑے ہاتھوں کو دیکھو۔۔۔"

بھیا پگھلے یا نہیں۔۔۔ کچھ پتا نہ تھا۔۔۔ کچھ خبر نہ تھی۔ مگر رات ڈھل رہی تھی۔۔۔ پگھل رہی تھی۔



کاشان نے اپنی زندگی کے اہم فیصلے پر اپنی مرضی کے خلاف جانے پر بہت احتجاج کیا تھا۔۔۔ مگر پھر بھی وقت نے "سمجھوتے" پر راضی کرلیا تھا۔۔۔ زندگی کے ہر موڑ پر اس نے اپنے آپ کو کسی حصار میں جکڑا ہوا محسوس کیا تھا۔

اس نے ہالے نور کو نہیں دیکھا تھا۔۔۔ کون تھی ہالے نور۔۔۔؟

اڑتیس سالہ عورت یا پھر لڑکی۔۔۔؟

اس نے شریک حیات کے حوالے سے ابھی تک کوئی بھی خاکہ نہ تراشا تھا۔۔۔ اور دوسری طرف افشی تھی۔۔۔ جو جب بھی کہیں ٹکرا جاتی۔۔۔ معنی خیزی سے دیکھتی مسکراتی۔۔۔ اس کی افشی سی اچھی خاصی جان پہچان ہوگئی تھی۔

افشی ذہین تھی۔۔۔ خوب صورت تھی۔۔۔ بلا کی حاضر جواب تھی۔ وہ افشی سے متاثر تھا۔۔۔ مگر وہ نہیں "سمجھ" سکا تھا کہ اس متاثر ہونے کی حد کہاں تک تھی۔۔۔ کیا اتنی تھی کہ وہ ہالے کو چھوڑ کر افشی کو اپنا لیتا۔۔۔؟ وہ چاہتا تھا ایک بار۔۔۔ صرف ایک بار تو وہ اپنی منکوحہ ہالے نور کو دیکھے، سمجھے۔۔۔ کیا مردوں کا وجود اتنا خود غرض ہوتا ہے کہ جائز تعلق کی دیوار بن جائے۔۔۔؟

اس نے تو بس ہالے کی آواز سنی تھی۔۔۔ بہت پہلے۔۔۔ اور وہ جلدی کیوں فون بند کرگئی تھی۔ اسے اب پتا چلا تھا۔۔۔ اور وہ اب فیصلہ کرنے حویلی آیا تھا۔۔۔ آر یا پار۔۔۔

کاشان تو اتنا بھی نہیں جانتا تھا کہ ہالے نے اس کا کتنا انتظار کیا تھا۔۔۔؟ وہ کیا سوچتی تھی۔۔۔؟

وہ جو "ابابیل" آنے کی منتظر تھی۔۔۔ ہاں۔۔۔ وہ ہالے نور تھی۔



اور کاشان اپنی فیملی کے ساتھ حویلی آگیا تھا۔۔۔ لمبے ستونوں، گول برآمدوں والی حویلی میں عجب سی کشش سی تھی۔۔۔ سنہری شام کا سنہرا منظر حویلی کے ستونوں پر اتر رہا تھا۔۔۔ فضا میں مہکار تھی۔۔۔ مسحور کن۔۔۔ کھانا کھانے کے بعد وہ اور افشی حویلی کے دائیں جانب باغ کی طویل روش پر چہل قدمی کر رہے تھے۔۔۔ اس نے افشی سے ہالے نور کا پوچھا تھا۔۔۔ اور افشی ہنسی تھی۔۔۔ خوب۔۔۔ جانے کیوں کاشان کو "وہ" قہقہہ برا لگا تھا۔۔۔ ہاں۔۔۔ بہت برا۔

"ارے کاشان... تم بھی جانے کیا بات لے بیٹھے... ہالے پھپھو تو آدم بیزار سی ہیں... کسی سے بھی گھلتی ملتی نہیں ہیں... ہر وقت غصے میں رہتی ہیں... انہیں پتا بھی تھا کہ آج آپ لوگوں نے آنا ہے لیکن کمرہ بند کر کے بیٹھ گئیں... ہر وقت کی جلن، کڑھن نے وقت سے پہلے ہی انہیں بوڑھا کر دیا ہے..." افشی کہتی جا رہی تھی... کتنا آسان ہوتا ہے کسی معصوم کی ذات پر الزام لگانا... کیا واقعی ہالے نور ایسی تھی...؟

کاشان سوچ رہا تھا... "اسے مجھ سے ملنا تو چاہیے تھا... اتنی بھی کیا بیزاری... خیر... اب مجھے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا..." کچنار کی ٹہنیاں جگنوؤں کے روشن وجود سے لدی جا رہی تھیں... روشنیاں... عکس... اور... دور... اوپر والی منزل کی کھڑکی سے جھانکتی... نمی چھپاتی وہ لڑکی... وہ جو ہالے نور تھی۔

کاشان کو کیا واقعی "فرق" نہیں پڑتا تھا...؟

غلط بات تھی یہ... فرق تو پڑتا تھا اور ضرور پڑتا تھا۔

وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی انسان سے ملے بغیر، دیکھے بغیر، سمجھے بغیر ریجیکٹ کر دیا جائے... زندگی میں یوں ہی تو نہیں ہوتا ناں۔ دوسروں کے بھی آپ کی ذات پر، آپ کی سوچ پر، "حق" ہوتے ہیں... اور وہ ہالے نور تو "سارے" حق رکھتی تھی۔

"افشی... میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔" کاشان کی بات پر افشی کا روشن چہرہ پریشان ہوا... اور پھر تاریک... کھیل ختم ہوا تھا... یا... پھر شروع ہوا تھا...؟ افشی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

"میں کئی بار ان کے کمرے میں ان کو بلانے گئی تھی... مگر میرے اصرار پر بھی وہ نہیں مانی تھیں... انہوں نے مجھے کمرے سے ہی نکال دیا تھا..." جھوٹ گھڑنا کیا اتنا آسان ہوتا ہے...؟ افشی جھوٹ کا ڈھیر گھڑ رہی تھی۔

"افشی... میری بات سننا..." افشی کو بھابھی بلا رہی تھیں... وہ معذرتی مسکراہٹ سجائے آگے بڑھ گئی تھی... اس کی چال میں سکون تھا... تنہا شخص پر نشانے باندھنا آسان ہوتا ہے... افشی "یہی" سوچتی تھی... مگر وہ نہیں جانتی تھی۔

"جب مدد کو ابابیل بھیجے جاتے ہیں تو پھر فتح حاصل ہو ہی جاتی ہے... اور... ابابیل تو خاص مددگار ہوتے ہیں ناں... بہت خاص..." سفیدے کے پار چاند جھول رہا تھا۔

کاشان کی ٹہلتے ہوئے نظر اوپر اٹھی... اور اٹھی ہی رہ گئی... اوپری منزل کی کھڑکی کے حریری پردوں سے جھلکتا وہ عکس واضح تھا... ہاں... شاید... اس رات کوئی اپسرا کھڑی تھی... وہ پیٹھ موڑے کھڑکی سے لگی ہچکیوں کے ساتھ رو رہی تھی... بے تحاشا... اس کے بال بہت لمبے تھے... وہ کانپ رہی تھی... وہ روتی ہوئی کچھ کہہ رہی تھی۔

نرم ہوا نے اڑان بھری اور صداؤں کے رتھ پر واپس پلٹی... صدائیں کاشان کے کانوں میں بج اٹھی تھیں... اداس... غمگین... وہ لڑکی کہہ رہی تھی۔

"ابابیل نہیں آئیں گے... میں موم بن گئی ہوں... میں بھس کا محل ہوں میرے ستونوں کو آگ دکھا دی گئی ہے..." کچنار کی ٹہنیوں پر لٹکے جگنو بے نور ہونے لگے تھے... وہ جو "اپسرا" تھی... وہ ہالے نور تھی... نور کا ہالہ... نور کی رونق... کاشان دوڑتا ہوا اوپری منزل پر گیا تھا... شام رات کے سانچے میں نہ ڈھلی تھی...

بند دروازے کی جھری سے سفید روشنی کی لکیر بائیں دیوار پڑ رہی تھی... روشن۔

اس نے ہولے سے اندر جھانکا تھا... وہ "ہالے نور" کو دیکھ رہا تھا... اور صرف اسی کو دیکھ رہا تھا... وہ اپسرا تھی... یا... کوئی حور... وہ عاشی خالہ سے لپٹی ہوئی رو رہی تھی۔

"دیکھیے خالہ۔ آج آپ کی ہالے اکیلی رہ گئی ہے... میرا انتظار، میرا صبر، میرا یقین، کچھ بھی میرے کام نہ آیا... اب میں بھی آپ کی طرح بند کمروں میں اندھیرا کیے ٹھنڈے فرش پر بیٹھی چاند سے باتیں کروں گی... مگر چاند تو جواب بھی نہیں دیتا ناں... میرے سوال میری ہی سماعتوں میں پگھلا سیسہ گرائیں گے...

میں "ہار" گئی..... میں ہار گئی....." سیاہ لمبے خوب صورت بال پشت پر پھیلے تھے.... اور کاشان ساکت کھڑا تھا.... مسحور.... سحر زدہ۔

محبت نے اڑان بھری.... اور کاشان کے وجود میں مدغم ہوتی گئی۔

محبت جو جذبوں کی ملکہ ہے..... اس نے کاشان پر رحم کھایا تھا۔ چنبیلی کی خوشبو امڈی تھی ور کمرے میں چکرانے لگی تھی۔

ہالے نور کی آنکھوں سے لڑیوں کی مانند گرتے آنسوؤں میں کھارا پانی شیریں ہونے لگا تھا.... گڑ سا.... شہد سا.... وہ "اب" بھی رو رہی تھی..... اسے معلوم نہیں تھا وہ "خام" کا سفر عبور کر کے "خاص" کے دائرے میں آن کھڑی تھی۔

"کیا واقعی عام انسانوں کے لیے مدد کو ابابیل نہیں بھیجے جاتے.....؟"



میں جو نور کا ہالہ ہوں..... نور کی رونق۔

میں خوش ہوں ..... بہت..... پتا ہے کیوں.....؟

"کیونکہ میرا صبر، میرا شکر، میرا انتظار، میرا یقین، ہی میرے کام آیا ہے۔"

میں بہت حیران ہوئی تھی..... جب پتا چلا تھا کہ کاشان ہالے نور سے ہی رشتہ برقرار رکھنا چاہتا ہے..... یہ کیسے ہوا تھا..... مگر ہو گیا تھا۔

حویلی کے رسم و رواج نے کتنی زندگیوں کو تنہائی میں دھکیلا ہے۔ عاشی خالہ اس کی زندہ مثال ہیں..... اسلام تو یہ سب نہیں کہتا..... یہ رسم و رواج تو ہم خود بناتے ہیں..... جو ہمارے اپنے ہی وجود کے گرد زنجیر بن جاتے ہیں..... شاید میں بھی تنہائی کا شکار ہو کر ختم ہو جاتی۔

یہ تنہائی نظر تو نہیں آتی..... کیوں نظر نہیں آتی؟

شاید نظروں سے اوجھل چیزیں ہی بہت طاقتور ہوتی ہیں..... جکڑنے والی..... آکٹوپس کی مانند۔

کاشان کہتا ہے کہ اسے مجھ سے "محبت" ہے.....

میں ہنستی ہوں اس بات پر..... جانے کیوں..... میں نہیں جانتی کہ یہ محبت کیا ہے.....؟

اگر میں کاشان سے محبت نہیں کرتی تھی تو اتنا انتظار کیوں کیا.....؟

کاشان مجھے کہتا تھا..... "میں نہیں جانتا ہالے نور کہ! مجھے تم سے محبت کیسے ہوئی..... شاید یہ سب بے معنی سی باتیں ہیں..... بس میں نے تمہیں دیکھا اور پھر "کچھ" نہیں دیکھا..... محبت "عمریں" نہیں دیکھتی..... اسے عمر کی چھوٹائی، بڑائی سے فرق نہیں پڑتا..... مجھے بھی فرق نہیں پڑا۔" وہ کہتا جاتا ہے اور میں سنتی جاتی ہوں۔

"میں نے تمہیں دیکھا ہالے اور پھر "اور" کہیں نظر نہیں ٹھہری..... مجھے وہ سنہری شام نہیں بھولتی..... آج تک نہیں بھولی..... آج بھی مجھے لگتا ہے کہ میں حویلی کے باغ کی اس روش پر کھڑا ہوں..... چاند سفیدے کی اوٹ سے جھانک رہا ہے..... اور ہالے نور کھڑکی کے پاس کھڑی ہے..... راپنزل جیسے بالوں کے ساتھ..... سنڈریلا جیسی تمکنت کے ساتھ....."

میں کاشان کی بھوری آنکھوں میں دیکھتی ہوں..... اور سوچتی ہوں.....

ہاں..... میں "راپنزل" ہوں جو اپنے شہزادے کو اپنے لمبے بالوں سے کھڑکی کی طرف کھینچتی ہوں..... شاید..... میں "سنڈریلا" جیسی تمکنت اور وقار بھی رکھتی ہوں۔ اب بھی..... اگر مجھ سے سوال کیا جائے کہ کیا واقعی عام انسانوں کی مدد کرنے کو "ابابیل" آتے ہیں.....؟..... تو میں صرف اتنا کہوں گی کہ.....

"شاید..... عام انسانوں کی مدد کو ابابیل نہیں آتے..... مگر عام انسانوں کا صبر، شکر، یقین ان کے "ابابیل" بن جاتے ہیں۔"



بشریٰ احمد



بھابھی سے اس کو ایک نہیں بلکہ کئی شکایتیں تھیں۔ اگر وہ فہرست بنانے پر آتی تو بہت لمبی چوڑی فہرست تیار ہوتی۔ سرفہرست شکایت یہ تھی کہ وہ بھیا کو ان بہنوں کے پاس تنہائی میں بیٹھنے کا موقعہ نہ دیتی تھیں' ویسے تو اب بھیا کو بہنوں کے پاس بیٹھنے کی فرصت بھی کم ہی ملتی تھی۔ شادی سے پہلے کا وہ وقت خواب و خیال ہو گیا تھا جب سب بہن بھائیوں کی خوب محفل جمتی تھی۔ لڈو' کیرم کی بازیاں جمتیں' چائے' کافی کے دور چلتے اور خوب ہنسی مذاق ہوتا۔

اب تو بھیا دفتر سے ہی دیر سے گھر آتے اور گھر آنے کے بعد بھی بھابھی نے ان کے لیے کوئی نہ کوئی مصروفیت تلاش کر رکھی ہوتی' کبھی وہ بھابھی کو ان کے گھر والوں سے ملوانے ان کے میکے لے جاتے' کبھی بھابھی نے شاپنگ پر جانا ہوتا۔ کبھی چیک اپ کروانے ڈاکٹر کے جانا ہوتا' کبھی بھیا کے ملنے جلنے والوں میں ہی کسی تقریب کا بہانہ بن جاتا اور کبھی بس ویسے ہی دونوں میاں بیوی سیر سپاٹے پر نکل جاتے۔ گھر میں اور کسی کو بھیا' بھابھی کے اس معمولات سے فرق نہ پڑتا بس فاریہ ہی جلتی کڑھتی رہتی۔

''بھیا شادی کے بعد کتنے بدل گئے ہیں نا۔'' وہ اپنے

سے ڈیڑھ برس چھوٹی فاکہہ سے ہی دل کی کیفیت بانٹتی۔

"ہاں ماشاء اللہ اور بھی ڈیشنگ اور اسمارٹ ہو گئے ہیں۔" فاکہہ جو سر جھکائے اپنا جرنل مکمل کر رہی تھی، اس نے بھیا کے بدلنے کو کسی اور ہی معنوں میں لیا تھا۔

"وہ تو ہو گئے ہیں لیکن میرا مطلب کچھ اور تھا۔" فاریہ بدمزہ ہو کر بولی تھی۔ فاکہہ نے سر اٹھا کر بہن کو دیکھا' وہ اس کی رگ رگ سے واقف تھی سمجھ گئی کہ بہن کو کون سی بات پریشان کر رہی ہے۔

"شادی کے بعد انسان کی روٹین بدل جاتی ہے فاریہ۔ روٹین بدلنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بندہ بھی بدل گیا۔" اس نے خود سے ڈیڑھ برس بڑی بہن کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"شادی کا یہ مطلب نہیں ہو تا کہ آپ صرف بیوی کے ہی ہو کر رہ جائیں' بہن بھائیوں کا بھی کچھ حق ہو تا ہے یا نہیں۔" وہ نروٹھے پن سے بولی تھی۔ فاکہہ کو اس کے انداز پر ہنسی آگئی۔

"اچھا تم یہ بتاؤ آج بھیا کے دوست کی ویڈنگ اینور سری ہے اور انہوں نے مسٹر اینڈ مسز شہریار کو مدعو کیا ہے تو کیا بھیا کو بھابھی کے بجائے اپنے ساتھ تمہیں لے کر جانا چاہیے تھا؟" فاکہہ نے مسکرا کر پوچھا۔

"یہ میں نے کب کہا۔" وہ بگڑ کر بولی۔

"برا مت ماننا فاریہ! تم آج کل صرف اسی قسم کی باتیں سوچتی ہو اور اسی قسم کی باتیں کرتی ہو۔ کل رات کو چپکے چپکے امی سے اپنے دکھڑے رو رہی تھیں۔ پرسوں آصفہ آپی سے فون پر یہ ہی شکوے دہرا رہی تھیں اور ہاں دو چار دن پہلے بلال سے بھی وعدہ لے رہی تھیں کہ وہ شادی کے بعد بھیا کی طرح نہیں بدلے گا۔ تم کہنے کو مجھ سے ڈیڑھ برس بڑی ہو لیکن اللہ کا شکر ہے میں تم سے کہیں زیادہ میچور اور سمجھ دار ہوں۔"

"تم صرف بے حس ہو' تمہیں احساس ہی نہیں کہ بھابھی نے ہمارے بھائی کو ہم سے کتنا دور کر دیا ہے۔ بھیا کو ہمارے پاس آکر بیٹھنے کی دو گھڑی کی فرصت نہیں ہوتی اور کبھی قسمت سے بھیا ہم سے گپ شپ لگانے بیٹھ جائیں تو بھابھی فوراً" کن سوئیاں لینے آس پاس چکرانے لگتی ہیں اور کبھی تو ڈھٹائی سے آکر بھیا کے پاس ہی بیٹھ جاتی ہیں۔ انہیں لگتا ہو گا کہ ہم بھیا سے ان کی برائیاں کرتے ہیں حالانکہ ہماری ایسی مجال کہاں۔" وہ کڑوے لہجے میں بولی تھی۔

بہن کی اس بدگمانی پر فاکہہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی اس نے اسے سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی لیکن فاریہ کے دل میں جو گرہ پڑ چکی تھی وہ نہ کھل سکی۔

"ہر انسان میں خوبیوں کے ساتھ خامیاں بھی ہوتی ہیں فاریہ! شازمہ بھابھی کی شخصیت میں بھی بہت سی خوبیاں ہیں تو چند خامیاں بھی ضرور ہوں گی لیکن جو باتیں تم سوچ رہی ہو ان کا کوئی سر پیر ہی نہیں ہم بلاوجہ اپنے ذہن کو تھکاتی ہو' پلیز مثبت انداز فکر اپناؤ۔ شازمہ بھابھی مثالی بھاوج نہ سہی مگر کوئی بہت بری بھابھی بھی نہیں اور پھر آج کل کے دور میں مثالی بھابھی ملتی بھی کہاں ہے۔ سو ان کی خامیوں سے درگزر کرو اور خوبیوں پر شکر کرو۔" فاکہہ نے بحث ہی سمیٹ دی تھی۔

"میں بن کر دکھاؤں گی مثالی بھابھی۔" فاریہ نے ٹھوس لہجے میں دعویٰ کیا۔

"اللہ تمہاری زبان مبارک کرے۔ جلد از جلد تمہارا رشتہ طے ہو تمہاری شادی کے بعد ہی تو میرا نمبر آئے گا۔ سچ یار میں پڑھ پڑھ کر تھک چکی ہوں۔" فاکہہ نے مسکین صورت بنا کر کہا۔ فاریہ ہنس پڑی۔

یوں مذاق' مذاق میں کی گئی بات اتنی جلد پوری ہو جائے گی یہ دونوں بہنوں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ فاریہ کے لیے ابا کے ایک دوست نے اپنے بھانجے کا رشتہ پیش کیا تھا۔ عاصم پڑھا لکھا قابل اور خوبرو شخص تھا۔ گارنٹی ابا کے دیرینہ دوست کی تھی۔ عاصم کے گھر والوں کو بڑے بیٹے کے سر پر سہرا سجانے کی جلدی تھی'

یوں جھٹ منگنی اور پٹ بیاہ والی صورت پیش آئی۔
فاریہ بھرے پرے سسرال میں بڑی بہو بن کر گئی تو اس نے اپنی دانست میں بہت سمجھ داری اور بردباری سے کام لیا۔ وہ اپنے برتاؤ سے سسرال والوں کے دل میں جلد از جلد جگہ بنانا چاہتی تھی' شازمہ بھابھی کی مثال اس کے سامنے تھی' وہ ویسا طرز عمل اپنانے سے گریزاں تھی۔ اس کی کوشش تھی کہ عاصم کا اپنے بہن بھائیوں سے ویسا ہی تعلق برقرار رہے جو شادی سے پہلے ان بہن بھائیوں کے درمیان تھا۔
عاصم چھوٹی بہنوں کے پاس بیٹھتا تو فاریہ ان بہن بھائیوں کے درمیان بیٹھنے سے گریز کرتی' وہ ایسے وقت اپنے بیڈ روم میں جاکر کوئی کام نمٹالیتی' کبھی کپڑے پریس کرلیے تو کبھی وارڈ روب سیٹ کرلی' یہ اور بات کہ کان عاصم کی آہٹ کے ہی منتظر رہتے' ایک اجنبی شخص نکاح کے دو بولوں کے ساتھ ہی کیسے دل و جاں کا مالک بن گیا تھا۔
شادی کے بعد شروع شروع کا عرصہ واقعی نئے نویلے جوڑوں کے لیے سنہرا ترین دور ہوتا ہے۔ ایک دوجے کے سوا تیسری طرف دھیان ہی نہیں جاتا۔ عاصم بہت رومانٹک شخص تھا' اس کا بس چلتا تو فاریہ کو ایک منٹ کے لیے بھی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دیتا۔ جی تو فاریہ کا بھی کچھ ایسا ہی کرتا تھا لیکن وہ دل کی آواز پر دماغ کی پکار کو فوقیت دیتی۔ اسے اپنی ذمہ داریوں کا احساس تھا۔
ساس جوڑوں کی مریضہ تھیں اور نندیں اپنی اپنی پڑھائیوں میں مصروف' اوپر کے کاموں کے لیے بھلے سے ملازمہ موجود تھی لیکن کچن کا چارج مکمل طور پر فاریہ نے ہی سنبھال لیا تھا حالانکہ اس کی منجھلی نند شنزا کچن میں گھس کر کام کرنے کی اپنی سی پوری کوشش کرتی لیکن فاریہ اسے ہر بار منع کردیتی۔
"تم صرف اپنی پڑھائی پر دھیان دو شنزا! کچن کے کاموں کی کیوں ٹینشن لیتی ہو۔" اس روز اچانک مہمان آنے پر فاریہ کو پرتکلف ڈنر کا اہتمام کرنا تھا'

شنزا بار بار اصرار کررہی تھی کہ ایک' دو ڈش شنزا وہ بنالیتی ہے۔ جب فاریہ نے پیار سے اس کا گال تھپتھپا کر اسے مخاطب کیا۔ دو دن بعد شنزا کا پیپر تھا' وہ کیسے اس سے کام کروالیتی' سو اس کے اصرار کے باوجود اس نے اسے دوبارہ پڑھنے بھیج دیا۔
حالانکہ اس روز کام کی زیادتی سے اس کی کمر تختہ ہوگئی تھی لیکن اسے اپنی جسمانی تکلیف کی چنداں فکر نہ تھی۔ یہ درد تو پین کلر لے کر ختم ہوجاتا' ذہن اور ضمیر تو مطمئن تھے نا۔ وہ اپنی ذمہ داریاں مثالی انداز میں نبھارہی تھی۔ اس کے سسرال والوں کو اس سے کوئی شکایت نہ تھی' وہ ایک مثالی بہو اور مثالی بھاوج تھی' سب سسرال والے اس کی قدر کرتے تھے۔ ہاں اس روز تک اس کا یہ ہی خیال تھا اگر وہ اتفاق سے شنزا کی باتیں نہ سن لیتی۔
شنزا کی ایک سہیلی کمبائن اسٹڈی کے لیے شنزا کے پاس آئی ہوئی تھی۔ فاریہ نے پہلے تو شنزا کے کمرے میں اسنیکس کے ساتھ کولڈ ڈرنک بھجوادی۔ تھوڑی دیر بعد اپنے لیے چائے بنائی تو یہ سوچ کر ان کے لیے بھی بنالی کہ پڑھائی کے دوران بھوک زیادہ ہی لگتی ہے۔ نمکو' بسکٹ اور چائے کے کپ ٹرے میں سجا کر اس نے شنزا کے کمرے کا رخ کیا لیکن دستک دینے کی نوبت نہ آئی۔ اندر شنزا کی سہیلی فاریہ کا ہی ذکر کررہی تھی۔ فطری تجسس آڑے آیا اور فاریہ چپکے چپکے ان کی باتیں سننے لگی۔
"تمہاری بھابھی بہت اچھی ہیں شنزا! اس روز ممی تمہارے گھر آئی تھیں انہیں بھی فاریہ بھابھی بہت اچھی لگیں' گھر جاکر بہت تعریفیں کررہی تھیں ان کی۔" طوبیٰ نے سہیلی کو مخاطب کیا۔
"بس یار دور کے ڈھول سہانے والی بات ہے' آنٹی کو کہنا اتنا متاثر ہونے کی ضرورت نہیں' ہمیں ہی پتا ہے جو انہیں بھگت رہے ہیں۔" شنزا کا بیزار سا لہجہ فاریہ کو ساکت کرگیا تھا۔
"کیوں شنزا! اچھی بھلی تو ہیں تمہاری بھابھی! کم از

کم تمہیں کچن کی فکروں سے تو آزاد کر دیا ورنہ یاد کرو پہلے جب تمہارے پیپرز ہوتے تھے تو تمہیں اور نشاء کو کتنی مشکل ہوتی تھی۔ پڑھائی کے ساتھ کچن بھی دیکھنا پڑتا تھا۔" طوبیٰ نے سہیلی کو یاد دلایا۔

"ہاں یار مشکل ہوتی تھی لیکن ہم جیسے تیسے کر کے مینیج کر لیتے تھے نا۔ مما تو کتنے برسوں سے ان کاموں سے دور ہیں' ان کی طبیعت اجازت ہی نہیں دیتی' میں اور نشاء ہی ساری ذمہ داری سنبھالتے تھے اور اب تو ہم اپنے ہی گھر میں اجنبی بن کر رہ گئے ہیں' کچن تو بس بھابھی کی راجدھانی ہے' کسی کا وہاں قدم ٹھہرے ان سے یہ بات برداشت ہی نہیں ہوتی۔" شنزا نے سہیلی کے سامنے دکھے دل کے پھپھولے پھوڑے۔

"اچھا' مائنڈ کر جاتی ہیں ؟" طوبیٰ نے حیرت کا اظہار کیا۔

"اور نہیں تو کیا۔ چہرے کے زاویے ہی بگڑ جاتے ہیں اور پھر ہاتھ میں ذائقہ بھی بالکل نہیں ہے' ابھی پرسوں ماموں کی فیملی آئی تھی' امی نے رات کے کھانے پر روک لیا' مجھ سے کہا کہ بریانی تم ہی بنانا' فاریہ تو چاولوں کا بھرکس نکال دیتی ہے۔ میں اتنی دیر تک کچن میں جا کر منت کرتی رہی کہ بھابھی ایک' آدھی ڈش میں بنالوں آپ کی ہیلپ بھی ہو جائے گی لیکن نہ جی صاف انکار کر دیا۔ بڑی چالاک ہیں میری پڑھائی کو وجہ بنا کر انکار کرتی ہیں۔ میں آگے سے کتنا اصرار کرتی بس واپس پلٹ آئی' دراصل بھابھی کو کوئی سائیکی پرابلم ہے ان کی خواہش ہوتی ہے کہ سب لوگ منہ پر ان کی واہ واہ کریں۔ ہر کام کا کریڈٹ صرف ان ہی کے کھاتے میں درج ہو' وہ میلہ لوٹ لیں اور باقی لوگ تماشائیوں کی طرح ان کے لیے تالیاں بجاتے رہیں۔" شنزا کا طنزیہ لہجہ فاریہ کا دل چیر رہا تھا وہ اپنی جگہ ساکت کھڑی تھی۔

"حیرت ہے بھئی' ایسی لگتی تو نہیں ہیں۔" طوبیٰ نے حیرت کا اظہار کیا۔

"اور کیا' کیا باتیں بتاؤں ڈیئر! تم نے موضوع ہی ایسا چھیڑ دیا۔ میں نے تو کب سے خود پر ضبط کے بندھن باندھ رکھے ہیں۔ سوچتی ہوں میری وجہ سے گھر کا ماحول کیوں خراب ہو' بس اسی لیے بھابھی کی باتیں برداشت کیے جا رہی ہوں' تمہیں پتا ہے نا طوبیٰ! میں عاصم بھائی کی کتنی لاڈلی تھی اور اب عاصم بھائی سے گپ شپ لگائے بھی مدت بیت جاتی ہے۔ کبھی بھائی بے چارے بھولے سے ہم بہن بھائیوں کے پاس آکر بیٹھ جائیں تو بھابھی کے نخرے کا عجیب ہی عالم ہوتا ہے۔ تنتناتی ہوئی جا کر اپنے بیڈ روم کا دروازہ دھاڑ سے بند کرتی ہیں۔ دروازہ کھلا رہ جائے تب بھی صاف نظر آتا ہے کہ کس طرح چیزوں کی اٹھا پٹخ جاری ہے۔ عاصم بھائی کا سارا دھیان بھی بیڈ روم کی طرف ہی لگا ہوتا ہے' تنگ آکر میں خود ہی کہہ دیتی ہوں بھائی آپ ریسٹ کریں میں پڑھنے جا رہی ہوں' بھائی بھی فوراً" اٹھ جاتے ہیں۔

بھائی کی شادی سے پہلے میں نے سوچا تھا کہ بھابھی سے خوب دوستی گانٹھوں گی' ہم سب اکٹھے بیٹھ کر خوب موج مستی کیا کریں گے لیکن بھابھی کو تو ہمارے پاس بیٹھنا تک گوارا نہیں' شادی کے بعد سے ہی انہوں نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنا رکھی ہے۔"

شنزا کے پاس شکووں کی ایک لمبی فہرست تھی۔ کبھی ایسی ہی ایک فہرست فاریہ نے بھی شازمہ بھابھی کے خلاف تیار کر رکھی تھی' اب احساس ہوا کہ اس فہرست کی تیاری میں حقیقت سے زیادہ بدگمانی کا دخل تھا۔ قدرت اسے آئینہ دکھانا چاہتی تھی شاید اسی لیے اسے شنزا جیسی نند ملی جو یقیناً" فاریہ کا پرتو تھی۔

شنزا کی باتوں سے فاریہ کا جی بہت دکھا تھا لیکن وہ جانتی تھی کہ شنزا کو سمجھانا یا اپنی جانب سے اس کا دل صاف کرنا بے سود ہے حالانکہ دماغ بار بار کہہ رہا تھا کہ ایسی کوشش کر کے دیکھنے میں کوئی حرج نہیں لیکن فاریہ نے آج دماغ کی بات پر دل کی پکار کو ترجیح دی تھی۔

"کاش شنزاء کو بالکل ویسی ہی نند ملے جیسی وہ خود ہے۔" خواہش بے ساختہ تھی اور دل پکار پکار کر کہہ رہا تھا۔ آمین ثم آمین۔



غفران عرف بوبی صاحب دیر سے ـــــ تشریف لائے تو فائقہ کو سخت غصہ آیا۔ کیونکہ دادو نے اس "معصوم" بچے کی خاطر فائقہ کی دوپہر کی نیند پر پابندی لگائی ہوئی تھی۔

دادو کے قیلولہ کرنے کا فائدہ اٹھا کر فائقہ' بوبی کو کان سے پکڑ کے اندر لائی تھی۔

"نالائق ـــ اتنی دیر سے آرہے ہو۔ میں یونہی خوار ہوتی رہتی ہوں۔ خاک شوق ہے تمہیں پڑھنے کا۔"

فائقہ نے دانت کچکچائے تو ایک دوسرے سے سر جوڑ کے خواتین ڈائجسٹ کا مطالعہ کرتی زرمینہ اور میں نے بمشکل ہنسی روکی۔ بیچاری انگلش میڈیم فائقہ میڈم کا سارا غرور دھل دھلا کے بہہ گیا تھا۔

"اف ـــ!" ہماری قلقل کرتی ہنسی پر فائقہ کا رنگ لال ہونے لگا۔ اب خدا ہی جانے مارے ضبط کے یا مارے شرم کے۔

"آج پھر اردو میں زیرو آیا ہے میرا۔"

"چلو ـــ اردو تھوڑی کمزور سہی مگر انگلش میں تو اچھے مل جاتے ہیں ناں۔" فائقہ نے گردن اکڑائی۔ تو بوبی نے منہ بسورا۔

"بالکل ـــ بڑے اچھے ملے ہیں۔ بلکہ ٹکا ٹکا کے ملے ہیں ـــ چار تھپڑ۔ اردو میں بھی بھلا کوئی نالائق ہوتا ہے۔"

سیدھا فائقہ پر حملہ۔ میں اور مینا اب ڈائجسٹ بھولے ان دونوں کا میلو ڈرامہ دیکھنے میں مصروف

عفت سحر طاہر

دھنک کے رنگ

"شوق تو بڑا تھا جی پڑھنے کا۔ مگر آپ سے پڑھنے کے بعد وہ شوق اب فوت ہونے لگا ہے۔"

بوبی تنک کر بولا تو مارے صدمے کے فائقہ کے ہاتھ سے اس کا کان چھوٹ گیا۔

"اللہ اللہ ـــ یہ منہ اور مسور ـــ بلکہ ملکہ مسور کی دال۔ مزاج دیکھو ذرا صاحب بہادر کے۔ اور وہ جو میں تم پر اتنی محنت کرتی ہوں۔"

فائقہ تڑپ ہی تو اٹھی اس بے عزتی پر۔ مگر بوبی صاحب کہاں اسے خاطر میں لاتے۔ ادھر ادھر آنکھیں گھماتے ہوئے طنز سے بولے۔

"اتنی محنت اپنی دفعہ کر لیتیں باجی جی! تو آج کسی اور کو ٹھیک سے پڑھا لیتیں۔"

تھیں۔

"چل جھوٹے ـــ اردو کا تو کوئی ٹیسٹ نہیں تھا تمہارا۔ ایک شعر کی تشریح تھی وہ میں نے کروادی۔" فائقہ غرائی۔

"ہاں وہ ـــ آدھی منی ـــ میں نے سنائی تو ماسٹر جی بولے اور سناؤ ـــ میں نے کہا اللہ کا شکر ہے ماسٹر جی۔ آپ سنائیں ـــ" وہ مسکین شکل بنا کر بولا تو ہم تینوں کی توب جو ہنسی چھوٹی۔

"ہنس لیں جی آپ۔ مگر ماسٹر جی میری اس بے تکلفی پر کچھ خاص خوش نہیں ہوئے۔ کان کے نیچے ایک تھپڑ لگایا تھا انہوں نے۔" بوبی خفا ہوا۔ پھر آہ بھر کے بولا۔

"اگر آپ نے مجھے ٹھیک سے پڑھایا ہوتا تو آج میرا منہ خوشی سے لال ہوتا ماسٹر جی کے تھپڑوں سے نہیں۔ ہک ہا۔۔۔ اب تو پڑھنے لکھنے سے دل ہی اٹھ گیا ہے۔" وہ اپنی "داستان غم" سنا رہا تھا۔

"بے وقوف!۔۔۔ اور سناؤ سے ان کا مطلب تھا کہ آگے تشریح سناؤ۔۔۔ گھر والوں کا حال چال تھوڑی پوچھ رہے تھے تم سے۔" میں نے ہنسی روکتے ہوئے اسے اس کی سنگین غلطی کا احساس دلایا تو وہ مدبرانہ انداز میں بولا۔

"وہ تو جی مجھے بھی تھپڑ پڑنے کے بعد سمجھ میں آگیا تھا۔" پھر شکایتی انداز میں بولا۔

"لیکن اردو کے ٹیسٹ میں تو باجی کی ہی غلطی ہے۔ انہوں نے مجھے "میری کرسی" کے عنوان سے مضمون یاد کرایا تھا۔ اور کہا تھا کہ "میری میز" کا مضمون بھی ایسے ہی لکھنا ہے۔ بس کرسی کی جگہ میز کا لفظ آجائے گا۔"

"یہ تو ٹھیک کہا تھا اس نے۔ سارے مضمون اسی ترکیب سے لکھتے ہیں۔" میں نے فائقہ کی حمایت کی۔

"خاک ٹھیک کہا تھا۔ اسی ترکیب کی وجہ سے آج پوری کلاس کے سامنے میری چھترول ہوئی ہے۔" بوبی نے منہ بسورا۔

"باجی نے مجھے "میرا دوست" مضمون یاد کرایا تھا۔ اچانک ٹیسٹ میں ماسٹر جی نے ہمیں "میرے ابو" پر مضمون لکھنے کو کہا۔" بوبی نے آہ بھری۔ "بس جی۔ میں نے وہی ترکیب آزما کے دوست کو ابا میں تبدیل کردیا۔"

لوجی۔ ہماری تو سانسیں ہی رکنے لگیں۔

"کیا لکھا تھا تم نے۔۔۔؟" فائقہ کی تو صدمے کے مارے آواز ہی گم ہونے لگی۔

"وہی جی۔ میرے بہت سے ابو ہیں مگر اکرم بٹ میرا سب سے بہترین ابو ہے۔ وہ ہمارے ہمسائے میں رہتا ہے۔۔۔"

"اللہ رے۔۔۔" فائقہ دم بخود۔ اور میں اور زرمینہ ہنس ہنس کے بستر پر لوٹ پوٹ۔

"جب ماسٹر جی نے میرا لکھا مضمون پڑھ کے سنایا تو ساری کلاس آپ ہی کی طرح ہنس ہنس کے لوٹ پوٹ ہو رہی تھی' پتا نہیں ماسٹر جی کو کیوں غصہ آگیا تھا۔۔۔؟" بوبی شکوہ کناں تھا۔

استانی صاحبہ اپنا سر تھام کے بیٹھ گئیں۔

"اب کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا؟"



عمران عباس کو بڑا مان تھا کہ فائقہ اس کی پینٹنگز کی دیوانی ہے۔ اور فائقہ نے بھی اس پر یہی تاثر دے رکھا تھا کہ اس سے بڑھ کے عمران کے فن کا اور کوئی قدر دان ہے ہی نہیں اس دنیا میں۔

کوریئر کے ذریعے عمران نے اپنی دو عدد پینٹنگز فریم کے بنا فائقہ کے لیے بھجوائیں۔

اب ایبسٹریکٹ آرٹ (تجریدی آرٹ) کی ہم نمائیوں کو کیا سمجھ۔

"وہی فائقہ والی بات۔ اگر عمران کسی سادہ پیپرز اپنا برش صاف کرکے وہی پیپر ہمیں فریم کروا کے بھجوا دیتا تو ہم اسے بھی کوئی اعلا پینٹنگ ہی سمجھتے۔ مگر جب ہم نے باتیں بنائیں تو اس نے دونوں پینٹنگز (ہماری طرف ہاتھ سے لعنت کا اشارہ کرتے ہوئے) خوب صورت سے فریم میں جڑوالیں۔

"ہاں۔ کنجوس مکھی چوس۔ فریم تک کروانے کی زحمت نہ کی محترم نے۔" زرمینہ نے ناک چڑھائی تو وہ ہمیں منہ چڑا کر اٹھ گئی۔ لوجی۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اب پینٹنگز فریم تو ہو گئیں اور فائقہ نے اپنے ہاتھوں سے گیلری میں لگا بھی دیں' فون کرکے فائقہ سے لے کر چڑیا تک نے عمران عباس سے اس کے فن اور آرٹ کی تعریفیں کیں۔

فائقہ نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے بلا کر ریسیور تھمایا۔

"تعریف کرو تعریف۔۔۔"

سرگوشی میں کہا تو میں نے تھوک نگلتے ہوئے زبردستی بشاشت کا لبادہ اوڑھا۔

"واہ عمران بھائی... بہت اچھی پینٹنگز ہیں۔" وہ خوش ہوا۔ (فائقہ نے فون کا اسپیکر آن کر دیا تھا۔)

"اچھا... تمہیں کیا بات سب سے اچھی لگی ان پینٹنگز کی...؟"

لو جی۔ گئی بھینس پانی میں۔ میں کہاں "پکاسو" کی نواسی یا پوتی تھی۔ اوپر سے فائقہ کے اشارے۔

"تعریف' تعریف۔"

"ساری کی ساری اچھی ہیں۔ آپ نے کوئی کمی چھوڑی ہی کہاں ہے۔" میں نے مبالغہ آرائی کی حد کر دی۔

"پھر بھی سالی صاحبہ! ذرا میرے فن پہ روشنی تو ڈالو ـــ بس تعریف ہی کرتی جارہی ہو" ۔ (اف... چھچھور!)

فائقہ نے ہاتھ سے میری طرف لعنت کا اشارہ کرتے ہوئے دانت کچکچائے اور بات سنبھالی۔

"ڈالے گی روشنی ضرور ڈالے گی۔ بلکہ جہاں میں نے پینٹنگز لگائی ہیں وہاں کل ہی حسان نے نیا انرجی سیور لگایا ہے۔ اچھی خاصی روشنی پڑرہی ہے ان پر۔"

"ہیں...؟" دوسری طرف لمبی سی "ہیں" کے بعد شاید صدماتی چپ تھی۔ جبکہ فائقہ نے "روشنی ڈالنے" کو جس لولے لنگڑے انداز میں "جملے بنائیں" میں استعمال کیا تھا۔

عمران عباس کی متوقع حالت کا تصور کر کے ہمارے پیٹ میں ہنسی کے مارے بل پڑنے لگے۔

بڑھاکو ماہین نے فائقہ کو ٹھوکا دیا اور اکتا کر بولی۔

"کچھ ان کے فن کی باریکی پر بھی بات کرو۔ بے چارے کا دل ہی خوش ہو جائے گا۔"

فائقہ بڑے لاڈ سے بولی۔

"اور ہاں۔ میں آپ کے فن کی باریکی سے بھی بڑی متاثر ہوئی ہوں۔"

"اچھا..." لگا کہ عمران بہت خوش ہوا تھا۔

"ہاں۔ اتنی اچھی والی باریک لائنیں لگائی ہیں آپ نے۔ اور کارنر پہ جو برش کی باریک نوک سے اپنے سائن کیے ہیں وہ مجھے سب سے زیادہ اچھے لگے ہیں۔"

فائقہ لہک لہک کر اس کے "فن کی باریکی" اجاگر کر رہی تھی۔ اور ہم ادھر ادھر لڑھکیں... مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہو گئیں۔

دوسری طرف کھٹاک سے فون رکھ دیا گیا۔

"ہیں...!" فائقہ نے ریسیور کو گھورا۔ پھر سلگ کر بولی۔ "اس قدر روڈ ہے یہ بندہ۔ ایسے کریڈل پہ ریسیور پٹختے ہیں۔"

"ہاں... اس وقت تو وہ ریسیور پٹخنے کے لیے تمہارے سر کی ضرورت محسوس کر رہے ہوں گے۔"

ماہین نے گہری سانس بھری تھی۔ فائقہ ناخن چباتے ہوئے ٹینشن کے مارے اسے گھور کر اپنی غلطی یاد کرنے لگی۔ "ایسا تو کچھ بھی نہیں کہا تھا جو وہ ناراض ہو جائے؟"



اور پھر ہم سب نے عمران عباس کا اتنا پیچھا لیا کہ بے چارے کو چوتھے روز اپنی "دیدہ زیب" پینٹنگز کا دیدار کرنے آنا ہی پڑا۔ عمر اور حسان کی موجودگی میں فائقہ تو سامنے آنہیں سکتی تھی مگر ہم نے کھانے کے بعد اسے گھیر لیا۔

"یہ کمال کی پینٹنگز ہیں آپ کی۔" چڑیا نے حیرت سے کہا اور متاثر ہونے والے انداز میں آنکھیں بھی پھیلائیں۔

"نہیں۔ کمال کی تو نہیں۔ ساری میری ہی ہیں۔" عمران اس الزام پہ تڑپ ہی تو اٹھا۔

چڑیا گڑ بڑا گئی۔ ہمیں گھورا۔ خاص طور پر ماہین بڑھاکو کو۔ جس نے سب کو ایک ایک ڈائیلاگ رٹا دیا تھا جو ہم نے اپنی باری پر عمران عباس کے فن کی تعریف میں بولنا تھا۔

"مطلب... آئی مین۔ کمال کی لگتی ہیں۔" چڑیا کنفیوز سی ہو گئی۔ عمران نے نتھنے پھیلائے۔ گویا خفگی۔ پھر کمال کی؟

"ارے آیئے نا۔ جسے آرٹ کی قدر کرنے والی منگیتر مل گئی ہو اسے دوسروں کے منہ سے اپنی تعریف سننے کا کیا فائدہ۔ ذرا اس کی محنت دیکھیے (اور محبت بھی)" میں نے چاپلوسی کے سارے ریکارڈ توڑ ڈالے۔

عمران کا تجسس بڑھا۔

فریم میں جڑی تصویروں پہ نگاہ ڈالتے ہی وہ دم بخود رہ گیا۔ رنگ پیلا' بدن پہ لرزہ طاری ہوتا بھی لگا مجھے۔

کنجوس فیملی سے تعلق ہے شاید اتنے قیمتی فریم کو دیکھ کے چارے کی حالت خراب ہو رہی ہے۔" میں نے زرمینہ کے کان میں سرگوشی کی۔

پھر میں نے ڈینگیں مارنا اپنا فرض خیال کیا۔

"آپ کی تصویروں کی اصل قیمت تو اس فریم نے بڑھائی ہے۔"

"ہاں تو اور کیا۔" زرمینہ بھی کودی۔ عمر اور حسان وقتاً" فوقتاً" ہمیں گھورنے میں مصروف۔ مگر انہیں دیکھ ہی کون رہا تھا۔

گھر کے لڑکے تو دال برابر تھے۔

"بھئی اگر ہیرا جڑوانا ہے تو بندہ سونے میں جڑوائے' پیتل میں کیوں۔ اور فائقہ تو یوں بھی بہت فن شناس ہے۔ بلکہ قدر شناس۔"

خیر یہ جذباتی تقریر تب تک جاری رہنی تھی' جب تک کہ فائقہ کے رشوت میں دیے ایک ہزار پورے نہ ہو جاتے مگر حسان نے میرے شانے پہ پیچھے سے ہاتھ مار کے میری توجہ عمران عباس کی خطرناک حد تک لال پڑتی رنگت کی طرف دلائی۔

"فرط جذبات سے لال ہو رہے ہیں۔" میں نے سب کو تفاخرانہ دیکھا تو عمران' حسان کی طرف دیکھ کر رو دینے والے انداز میں بولا۔

"یہ۔ یہ دیکھ رہے ہو فن کی بے قدری۔ دونوں تصویریں الٹی لٹکائی ہوئی ہیں بے وقوفوں نے۔" گیلری میں ایک دم مجرمانہ بلکہ "ماتمانہ" خاموشی چھا گئی۔

پھر یکلخت عمر اور حسان کے قہقہے گونجے اور ہم سب وہاں سے بھاگیں اور کمرے میں آ کے بستر پہ گر کے ہنس ہنس کے لوٹ پوٹ ہوتی رہیں۔

عمران خفا ہو کر چلا گیا۔

اور فائقہ!

اس کا تو پوچھیں ہی مت۔ وہ الٹا عمران پر برسی۔

"آپ کو ضرورت ہی کیا تھی یہ فن سیکھنے کی۔ حد ہو گئی یعنی کہ۔ نہ آنکھ نہ کان نہ منہ نہ پاؤں۔ اب بندہ تعریف کرے تو کس چیز کی۔ اور کون سی سائیڈ اوپر رکھے اور کون سی نیچے ہے۔"

لو جی۔ بات ختم ہوئی تو عمران عباس کی بولتی بھی بند ہو گئی۔

اس کے فن پر اس قدر "باریکی" سے' کسی نے بھلا کب نکتہ چینی کی ہو گی؟



فائقہ کی لو اسٹوری "ٹھنڈی پڑی تو گھر میں پڑھا کو ماہین کے لیے ایک رشتہ ٹپک پڑا۔

ادھر زرمینہ نے دل پہ ہاتھ رکھ لیا اور کراہ کر بولی۔

"میرے لیے کسی ڈاکٹر کا بندوبست کر لو۔"

"یہ منہ اور مسور کی دال!" فائقہ نے تمسخر اڑایا۔

"تم نے کون سا ایم بی اے کر لیا ہے۔ چودہ کر کے کسی قسمت والی کو ہی ڈاکٹر ملتا ہو گا۔"

میں نے بھی اس کا دل جلانے کی کوشش کی۔

"کمینیوں! علاج کے لیے کہہ رہی ہوں۔ شادی کے لیے نہیں۔" وہ تڑپ اٹھی۔ تو ہم سب کھی کھی کر کے ہنسنے لگیں۔

پھر زرمینہ سب کو لے کر ماہین کے پاس پہنچی اور وہ بے نیازی' نازک سے فریم والا چشمہ لگائے موٹی سی کتاب میں گم۔

"ہائے۔ ماہین۔ اب تم بھی رخصت ہو جاؤ گی۔" چڑیا نے حسرت سے کہا۔ ماہین اس کی ہم عمر ہی تھی۔

"کیا میں دنیا سے رخصت ہو رہی ہوں۔" اس نے کتاب پر سے نظر اٹھا کر اس قدر رکھائی سے پوچھا کہ

ہم سب نے انگلیاں دانتوں تلے دبالیں۔
"ہوش کرو لڑکی۔ رشتہ آیا ہے تمہارا' کچھ تیاری پکڑو۔" فائقہ نے اسے جھنجوڑ کر حواس میں لانے کی سعی کی۔ "رشتہ ہی آیا ہے کوئی فرشتہ تو نہیں آگیا کہ تیاری پکڑلوں۔"
وہ پھر سے کتاب میں گم۔ زرمینہ نے غصے سے آستینیں چڑھالیں۔
"اتنے نایاب ہو رہے ہیں رشتے۔ اتنی بے قدری میں برداشت نہیں کر سکتی۔"
ہم نے اسے بمشکل سنبھالا۔ پھونکیں مار مار کے دماغ کو ٹھنڈا کیا۔
"بس ایک بات دادو تک پہنچادینا۔ لڑکے کا تعلق رائل فیملی سے ہونا چاہیے۔"
ماہین بڑھا کو کی بات اس قدر اچانک اور غیر یقینی تھی کہ میں نے بے اختیار ہاتھ پکڑ کر دانتوں تلے دے لیا۔
"دفع۔ خبیثہ۔" زرمینہ نے تڑپ کر اپنا ہاتھ میرے دانتوں میں سے نکال کر مجھے دو تھپڑ لگائے۔
"اوفوہ۔ حیرت کے مارے پتا نہیں چلا کہ تمہاری۔ انگلیاں تھیں۔"
میں نے شانہ سہلایا۔
شام کو لڑکے کی ماں اور بھابی تشریف لے آئیں۔ ہم بے چاریوں کو ڈرائنگ روم میں جانے کی ممانعت تھی۔ "جس کا رشتہ ہونا ہے صرف وہی لڑکے والوں کے سامنے جائے گی بس۔" (دادو کا آرڈر)
مگر ہم نے بھی کھڑکیوں دروازوں سے کان لگا لگا کے سن گن لینے کی پوری کوشش کر ڈالی۔
"یہ کیا ہو رہا ہے....؟" میرو کی رعب دار آواز اتنی اچانک آئی کہ ہم چاروں جو اوپر نیچے درزوں سے جھانک رہے تھے پوری ذمہ داری کے ساتھ' ویسے ہی چونک کر ایک دوسرے کے اوپر ڈھیر ہو گئے۔
میرے اوپر والی تینوں تو اچھل کے کھڑی ہو گئیں اور پھر ایسے بگٹٹ بھاگیں کہ دکھائی بھی نہ دیں۔

میرو کھڑا مسلسل مجھے گھور رہا تھا۔
مگر دیکھیں جی۔ میرے سنہری اصولوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس سے پہلے کہ کوئی آپ کو جھاڑے' آپ اس کو اچھی طرح سے جھاڑ دیں۔
اسی لیے اس سے پہلے کہ از میروٹ میری کلاس لیتا میں اٹھتے ہوئے خفگی سے بولی۔
"یوں۔ ایسے اچانک کسی کی جان نکالتے ہیں۔"
اس کی سیاہ آنکھوں کی خفگی پر حیرت کی چمک نے ڈیرا جمالیا۔ پھر دفعتاً" اس نے دانت پیسے۔
"تمہاری جان تو بہت آرام سے اور باقاعدہ پلان کر کے نکالوں گا میں۔"
میری نظروں میں دادا جان کی زنگ آلود بندوق گھوم گئی تو میں جز بز ہو کر بولی۔
"کبھی تو پیار سے بات کر لیتے ہیں بچی سے۔"
"بچی.... ی ی ی۔" وہ حیرت سے لفظ کو کھینچ کر بولا۔ "یہ جو ابھی تک تم "بچی" ہوئی ہو میرے عتاب سے تو اسے میری مہربانی سمجھو۔"
میں گڑبڑائی.... پھر جذباتی ایکٹنگ کرتے ہوئے بولی۔
"اب کیا بندہ اپنے اردگرد کے واقعات اور لوگوں پر نظر بھی نہ رکھے۔ اسی لیے تو دہشت گردی اتنی بڑھ گئی ہے۔ ابھی بھی دیکھو بالکل اجنبی لوگ آئے بیٹھے ہیں ڈرائنگ روم میں۔ کل ہی ٹی وی نیوز میں دیکھا ہے میں نے کہ ایک...."
"شٹ اپ...." وہ ہاتھ اٹھا کر دانت پیس کر بولا تو میری باقی بات حلق ہی میں اٹک گئی۔
"اچھے بھلے لوگ ہیں۔ کون نہیں جانتا انہیں۔ ماہین کا پرپوزل لائی ہیں۔ وزیر اعظم کی امی اور بھابھی۔ جاؤ اور جا کے اچھی سی ٹرالی سیٹ کر کے لاؤ۔" وہ تفصیل بتاتا آخر میں ڈانٹنے والے انداز میں کہتا ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔
اور ادھر مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا۔
زرمینہ مجھے گھسیٹ کے کمرے میں لے گئی۔ اور میں بہت ہی ساتھ گھسٹتی گئی۔

"کیا ہوا... زیادہ بے عزتی کردی میرو نے آج؟؟"
فائقہ نے مزا لیتے ہوئے مجھے پچکارا۔
مگر مجھے تو رہ رہ کے بے چاری ماہین پہ ترس آرہا تھا۔ کہاں یہ نوخیز کلی اور کہاں وزیراعظم ؟؟؟؟
میری آنکھیں بھر آئیں۔ تو وہ سب بوکھلا گئیں۔
"کیا ہوا... کیا کیا ہے مطلب کیا کہا ہے بھائی نے ؟"
زرمینہ گڑبڑائی۔
"ماہین...!" میں نے روتے ہوئے کہا تو وہ چونکی۔
"ماہین کا رشتہ...!" میری ہچکی بندھنے لگی۔ چڑیا نے مجھے گھور کر کہا۔
"حد ہوتی ہے جیلسی کی آپی۔ تمہاری ہو گئی اب اس کی منگنی بھی ہو جانے دو۔ تمہیں رونا کیوں آرہا ہے؟"
"ہاں ' ازمیر بھائی کے توسط سے پروپوزل آیا ہے۔" ماہین مطمئن تھی۔
مجھے تپ چڑھی۔
"تو پوچھ ہی لیتیں لگے ہاتھوں۔ کون سا نادر و نایاب ہیرا تلاش کر کے لایا ہے وہ تمہارے لیے۔"
سب نے مشترکہ مجھے گھورا۔
"ہائے مانو... تجھے تیری اپنی بددعا لگ گئی۔ رائل فیملی والی۔"
میں نے بین کرنے والے انداز میں بازو لہرائے تو ماہین عرف مانو کا چہرہ قابل دید ہوا۔
"اف۔ یعنی رائل فیملی؟" چمکتا چاند چہرہ۔
"ذلیل۔ اب بتا بھی چکو۔ میں تو اب ہارٹ اٹیک کے نزدیک پہنچ چکی ہوں۔" زرمینہ نے مجھے چٹکی بھری۔
"وزیراعظم کا رشتہ آیا ہے مانو کے لیے..."
میں نے کہہ کر دھماکا کر دیا۔ اور دوپٹے کا گولہ منہ میں ڈال کر سسکیاں روکنے لگی۔
ماہین کی آنکھیں پھٹنے کو ہو گئیں۔
"تمہارا مطلب ہے نواز شریف کا...؟"
"بکواس مت کرو۔ انہیں کلثوم آنٹی سے بہت محبت ہے۔" فائقہ نے اوٹ پٹانگ ہانکی۔
"قسم لے لو۔ ابھی میرو نے بتایا ہے کہ اندر وزیراعظم کی ماں اور بھابی آئی بیٹھی ہیں۔ اب پاکستان کے تو ایک ہی وزیراعظم ہیں۔"
میں نے تڑپ کر اپنی صفائی پیش کی۔ تو سب ایک دم خاموش ہو کر ماہین کو دیکھنے لگیں۔
اور پھر جو ماہین نے پہلے منہ اور پھر گلا پھاڑ کر رونا شروع کیا۔
"خود ہی تو کہہ رہی تھیں رائل فیملی میں شادی کا شوق ہے۔ ان کا بھی شاہی خاندان ہی سمجھو۔ بلکہ سندیافتہ شریف خاندان۔" زرمینہ نے اسے تسلی دی۔
"بکواس... انکل لگتے ہیں وہ میرے۔" وہ تڑپی۔
"اوفوہ۔ تم تو پہلے ہی رشتہ خراب کر رہی ہو۔"
فائقہ نے اسے ٹوکا تو ماہین اس کا منہ نوچنے کو لپکی۔
فائقہ کھسک کر میرے پیچھے چھپ گئی۔
"گولی مار لوں گی میں خود کو' وہ بھی دادا جان کی تاریخی بندوق سے۔" ماہین جھلا کر بولی۔
"خبردار..." زرمینہ نے اونچی آواز میں کہا۔
"وہ بھائی نے روبجا کو مارنے کے لیے چھپا کے رکھی ہوئی ہے۔ تم کسی اور ہتھیار کا بندوبست کرو۔ خودکشی کے اور بھی کئی آسان طریقے ہیں۔ گیس کھول کے چولہے میں منہ دے لو۔"
"ہاں اور پیچھے ہزاروں کا بل بھرنے کو ہم رہ جائیں گے۔" چڑیا بڑبڑائی۔
"تمہارے منگیتر ہی کی کارستانی ہے یہ۔ اب تم ہی انکار کراؤ گی اس رشتے سے۔ مجھے کوئی شوق نہیں وزیراعظم کی بیوی بننے کا ورنہ..." ماہین نے انگلی اٹھا کر وارننگ مجھے دی تھی۔
اور میں... بے چاری۔
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے۔
کے مصداق فوراً" ہی حلف لے لیا۔

☆ ☆ ☆

بڑوں کے بقول ان لوگوں کو ماہین پسند آگئی تھی۔

ماہین نے تڑپ کے مجھے دیکھا۔ اور میں نے گھور کے میرو کو۔ جو آرام سے کھانا کھانے میں مصروف تھا۔

"تم فکر مت کرو۔ میں ایسی کی تیسی کردوں گی اس پروپوزل کی۔ تم بس اپنا نگینے کا سیٹ اور وہ جو شیفون کا کرے ڈیزائنو سوٹ لائی ہو میری الماری میں رکھ دینا میرے واپس آنے تک شاباش۔"

کھانے کے بعد جب سب اپنے کمروں میں چلے گئے تب میں نے ماہین کو گھیرا۔

"اف کس قدر لالچی اور کمینی ہے تو روبحا۔" زرمینہ نے تاسف سے کہا۔

"ہاں' میں تو بس سوٹ پہ ہی اس کا کام کردیتی۔" فائقہ نے بھی سرہلایا۔

"ایک ہی تھالی کا بیگن ہو تم تینوں۔" ماہین دنیا سے بے زار تھی۔ مگر میں زبردستی اس سے دونوں چیزوں کا وعدہ لے کر شیر کی کچھار... آہم میرا مطلب ہے کہ میرو کے کمرے کی طرف بڑھی۔

"اللہ حافظ... ایک دفعہ جی بھر کے اپنی شکل دیکھ لینے دو۔ گولیاں کھانے کے بعد تو پتا نہیں پہچانی بھی جاؤ گی کہ نہیں۔"

میں جو زرمینہ کے جذباتی ہو کر گلے لگنے پر رونے ہی والی تھی اس قدر تخریب کارانہ بیان سن کر تڑپ اٹھی۔

"دفع... تمہارے منہ میں خاک۔"

"مجھے اندازہ تھا۔ میری بہن کو زندگی میں لالچ ہی مروائے گا۔"

یہ چڑیا کی آہ تھی۔ میں ان سب پہ لعنت بھیجتی میرو کے کمرے کی طرف بڑھی۔

دروازہ کھٹکھٹا کر میں نے سر اندر گھسا کر جھانکا۔

"میں اندر آجاؤں....؟"

وہ میز پہ پانی کا گلاس ڈھک کے رکھتے ہوئے پلٹا۔ پھر بڑے تحمل سے بولا۔

"اب جتنی باہر رہ گئی ہو وہ بھی آجاؤ۔ کیا ہو سکتا ہے۔"

"ہیں جی... کیا یہ طنز تھا؟ میں کنفیوز سی ہو کر اندر آگئی۔

میرو کے کمرے میں گھسنے کے بعد احتیاطی تدبیر نمبر ایک۔ دروازے کے قریب رہنا تاکہ وقت پڑنے پر بھاگنے میں آسانی ہو۔

"کیا بات ہے....؟"

وہ سینے پہ بازو لپیٹے وہیں کھڑا پوچھ رہا تھا۔ مجھے تسلی ہوئی۔ جب تک وہ بازو کھول کر دیوار تک جا کر بندوق اتارتا' میں فرار ہو سکتی تھی آسانی سے۔ سیاہ زیرک آنکھیں میری طرف متوجہ تھیں۔

میں کھنکھاری۔

"بات یہ ہے کہ... ماہین وزیراعظم سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔"

وہ اچھل ہی تو پڑا۔

"کیا مطلب۔ وہ اس قابل ہو گئی ہے کہ اعتراضات اٹھائے"

"اوفوہ... مطلب ہم میں سے کوئی بھی راضی نہیں۔"

"کیوں۔ کیا برائی ہے وزیراعظم میں؟ تم لوگ جانتی ہو اسے؟" وہ کڑے لہجے میں بولا تو میں نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"وزیراعظم کو کون نہیں جانتا۔ اور پھر ماہین کی عمر دیکھو اور اس کی عمر۔"

"خیر' اتنا خاص فرق تو نہیں ہے۔" وہ مطمئن تھا۔

میں تڑپی۔

"اور جو شادی کر رکھی ہے اس نے وہ؟ اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا؟"

اب کے حیران ہونے اور اچھلنے کی باری از میرٹ کی تھی۔

"تمہیں کس نے کہا کہ وہ شادی شدہ ہے؟"

"لو... تم نے سمجھ کیا رکھا ہے مجھے۔ روبحا گل ہوں میں' ہر بات پر نظر رکھتی ہوں۔ ابھی کل ہی خبرنامے میں اپنے بیوی کے ساتھ جہاز سے اتر تا دکھا رہے تھے دونوں کو۔"

میں نے تفاخر سے اپنا بتایا تو
مجھے لگا حیرت سے اس کی آنکھیں پھیلی ہوں۔
"کون... کس کو دکھارہے تھے؟"
"وہی تمہارے وزیراعظم اور ان کی بیوی کو۔" میں بگڑی' اتنا کاکا تو نہیں تھا وہ۔ پھر چبا چبا کر بولی۔
"وزیراعظم نواز شریف اور کلثوم نواز۔"
پہلے تو وہ دنگ رہ گیا۔
"بے چارہ..." پھر جو اس نے قہقہہ لگایا۔ اب میں بے چاری کشش و پنج میں مبتلا۔ مجھے ہنسنا چاہیے یا یونہی سنجیدہ منہ بنا کے کھڑے رہنا چاہیے۔ پھر دوسرا طریقہ کار مجھے بہتر لگا۔ اس کے بعد وہ سنجیدہ سا ہو گیا۔
مجھے ہلکا سا گھور کے دیکھا اور میں نے کن اکھیوں سے اپنے پیچھے دیوار گیر الماری کے ساتھ ایستادہ دروازے کو۔
"تم جو ہو نا روبحا گل... اپنی عقل دانی کا ڈھکن بند ہی رکھو اور جو ہو رہا ہے' وہ سیدھے طریقے سے ہونے دو۔ خبردار جو اپنی زبان کھولی ہو تو۔"
اف... یعنی کہ اف اف... میرا دماغ گھومنے لگا۔
"حق کی زبان بند کرنے کی کوشش مت کرو میرو۔" میں نے اسے للکارا۔
ادھر وہ دانت کچکچاتا میری طرف بڑھا' ادھر میں... اندھادھند دروازے کی طرف...
ہینڈل پکڑ کے کھینچا۔ دوبار سہ بار۔ مگر دروازہ تو گویا جام ہو چکا تھا۔ میری گھگھی بندھ گئی۔ آنکھیں بند اور سانس بھی بس بند ہوئی جاتی تھی' جی میں آیا بچاؤ بچاؤ کا شور مچادوں' مگر اتنی دیر میں موت... میرا مطلب ہے میرو میرے سر پہ آپہنچا۔
اس نے میرا ہاتھ دروازے کے ہینڈل سے ہٹایا تو پٹ سے میری آنکھیں کھلیں۔
"یہ الماری کا دروازہ ہے۔ کمرے کا دروازہ وہ رہا۔"
اس نے تحمل سے کہتے ہوئے ساتھ ہی مجھے انگلی کے اشارے سے یوں دروازہ دکھایا جیسے کسی بچے کو... ہنہ... ہنہ... بلکہ پھر سے اف... اف...
میں تو مانو شرم سے پانی پانی ہو کے وہیں بہہ جانے کو تھی۔
"کیا چیز ہو تم بھی روبحا گل..." وہ مجھے دیکھتے ہوئے نرمی سے بولا۔ اب پتا نہیں طنز تھا یا وہ مجھے شرم دلا رہا تھا' مگر میرا سارا دھیان تو اس کی سیاہ آنکھوں کی طرف تھا۔ میں کنفیوز سی اس کے لفظ سمجھنے کی کوشش میں تھی۔
میرو نے مٹھی کھول کے میرا ہاتھ آزاد کیا اور گہری سانس بھرتا پیچھے ہٹا۔
"جاؤ... اور خبردار جو کسی نے بھی اس پروپوزل پہ کوئی اعتراض کیا۔ خاص طور پہ تم..." آخر میں جو اس نے دانت کچکچائے' ان کی آواز میرے کانوں تک آئی۔ تو میں سرپٹ بھاگی۔
کمرے میں آئی تو زرمینہ نے لپک جھپک کے پانی کا گلاس میرے منہ سے لگایا۔ فائقہ دوپٹے کے پلو کو جھلا کر ہوا دینے لگی۔ اور مجھے ایک ہی فکر...
"سوٹ رکھ دیا تھا نا میری الماری میں...؟"
ماہین نے مجھے گھور کے دیکھا۔
"کر کے کیا آئی ہو' وہ بتاؤ...؟"
"ہاہ۔ اب کیا کیا بتاؤں۔ میری حالت سے تمہیں پتا نہیں لگ رہا۔"
میں نے انہیں جلانے کے لیے آہ بھری۔ فائقہ نے میرا چہرہ ہاتھ میں تھام کے اپنی طرف گھمایا' چند لمحے جائزہ لیا اور پھر ہمدردی سے بولی۔
"پوری پانچ انگلیوں کا نشان چھپا ہے منہ پہ بے چاری کے۔"
"دفع..." میں نے اسے دور جھٹکا' پھر اطمینان سے بولی۔ "میرو نے صاف الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ یہ رشتہ طے ہو کر ہی رہے گا۔ وزیراعظم کی قائم مقام بیوی ماہین ہی بنے گی۔"
ماہین دل پہ ہاتھ رکھے بیڈ پہ لہرا کے گری تھی۔
"انا للہ وانا الیہ راجعون۔" میں نے با آواز بلند پڑھا' تو وہ تڑپ کر اٹھی۔
"دیکھ لینا تم... جان دے دوں گی اپنی۔ مگر نواز شریف سے شادی کبھی نہیں کروں گی۔"

اس کی آنکھوں میں آنسو اور ارادہ اٹل تھا۔ ہم نمانیوں کا دل پگھل پگھل گیا۔

"ایک طریقہ ہے میرے پاس۔" زرمینہ نے چٹکی بجائی۔

"وہی ذہانت کی بات میرے بھی ذہن میں آئی ہے، مگر چونکہ تم مجھ سے کچھ ماہ بڑی ہو اس لیے تم ہی بتادو۔"

میں نے بڑی نزاکت سے کہا تو اللہ معاف کرے، میرے ساتھ جڑ کے بیٹھی زرمینہ نے کہنی عین میرے گردے پر ٹھونک دی۔ اس روز (مارے درد کے) جو بھنگڑے میں نے ڈالے، وہ کیا ہی آپ میں سے کسی نے اپنے بھائیوں کی شادیوں میں ڈالے ہوں گے۔

"بس۔ اپنے ہی تماشے کرتی رہنا سب۔ میری تو کسی کو فکر ہی نہیں۔ مجھے چاہے وہ "نانا ابو" بیاہ کے لیے جائیں۔" ماہین چلائی۔

اب وہ بے چاری تو بڑی "بے چاری" بن کر دکھ سے چلائی تھی، مگر اس کے لفظوں کے چناؤ نے ہم سب کو لوٹ پوٹ کردیا۔ مگر پھر ماہین کا غصہ دیکھ کر ہمیں شرافت کے پاجامے۔ مطلب۔ جامے میں آنا ہی پڑا۔

"اچھا سنو۔ امی بتا رہی تھیں دادی کو۔ کل وزیراعظم خود آرہے ہیں لڑکی دیکھنے۔" مینا تو کمینی ہی نکلی۔ اتنی بڑی خبر کب سے ڈھول میں مطلب پیٹ میں چھپا کے بیٹھی ہوئی تھی۔

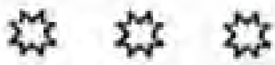
"تو تم موقع پاکر ان کے سامنے صاف انکار کردینا۔" میں نے نادر مشورہ دیا۔

"ہنہ۔ جو بذات خود لڑکی دیکھنے آرہے ہیں، وہ انکار کریں گے بھلا۔ اتنی خوب صورت لڑکی کو انکار کرنے کا حوصلہ کہاں سے لائیں گے۔" ماہین نے تمسخرانہ نظروں سے ہمیں دیکھا تو ہم تو پتھرا ہی گئیں گویا۔ (خوب صورت۔ چشماٹو!)

"تم بے فکر رہو۔ تمہیں دیکھ کے کرہی دیں گے ان شاء اللہ۔" فائقہ نے اس کا شانہ تھپکا تھا۔

"فٹے منہ۔!" وہ ہاتھ کا اشارہ کرتی اٹھ گئی۔

بہرحال۔ اب طے ہوچکا تھا۔ کل ہر صورت وزیراعظم کے "دورہ بٹ ہاؤس" کو ناکام بنانا تھا ہم نے۔



"میں نے تو آدھی رات تک تمام ٹی وی چینلز کی بریکنگ نیوز۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے دیکھیں، مگر کسی میں بھی وزیراعظم کے دورہ بٹ ہاؤس سے متعلق کوئی خبر نہیں آئی۔"

ہماری میٹنگ دیر رات تک جاری رہی تھی۔ جب تک نیند نہیں آگئی میں باری باری تمام نیوز چینلز کی بریکنگ نیوز دیکھتی رہی تھی۔

"تو۔ اس طرح کی خبروں کی تو وہ نیوز چینلز کو ہوا بھی نہیں لگنے دیتے۔"

پارلر والی ابھی ابھی ماہین چشماٹو کو تیار کرکے گئی تھی۔

یا اللہ۔ نیچرل سے میک اپ میں۔ آنکھوں پہ چشمے کے بجائے لینس لگائے۔ بالوں کے نم نم سے کرلز۔ نروس سی لب کو چباتی۔ اگر وہ چشماٹو ماہین ہی تھی تو آج وہ خوب صورت ترین لڑکی لگ رہی تھی۔ خاص طور پر "لڑکی" پہلے تو وہ بس بڑھا کو ہی لگا کرتی تھی۔ سب نے نظروں ہی نظروں میں بلائیں لی ہوں گی اس کی۔

"میں مرجاؤں گی دیکھ لینا تم۔!" اس نے کم از کم بھی ایک سو بیسویں مرتبہ مصمم ارادہ ظاہر کیا۔

"اللہ جھوٹ نہ بلوائے تو یہی کہے۔ جارہی ہو کل سے۔" فائقہ نے اپنی چوڑیوں کا سیٹ ٹھیک کرتے ہوئے طنز کیا تو وہ چلائی۔

"تم خبیثوں کو موقع دے رہی ہوں کہ جو کرسکتی ہو، کرلو۔ مرگئی تو پھر پچھتاتی رہنا۔"

"دوسروں کی مدد کرنے والوں کو اللہ بھی پسند کرتا ہے۔ ویسے بھی تو مرنا ہی ہے۔ وزیراعظم ہی کا بھلا کردو۔"

فائقہ کو تو ترس آرہا تھا۔ جواباً" ماہین کا دھموکا اس کا شانہ سینک گیا۔
اسی وقت چڑیا گرتی پڑتی چلی آئی۔
"بس نکل آئے ہیں وہ لوگ۔۔۔ تھوڑی دیر میں پہنچنے والے ہوں گے۔"
"میرے خیال میں ہمیں نیوز چینلز کو یہ خبر دے دینی چاہیے۔" زرمینہ کو سنہری خیال سوجھا۔ "(اور مجھے قیمتی)
"بلکہ ان کو تو ہم بھاری قیمت میں یہ خبر بیچ سکتے ہیں۔" میں پرجوش ہوئی تو ماہین ہم پر ہاتھ سے لعنت کا اشارہ کرکے رہ گئی۔
"بھئی۔ ہم سے تو جو ہو سکتا تھا کردیا۔ کل سے تمہاری ناک اور آنسو پونچھ پونچھ کے دوپٹے خراب کرلیے اپنے۔ اب چپ کرکے وہاں بیٹھ جاؤ' خود تو پارلر سے تیار ہوگئیں۔ ہمیں "تعزیت" کرنے والیاں بنا کے بٹھایا ہوا ہے۔"
میں نے اسے اچھا خاصا جھاڑا تو وہ پاؤں پٹختی اپنے کمرے میں چلی گئی۔
سب نے اپنی دبی سانسیں خارج کیں۔۔۔ اور اطمینان سے اپنے میک اپ نپٹانے لگیں۔



اب کچھ بھی ہو۔۔۔ تھی تو وہ ہماری پھپھی۔۔۔ مطلب کزن اور دوست نا۔۔۔ اب کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا اس کے لیے۔ چاہے کلائمکس پر ہی سہی۔
"کسی طرح موقع پاکر وزیراعظم سے تمہاری اکیلے میں ملاقات سیٹ کروا دیتے ہیں۔ تم صاف انکار کردینا۔" فائقہ نے ہاتھ جھاڑے۔ وقت اتنا قریب آگیا تھا۔
ماہین کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ (ان۔۔۔ سے اکیلے میں ملاقات۔۔۔) "کہوں گی کیا۔۔۔؟"
"کہنا۔۔۔ انکل جی! میں معذرت چاہتی ہوں۔ آپ سے شادی نہیں کرسکتی۔" زرمینہ نے سمجھایا۔ جواباً" میں نے کل والی کہنی کا بدلہ لیتے ہوئے عین اس کے گردے پہ کہنی مارنا فرض خیال کیا۔ وہ دوہری ہوگئی۔
"انکل جی کہے گی تو کسی بڑے ہی مقدمے میں اندر کریں گے وہ ہمیں۔"
"لڑکے والے آگئے۔" مانو نے دروازے سے سر اندر ڈالتے ہوئے اطلاع دی تو ماہین دل پکڑے وہیں ڈھے گئی۔
"اُف۔۔۔ بالکل ماہین جتنی ہے "ان" کی نواسی۔ ابھی پچھلے دنوں تو شادی کی وزیراعظم کی صاحب زادی نے اپنی بیٹی کی۔" فائقہ نے آہ بھری۔ پھر زرمینہ کو اپنے آئی لائنر کی فائنز لائن چیک کروانے لگی۔
"کل کے اخباروں اور نیوز چینلز پہ تصویریں آنی ہیں۔ دیکھ لو کوئی کمی تو نہیں رہ گئی۔"
اندر خوش گپیوں کے دور چل رہے تھے۔ ابھی ماہین کا بلاوا نہیں آیا تھا۔ کیونکہ وزیراعظم صاحب شاید کسی نہیں کاروباری یا سرکاری دورے سے سیدھے یہیں آنے والے تھے۔
"آئیڈیا۔۔۔ پچھلے راستے سے پورچ میں چلتے ہیں۔ وہیں یہ کام تمام کردیں گے۔"
میں نے اچھل کر ترکیب پیش کی اور جواباً" زرمینہ کا کراٹے کا کاری وار گردن پر کھایا۔
"باڈی گارڈ ہوں گے ان کے ساتھ۔۔۔ اور کام کس سے تمام کروگی۔۔۔ دادا جان کی زنگ لگی بندوق سے۔۔۔؟"
"کمینی۔۔۔" میں کراہی۔ "میرا مطلب تھا' وہیں پہ ان کو بتا کر یہ رشتہ ختم کردیں گے سرے سے ہی۔۔۔"
"اوہو۔۔۔" زرمینہ نے میری گردن سہلائی۔
پھر ہم بگٹٹ پورچ کی طرف بھاگیں۔ مانو اور چڑیا کو حفظ ماتقدم کے طور پر کمرے ہی میں بٹھادیا گیا۔
"ان کو مخاطب کیسے کروں گی میں۔۔۔؟" ماہین ازحد نروس تھی۔
"انکل ہی کہنا۔۔۔ بلکہ نانا جان۔۔۔ تاکہ انہیں احساس ہو کہ وہ ایک "بچی" کی زندگی تباہ کرنے کی سازش کا حصہ بن رہے ہیں۔" میں نے دانت

بچ بچا ئے۔

اسی وقت چوکیدار نے دروازہ کھولا۔ لڑکے والوں کی سلور گرے سوک تو پہلے ہی پورچ میں کھڑی تھی۔ اب ایک نئی چمچماتی سیاہ کرولا آئی اور بڑی سبک روی سے چلتی عین اس سوک کے پیچھے آرکی۔

ہم نے اپنے حوصلے بلند کرتے ہوئے ماہین کو دھکے دیے۔ ''جاؤ... یہی وقت ہے۔ گاڑی سے نکلتے ہی قدموں میں گر جاؤ۔''

اور اس نے دوڑ لگائی بھی تو یوں کہ مجھے کلائی سے تھام کر ساتھ گھسیٹ لیا۔

''کیونکہ یہ تمہارے منگیتر کی لگائی ہوئی آگ ہے۔''

ہمارے پاؤں وہاں تھمے' جہاں گاڑی کا دروازہ کھلا اور ڈرائیونگ سیٹ سے ایک بڑا خوش شکل بندہ نیچے اترا۔

''خدا ترسی کر لیتے وہ' اس ڈرائیور سے ہی بیاہ کروا دیتے۔ تمہارا ماہی... ''معید حسن'' لگ رہا ہے بالکل۔'' میں ماہین کے کان میں گھسی۔

وہ بندہ ہماری طرف خیر سگالی کی مسکراہٹ لیے دیکھ رہا تھا اور مجھے ''محبت دل پہ دستک'' کے ہیرو یاد آرہے تھے۔

''آپ کون...؟'' میں نے ذرا رعب سے پوچھا۔ بھئی ڈرائیور ہی ہے نا۔ ''اور وزیر اعظم صاحب کہاں ہیں؟''

ماہین تو جس طرح نروس سی انگلیاں مروڑتی زمین میں آنکھیں گاڑے کھڑی تھی۔ مجھے ہی بولنا پڑا۔ یہ تو بس آج کی تاریخ میں صرف فوت ہی ہو سکتی تھی اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

''جی... میں مشیر اعظم ہوں۔'' وہ سینے پہ ہاتھ رکھ کے ذرا سا جھکا اور مسکرا کر بولا۔ ''اور ''وہ'' گاڑی میں بیٹھے اپنے ضروری پیپرز کو پن اپ کر رہے ہیں۔ ابھی بس نکلتے ہیں۔''

میں نے ہمدردی سے ماہین کو اور پھر حسرت سے مشیر اعظم کو دیکھا۔ رشتہ تو یہ بھی برا نہیں تھا۔

''ویسے... آپ نے نہیں سوچا شادی کے بارے میں...؟'' میرے منہ سے ویسے بھی کون سی سیدھی بات نکلتی تھی جو اب نکلتی۔ اس بندے کی آنکھیں اصل سائز سے ذرا پھیلیں۔

''جی... کرنی ہے پہلے وزیر اعظم کی ہو جائے تو...'' وہ پہلی بار ذرا ہکلایا۔

''نہ... مجھے یہ بتائیں کہ بڑا اچھا لگ رہا ہے آپ کو یوں کسی کے جذبات سے کھیلتے ہوئے۔ یہ دیکھیں... یہ ہے وہ لڑکی جس کے لیے آپ اپنے وزیر اعظم صاحب کا رشتہ لے کے آئے ہیں۔''

جوش خطابت میں' میں نے ماہی کا ہاتھ پکڑ کر آگے کھینچا۔

''اب ذرا اپنے وزیر اعظم کو دیکھیں اور اس لڑکی کو دیکھیں۔ اس کی عمر ہے خودکشی کرنے کی۔ میرا مطلب ہے' وزیر اعظم صاحب سے شادی کرنے کی؟''

''نہیں جی...؟'' وہ ہونق سا ہو گیا۔ ہاتھ مار کے گاڑی کا شیشہ بجا کر گویا وزیر اعظم صاحب کو بھی متوجہ کیا' مگر رو بحا گل جب کوئی کمٹمنٹ کر لے تو پھر اپنے آپ کی بھی نہیں سنتی۔

اور بقول از میربٹ... ''جب تمہارا منہ کھلتا ہے تو آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔''

''او ہو... بلا لو... ان کو بھی بلا لو... ان ہی سے تو دو دو ہاتھ کرنے آئی ہوں میں۔ کیا کریں گے زیادہ سے زیادہ۔ نیب کیسز میں پھنسوا دیں گے یا جیل میں ڈلوا دیں گے۔ باطل سے ڈرنے والے اے آسمان نہیں ہم... وغیرہ وغیرہ... مگر ماہین ایک... نانا جان سے شادی کبھی نہیں کرے گی۔ شیر ہو گا تو اپنے گھر میں...''

اسی وقت پسنجر سیٹ کا دروازہ کھول کے ''نوفل احمد'' گاڑی سے نیچے اترا۔ (ہائے... محبت دل پہ دستک!)

''اللہ...!'' میں نے تو دل ہی تھام لیا۔

(ایک سے بڑھ کے ایک ملازم رکھا ہوا ہے۔ ماہین کا تو صبح شام دل خراب ہوتا رہے گا۔)

"کیا ہوا... کس نے کس سے شادی نہیں کرنی؟"
یہ بندہ بھی حیران تھا۔
میں نے محتاط نظروں سے گاڑی کے سیاہ شیشوں کو دیکھا۔ وزیراعظم صاحب اندر تھے 'اتنی دیر میں مجھے ان باڈی گارڈز کی ہمدردی حاصل کرلینی چاہیے تھی۔ شاید ان ہی کے سمجھانے سے یا شرم کھاکر وزیراعظم صاحب منع ہوجاتے۔
"بھائی... ! دراصل یہ ہے وہ لڑکی جسے آپ کے وزیراعظم صاحب دیکھنے آئے ہیں۔" میں نے اس "بُت" کو پھر آگے کیا۔
ماہین تو بس سانس ہی لے رہی تھی۔ ویسے شاید مر چکی تھی۔
ان دونوں نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔
"آہم... جی... تو پھر...؟" دوسرے نمبر والا کھنکھار کر پوچھ مجھ سے رہا تھا اور جائزہ ماہین کا لے رہا تھا۔ (اچھا ہے۔ ذرا شرم دلائے اپنے سر جی کو...)
"اب ذرا اپنے وزیراعظم کو دیکھیں اور اس "معصوم" کو دیکھیں۔ اس کے جتنی تو ان کی نواسی ہے۔ میں نے منہ پھلایا۔ تو ان کے منہ کھلے۔"
"کس کی...؟"
"وزیراعظم صاحب کی..." میں نے دانت کچکچائے۔ "مگر میں ماہین کا پورا ساتھ دوں گی۔ ہر عید پہ شعر لکھ کے دیتی رہی ہے کارڈز پہ مجھے۔" (گھٹیا ہی سہی۔)
"ہوں... ویری گڈ... تو پھر اب کیا کرنا چاہیے ہمیں۔" پتا نہیں کیوں 'مگر گارڈ نمبر ایک اور گارڈ نمبر دو کی ہنسی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔
میں نے چٹکی بجائی اور رعب سے کہا۔
"تو پھر یہ کہ میں بڑی خطرناک لڑکی ہوں۔ اس سے پہلے کہ آپ کے وزیراعظم صاحب کی جان کو کوئی خطرہ لاحق ہو' آپ انہیں باعزت طور پر یہاں سے لے جائیں۔"
اب کی بار ان کے قہقہے نکلے۔
میں پریشان تو ماہین حیران۔

وہ دونوں ہمارے بالمقابل آن کھڑے ہوئے۔
"دراصل ہمارے ابا کا نام محمد اعظم ہے۔" گارڈ نمبر ون نے اپنا تعارف کرانا شروع کیا تو میں نے اسے گھور کے دیکھا۔ وزیراعظم پاکستان کا ہی سہی مگر تھا تو گارڈ ہی نا۔
"اماں کی خوش قسمتی کہ انہیں اعظم کا لاحقہ مل گیا تو پھر "سابقے" انہوں نے اپنی مرضی سے لگالیے۔"
گارڈ نمبر دو نے بھی حصہ ڈالا۔
میں نے دونوں کو گھورا۔
"اوہو... دونوں کی شکلوں میں مماثلت تھی۔ یعنی یہ دونوں بھائی تھے۔ آہا..."
"بڑے بیٹے کا نام انہوں نے رکھا بادشاہ..." وہ مسلسل اپنی خاندانی ہسٹری سنارہا تھا۔
"اب ابا کا نام ساتھ لگا تو بھائی جان بن گئے بادشاہ اعظم۔"
"ہیں...!" میں ٹھٹکی... ماہین بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔
"دوسرے نمبر پہ رہے یہ وزیراعظم..." گارڈ نمبر ایک نے مسکراتے ہوئے گارڈ نمبر دو (نوفل احمد) کی طرف اشارہ کیا اور پھر ذرا سا جھک کر کورنش بجالایا۔
"اور میں ہوں مشیراعظم..."
ماہین تو فوت ہوجانے کے قریب اور میں شرم سے پانی ہو کے ان دونوں کے قدموں میں ہی کہیں بہہ جانے کو تھی۔
مگر جناب ٹھہریے۔ ڈھٹائی بھی کسی شے کا نام ہے۔ اور بقول میری نیند زرمینہ... مجھے وہ گھٹی میں شہد کے ساتھ چٹائی گئی تھی۔
مگر مجھ سے پہلے ہونق کھڑی ماہین نے بے یقینی سے پوچھا۔
"تو آپ وزیراعظم ہیں صرف؟ نواز شریف نہیں؟"
سوال ملاحظہ کریں ذرا۔
مگر گارڈ نمبر دو... مطلب کہ وزیراعظم نے اپنے گھنے سیاہ بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑے اسٹائل سے ڈائیلاگ جھاڑا۔

"ہر وزیر اعظم... نواز شریف نہیں ہوتا۔"

بڑی بی بی... دیر کے بعد ماہین کو شرمانے کا خیال آیا۔

"اوئی اللہ... یہ رو بحا بھی نا۔ کھینچ کے لے آئی مجھے..." وہ دوپٹے کا کونا منہ میں دباتی بھاگ اٹھی اور سارا نزلہ مجھ بے چاری پر... اب وہ دونوں مجھے گھور رہے تھے۔

"اہم..." میں کھنکھاری اور اپنی مشہور زمانہ ڈھٹائی کو آواز دی۔ مگر برا ہوا اس جن کا... مطلب ازمیرٹ کا۔ وہ وزیر اعظم کو ریسیو کرنے آپہنچا اور مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں جس طرح کے خوفناک تاثرات اترے انہیں دیکھ کر مجھے دادا جان کی تاریخی بندوق ہی نہیں بلکہ سارے ہی خطرناک ہتھیار یاد آ گئے۔

مشیر اعظم ازمیر سے ملتے ہوئے انجوائے کرتے ہوئے ہماری "غلط فہمی" سے اسے آگاہ کر رہا تھا۔

انہیں اندر بھیج کر وہ میری طرف پلٹا تو میں نے فوراً "اپنی صفائی دینا اسٹارٹ کردی۔

"غلطی تمہاری ہے میرو۔ تم بتا دیتے کہ یہ وزیر اعظم ہیں مگر نواز شریف نہیں ہیں۔"

"تو میں نے یہ کب کہا تھا کہ یہ وزیر اعظم ہونے کے ساتھ نواز شریف بھی ہے؟"

اس نے دانت کچکچائے۔ دو قدم آگے بڑھائے اور میں نے چار پیچھے...

"اوفوہ... میرو! تم بھی نا..." میں ٹھنکی۔ "کتنی بار کہا ہے ایسے منگیتروں کی طرح گھما پھرا کے معموں میں باتیں نہ کیا کرو میرے ساتھ۔ میں خوامخواہ الجھ جاتی ہوں۔" ساتھ ہی تیزی سے پلکیں بھی جھپکائیں۔ میرے خیال میں اس طرح میں بہت معصوم لگتی ہوں۔

مگر میرے اس ڈائیلاگ کو سن کر پہلے حیرت سے اس کا منہ کھلا اور پھر وہ دانت پیس کر میری طرف لپکا۔

"بچاؤ..." میں نعرہ مار کر پیچھے کی طرف بھاگی اور پھر اپنے کمرے میں آ کے ہی دم لیا۔ جہاں بیر بہوٹی بنی ماہین چشماٹو سر پہ دوپٹہ لیے شرما شرما کر سب کو اصلیت بتانے کے بعد فائقہ سے "قبول ہے قبول ہے" کا طریقہ سیکھ رہی تھی۔ مجھے گھور کے بولی۔

"اور یہ... اس کی منگنی ہو گئی نا خود کی۔ یہ تو چاہتی ہی نہیں کہ ہم میں سے کسی کی نیا پار لگے۔ ہنہ... ڈرامہ کوین..."

میں ہاتھ سے لعنت کا اشارہ کر کے رہ گئی۔

سوٹ اور نگینوں والا سیٹ بھی گیا اور ازمیرٹ کی تلوار بھی سر پہ لٹک رہی ہے... قارئین دعا کیجیے گا۔

ادھر ماہین چشماٹو کی منگنی کا ایک عدد فنکشن ڈسکس ہو رہا ہے۔ فی الحال تو سب کچھ بھول کے ہم اس کی تیاری میں مگن ہیں۔ مگر میں نے سوچ لیا ہے رات کو ان سب کمینیوں کے سو جانے کے بعد اپنی فیس بک فرینڈ "مشعال خانم" سے ضرور ازمیرٹ کو پٹانے کے طریقے دریافت کروں گی۔ سنا ہے اس کا منگیتر بھی ازمیرٹ کم اور "اکڑوٹ" زیادہ ہے۔



عمیرہ احمد



آب حیات کی کہانی تاش کے تیرہ پتوں میں چھپی ہوئی ہے۔

2۔ ایک خوب صورت اتفاق نے امامہ اور سالار کو یکجا کردیا ہے۔ سالار نے امامہ کو ایر رنگز دیے ہیں۔ وہ بالکل ویسے ہی ہیں، جیسے امامہ شادی سے قبل پہنتی تھی اور جو اسے اس کے والد ہاشم نے دیے تھے۔ سکندر عثمان نے اس شادی کو کھلے دل سے قبول کیا۔

9۔ سی آئی اے ہیڈ کوارٹر کے ایک کمرے میں چار اشخاص گزشتہ ڈیڑھ ماہ سے ایک پروجیکٹ پر کام کررہے ہیں۔ انہیں ایک شخص بلکہ اس کی پوری فیملی کے تمام بیرونی معاملات اور ذاتی زندگی کی تمام تر مکمل معلومات حاصل ہیں اور انہیں اس میں سے کسی ایسے پوائنٹ کی ضرورت ہے۔ جس کی بنیاد پر وہ اس شخص پر ہاتھ ڈال سکیں۔ لیکن اس شخص سمیت اس کی فیملی کے نہایت شفاف ریکارڈ سے اب تک کوئی مشکوک بات نہیں نکال سکے مگر آخری پندرہ منٹ میں انہیں اس فیملی کی کسی لڑکی کی تاریخ پیدائش کے حوالے سے کوئی سراغ مل جاتا ہے۔

L۔ وہ کئی راتوں سے تکلیف میں تھی۔ سکون آور ادویات کے بغیر سو نہیں پارہی تھی۔ وہ اپنے باپ سے بس ایک سوالا



کرنے آئی تھی کہ اس نے اس کی فیملی کو کیوں مار ڈالا۔

6۔ اسپیلنگ بی کے بانوے مقابلے کے فائنل میں تیرہ سالہ اور نو سالہ دو بچے چودھویں راؤنڈ میں ہیں۔ تیرہ سالہ بچی نے نو حرفوں کے لفظ کا ایک حرف غلط بتایا۔ اس کے بعد نو سالہ ایک خود اعتماد بچے نے گیارہ حرفوں کے لفظ کی درست اسپیلنگ بتادیں۔ ایک اضافی لفظ کے درست ہجے بتانے پر وہ مقابلہ جیت سکتا تھا۔ جسے غلط بتانے کی صورت میں تیرہ سالہ بچی دوبارہ فائنل میں آجاتی۔ وہ اضافی لفظ سن کر اس خود اعتماد مطمئن اور ذہین بچے کے چہرے پر پریشانی پھیلی، جسے دیکھ کر اس کے والدین اور ہال کے دیگر مہمان بے چین ہوئے مگر اس کی یہ کیفیت دیکھ کر اس کی سات سالہ بہن مسکرا دی۔

A۔ وہ جانتی تھی کہ وہ بددیانتی کررہی ہے مگر پھر بھی اس نے اس کتاب کے پہلے باب میں تبدیلی کردی اور ترمیم شدہ باب کا پرنٹ نکال کر دیگر ابواب کے ساتھ فائل میں رکھ دیا۔

7۔ وہ دونوں ایک ہوٹل کے بار میں تھے۔ لڑکی نے اسے ڈرنک کی آفر کی مگر مرد نے انکار کردیا اور سگریٹ پینے لگا۔ لڑکی نے پھر ڈانس کی آفر کی، اس نے اس بھی انکار کردیا۔ وہ لڑکی اس مرد سے متاثر ہورہی تھی۔ وہ اسے رات ساتھ گزارنے کے بارے میں کہتی ہے۔ اب کے وہ انکار نہیں کرتا۔

4۔ وہ اپنے شوہر سے ناراض ہو کر اسے چھوڑ آئی ہے۔ ایک بوڑھی عورت کے سوال و جواب نے اسے سوچنے پر مجبور کردیا ہے۔ اب وہ خود اپنے اس اقدام سے غیر مطمئن اور ملول نظر آتی ہے۔

اٹھارھویں قسط

"بابا! مجھے آپ کو حمین کے بارے میں کچھ بتانا ہے۔"
رئیسہ کی منمناتی آواز پر سالار بیرونی دروازے سے نکلتے نکلتے ٹھٹک گیا۔ اپنی فراک پر لگی ایک تتلی کا پر مروڑتے ہوئے وہ اس کے عقب میں کھڑی تھی۔ وہ اس وقت واک کے لیے نکل رہا تھا اور رئیسہ اس کو ہمیشہ کی طرح دروازے تک چھوڑنے آئی تھی لیکن اس کو خدا حافظ کہہ کر دروازہ بند نہیں کیا تھا اس نے کچھ سرگوشی نما منمناتی آواز میں سالار سے۔ جو کہا تھا اس پر سالار کو اچنبھا ہوا تھا۔
وہ بھی کسی کی شکایت نہیں کرتی تھی اور حمین کی شکایت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔۔۔ وہ حمین کی سب سے بڑی رازداں تھی۔ رئیسہ کے بارے میں یہ خیال صرف سالار کا ہی نہیں بلکہ اس کے خاندان کے ہر شخص کا تھا۔۔۔ کیوں کہ اسے حمین کے بارے میں بہت سی وہ باتیں بھی پتا ہوتی تھیں جو گھر میں کسی دوسرے شخص کے علم میں نہیں ہوتی تھیں۔
دروازے کی ناب پر ہاتھ رکھے سالار نے کچھ غور اور حیرانی سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا "کیا بتانا ہے؟"
رئیسہ نے جواب دینے کے بجائے پلٹ کر لاؤنج کی طرف دیکھا جہاں سے حمین کی آواز آرہی تھی۔ وہ امامہ سے باتیں کر رہا تھا۔
"کچھ ہے جو میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں۔" رئیسہ نے اسی سرگوشی نما آواز میں سالار سے کہا۔ اس بار سالار نے اس کا ہاتھ پکڑا اور دروازہ کھول کر باہر جاتے ہوئے اس سے کہا۔
"آؤ ہم واک کے لیے چلتے ہیں۔۔۔" اسے اندازہ ہو گیا تھا۔ وہ گھر کے اندر حمین کے بارے میں بات کرتے ہوئے جھجک رہی ہے۔۔۔ وجہ جو بھی ہو۔
رئیسہ چپ چاپ اس کے ساتھ باہر نکل آئی تھی۔ موسم انتہائی خوش گوار تھا اور ان کی رہائشی کالونی کے کچھ اور افراد بھی اس وقت سڑک پر واک کرنے میں مصروف تھے۔ وہ دونوں بھی سڑک کے کنارے کنارے چلنے لگے۔
"تو حمین کے بارے میں تم کیا بتانا چاہتی ہو؟" پانچ دس منٹ کی واک اور اس کے ساتھ ہلکی پھلکی گپ شپ کے بعد سالار نے اس سے کہا۔ رئیسہ نے فوری طور پر کچھ جواب نہیں دیا، جیسے وہ کسی سوچ میں پڑ گئی ہو۔
"آئی ایم ناٹ شیور۔" اس نے کہا۔ "کچھ ہے جو میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں لیکن مجھے یہ نہیں پتا کہ مجھے بتانا چاہیے یا نہیں۔" وہ ہمیشہ اسی طرح بات کرتی تھی۔ ہر لفظ بولنے سے پہلے دس دفعہ تول کر۔
"تم مجھ پر ٹرسٹ کر سکتی ہو۔" سالار نے جیسے اسے تسلی دی۔
"مجھے آپ پر ٹرسٹ ہے۔ لیکن میں حمین کو ہرٹ بھی نہیں کرنا چاہتی۔" اس نے سالار کی بات کے جواب میں کہا۔ "یہ اس کا سیکریٹ ہے اور یہ اچھی بات نہیں ہے کہ میں اس کا سیکریٹ کسی کو بتاؤں۔ شاید مجھے نہیں بتانا چاہیے۔"
"میں پوری طرح شیور نہیں ہوں۔ میں ابھی سوچ رہی ہوں۔" وہ اب سالا کے ساتھ چلتے ہوئے اس طرح بڑبڑا رہی تھی جیسے خود کلامی کر رہی ہو۔ متذبذب ہو یا خود سے الجھ رہی ہو۔
سالار نے ساتھ چلتے ہوئے اسے بہ غور دیکھا۔ وہ کچھ بتانا چاہ رہی تھی لیکن وہ متذبذب بھی تھی۔ رئیسہ کا یہ مسئلہ تھا۔ فیصلہ نہ کرپانا۔۔۔ مگر اس وقت سالار اس کے اس مسئلے پر سوچ بچار کرنے کے بجائے صرف اس لیے حیران اور کسی حد تک فکر مند تھا کہ رئیسہ نے حمین کے بارے میں وہ جو بھی راز تھا اسے اس میں شریک کرنے

کا سوچا کیوں؟ کیا اسے یہ اندیشہ تھا کہ حمین کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے یا پھر یہ پریشانی تھی کہ بعد میں پتا چلنے پر حمین سے وہ اور امامہ بہت ناراض ہو سکتے تھے۔

"ایسی کیا بات ہے رئیسہ؟" سالار نے اسے نرم آواز میں بہلانے والے انداز میں کریدا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں کہ حمین کے بارے میں جو بھی بات ہے وہ ایک سیکرٹ ہی رہے گی... میں کسی کو اس کے بارے میں نہیں بتاؤں گا۔"

اس نے رئیسہ سے کہا۔ مگر وہ متاثر نہیں ہوئی۔

"بابا! آپ حمین سے بہت خفا ہو جائیں گے اور میں یہ نہیں چاہتی۔" اس بار رئیسہ نے اپنے خدشات کا اظہار کھل کر اس سے کیا۔ سالار کی چھٹی حس نے اسے سگنل دینا شروع کیے تھے۔

"میں آپ کو ایک دو دن بعد بتاؤں گی۔ میں ابھی اس پر سوچنا چاہتی ہوں۔" رئیسہ نے بالآخر اس سے کہا۔

"رئیسہ! یہ اچھی بات نہیں ہے۔" سالار نے اس بار سنجیدگی سے اسے جھڑکا۔ "اگر حمین نے کچھ ایسا کیا ہے جو تمہیں لگتا ہے، ہمیں پتا ہونا چاہیے تو تمہیں، ہمیں بتانا چاہیے۔ اس طرح کوئی بھی چیز چھپانا ٹھیک بات نہیں ہے۔"

وہ اب واقعی سنجیدہ ہو گیا تھا۔ اگرچہ اسے یہ اندازہ تھا کہ حمین کوئی ایسی حرکت نہیں کر سکتا جس سے ان کو کوئی بڑی پریشانی لاحق ہوتی مگر رئیسہ کی یہ پردہ پوشی۔ اس وقت سالار کو بے حد بری لگی تھی۔

"مجھے ایک دن دیں۔" رئیسہ نے اس کے لہجے میں جھلکتی خفگی کو محسوس کیا اور اسے منانے کی کوشش کی۔ میں آپ کو کل بتادوں گی۔ میں بس کچھ اور سوچنا چاہتی ہوں اس پر۔"

وہ بے اختیار گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ انہوں نے اپنے بچوں کی پرورش زور زبردستی سے نہیں کی تھی۔ نہ ہی ڈانٹ ڈپٹ کے ذریعے انہیں کنٹرول کیا تھا۔ وہ اس وقت بھی زبردستی اس سے وہ بات اگلوانا نہیں چاہتا تھا۔ رئیسہ کو اگر یہ چیز الجھا رہی تھی کہ آیا جو وہ کرنے جا رہی تھی وہ صحیح ہے یا غلط... تو سالار چاہتا تھا وہ یہ فیصلہ خود ہی کرے۔

"ٹھیک ہے... ایک دن اور سوچ لو اور پھر مجھے بتاؤ۔" اس نے بات ختم کر دی لیکن رئیسہ کے انکشاف سے پہلے ہی اسکول سے امامہ کو کال آگئی تھی۔ حمین کی ٹیچر اس کے کسی "اہم اور فوری" مسئلے پر ان سے ملاقات کرنا چاہتی تھی۔ ان دونوں نے اس کال کو زیادہ اہمیت نہ دی تھی' ان کا خیال تھا وہ پڑھائی سے متعلق کوئی مسئلہ ہو گا یا پھر کوئی چھوٹی موٹی بدتمیزی۔ حمین کے حوالے سے ایسی شکایات انہیں ہمیشہ ہی ملتی رہتی تھیں۔ وہ جبریل کی طرح نہیں تھا۔

لیکن اگلے دن اسکول میں انہیں حمین کے حوالے سے جو بتایا گیا تھا۔ اس نے کچھ دیر کے لیے ان کے ہوش و حواس ہی اڑا دیے تھے۔ وہ جونیئر ونگ میں "بزنس" کر رہا تھا اور ایسی ہی ایک بزنس ڈیل کے نتیجے میں ایک بچہ اپنا ایک بے حد مہنگا گیم گنوانے کے بعد اپنے ماں باپ کو اس لین دین کی تفصیلات سے آگاہ کر بیٹھا تھا اور اس کا پتا ان والدین کی شکایت سے چلا تھا جس کے نتیجے میں اسکول نے تحقیقات کی تھیں اور حمین سکندر کو پہلا وارننگ لیٹر ایشو ہوا تھا۔ وہ اگر حمین سکندر جیسا اسٹار اسٹوڈنٹ نہ ہوتا تو اسکول کی انضباطی کارروائی کچھ اور زیادہ سخت ہوتی لیکن سالار اور امامہ کے لیے وہ وارننگ لیٹر بھی کافی تھا۔ ان کے چاروں بچوں میں سے کسی کو پہلی بار کوئی وارننگ لیٹر ملا تھا اور وہ بھی تب جب چند دن پہلے وہ اس اسکول میں ایک ہیرو کے درجے پر فائز تھا اور وہ "ہیرو" اس وقت ان کے پاس سر جھکائے بیٹھا تھا۔ سالار کا دماغ کچھ دیر کے لیے واقعی گھوم کر رہ گیا تھا۔ اس کے حوالے سے متوقع خدشات میں یقیناً" وہ صورت حال نہیں تھی جو انہیں اس وقت درپیش تھی۔

اس "بزنس" کے آغاز کو بہت زیادہ وقت نہیں گزرا تھا اور حمین سکندر نے رئیسہ کو پہلے دن سے اس بزنس کے حوالے سے بتا رکھا تھا۔۔۔ بزنس کا آغاز اتفاقی تھا۔۔۔ اس کی کلاس میں اس کا ایک کلاس فیلو ایسے جوگرز لے کر آیا تھا جنہیں دیکھ کر حمین سکندر مچل گیا تھا۔

امامہ نے ان برانڈڈ سنیکرز کی خواہش کو رد کر دیا تھا کیوں کہ چند ہفتے پہلے حمین نے نئے اسنیکرز لیے تھے اور جب تک وہ پرانے نہ ہو جاتے ایک اور جوڑے کے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ حمین سکندر ہر روز اسپورٹس آور زمیں اپنے اس کلاس فیلو کے سنیکرز دیکھتا اور انہیں حاصل کرنے کے طریقے سوچتا رہتا۔ اس نے ان سنیکرز کو "بارٹر ٹریڈ" کے ذریعے حاصل کرنے کی کوششوں کا آغاز کیا تھا۔

"کوئی ایسی چیز جس کے بدلے میں وہ کلاس فیلو ان اسنیکرز کو حمین کو دے دیتا۔" اس کا وہ کلاس فیلو حمین سکندر کے اتنے ڈائریکٹ سوال پر کچھ گڑبڑا ہی گیا تھا۔ ایسی پیش کش اور اس کے سنیکرز کو ایسا خراج تحسین کسی نے پہلے کبھی پیش نہیں کیا تھا۔

اس نے کچھ تامل کے بعد حمین کو یہ بتایا تھا کہ وہ ایک اور کلاس فیلو کی گھڑی کو بہت پسند کرتا تھا اور اگر اسے وہ مل جاتی تو وہ اس کے بدلے وہ اسنیکرز دے سکتا تھا۔ جس کلاس فیلو کی گھڑی اس نے مانگی تھی اسے اپنی کلاس کے ایک دوسرے کلاس فیلو کی سائیکل میں بے حد دلچسپی تھی اور اس سائیکل والے کو ایک اور کلاس فیلو کے بیگ میں۔۔۔ یہ سلسلہ چلتے چلتے حمین سکندر کے پاس موجود ایک کی بورڈ تک آیا تھا جو وہ کبھی کبھار اسکول لے جا کر بجاتا تھا اور حمین سکندر نے فوری طور پر اس کی بورڈ کے بدلے وہ اسنیکرز حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور پھر نہ صرف یہ فیصلہ کیا تھا بلکہ دوسرے دن اس کو عملی جامہ بھی پہنا دیا تھا۔۔۔ بزنس کا پہلا اصول موثر اسٹریٹجی اور دوسرا وقت پر صحیح استعمال۔

سالار سکندر کے منہ سے دن رات سننے والے الفاظ کو اس کے نو سالہ بیٹے نے کس قدر مہارت سے استعمال کیا تھا۔ یہ اگر سالار سکندر دیکھ لیتا تو وہ اش اش کر اٹھتا۔

حمین سکندر کی کلاس کے بارہ افراد نے اگلے دن اسکول گراؤنڈ میں اپنی پسندیدہ ترین چیز کے حصول کے لیے اپنی کم فیورٹ چیز کا تبادلہ کیا تھا اور تبادلے کی اس چین کے ذریعے حمین سکندر وہ اسنیکرز حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اس کا دل خوشی سے بلیوں اچھل رہا تھا اور یہی حال ان دوسرے گیارہ بچوں کا بھی تھا جو خوشی اور بے یقینی کے عالم میں اپنی اپنی پسندیدہ ترین چیز کو دیکھ رہے تھے۔ جو بے حد آسانی سے دوسروں سے ان کے پاس آ گئی تھی۔

کلائنٹس کا اطمینان کاروبار کا تیسرا اصول تھا اور نو سال کی عمر میں سالار سکندر کے اس بیٹے نے یہ تینوں چیزیں مدنظر رکھی تھیں۔ وہ اس وقت گیارہ مسرور کسٹمرز کے درمیان راجہ اندر بنا کھڑا تھا جو سب اس کا شکریہ ادا کرتے نہیں تھک رہے تھے۔

اس دن حمین سکندر نے اسپورٹس آور میں ان نئے اسنیکرز کے ساتھ پریکٹس کی تھی اور سب سے پہلے جس نے اس کے وہ اسنیکرز دیکھے تھے وہ رئیسہ تھی، جسے اس نے پیٹر ٹاؤن سیڈ کے وہ اسنیکرز اس وقت بھی دکھائے تھے جب اس کا ان پر دل آ گیا تھا اور جب اس نے گھر میں امامہ سے ان کی فرمائش کی تھی اور اس نے تب بھی ان اسنیکرز کے بارے میں بتایا تھا اسے جن کے حصول کے لیے وہ ایک "بزنس پلان" بنا رہا تھا۔ اس کا وہ بزنس پلان سات سالہ رئیسہ کے سر کے اوپر سے گزرا تھا لیکن اسے اگر ایک واحد احساس ہوا تھا تو وہ یہ کہ کسی بھی دوسرے کی چیز کسی بھی طرح لینا شاید مناسب نہیں تھا لیکن حمین سکندر کے پاس اس کا جواب تھا اور صرف جواب نہیں، بے حد مطمئن کر دینے والا جواب۔

اب چار دن کے بعد رئیسہ وہ اسٹیکرز حمین کے پیروں میں دیکھ رہی تھی اور وہ اسے بے حد فاتحانہ انداز میں بتا رہا تھا کہ اس نے یہ بارٹر ڈیل کن گیارہ کلاس فیلوز کے تعاون سے سرانجام دی۔

"اور اگر ان میں سے کسی نے اپنی کوئی چیز واپس مانگ لی تو؟"
رئیسہ نے اس کی ساری گفتگو سننے کے بعد اپنے ذہن میں ابھرنے والے پہلے خدشے کا اظہار اس سے کیا۔
"ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا۔" حمین نے بے حد پُراعتماد انداز میں کہا۔
"کیوں؟" حمین نے اس کی "کیوں" کے جواب میں اپنی جیب سے ایک کانٹریکٹ نکال کر اسے دکھایا جس پر حمین سمیت بارہ لوگوں کے دستخط تھے اور اس کانٹریکٹ پر اس لین دین کے حوالے سے شرائط و ضوابط درج تھے جس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ ایک دفعہ چیزوں کا تبادلہ ہونے کے بعد وہ واپس نہیں ہو سکتی تھیں۔
وہ رئیسہ کو ساری شرائط پڑھ کر سنا رہا تھا جس کی بنیاد پر وہ بزنس ڈیل ہوئی تھی۔ رئیسہ خاموشی سے سنتی رہی پھر اس نے کہا۔
"اگر بابا ممی نے تمہارے اسٹیکرز دیکھ لیے تو؟"
حمین نے اس کے سوال پر اپنا سر کھجاتے ہوئے کہا۔
"Now that's a tricky part" (اب یہی ایک الجھن ہے۔)
وہ اپنا کانٹریکٹ تہہ کرتے ہوئے اپنا سر مسلسل کھجا رہا تھا۔ "میں ان کو یہ اسٹیکرز نہیں دکھاؤں گا نہ ان کے سامنے پہنوں گا اور نہ ہی تم انہیں بتاؤ گی۔"
حمین نے سر کھجانا بند کرتے ہوئے اس سے کہا تھا۔
"ہم ان سے جھوٹ بولیں گے؟" رئیسہ کو یہ صورت حال کوئی اتنی مناسب نہیں لگی تھی۔
"بالکل نہیں" حمین نے بے ساختہ کہا۔ "بھلا جھوٹ کیوں بولیں گے ہم.... ہم بس انہیں بتائیں گے ہی نہیں۔" اس نے بات کو لپیٹا۔
"کیوں؟" رئیسہ اب بھی مطمئن نہیں ہوئی تھی۔ "پیرنٹس بہت سی باتوں کو نہیں سمجھتے۔" حمین نے جیسے کسی بزرگ کی طرح فلاسفی جھاڑی۔ "اس لیے انہیں سب کچھ بتانا ضروری نہیں ہوتا۔ پھر میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔ میں نے بزنس کیا ہے۔ ہم سب نے اپنی مرضی سے ساری چیزوں کا ایکسچینج کیا ہے تو اگر ممی بابا کو پتا نہ بھی چلے تو بھی کوئی بات نہیں۔"
حمین نے اس سے کہا تھا۔ رئیسہ مطمئن ہوئی یا نہیں۔ وہ خاموش ہو گئی تھی۔ وہ حمین کا "راز" تھا اور وہ اسے کسی سے شیئر نہیں کر سکتی تھی۔
وہ بس پہلا اور آخری موقع تھا جب ان دونوں کے درمیان اس حوالے سے لمبی چوڑی بات چیت ہوئی تھی۔ رئیسہ کا خیال تھا، وہ بس پہلی اور آخری بزنس ڈیل تھی، جو حمین نے کی تھی اور وہ اس کے بعد ایسا کچھ کرنے والا نہیں تھا۔ حمین کا اپنا خیال بھی یہی تھا لیکن اس بزنس ڈیل کے صرف ایک ہفتے کے بعد ان گیارہ لوگوں میں سے ایک اور لڑکا اس کے پاس آن موجود ہوا تھا۔ اس بار اسے کلاس کے ہی ایک لڑکے کے گلاسز چاہیے تھے اور وہ حمین کے ذریعے یہ ڈیل کروانا چاہتا تھا اور اس ڈیل کے بدلے وہ حمین کو پانچ ڈالرز دینے پر تیار تھا۔ وہ رقم بڑی نہیں تھی لیکن حمین اس ترغیب کے سامنے ٹھہر نہیں سکا۔ ایک بار پھر اس نے ایک پوری بارٹر چین کے ذریعے وہ برانڈڈ سن گلاسز اپنے کلائنٹ کو ڈیلیور کر دیے تھے اور پانچ ڈالرز کما لیے تھے۔ یہ اس کی زندگی کی پہلی کمائی تھی اور رئیسہ کو اس بارے میں بھی پتا تھا۔

وہ اس بار بھی خوش نہ تھی لیکن حمین کو اس بار بھی اس بزنس ڈیل کے نتیجے میں ہونے والی آمدنی کے حوالے سے کوئی شرمندگی نہیں تھی اور پھر یہ بزنس اس کی اپنی کلاس سے نکل کر اسکول میں پھیل گیا تھا۔ اسکول میں سب کو یہ پسند تھا۔ اسکول میں چند مہینوں میں سب کو یہ پتا تھا کہ اگر کسی کو اسکول میں کسی دوسرے بچے کی کوئی چیز پسند آجائے تو اس کے حصول کے لیے حمین سکندر واحد نام تھا جس کی خدمات وہ حاصل کر سکتے تھے۔ حمین سکندر کو خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ کیا کرنے جا رہا تھا۔ جب سنیکرز کے ایک جوڑے کے لیے اس نے اس بزنس کا آغاز کیا تھا۔ تین ماہ کے عرصہ میں حمین نے اس بزنس سے تقریباً "175 ڈالرز کمائے تھے اور یہ 175 ڈالرز ان چند اشیاء کے علاوہ تھے جو اس نے بارٹر چین کے دوران اپنے لیے حاصل کی تھیں اور رئیسہ اس کے ہر لین دین سے واقف بھی تھی اور ہر گزرتے دن کے ساتھ وہ زیادہ پریشان بھی ہو رہی تھی۔

حمین سکندر کے پاس اب پیسے تھے جو اس نے ممی یا بابا سے نہیں لیے تھے۔ اور حمین کے پاس اب کچھ ایسی چیزیں تھیں جو اس کی ملکیت بنی تھیں کسی اور کی تھیں یہ اس کے لیے بہت پریشان کن بات تھی۔ حمین سکندر کی ساری توجیہات سننے کے باوجود رئیسہ مطمئن نہیں ہوئی تھی نہ وہ اس "بزنس" کو ہضم کر پا رہی تھی جس کا پتا اس کے والدین کو نہیں تھا اور نہ ہی وہ حمین کے پاس آنے والی دوسری چیزوں کو۔۔۔ اور ایک مہنگے گیم کے تبادلے کے بعد پہلی بار رئیسہ نے فیصلہ کیا تھا کہ اسے اب اس بزنس کے بارے میں اپنے والدین کو بتا دینا چاہیے۔ اس سے پہلے کہ حمین کسی مشکل کا شکار ہو جائے۔۔۔ لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔

سالار اور امامہ نے اسکول میں حمین سے زیادہ بات چیت نہیں کی تھی۔ سالار نے اس سے کہا تھا وہ اس مسئلے پر گھر میں بات کریں گے اور پھر وہ چلے گئے تھے لیکن حمین پریشان ہو گیا تھا۔ وہ اور رئیسہ ایک اسکول میں تھے۔ جبریل اور عنایہ دوسرے میں۔ اس لیے یہ راز صرف رئیسہ تک ہی رہا تھا اور نہ اسکول کے کسی اور بچے کے ذریعے یہ بات جبریل یا عنایہ تک بھی پہنچ جاتی۔

چھٹی کے وقت حمین نے رئیسہ کو اس صورت حال سے آگاہ کر دیا تھا جو اسے پیش آئی تھی۔ وہ بے حد پریشان ہو گئی تھی۔

"وارننگ لیٹر؟" اسے جیسے یقین نہیں آیا تھا کہ حمین کے ساتھ یہ ہو سکتا تھا۔ "میں نے تمہیں کتنی بار منع کیا تھا۔ لیکن تم نے بات نہ مانی۔"

مجھے توقع نہیں تھی کہ ایسا ہو جائے گا۔" وہ دونوں اسکول بس میں سوار ہونے کے بجائے اب اس مسئلے کو ڈسکس کرنے میں مصروف تھے۔

"بابا اور ممی بہت خفا ہوئے ہوں گے؟" رئیسہ نے اس سے پوچھا۔ "تمہیں بہت ڈانٹا کیا؟"

نہیں، یہاں تو نہیں ڈانٹا لیکن گھر جا کر ڈانٹیں گے۔۔۔ بابا نے کہا تھا۔۔۔ انہیں مجھ سے ضروری باتیں کرنی ہیں گھر جا کر۔" حمین کچھ فکر مند انداز میں کہہ رہا تھا۔

"وہ تمہیں اسکول سے نکال دیں گے کیا؟" رئیسہ کو تشویش ہوئی۔

"نہیں ایسا تو نہیں ہو گا بابا نے معذرت کی ان سے۔۔۔ اور وہ مان بھی گئے۔" حمین نے اسے بتایا۔

"کتنی بری بات ہے۔" رئیسہ کو اور افسوس ہوا۔ "بابا کو کتنا برا لگا ہو گا۔۔۔ وہ بہت شرمندہ ہو گئے ہوں گے اور ممی بھی ہو رہی ہوں گی۔

"مجھے پتا ہے۔" حمین کچھ خجل تھا۔ اپنے ماں باپ کو اس طرح پریشان اس نے بھی پہلی بار ہی دیکھا تھا اور وہ بھی اسکول کی ایڈمنسٹریشن کے سامنے۔۔۔ وہ اس کے لیے بھی کچھ اچھا منظر نہیں تھا۔

"تمہیں یہ نہیں کرنا چاہیے تھا حمین۔"

"جانتا ہوں لیکن اب کیا ہو گا؟" اس نے رئیسہ سے جیسے مشورہ لیا۔
اس کے پاس جب اپنے آپشنز ختم ہو جاتے تھے تو وہ رئیسہ کی رائے لیتا تھا۔۔۔ وہ رائے اس کی سمجھ میں آتی نہ آتی' وہ اس پر عمل کرتا نہ کرتا لیکن وہ بہت چھوٹی عمر سے ہر چیز کے بارے میں رئیسہ کی رائے پوچھنے کا عادی تھا۔ یہ رئیسہ کو بات کرنے پر اکسانے کے لیے ان سب بہن بھائیوں کی عادت تھی۔
"تمہیں بابا اور ممی سے سوری کر لینا چاہیے۔" رئیسہ نے اسے رائے دی۔ "جب کوئی غلط کام ہو جائے تو سب سے پہلے یہی کرنا چاہیے۔" رئیسہ نے پہلے مشورہ دیا پھر اپنے ماں باپ کی نصیحت دہرائی۔
"ایکسپوز تو میں پہلے ہی ہو چکا ہوں لیکن کیا ان کا غصہ ٹھنڈا ہو چکا ہو گا گھر پہنچنے تک؟" وہ کچھ محتاط انداز میں پوچھ رہا تھا۔
"میرا نہیں خیال کہ ایسا ہے۔" رئیسہ نے بالکل صحیح اندازہ لگایا تھا۔
"اچھا۔" حمین کو اس کے اندازے کے درست ہونے پر پورا یقین تھا کیوں کہ اس کی اپنی چھٹی حس بھی یہی کہہ رہی تھی لیکن اگر کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا تو وہ مسئلے کا حل تھا۔
امامہ اور سالار اس دن وہ وارننگ لیٹر لے کر گھر آ گئے تھے اب انہیں اس وارننگ لیٹر کا جواب دینا تھا۔
اسکول کی انتظامیہ حمین کی سابقہ اور موجودہ کارکردگی کی وجہ سے اسے اس پہلے بڑے "جرم" کے لیے درگزر کرنے پر تیار تھی لیکن وہ دونوں بے حد پریشان تھے۔ ان کی اولاد میں سے اگر کبھی کسی کی طرف سے انہیں چھوٹی موٹی شکایات آتی رہی تھیں تو وہ حمین ہی تھا۔ اس کے باوجود حمین نے کبھی کوئی ایسی شرارت نہیں کی تھی نہ ایسا کوئی کام کہ جس پر انہیں اس طرح اسکول بلا کر وارننگ لیٹر تھمایا جاتا اور پھر جو کام اس نے کیا تھا اس نے ان کا دماغ گھما کر رکھ دیا تھا۔ وہ اگر ان کے سامنے وہاں خود اعتراف نہ کر چکا ہوتا تو وہ کبھی یقین نہ کرتے کہ حمین "بزنس" ٹائپ کی کوئی چیز اسکول میں کر سکتا تھا اور پھر اس طرح کا بزنس۔۔۔ اس کو کیا ضرورت پیش آئی تھی اور اس کرنے کی "ٹیک" کیا تھی۔ وہ واقعی سمجھ نہیں پا رہے تھے۔
"جبریل اور عنایہ کو اس حوالے سے کچھ نہیں بتانا۔" سالار نے امامہ کو گھر ڈراپ کرتے ہوئے اس سے کہا تھا۔
"اور رئیسہ کو؟ اس سے بھی بات کرنی ہو گی۔" وہ بڑبڑایا تھا۔
اس دن اسکول سے واپسی پر حمین جتنا سنجیدہ تھا۔ اس سے زیادہ سنجیدہ امامہ تھی۔ ہر روز کی طرح پرجوش سلام کا جواب سلام سے ملا تھا نہ ہی ہمیشہ کی طرح وہ اس سے جا کر لپٹا تھا اور نہ ہی امامہ نے ایسی کوئی کوشش کی تھی اور یہ سرد مہری کا مظاہرہ صرف حمین کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔ رئیسہ کے ساتھ بھی ہوا تھا مگر امامہ نے انہیں کھانا کھلاتے ہوئے بھی کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔ وہ دونوں اب متفکر تھے۔ سالار گھر پر نہیں تھا اور حمین کو اندازہ تھا کہ اس کے گھر واپسی کے بعد وہ خاموشی جو گھر میں تھی قائم نہیں رہے گی۔



رات کے کھانے سے فارغ ہو کر سالار نے باقی بچوں کے اپنے کمرے میں جانے کے بعد حمین اور رئیسہ کو وہاں روک لیا تھا۔ وہ دونوں سالار کے سامنے صوفے پر بیٹھے نظریں جھکائے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہے تھے۔ کوئی اور موقع ہوتا تو حمین سے ایسی خاموشی اور سنجیدگی کی توقع کبھی نہیں کی جا سکتی تھی جس کا مظاہرہ وہ اب کر رہا تھا۔
"تمہیں یہ سب پتا تھا رئیسہ؟" سالار نے رئیسہ کو مخاطب کیا۔
اس نے سر اٹھایا۔ حمین کو دیکھا اور پھر کچھ شرمندہ انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "یس بابا!"

"اور تم حمین کے بارے میں مجھے یہی بتانا چاہتی تھیں؟" اس سوال پر اس بار حمین نے چونک کر رئیسہ کو دیکھا جس نے اس کی نظروں کو نظرانداز کرتے ہوئے ایک بار پھر سرہلایا تھا۔
"تم نے مجھے بہت مایوس کیا ہے۔" سالار نے جواباً" رئیسہ سے کہا۔

"بابا آئی ایم سوری۔" رئیسہ نے کچھ روہانسی ہو کر کہا۔
"یہ قابل معافی نہیں۔" انہوں نے جواباً" کہا۔
"بابا! اس میں رئیسہ کا کوئی قصور نہیں۔" حمین نے اس کی حمایت کرنے کی کوشش کی۔ سالار نے اسے ترشی سے جھڑک دیا۔
"شٹ اپ!" حمین اور رئیسہ دونوں گم صم ہو گئے تھے۔ انہوں نے سالار کے منہ سے اس طرح کے لفظ اور اس انداز میں ان کا اظہار پہلی بار دیکھا تھا۔
"تم اب یہاں سے جاؤ۔" سالار نے تحکمانہ انداز میں رئیسہ سے کہا جس کی آنکھیں اب آنسوؤں سے بھر رہی تھیں اور سالار کو اندازہ تھا وہ چند لمحوں میں رونا شروع کردے گی اور وہ فی الحال وہاں بیٹھ کر اسے بہلانا نہیں چاہتا تھا۔ رئیسہ چپ چاپ وہاں سے چلی گئی تھی۔ سٹنگ ایریا میں اب صرف وہی دونوں باپ بیٹا رہ گئے تھے۔
"تمہیں اسکول میں بزنس کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا؟" سالار نے اس سے بات چیت شروع کی۔
"نہیں۔" حمین نے بڑے محتاط انداز میں اس سے نظریں ملائے بغیر جواب دیا تھا۔
"پھر کس کام کے لیے بھیجا گیا تھا؟" سالار نے اس سے اگلا سوال کیا۔
"پڑھنے کے لیے۔" حمین کا سر اب بھی جھکا ہوا تھا۔
"اور تم یہ پڑھ رہے تھے؟" سالار نے بے حد خفگی سے اس سے کہا۔
"بابا! میں نے جو بھی کیا ہے' آپ کو بتا کر کیا ہے۔" حمین نے یک دم کہا۔
"کیا بتایا ہے تم نے بزنس کے بارے میں؟" اس نے مختصرا" کہا۔
اور اس وقت سالار کو کئی مہینے پہلے اپنی اور حمین سکندر کی وہ گفتگو یاد آئی تھی جب اس نے ایک رات بڑی سنجیدگی سے اس کے پاس آکر اس سے "بزنس" کے حوالے سے بات چیت کی تھی۔ وہ اس وقت اپنے کام میں مصروف تھا اور اس نے حمین کے ان سوالوں کو صرف اس تجسس کا حصہ سمجھا تھا جو اسے ہر چیز کے بارے میں ہوتا تھا۔
"بابا! اگر ہمیں کوئی چیز حاصل کرنی ہو تو کیسے کریں؟"
وہ سوال اتنا سادہ تھا کہ سالار حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ وہ اتنے سیدھے سوال نہیں کرتا تھا۔
"مثلا" "کیا حاصل کرنا ہو؟" اس نے جواباً" پوچھا تھا۔
"کچھ بھی... کوئی بھی ایسی چیز جو کسی دوسرے کے پاس ہو اور ہمیں اچھی لگے تو کیسے لیں؟"
"لینا ضروری ہے کیا؟" سالار نے اپنے لیپ ٹاپ پر کام کرتے ہوئے پوچھا۔
"بہت ضروری۔" اس نے بے حد مختصر جواب دیا۔
"محنت کرو اور وہ چیز خرید لو۔" یہ جواب دیتے ہوئے سالار کو اندازہ نہیں تھا' وہ اسے راستہ دکھا رہا تھا۔
"ہم" وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔ "یعنی بزنس کرنا پڑے گا؟" اس نے سالار سے پوچھا تھا۔
"ظاہر ہے۔" سالار نے جواب دیا۔
"اور بزنس کیسے کرتے ہیں؟" حمین نے جواباً" پوچھا۔
"بزنس' پلان بنا کر۔" وہ اپنے کام میں مصروف اس کے سوالوں کا جواب دیتا گیا' ان کی نوعیت یا مقصد کے

بارے میں غور کیے بغیر۔

"وہ کیسے بناتے ہیں؟"

"سب سے پہلے یہ طے کرتے ہیں کہ کیا بزنس کرنا ہے؟"

"اس کے بعد؟"

"اس کے بعد اس کے لیے انویسٹمنٹ (سرمایہ) چاہیے۔"

"اگر وہ نہ ہو تو۔" حمین نے پوچھا۔

"تو پھر کوئی ایسی اسٹریٹیجی ہونی چاہیے جس سے کسی پارٹنر کو آن بورڈ لا کر انویسٹمنٹ کی کمی پوری کی جا سکے۔"

"اوکے۔ تو بزنس اسٹریٹیجی ہونی چاہیے اور اس کے بعد پارٹنرز... پھر؟" وہ بے حد متجسس ہو رہا تھا۔

"پھر effective implementation جو پلان کیا ہو اس پر اچھی طرح سے عمل درآمد کیا جائے... اور وقت پر" وہ ایک بزنس پلان کو جتنی سادگی سے اسے سمجھا سکتا تھا' اسے سمجھا رہا تھا۔

"اور سب سے آخر میں کلائنٹ کو مطمئن کرنا... تاکہ آپ کو اور کلائنٹس ملتے رہیں۔"

"اوکے۔" حمین نے یہ اصول بھی سمجھ لیا تھا۔ اس کے باپ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس سے جو کچھ پوچھ رہا ہے اس کا استعمال وہ کس طرح اور کہاں کرے گا۔

سالار بہت دیر تک اپنے اس نو سالہ ہم شکل کو دیکھتا رہا جس کے چہرے کی معصومیت سے اب بھی یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہ کبھی کوئی غلط کام کر سکتا تھا۔

"میں ناخوش ہوں۔" سالار نے اس سے کہا۔

"آئی ایم سوری۔" جواب تڑ سے آیا تھا لیکن سالار کو احساس تھا اس معذرت میں شرمندگی نہیں تھی۔ اعتماد اور قابلیت ہر وقت پسند نہیں آتی۔ سالار کے ساتھ بھی اس وقت وہاں بیٹھے یہی ہو رہا تھا۔

"تمہیں یہ سب کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟"

حمین نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا۔ پھر اس نے باپ کو اسنیکرز کے جوڑے کی وجہ سے اسٹارٹ کیے جانے والے اس بزنس وینچر کی تفصیلات بتانا شروع کر دیں...

سالار ٹوکے بغیر اس کی گفتگو سنتا رہا... حمین نے کچھ بھی نہیں چھپایا تھا... اسکول میں ماں باپ کی اپنی وجہ سے ہونے والی شرمندگی دیکھنے کے بعد اس نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ وہ انہیں سب کچھ بتا دے گا' اب کوئی جھوٹ نہیں بولے گا۔

جب وہ خاموش ہوا تو سالار نے اس سے پوچھا "وہ کانٹریکٹس کہاں ہیں جو تم نے ان سب سے سائن کروائے ہیں؟"

حمین وہاں سے اٹھ کر کمرے میں گیا اور کچھ دیر بعد ایک فائل لے کر واپس آیا۔ اس نے وہ فائل سالار کی طرف بڑھا دی تھی۔ سالار نے فائل کھول کر اس کے اندر موجود معاہدے کی شقوں پر نظر ڈالی' پھر حمین سے پوچھا۔

"یہ کس نے لکھی ہیں؟"

"میں نے خود۔" اس نے جواب دیا۔ سالار اس معاہدے کو پڑھنے لگا۔ ایک نو سالہ بچے نے اس معاہدے میں اپنے ذہن میں آنے والی ہر اس شق کو شامل کیا تھا جو اسے ضروری لگی تھی یا جو اس نے کہیں دیکھی ہو گی۔

سالار متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ معاہدے کی صرف زبان بچکانہ تھی' لیکن شقیں نہیں... حمین نے اس

معاہدے کے ذریعہ اپنے آپ کو مکمل طور پر محفوظ کرلیا تھا۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ وہ بچوں کے ساتھ ڈیلنگ کر رہا تھا اور اسے بچوں کی نفسیات کا اندازہ نہیں تھا کہ وہ بدلتے موڈ کے تابع ہوتے ہیں' معاہدوں کے نہیں۔
سالار نے فائل بند کی پھر اس سے پوچھا "اور جو رقم تم نے ان سب لوگوں سے لی ہے' وہ کہاں ہے؟"

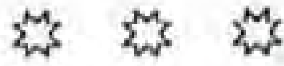
"میرے پاس۔" حمین نے جواب دیا
"کچھ خرچ کی؟" سالار نے پوچھا
"نہیں" اس نے کہا۔
پھر سالار نے سرہلایا' پھر فائل اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے اس سے کہا۔ "اب تم ایک اور لیٹر لکھو گے جس میں تم اپنے ان سب کلائنٹس سے معذرت کرو گے اور انہیں ان کی رقم اور وہ چیزیں لوٹاؤ گے جو تمہارے پاس ہیں... اس کے بعد تم وہ ساری چیزیں ان سب لوگوں تک واپس پہنچاؤ گے جو تم نے ایکسچینج کی ہیں۔" حمین چند لمحوں تک ساکت رہا پھر اس نے سرہلایا۔
"اوکے... اور میں یہ کیسے کروں؟" اس نے سالار سے کہا۔
"تم ایک بزنس مین ہو... تمہیں اگر وہ بزنس کرنا آتا تھا تو یہ بھی آنا چاہیے۔" سالار اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "اور پھر جب تم یہ کام ختم کرلو گے تو ہم دوبارہ بات کریں گے... تمہارے پاس ایک ہفتہ ہے۔"
حمین نے جاتے ہوئے باپ کی پشت دیکھی' جو وہ اسے کرنے کا کہہ کر گیا تھا' وہ اس کے لیے بے حد شرمندہ کرنے والا کام تھا... ہر بچے کے پاس جاکر معذرت کرکے اس کے پیسے واپس کرنا مشکل نہیں تھا... اسے پتا تھا ہر بچہ بے حد خوشی خوشی اپنے پیسے واپس لے لے گا... لیکن مسئلہ اصل چیز اصل مالک کو پہنچانا تھا... اسے گھر بیٹھے ہی یہ اندازہ تھا کہ کوئی بچہ بھی خوشی خوشی اسے وہ چیز واپس نہیں کرے گا جو وہ اس بارٹر ڈیل کے ذریعہ حاصل کرچکا تھا اور پھر ضروری نہیں کہ ہر بچے نے وہ چیز صحیح حالت میں رکھی ہو... خود اس کے پاس موجود دوسرے بچے کے اسٹیکرز بھی اب کھیل کھیل کر پرانے ہو گئے تھے' اسے وہاں بیٹھے بیٹھے اندازہ ہو رہا تھا' باپ اسے کس پریشانی میں ڈال گیا تھا۔
"تم نے بابا سے میرے بارے میں کیوں بات کی تھی؟" حمین نے اگلی صبح اسکول بس میں رئیسہ سے پوچھا۔
"میں نے کچھ بتایا تو نہیں" "لیکن میں تمہارے لیے پریشان تھی" رئیسہ نے جواباً" اس سے کہا۔
"اگر تم بتا دیتیں تو میں تم سے کبھی بات نہیں کرتا۔" حمین نے اس سے کہا۔
"بابا نے تمہیں معاف کردیا؟" رئیسہ کو جس بات کی پریشانی تھی اس نے اس سے وہ سوال کیا۔
"بابا نے مجھ سے کہا ہے' میں سب کی چیزیں اور پیسے واپس کروں پھر وہ مجھ سے دوبارہ بات کریں گے۔"
حمین سنجیدہ اور کچھ پریشان لگا رئیسہ کو۔
"کیا میں تمہاری ہیلپ کر سکتی ہوں؟" اس نے حمین کو آفر کی۔
"نہیں میں مینیج کرلوں گا۔" اس نے جواباً" کہا۔



اس "بزنس" کا وہ اگلا تجربہ حمین سکندر کی زندگی کا سب سے سبق آموز تجربہ تھا۔ ایک اسٹار اسٹوڈنٹ کے طور پر اسکول کے بچوں کو اپنی پسندیدہ چیز لینے کی ترغیب دینا اور پھر اس حد تک انہیں للچا دینا کہ وہ آنکھیں بند کر کے اپنی پسندیدہ چیز کے پیچھے چل پڑیں... الگ بات تھی لیکن اپنی پسندیدہ چیز کو واپس دے دینا خوشی خوشی... علیحدہ معاملہ تھا... چیز واپس دینے کا کہنے والا حمین سکندر ہوتا یا کوئی اور' ان کو فرق نہیں پڑتا تھا۔

وہ مطمئن اور خوش کلائنٹس جنہوں نے حمین سکندر کا دماغ ساتویں آسمان پر پہنچایا تھا وہ اسی طرح اسے کھینچ کر واپس بھی لے آئے۔۔۔ وہ ایک ہفتے کے بجائے ایک دن میں وہ کام سرانجام دے دینا چاہتا تھا لیکن اگلے ہی دن اسے پتا چل گیا تھا کہ سالار سکندر نے اس کام کے لیے اسے ایک ہفتہ کیوں دیا تھا' ایک دن کیوں نہیں۔

حمین سکندر اگلے دن اسکول میں اس بزنس کے ذریعے ہونے والے بزنس معاہدوں کو ختم کرنے میں پہلی بار اسکول کے سب سے ناپسندیدہ اسٹوڈنٹ کے درجہ پر فائز ہو رہا تھا۔ کامیابی انسان کو ایک سبق سکھاتی ہے۔۔۔ ناکامی دس۔۔۔ لیکن حمین سکندر نے پندرہ سیکھے تھے۔



"بابا! آئی ایم سوری!" گاڑی سے اترتے ہوئے سالار کو دیکھ کر لپکتی ہوئی اس کے پاس آئی تھی' رئیسہ سائیکل چلا رہی تھی۔۔۔ وہ رئیسہ کی پہلی غلطی تھی جس پر سالار کو اسے ڈانٹنا پڑا تھا اور رئیسہ پچھلی رات سے یہ بات ہضم نہیں کر پا رہی تھی۔

گاڑی کا دروازہ کھولے سیٹ پر بیٹھے بیٹھے سالار نے اپنی اس منہ بولی بیٹی کو دیکھا جو پروانوں کی طرح اپنے ماں باپ کے گرد منڈلاتی پھرتی تھی۔

"تمہیں پتا ہے تم نے کیا غلطی کی؟" سالار نے ایک دن کی خاموشی کے بعد اسے معاف کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"یس۔۔۔ مجھے آپ کو اور ممی کو سب کچھ بتانا چاہیے تھا۔" رئیسہ نے اپنے گلاسز ٹھیک کرتے ہوئے سر جھکا کر کہا

"اور؟" سالار نے مزید کریدا۔

"اور مجھے حمین کو سپورٹ نہیں کرنا چاہیے تھا۔۔۔ لیکن بابا میں نے اس کو سپورٹ کبھی نہیں کیا۔" رئیسہ نے پہلا جملہ کہتے ہی اس کی تصحیح کی۔

"تم نے خاموش رہ کر اسے سپورٹ کیا۔" سالار نے کہا۔

"بابا! میں نے اسے منع کیا تھا لیکن اس نے مجھے کنوینس کر لیا۔" رئیسہ نے اپنا مسئلہ اور وضاحت پیش کی۔۔۔

"اگر اس نے تمہیں کنوینس کر لیا تھا تو پھر تم مجھے کیوں بتانا چاہتی تھیں حمین کے بارے میں کچھ؟" اس بار رئیسہ نے جواب نہیں دیا' وہ سر جھکائے کھڑی رہی۔ سالار نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا اور کہا۔

"تم کنوینس نہیں ہوئی تھیں ۔۔۔ تمہارے دل میں تھا کہ حمین ٹھیک کام نہیں کر رہا۔"

رئیسہ نے سالار کی بات پر اسی طرح سر جھکائے جھکائے سر ہلایا۔

"یہ زیادہ بری بات تھی۔۔۔ تمہیں پتا تھا' وہ ایک غلط کام کر رہا ہے لیکن تم نے اسے کرنے دیا۔۔۔ چھپایا۔"

"وہ مجھ سے ناراض ہو جاتا بابا!" رئیسہ نے کہا۔

"تو کیا ہوتا؟" سالار نے اسی سنجیدگی سے کہا۔

"میں اسے ناراض نہیں کر سکتی۔" اس نے اس بار کچھ اور بے بسی سے کہا۔

"اس کی ناراضی اس سے بہتر تھی' جتنی پریشانی وہ اب اٹھائے گا۔۔۔ تمہیں اندازہ ہے اسکول میں کتنی شرمندگی اٹھانی پڑے گی اب اسے۔"

رئیسہ نے ایک بار پھر سر ہلا دیا۔

"وہ تمہارا بھائی ہے.... دوست ہے.... تم اس سے بہت پیار کرتی ہو.... میں جانتا ہوں لیکن اگر کوئی ہمیں عزیز ہو تو اس کی غلطی ہمیں عزیز نہیں ہونی چاہیے۔" وہ اب اسے جتنے آسان اور سادہ لفظوں میں سمجھانے کی کوشش کر سکتا تھا' کر رہا تھا۔ وہ سر ہلاتے ہوئے سن رہی تھی اور ذہن نشین کر رہی تھی۔

سالار خاموش ہوا تو رئیسہ نے سر اٹھا کر اس سے پوچھا۔

"کیا میں اب بھی آپ کو اچھی لگتی ہوں بابا؟" سالار نے اس کے گرد بازو پھیلا کر اسے اپنے سینے سے لگاتے ہوئے اس کا سر چوما۔

"یس۔"

رئیسہ کھل اٹھی.... وہ ایسی ہی تھی' چھوٹی سی بات پر پریشان ہونے والی.... چھوٹی سی بات پر خوش ہو جانے والی۔ رئیسہ اب گاڑی کی پچھلی سیٹ سے اس کا بریف کیس نکالنے لگی تھی۔



عنایہ نے ایرک کو کھڑکی سے دیکھا تھا اور وہ اسے دیکھتی ہی رہ گئی تھی۔ وہ ایک چھٹی کا دن تھا اور وہ سٹنگ ایریا کی کھڑکی میں پڑے کچھ چھوٹے ان ڈور پلانٹس کو تھوڑی دیر پہلے کچن سنک سے پانی دے کر لائی تھی اور اب انہیں کھڑکی میں رکھ رہی تھی جب اس نے ایرک کو گھر سے نکلتے دیکھا تھا اور وہ ہل نہیں سکی تھی اور ایرک کو اس طرح دیکھنے والی وہ اکیلی نہیں تھی.... وہ اب کالونی کے اس روڈ کے فٹ پاتھ پر آچکا تھا جو ان گھروں کے بیچ گھومتی گھامتی انہیں ایک دوسرے سے جوڑے ہوئے تھی.... اور اس سڑک سے اکا دکا گزرنے والی گاڑیاں اور فٹ پاتھ پر اپنے کتوں اور بلیوں کو ٹہلانے والے افراد میں سے کوئی ایسا نہیں تھا جو ایرک کو نہ دیکھ رہا ہو۔

"عنایہ!" کچن میں کام کرتی امامہ نے اسے اتنی دیر کھڑکی سے باہر جھانکتے دیکھ کر پکارا تھا۔ عنایہ اس قدر مگن تھی کہ اسے ماں کی آواز سنائی نہیں دی تھی' امامہ کچن ایریا سے خود بھی سٹنگ ایریا کی اس کھڑکی کے سامنے آگئی جس سے عنایہ باہر دیکھ رہی تھی اور کھڑکی سے باہر نظر آنے والے منظر نے اسے بھی عنایہ ہی کی طرح منجمد کیا تھا۔

ایرک ایک کیکڑے کی طرح اپنے چاروں ہاتھوں اور پیروں پر چل رہا تھا۔ وہ چوپائے کی طرح نہیں چل رہا تھا' وہ اپنی پشت کے بل چل رہا تھا.... اپنا پیٹ اونچا کیے.... اپنے دونوں ہاتھوں کے بل اپنے اوپری دھڑ کو اٹھائے.... اپنی ٹانگیں گھٹنوں کے بل اٹھائے.... وہ بڑی دقت سے چل بلکہ رینگ رہا تھا لیکن رکے بغیر بے حد اطمینان سے وہ اس طرح ادھر سے ادھر جاتے ہوئے چہل قدمی میں مصروف تھا جیسے یہ اس کے چلنے کا نارمل طریقہ تھا.... وہ جب تھک جاتا' بیٹھ کر تھوڑی دیر سانس لیتا پھر اسی طرح چلنا شروع کر دیتا۔

"یہ کیا کر رہا ہے؟" عنایہ نے اب کچھ پریشان ہو کر امامہ سے پوچھا تھا جو خود بھی اسی کی طرح ہکا بکا اسے دیکھ رہی تھی۔

"پتا نہیں۔"

"کیا یہ چل نہیں سکتا؟" عنایہ کو تشویش ہوئی تھی۔

"پتا نہیں۔" امامہ اور کیا جواب دیتی۔

"جبریل! تم ذرا جا کر اسے اندر لے کر آؤ۔"

جبریل اوپر والی منزل سے سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ جب امامہ نے اس کے قدموں کی آواز پر پلٹ کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیسے؟" جبریل نے جواباً" کھڑکی کے پاس آتے ہوئے کہا اور امامہ کو اس کے سوال کا جواب دینے کی ضرورت نہیں پڑی۔ اس نے ایرک کو دیکھ لیا تھا' پھر وہ رکے بغیر باہر نکل آیا۔ ایرک اسی طرح ان کے گھر کے سامنے کیکڑا بنا ادھر سے ادھر جارہا تھا' لیکن وہ رکا نہیں تھا۔ اسی طرح اسے نظر انداز کرتے ہوئے چلتا رہا۔

"ہیلو..." جبریل نے ایرک کے ساتھ ٹہلتے ہوئے اس سے کہا۔ اس کی سرخ ہوتی رنگت' پھولا ہوا سانس اور ماتھے پر چمکتے پسینے کے قطروں سے اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ تھک چکا ہے۔ لیکن اس کے باوجود صرف لوگوں کی توجہ حاصل کیے رکھنے کے لیے خود پر ظلم کر رہا تھا۔

"ہیلو!" اس نے بھی جبریل کی ہیلو کا جواب اتنے ہی پرجوش' لیکن تھکے ہوئے انداز میں دیا تھا۔

"یہ کوئی نئی ایکسرسائز ہے؟" جبریل نے اس کے ساتھ ہلکے قدموں سے چلتے ہوئے کہا۔

"نہیں..." ایرک کا جواب آیا۔

"پھر...؟"

"میں کیکڑا ہوں... اور کیکڑے ایسے ہی چلتے ہیں۔" ایرک نے اس بار اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"اوہ آئی سی..." جبریل نے بے اختیار کہا۔ "اور یہ تبدیلی کب آئی؟ آخری بار جب میں نے تمہیں دیکھا تھا تو تم انسان تھے۔" جبریل اس سے یوں بات کر رہا تھا جیسے اسے اس کی بات پر یقین آ گیا۔

"آج رات..." ایرک نے پھولے ہوئے سانس کے ساتھ کہا۔

"اوہ!... کیکڑے اکثر رک کر آرام بھی کرتے ہیں' تم نہیں کرو گے۔" جبریل نے بالآخر اسے مشورہ دینے والے انداز میں کہا۔

ایرک کے لیے جیسے تنکے کو سہارا والی بات ہوئی تھی۔ وہ ڈھے جانے والے انداز میں فٹ پاتھ پر چت لیٹتے ہوئے بولا۔

"اوہ یس... میں بھول گیا تھا۔ اچھا ہوا تم نے یاد دلا دیا۔" اس نے جبریل کے قدموں میں لیٹے لیٹے کہا۔

"ڈونٹ مائنڈ' کیکڑے اتنی ایفرٹ کرنے کے بعد کھاتے پیتے بھی ہیں۔" جبریل نے جیسے اسے اگلی بات یاد دلائی۔

"آہاں... مجھے بھی کھانے کو کچھ چاہیے۔" ایرک کی بھوک واقعی اس کی بات سے چمکی۔ اس کے بازو اور کمر اس وقت تقریباً" شل ہو رہی تھی۔

"ہمارے گھر میں کیکڑوں کی کچھ خوراک ہے' اگر تمہیں انٹرسٹ ہو تو تم جا کے کھا سکتے ہو۔" جبریل نے بالآخر اس سے کہا۔

وہ سیدھا سیدھا اسے آکر امامہ کا پیغام بھی دے سکتا تھا' لیکن انہیں ایرک کا پتا نہیں چلتا تھا کہ وہ کس موڈ میں ہوتا اور کیا جواب دیتا۔

"مجھے سوچنے دو۔" ایرک سوچ میں پڑا۔ جبریل نے سر اٹھا کر اس کھڑکی کی طرف دیکھا جہاں سے اسے امامہ اور عنایہ نظر آ رہی تھیں۔

"لیکن مجبوری والی کوئی بات نہیں۔ اگر تم نہیں آنا چاہتے تو بھی ٹھیک ہے۔" جبریل نے کہتے ہوئے قدم آگے بڑھائے۔

ایرک ایک دم اسی طرح کیکڑا بنے اس کے ساتھ چلنے لگا۔ جبریل رکا اور اس نے بڑی شائستگی سے اس سے کہا۔

"مجھے اچھا لگے گا۔ اگر تم کچھ دیر کے لیے دوبارہ انسان بن جاؤ۔ میری بہن اور ممی کیکڑوں سے بہت ڈرتی ہیں۔۔۔ اور ان کے ڈر کو ختم کرنے کے لیے ہمیں ہر وہ کیکڑا مارنا پڑتا ہے، جو ہمیں نظر آجائے۔"

اس نے مذاق کی بات سنجیدگی سے کہی تھی اور ایرک نے بخوبی سمجھ لیا تھا کہ وہ اس سے کیا چاہتا ہے۔ وہ رکا، بیٹھا، پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

جبریل کے ساتھ گھر میں داخل ہوتے ہوئے اس نے امامہ اور عنایہ کی حیران نظریں محسوس کر لی تھیں، مگر پھر بھی وہ مطمئن تھا۔

"ایرک! تم کیا کر رہے تھے باہر؟" اس کے اندر آتے ہی عنایہ نے اس سے سب سے پہلے پوچھا تھا۔۔۔ وہ جواباً صرف مسکرایا تھا۔ فاتحانہ انداز میں۔۔۔ یوں جیسے، جو وہ چاہتا تھا حاصل کر لیا ہو۔

"یہ ایرک نہیں ہے ایک کیکڑا ہے۔" جبریل نے اس کا تعارف کروایا "اور اسے اچھے لگے گا اگر اس کو اس نام سے ہی پکارا جائے۔"

اس نے جبریل کے تعارف کو بھی نظرانداز کر دیا تھا۔ وہ سیدھا کچن کاؤنٹر کے قریب پڑے ایک اسٹول پر جا کر بیٹھ گیا تھا۔

"تم اتنے دن سے آئے کیوں نہیں؟" امامہ نے بات کا موضوع بدلنے کی کوشش کی۔ اسے اندازہ تھا۔۔۔ صرف اسے نہیں ان تینوں کو۔۔۔ کہ وہ ان کے گھر کے باہر کیکڑا بن کر چہل قدمی کیوں کر رہا تھا۔

"میں مصروف تھا۔" ایرک نے مختصر جواب دیا۔ وہ اب اپنے بازو اور کلائیاں دبا رہا تھا۔

جبریل اور عنایہ نے نظروں کا تبادلہ کیا اور اپنی ہنسی کو روکا۔ انہیں اندازہ تھا ایک کیکڑا بن کر پندرہ بیس منٹ چہل قدمی کا نتیجہ اب کیا نکلنے والا ہے۔

"تم بعض دفعہ بے حد احمقانہ حرکتیں کرتے ہو۔" عنایہ نے اس سے کہا۔

"تم واقعی ایسا سمجھتی ہو؟" ایرک اس کے تبصرے پر جیسے کچھ مضطرب ہوا۔

"ہاں بالکل۔"

ایرک کے چہرے پر اب کچھ مایوسی آئی۔

"اگر تم ہمارے گھر کے اندر آنا چاہتے تھے تو اس کا سیدھا راستہ دروازے پر دستک دے کر اجازت مانگنا ہے۔۔۔ کیکڑا بن کر ہمارے گھر کے سامنے پھرنا نہیں۔۔۔ یا تم یہ چاہتے تھے ہم خود تمہیں کھینچ کھینچ کر اندر بلائیں۔" عنایہ نے کچھ خفگی سے کہا۔

ایرک کا چہرہ سرخ ہوا۔۔۔ یہ شرمندگی تھی اس بات کی کہ وہ اس کی اس حرکت کی وجہ سمجھ گئے تھے۔

"مسز سالار مجھے پسند نہیں کرتیں۔" ایرک نے اس کی بات کے جواب میں امامہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ امامہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ اسے اندازہ نہیں تھا، پہلی بار اس کے سمجھانے کا اثر ایرک پر یہ ہو گا۔

"خیر، وہ تو ہم میں سے کوئی بھی نہیں کرتا۔ خاص طور پر میں But you are still welcome"

یہ جبریل تھا جس نے ماں کے جواب دینے سے پہلے جواب دیا تھا۔ وہ فریج سے ایک سوفٹ ڈرنک نکال رہا تھا۔

"میرے بھی تمہارے بارے میں ایسے ہی خیالات ہیں۔ ایرک نے اسے ٹکا توڑ جواب دیا تھا۔

"اوہ رئیلی۔" جبریل اب اسے زچ کر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا ایرک کو اس کی بات بُری لگی تھی۔

کہا۔

ایرک نے اسی طرح نروٹھے انداز میں بیٹھا رہا تھا لیکن وہ یہاں ان لوگوں کے پاس آ کر ایک بار پھر ویسے ہی

خوش اور پرسکون تھا جیسے ہمیشہ ہو جاتا تھا۔ ان کے گھر میں گرم جوشی تھی جو سب کے لیے تھی۔ ایرک بھی اس نرم سی گرماہٹ کو محسوس کر سکتا تھا۔ وہ اپنے اسٹول سے اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے امامہ سے کہا۔

"مسز سالار! میں فریج سے کوئی ڈرنک لے سکتا ہوں؟"

"نہیں' جو آخری تھا' وہ میں نے لے لیا لیکن تم یہ پی سکتے ہو۔" امامہ سے پہلے جبریل نے اس سے کہا اور اپنے ہاتھ میں پکڑا وہ کین' جس سے اس نے ابھی ایک دو گھونٹ لیے تھے' اس کے سامنے کچن کاؤنٹر پر رکھ دیا اور خود اندرونی کمرے کی طرف چلا گیا۔ عنایہ لاؤنج کی صفائی میں امامہ کی مدد کر رہی تھی۔ ایرک کچھ دیر دیکھتا رہا پھر اس نے کین اٹھا کر ایک ہی سانس میں اسے ختم کیا۔

"اگر مدد کی ضرورت ہو تو میں مدد کر سکتا ہوں۔" ایرک نے ان دونوں کو مختلف چیزیں ادھر سے ادھر اٹھا کر رکھتے دیکھ کر آفر کی۔

"تمہارے بازو اب دو دن تک کچھ بھی اٹھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ اس لیے آرام کرو' ہم خود ہی کرلیں گے ایرک۔" امامہ نے جواباً" اس سے کہا۔

"میرا نام ایرک نہیں ہے۔" ایرک نے بے حد سنجیدگی سے امامہ کو جواب دیا۔

"ہاں ہاں پتا ہے تمہارا نام اب crab (کیکڑا) ہے۔" عنایہ نے ہوور چلاتے ہوئے مذاق اڑانے والے انداز میں اس سے کہا۔

"میرا نام عبداللہ ہے۔" امامہ اور عنایہ نے بیک وقت پہلے اسے دیکھا پھر ایک دوسرے کو۔

"کیا مطلب؟" امامہ کچھ ہکا بکا سی رہ گئی تھی۔

"اب میرا نام ایرک نہیں عبداللہ ہے۔" ایرک نے اپنا جملہ اسی سنجیدگی سے دہرایا تھا۔

"کس نے بدلا ہے تمہارا نام؟" عنایہ بھی ماں کی طرح دنگ تھی۔

"میں نے خود۔" ایرک نے فخریہ انداز میں خالی کین ڈسٹ بن میں پھینکتے ہوئے کہا۔

"ایرک ایک بہت خوب صورت نام تھا۔" امامہ نے بے حد سنجیدگی سے اس سے کہا۔ "کیوں عنایہ؟" اس نے روانی میں عنایہ سے پوچھا۔

"عبداللہ زیادہ خوب صورت نام ہے ممی۔" عنایہ نے ماں کی تائید نہیں کی لیکن بڑے جتانے والے انداز میں بتایا کہ وہ "عبداللہ" سے کیا مفہوم لے رہی تھی۔۔۔ وہ اللہ کا نام تھا اور وہ امامہ سے ایرک کے سامنے یہ نہیں کہنا چاہتی تھی کہ اللہ کا نام سب سے خوب صورت ہوتا ہے۔

سالار اور امامہ نے امریکہ میں اپنے بچوں کو مذہب سے ناآشنا نہیں رکھا تھا اور ماں باپ سے بڑھ کر یہ کام جبریل کرتا تھا جو ان تینوں کو قرآن کی بہت ساری باتیں بتاتا تھا لیکن اپنے مذہب سے مکمل طور پر واقف ہونے اور باعمل ہونے کے باوجود ان دونوں نے اپنے بچوں کو اس معاشرے میں رہتے ہوئے مذہبی مباحث میں حصہ لینے سے ہمیشہ باز رکھا تھا۔ وہ مسلمان کے طور پر واضح شناخت رکھنے کے باوجود کسی بھی طرح کسی دوسرے مذہب سے تعلق رکھنے والے شخص کی دل آزاری کا باعث نہیں بنتے تھے۔ اپنے مذہب کو دوسروں کے لیے تکلیف پہنچانے کا ذریعہ بنا کر۔

"لیکن ایرک کو عبداللہ سے کی ضرورت کس لیے؟" امامہ کو اس کی بات سمجھ میں آگئی تھی۔ اس کے باوجود وہ ایرک سے کہے بغیر نہیں رہ سکی۔ وہ جس موضوع سے بچنا چاہتی تھی۔ بات آج پھر وہیں آگئی تھی۔

"کیوں ضرورت نہیں ہے؟" ایرک نے اسی انداز میں امامہ سے پوچھا۔ اس سوال کا جواب امامہ کے پاس

نہیں تھا۔
"تمہاری ممی کو پتا ہے کہ تم نے نام بدل لیا؟" عنایہ نے ماں کی مشکل سوال بدل کر آسان کی تھی۔
"ابھی نہیں پتا، لیکن میں بتادوں گا۔" ایرک نے اسی سہولت سے کہا۔
"اور یہ نام تم نے رکھا کیسے ہے؟" امامہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔
"انٹرنیٹ سے ڈھونڈا ہے۔" ایرک نے اطمینان سے کہا۔
"اس کا مطلب جانتے ہو؟" امامہ نے اگلا سوال کیا۔
"ہاں.... اللہ کا بندہ۔" اس نے امامہ کو ایک بار پھر لاجواب کیا تھا۔
"میں چاہتا ہوں کہ آپ سب اب مجھے عبداللہ کہا کریں۔" ایرک نے اگلا مطالبہ کیا۔
"اس سے کیا ہوگا؟" اس بار وہ امامہ کے سوال پر خاموش رہ گیا تھا۔ واقعی اس سے کیا ہو سکتا تھا۔
وہ کچھ دیر ایسے ہی کھڑا رہا۔ پھر کچھ کہے بغیر خاموشی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ امامہ کو عجیب سا قلق ہوا.... وہ کھڑکی کی طرف گئی اور باہر جھانکا۔ اس کا خیال تھا وہ ایک بار پھر کیکڑا بن کر فٹ پاتھ پر پھر رہا ہوگا لیکن وہ باہر نہیں تھا۔
"عبداللہ برا نہیں ہے۔" وہ عنایہ کی آواز پر کرنٹ کھا کر پلٹی تھی۔ وہ ایک بار پھر ہوور چلانے کے لیے تیار تھی لیکن وہ اب اداس تھی۔
"عنایہ! وہ ایرک ہے۔ صرف نام بدل لینے سے وہ عبداللہ نہیں ہو سکتا بیٹا۔" امامہ نے کہنا ضروری سمجھا تھا لیکن یہ جملہ کہتے ہوئے اسے اپنی آواز کی بازگشت نے عجیب انداز میں ہولایا تھا۔ عنایہ خاموش رہی تھی۔



سالار نے اس فائل میں لگے کاغذات کو باری باری دیکھا.... آخری کاغذ فائل میں رکھنے کے بعد اس نے سامنے بیٹھے حمین کو دیکھا۔ فائل بند کی اور اسے واپس تھمادی۔
"تو اس سارے تجربے سے تم نے کیا سیکھا؟"
"بہت ساری باتیں۔" حمین نے گہرا سانس لے کر کہا۔ سالار نے اپنی ہنسی بے اختیار چھپائی۔
"صرف دو باتیں بتادو۔"
"بچے اچھے کلائنٹس نہیں ہوتے۔" اس نے بے ساختہ کہا۔
"اور؟" سالار نے پوچھا۔
"بزنس آسان نہیں ہے۔" اس نے چند لمحے خاموش رہ کر سالار سے کہا۔
"درست۔" سالار نے تائید کی پھر اس سے کہا۔ "ہر وہ چیز جو اچھی لگے اور دوسرے کی ملکیت ہو ہماری زندگی کا مقصد نہیں ہو سکتی نہ ہی ہماری موسٹ فیورٹ چیز ہو سکتی ہے۔"
سالار نے اس کے بزنس سلوگن کو جان بوجھ کر دہرایا جو اس نے اس کے کانٹریکٹ میں پڑھا تھا۔ "اپنی پسندیدہ چیز حاصل کریں!" ایک لمحے کے لیے اس سلوگن نے اسے چکرا کر ہی رکھ دیا تھا۔ وہ اس کی اولاد کا بزنس سلوگن کیسے ہو سکتا تھا اور وہ بھی نو سال کی عمر میں۔

"ہماری موسٹ فیورٹ چیز وہی ہوتی ہے اور ہونی چاہیے جو ہمارے پاس ہے، کسی دوسرے کی موسٹ فیورٹ چیز چھیننے کا ہمیں حق نہیں ہے۔" وہ اپنے نو سالہ بیٹے کو بزنس کے گر بتاتے میں اخلاقیات کا درس دینے کی کوشش کر

رہا تھا۔ پتا نہیں صحیح کر رہا تھا یا غلط۔ مگر سالار سکندر باپ تھا وہ اپنے نو سالہ بیٹے کو یہ نہیں سکھا سکتا تھا کہ بزنس میں کوئی اخلاقیات نہیں ہوتیں۔ صرف پیسہ ہوتا ہے... یا نہیں ہوتا... باقی ہر چیز سیکنڈری تھی۔

"تمہیں پتا ہے 'انسان کے پاس سب سے طاقت ور چیز کیا ہے؟" اس نے حمین سے پوچھا۔

"کیا؟" حمین نے کہا۔

"عقل... اگر اس کا صحیح استعمال کرنا آتا ہو تو۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "اور تمہیں پتا ہے انسان کے پاس سب سے خطرناک چیز کیا ہے؟" اس نے پھر پوچھا۔

"کیا؟" حمین نے پھر اسی انداز میں کہا۔

"عقل! اگر— اس کا صحیح استعمال نہ آتا ہو تو یہ صرف دوسروں کو نہیں خود آپ کو بھی تباہ کر سکتی ہے۔"

حمین جانتا تھا 'سالار کس کی عقل کی بات کر رہا تھا۔ وہ اس کی ہی بات کر رہا تھا۔

وہ دنیا کے دو ذہین ترین دماغ تھے 'صرف باپ بیٹا نہیں تھے... پینتالیس سال کی عمر میں وہ ایک سو سے پاک اسلامی مالیاتی نظام کا ڈھانچہ کھڑا کر چکا تھا۔ اب اس ڈھانچے کی بنیادیں مضبوط کرنے کے بعد اس کی عمارت کھڑی کر رہا تھا۔ وہ رسک لیتا تھا 'چیلنج قبول کرتا تھا۔ نئے راستے ڈھونڈتا اور بناتا جانتا تھا۔

برین ٹیومر سے لڑتے ہوئے بھی وہ اپنی زندگی کے ایک ایک دن کو بامقصد گزار رہا تھا۔ ایک دنیا اس کے نام سے واقف تھی۔ ایک دنیا اسے مانتی تھی۔ وہ جس فورم پر بات کرنے کھڑا ہوتا... فنانس کی دنیا کے گرو اس کو خاموشی اور توجہ سے سنتے تھے... وہ زندگی میں کوئی اور بڑے معرکے نہ بھی مارتا تو بھی سالار سکندر فنانس کی دنیا میں لیجنڈری حیثیت اختیار کر چکا تھا۔

حمین سکندر ایک نو سال کا بچہ تھا جس کا پہلا بزنس کسی انویسٹمنٹ کے بغیر صرف انٹرپرسنل اسکلز سے شروع ہوا تھا اور کامیابی سے فراٹے بھرنے کے بعد تین مہینے کے اندر بری طرح نہ صرف ڈوبا تھا بلکہ ساتھ ہی اسکول میں اس کی ساکھ کو بھی لے ڈوبا تھا۔ اس نے اپنے پاس بقیہ رہ جانے والے 175 ڈالرز کی ایک ایک پائی واپس کر دی تھی... ہر ایک سے نہ صرف زبانی طور پر معذرت کی تھی بلکہ ہر ایک کو ایک معذرت کا خط بھی لکھا تھا جو اس نے خود ڈرافٹ کیا تھا۔ یہ حمین سکندر کی زندگی کے سب سے شرمندہ کرنے والے لمحات تھے... وہ کچھ دنوں پہلے کے قومی سطح پر ملنے والے اسٹارڈم کو گھنٹوں میں کھو چکا تھا۔ لیکن اس سارے تجربے نے حمین سکندر کو پہلی بار کچھ سنجیدہ کیا تھا۔ کچھ سوچنے پر مجبور کیا تھا۔

اس نے اس رات ایک بات اپنے باپ کو نہیں بتائی تھی اور وہ یہ تھی کہ اسے زندگی میں بزنس ہی کرنا تھا۔ اپنے باپ سے زیادہ بڑا اور کامیاب نام بننا تھا۔ اسے دنیا کا امیر ترین آدمی بننا تھا... حمین سکندر نے یہ خواب جاگتی آنکھوں سے اپنے کلاس فیلوز کو ان کی رقم واپس کرتے ہوئے دیکھا تھا جس کی تعبیر اسے کیسے حاصل کرنی تھی یہ اسے ابھی سوچنا تھا۔



"ممی! میں قرآن پاک پڑھنا چاہتا ہوں۔" ڈنر ٹیبل پر اس رات ایرک اپنی فیملی کے ساتھ کئی دنوں بعد ساتھ بیٹھا تھا۔ کیرولین کا بوائے فرینڈ بھی وہیں تھا جب کھانے کے درمیان ایرک نے کیرولین سے یہ بات کہی تھی۔

"وہ کیا ہے؟" ایک لمحہ کے لیے کیرولین کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ کس چیز کو پڑھنے کی خواہش کا اظہار کر رہا

ہے۔"

"مسلمز" کی "ہولی" بک.... (مقدس کتاب) جو عنایہ کی فیملی پڑھتی ہے۔" اس نے ماں کو وضاحت دی۔
کیرولین کے پارٹنر رالف نے کھانا کھاتے ہوئے رک کر ان دونوں کو دیکھا تھا۔ وہ تقریباً" پچھلے تین مہینے سے اب اسی گھر میں کیرولین کے ساتھ ایک Live in ریلیشن شپ میں تھا۔ ایرک اسے پسند نہیں کرتا تھا' وہ اچھی طرح جانتا تھا لیکن ایرک نے کبھی اس سے بدتمیزی بھی نہیں کی تھی۔ ان دونوں کا تعلق بے حد رسمی سا تھا مگر اتنے عرصے میں یہ پہلی بار تھا کہ وہ ایرک کی کسی بات پر تبصرہ کرنا چاہتا تھا لیکن کچھ جھجک رہا تھا۔ وہ ایرک کے دل میں اپنے لیے ناپسندیدگی میں اور اضافہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔
"تم ٹرانسلیشن پڑھنا چاہتے ہو؟" کیرولین نے کہا۔
"نہیں' میں عربی پڑھنا چاہتا ہوں جیسے وہ پڑھتے ہیں۔" وہ سنجیدہ تھا۔
"لیکن تمہیں عربی نہیں آتی۔" کیرولین بھی اب بے حد سنجیدہ تھی۔ یہ ایک عجیب فرمائش تھی۔
"ہاں لیکن جبریل مجھے سکھا دے گا.... اس کو آتی ہے عربی!" ایرک نے ماں سے کہا۔
فوری طور پر کیرولین کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا جواب دے۔ وہ ایک نئی زبان کا ذکر اس طرح کر رہا تھا جیسے وہ دو دن میں اسے سیکھ لینے والا تھا۔
"اس کی ضرورت کیا ہے؟" کیرولین کو خاموش دیکھ کر رالف بولے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ "یہ مسلمانوں کی ہولی بک ہے۔ تمہیں اس کو پڑھنے کے لیے ایک نئی زبان سیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اس کی ٹرانس لیشن پڑھ سکتے ہو۔ اگر تمہیں ایک کتاب کے طور پر اسے پڑھنے میں دلچسپی ہے تو۔" رالف نے اپنی طرف سے بے حد مناسب مشورہ دیا تھا۔ جو ایرک نے ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیا تھا۔ اس نے رالف کی بات کا جواب دینے کی بھی زحمت نہیں کی تھی۔
"ممی....؟" رالف کو مکمل طور پر نظرانداز کرتے ہوئے اس نے سوالیہ انداز میں کیرولین کی طرف دیکھا۔
وہ ایک گہرا سانس لے کر رہ گئی۔ اس کے اور ایرک کے تعلقات آج کل جس نوعیت کے رہ گئے تھے اس میں یہ بڑی بات تھی کہ وہ کسی کام کے لیے اس سے اجازت مانگ رہا تھا ورنہ وہ کوئی کام کر کے بھی اسے بتانے کی زحمت نہیں کرتا تھا۔
"تمہاری اسٹڈیز متاثر ہوں گی ایرک۔" کیرولین کو جو واحد مسئلہ تھا اس نے اس کا ذکر کیا۔
"وہ متاثر نہیں ہوں گی.... آئی پرامس۔" اس نے فوراً" سے پیشتر ماں کو یقین دہانی کروائی۔ رالف کو عجیب سی ہتک کا احساس ہوا تھا۔ خود کو یوں نظرانداز کیے جانے پر' لیکن دوبارہ مداخلت کرنے کے بجائے کھانا کھانے میں مصروف ہو گیا۔
"او کے۔ ٹھیک ہے لیکن اگر تمہاری اسٹڈیز پر کوئی اثر پڑا تو میں تمہیں روک دوں گی۔"
ایرک کا چہرہ کھل اٹھا۔ "او کے!" اس نے جیسے ماں کو تسلی دینے والے انداز میں کہا۔
"تم کب جایا کرو گے جبریل کے پاس قرآن پاک پڑھنے؟" کیرولین نے پوچھا۔
"ہفتے میں دو بار۔" ایرک نے کہا۔
"ٹھیک ہے۔" وہ جیسے مطمئن ہوئی۔
"آپ جبریل کی ممی کو فون کر کے بتا دیں کہ آپ نے مجھے اجازت دے دی ہے اور آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔" ایرک نے کہا۔
کیرولین کو پلک جھپکتے میں سمجھ میں آ گیا تھا کہ اس ساری اجازت کا اصل مقصد کیا تھا.... رالف کے سامنے وہ

ایرک سے یہ نہیں کہنا چاہتی تھی کہ وہ یقیناً" جبریل کے خاندان کی شرط کی وجہ سے اس سے اجازت لینا چاہ رہا تھا۔
"ٹھیک ہے' میں فون کر دوں گی۔" کیرولین نے کہا۔ ایرک شکریہ ادا کرتے ہوئے کھانا ختم کر کے چلا گیا۔
"تم بے وقوفی کر رہی ہو۔" اس کے وہاں سے جاتے ہی رالف نے بے حد ناخوش انداز میں کیرولین سے کہا تھا۔
"کیسی بے وقوفی؟" وہ سمجھتے ہوئے بھی نہ سمجھی تھی۔
"تمہارا بیٹا پہلے ہی تمہارے لیے سر درد بنا ہوا ہے۔ وہ tempramental (متلون مزاج) ہے اور تم اسے قرآن پاک اور عربی سیکھنے کے لیے بھیج رہی ہو تاکہ وہ انتہا پسند ہو جائے۔ وہ بھی ایک مسلمان خاندان کے پاس۔"
کیرولین ہنس پڑی تھی۔
"تم اس خاندان کو جانتے نہیں ہو رالف! میں ساڑھے تین سال سے جانتی ہوں۔ نمبر ز ہیں ہمارے۔ جیمز کی موت کے بعد انہوں نے ہمارا بہت خیال رکھا تھا۔" کیرولین کہہ رہی تھی۔ "میں مارک اور سبل کو اکثر ان لوگوں کے پاس چھوڑ کر جاتی تھی۔ وہ ایرک کو کچھ برا نہیں سکھائیں گے۔۔۔ سکھانا ہوتا تو وہ اسے میری اجازت کے بغیر بھی۔۔۔ سکھانا شروع کر دیتے۔ مجھے کیسے پتا چلتا۔ کم از کم ایرک ایسا نہیں ہے کہ وہ کوئی بھی کام مجھ سے پوچھے بغیر کرنے کا تصور بھی نہ کر سکے۔"
"تم پھر بھی سوچ لو۔۔۔ میں نہیں سمجھتا کہ یہ ایک اچھا فیصلہ ہے۔ ایک ڈسٹربڈ بچے کو قرآن پاک پڑھانا۔۔۔ وہ اگر مسلمانوں ہی کی طرح وائلنٹ (تشدد پسند) ہو گیا تو۔۔۔؟" رالف کے اپنے ہی خدشات تھے جنہیں کیرولین نے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔
"مجھے پتا ہے ایرک کے مزاج کا۔۔۔ اسے کسی چیز کا شوق پیدا ہو تو بس شوق نہیں جنون سوار ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ سب زیادہ دن نہیں چلتا۔۔۔ وہ بڑی جلدی بور ہونا شروع ہو جاتا ہے اور یہ تو ایک دوسری زبان سیکھنا ہے۔ تم دیکھ لینا' ایک دو ہفتوں کے بعد خود ہی چھوڑ دے گا وہ۔"
کیرولین نے بے حد مطمئن انداز میں رالف کے خدشات ختم کرنے کی کوشش کی اور جو اس نے کہا تھا اسے اس پر یقین تھا مگر وہ پھر بھی خوش اس لیے تھی کہ کئی ہفتوں کے بعد اس کے اور ایرک کے درمیان باہمی رضا مندی سے ایک بات ہوئی تھی۔
ایرک اس اجازت کے اگلے ہی دن دوبارہ امامہ اور سالار کے گھر پہنچ گیا تھا۔ جبریل کے پاس قرآن پاک کا آغاز کرنے۔
وہ ایک دن پہلے بھی اسی طرح جبریل کے پاس گیا تھا۔ وہ اس وقت قرآن پاک کی تلاوت کر رہا تھا۔ ایرک اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا تھا اور پھر اتنی دیر اس کے پاس بیٹھا رہا کہ جبریل کو بالآخر تلاوت ختم کر کے اس سے پوچھنا پڑا تھا کہ وہ وہاں کسی کام سے تو نہیں آیا؟
"میں بھی ایسے قرآن پاک پڑھنا سیکھنا چاہتا ہوں جیسے تم پڑھ رہے ہو۔" اس نے جبریل کو جواب دیا تھا۔
وہ اس کی شکل دیکھ کر رہ گیا۔ اسے اس کا مطالبہ عجیب لگا تھا۔
"میری تو یہ مذہبی کتاب ہے' اس لیے پڑھ رہا ہوں میں۔" اس نے ایرک کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ "تم پڑھ کر کیا کرو گے؟"
"مجھے دلچسپی ہے جاننے میں اور مجھے اچھا لگتا ہے جب تم تلاوت کرتے ہو تو۔" ایرک نے جواباً" کہا۔
"تم انٹرنیٹ پر ٹرانسلیشن پڑھ سکتے ہو یا میں تمہیں دے دوں گا ایک انگلش ٹرانسلیشن۔۔۔ اور تمہیں تلاوت اچھی لگتی ہے تو تم وہ بھی وہاں سے ڈاؤن لوڈ کر کے سن سکتے ہو۔۔۔ تمہیں اس کے لیے قرآن پاک کی

تلاوت سیکھنے کی ضرورت نہیں۔" جبریل نے نرمی سے جیسے اسے راستہ سجھایا تھا۔
"لیکن میں ٹرانسلیشن نہیں پڑھنا چاہتا اور میں تلاوت سننا نہیں خود کرنا چاہتا ہوں جیسے تم کرتے ہو۔" اریک اب بھی مصر تھا۔
"یہ بہت لمبا کام ہے اریک! ایک دن میں نہیں ہو سکتا۔" جبریل نے اسے ٹالنے کی کوشش کی.... وہ نہ ٹلا....
"کتنا لمبا کام ہے؟" اریک نے پوچھا۔
"تمہیں تو کئی سال لگ جائیں گے۔"
"وہ تو کوئی مسئلہ نہیں۔ میرے پاس بہت وقت ہے۔" اریک نے بہت مطمئن ہو کر اس سے کہا تھا۔
جبریل عجیب مشکل میں پڑ گیا تھا۔ اریک کئی بار پڑھائی کے حوالے سے کوئی بات اس سے پوچھنے آجاتا تھا اور جبریل اسے سمجھا دیا کرتا تھا لیکن یہ ان کی مقدس کتاب کی بات تھی.... ایک گیارہ سالہ عیسائی بچے کی فرمائش پر وہ بھی امریکہ میں بیٹھ کر بھی وہ سوچے سمجھے بغیر آنکھیں بند کر کے مذہبی جوش و جذبات میں اسے قرآن پاک سکھانا شروع نہیں کر سکتے تھے۔
"تم سب سے پہلے اپنی ممی سے پوچھو۔" جبریل نے بالآخر اس سے کہا۔
"ممی کو کوئی ایشو نہیں ہوگا، مجھے پتا ہے۔" اس نے جبریل کو یقین دلانے کی کوشش کی۔
"اگر ان کو ایشو نہیں ہوگا تو انہیں یہ بات مجھ سے یا ممی سے کہنی ہوگی۔" جبریل اس کی یقین دہانی سے متاثر ہوئے بغیر بولا تھا۔
"میں اپنے لیے کچھ بھی فیصلہ کر سکتا ہوں۔ مجھے ہر کام ممی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اریک نے اس سے کہا۔
"تم ابھی چھوٹے ہو اریک.... ! اور زیادہ سمجھ دار بھی نہیں ہو۔ جب تک تم اٹھارہ سال کے نہیں ہو جاتے۔ تمہیں ہر کام اپنی ممی سے پوچھ کر ہی کرنا چاہیے۔ جیسے ہم لوگ اپنے پیرنٹس سے پوچھ کر کرتے ہیں اور یہ کوئی بری بات نہیں ہے۔" جبریل نے اسے سمجھایا تھا۔
وہ آدھا گھنٹہ اس سے بحث کر کے اسے قائل کرنے کی کوشش کرتا رہا کہ اجازت لیے بغیر بھی کوئی کام کر لینا غلط نہیں ہے لیکن جبریل قائل نہیں ہوا۔ بالآخر اریک نے ہار مان لی تھی اور اگلے دن ماں کی اجازت کے ساتھ آنے کا کہا تھا۔



امامہ کے لیے کیرولین کی فون کال ایک سرپرائز تھی۔ اس نے بڑے خوش گوار انداز میں اس سے بات چیت کرتے ہوئے امامہ کو اس اجازت کے بارے میں بتایا تھا جو اس نے اریک کو دی تھی اور امامہ حیران رہ گئی تھی۔ اسے اریک اور جبریل کے درمیان اس حوالے سے ہونے والی گفتگو کا علم نہ تھا۔
"ممی! مجھے یقین تھا وہ نہ اپنی ممی سے بات کرے گا نہ ہی وہ اسے اجازت دیں گی۔" جبریل نے ماں کے استفسار پر اسے بتایا تھا۔
امامہ نے اسے کیرولین کی کال کے بارے میں مطلع کرتے ہوئے بتایا تھا۔
"لیکن اب اس کی ممی نے مجھے کال کر کے کہا ہے کہ انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے تو اب کیا کریں؟" امامہ نے کہا۔
"کیا کرنا ہے۔" وہ ہنس پڑا تھا۔ "قرآن پاک سکھاؤں گا اسے اب۔" جبریل نے ماں سے کہا تھا۔

اسے اپنے جواب پر امامہ کے چہرے پر خوشی نظر نہیں آئی۔
"آپ کو پریشانی کس بات کی ہے۔ پہلے یہ تھی کہ اس کی فیملی کو اعتراض نہ ہو لیکن اب تو اس کی فیملی نے اجازت دے دی ہے پھر اب تو کوئی مسئلہ نہیں ہونا چاہیے۔"
جبریل نے جیسے ماں کو کریدنے کی کوشش کی تھی۔ امامہ اس سے کہہ نہیں سکی کہ اسے سارا مسئلہ عنایہ کی وجہ سے ہو رہا تھا۔ قرآن پاک سیکھنے کی یہ خواہش اگر ایرک کی اس خواہش کے بغیر سامنے آتی تب وہ کچھ اور طرح کے تامل اور جھجک کا شکار ہوتی لیکن خوشی خوشی ایرک کو اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھ کر قرآن پاک سیکھنے دیتی۔
"مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔۔۔ جو بھی ہوتا ہے' اللہ کی مرضی سے ہی ہوتا ہے اور ہم کچھ بھی بدلنے پر قادر نہیں ہیں۔ ٹھیک ہے ایرک تم سے قرآن پاک سیکھنا چاہتا ہے تو تم سکھاؤ اسے۔" امامہ نے بالآخر جیسے ہتھیار ڈال دیے تھے۔



گیارہ سال کی عمر میں قرآن پاک سے ایرک کا وہ پہلا باقاعدہ تعارف تھا۔ اس سے پہلے وہ صرف اس کتاب کا نام جانتا تھا۔ جنرل نالج کے حصے کے طور پر۔۔۔
وہ سالار اور امامہ کے گھر جاکر مسلمانوں کے قریب ہوا تھا اور جبریل کی تلاوت سن سن کر وہ قرآن پاک سے متاثر ہونا شروع ہو گیا تھا۔ وہ زبان اور وہ تلاوت اسے جیسے کسی فینٹسی میں لے جاتی تھی۔ وہ لفظ "ہیبت" سے آشنا نہیں تھا۔ ہوتا تو شاید یہی استعمال کرتا اس کے لیے۔۔۔ جبریل کی آواز دلوں کو پگھلا دینے والی ہوتی تھی' وہ خوش الحان نہیں تھا۔ وہ بلا کا خوش الحان تھا اور گیارہ سال کا وہ بچہ اس زبان اور اس کے مفہوم سے واقف ہوئے بغیر بھی صرف اس کی آواز کے سحر میں گرفتار تھا۔
جس دن اس نے جبریل سے قرآنی قاعدہ کا پہلا سبق لیا تھا' اس رات اس نے آن لائن قرآن پاک کا پورا انگلش ترجمہ پڑھ لیا تھا۔ وہ کتابیں پڑھنے کا شوقین اور عادی تھا اور قرآن پاک کو اس نے ایک کتاب ہی کی طرح پڑھا تھا۔ بہت ساری چیزوں کو سمجھتے ہوئے۔۔۔ بہت ساری چیزوں کو نہ سمجھتے ہوئے۔ بہت ساری باتوں سے متاثر ہوتے ہوئے۔۔۔ بہت سارے احکامات سے الجھتے ہوئے۔۔۔ بہت سارے جملوں کو ذہن نشین کرتے ہوئے۔۔۔ بہت سارے واقعات کو اپنی کتاب بائبل سے منسلک کرتے ہوئے۔۔۔
اس نے بائبل بہت اچھی طرح پڑھی تھی اور اس نے قرآن پاک کو بھی اسی لگن سے پڑھا تھا۔ اس کی ماں کی یہ رائے ٹھیک تھی کہ ایرک کو جب ایک چیز کا شوق ہو جاتا تھا تو پھر وہ شوق نہیں جنون بن جاتا تھا' لیکن اس کی ماں کا یہ خیال بالکل غلط تھا کہ وہ ایک دو ہفتوں کے بعد خود ہی اپنے اس شوق سے بے زار ہو جانے والا تھا کیونکہ وہ متلون مزاج تھا۔
جبریل کو حیرت نہیں ہوئی تھی جب اگلے دن ایرک نے اسے قرآنی قاعدہ کا سبق بالکل ٹھیک ٹھیک سنایا تھا۔ وہ بے حد ذہین تھا اور وہ اتنے سالوں سے اس سے واقف ہونے کے بعد یہ تو جانتا تھا کہ ایرک کوئی بھی چیز آسانی سے بھلاتا نہیں تھا' لیکن وہ یہ جان کر کچھ دیر خاموش ضرور ہو گیا تھا کہ ایرک نے ایک رات میں بیٹھ کر قرآن پاک کا پورا ترجمہ پڑھ لیا تھا۔
"اس کا فائدہ کیا ہوا؟" جبریل نے اس سے پوچھا تھا۔
"کس چیز کا۔۔۔؟ قرآن پاک پڑھنے کا؟" ایرک نے اس کے سوال کی وضاحت چاہی۔
"ہاں!" جبریل نے جواب دیا۔

ایرک کو کوئی جواب نہیں سوجھا اس کا خیال تھا۔ جبریل اس سے متاثر ہوگا۔ وہ متاثر نہیں ہوا تھا الٹا اس سے سوال کر رہا تھا۔

"فائدہ تو نہیں سوچا میں نے' میں نے تو بس تجسس میں پڑھا ہے قرآن پاک۔" ایرک نے کندھے اچکا کر پوچھا۔

"تو اب تمہاری کیا رائے ہے قرآن پاک کے بارے میں۔۔۔؟ اب بھی سیکھنا چاہتے ہو؟" جبریل نے اس سے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ اب اور بھی زیادہ۔" ایرک نے کہا۔ "مجھے یہ بے حد انٹرسٹنگ لگی ہے۔"

جبریل اس کی بات پر مسکرایا تھا۔ وہ ایسے بات کر رہا تھا جیسے انسائیکلوپیڈیا کے بارے میں بات کر رہا ہو یا کسی دلچسپ کتاب کے بارے میں، جو وہ مکمل پڑھے بغیر نہیں رہ سکا ہو۔

"مقدس کتابوں کو صرف پڑھ لینا کوئی بڑی بات نہیں ہوتی۔" جبریل نے اس سے کہا تھا۔ "اسے پڑھنے کے ساتھ ساتھ اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔"

ایرک اس کو بغور دیکھتے ہوئے اس کی بات سن رہا تھا۔

"یہ میں جانتا ہوں۔" اس نے کہا' یہ وہی بات تھی جو وہ اپنے ماں باپ سے بھی بہت بار سن چکا تھا۔

اس دن جبریل نے اسے دوسرا سبق قرآنی قاعدہ کا نہیں دیا تھا۔ اس نے اسے دوسرا سبق اسے ایک "اچھا انسان" بننے کے حوالے سے دیا تھا۔

"کوئی بھی ایسی چیز جس کا تعلق اللہ سے ہے اور جو ہم سیکھتے ہیں تو پھر اس دن ہمارے اندر دوسروں کے لیے کچھ زیادہ بہتری آنی چاہیے تاکہ یہ نظر آئے کہ ہم کوئی "خاص چیز" سیکھ رہے ہیں۔"

جبریل نے اسے سمجھایا تھا۔ وہ تبلیغ کرنا نہیں چاہتا تھا اور یہ مشکل کام بھی تھا کہ اپنے مذہب کا ڈنکا بجائے بغیر کسی کو یہ سمجھا سکے کہ اسلام آخری مذہب کیوں تھا۔۔۔ کامل ترین کیوں تھا۔

"وہ سارے سبجیکٹ، جو ہم اسکول میں پڑھتے ہیں اور جو ہم وہاں سیکھتے ہیں' وہ ہماری پرسنالٹی پر اثر انداز نہیں ہوتے وہ صرف تب ہمارے کام آتے ہیں جب ہمیں ایگزام دینا ہو۔۔۔ جاب کرنی ہو۔۔۔ یا بزنس کرنا ہو۔۔۔ کتابیں ہمیں باعلم بناتی ہیں۔۔۔ باعمل نہیں۔۔۔ باعمل ہمیں صرف وہ کتاب بنا سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو صرف باعمل کرنے کے لیے اتاری ہے۔"

ایرک اس کی بات بڑی توجہ سے سن رہا تھا' بالکل ویسے ہی جیسے اس سے پہلے کوئی چیز سمجھا کرتا تھا۔

"بابا نے مجھ سے کہا تھا اگر ہم اچھے انسان نہ بن سکیں اور اپنے خاندان اور معاشرے کے لیے تکلیف کا باعث ہوں تو عبادت کرنے اور مذہب کے بارے میں پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ مذہب اور مذہبی کتابیں اللہ تعالیٰ نے صرف ایک مقصد کے لیے اتاری ہیں کہ ہم اچھے انسان بن کر رہیں۔۔۔ ایک دوسرے کے حقوق و فرائض کا خیال رکھیں۔ خاص طور پر ان کا جو ہماری ذمہ داری ہیں۔۔۔ جیسے تمہارے چھوٹے بہن بھائی اور تمہاری ممی تمہاری ذمہ داری ہیں۔۔۔ تمہارا اپنا جسم اور ذہن تمہاری اپنی ذمہ داری ہے۔"

جبریل بڑی ذہانت سے گفتگو کو اس موضوع کی طرف موڑ رہا تھا جس پر وہ ایرک سے بات کرنا چاہتا تھا اور ایرک یہ بات سمجھ رہا تھا۔ وہ چھوٹا تھا' بے وقوف نہیں تھا۔ وہ کہیں اور بیٹھا ہوتا تو کبھی اس موضوع پر کسی کو بات کرنے کی اجازت نہ دیتا وہ ان ایشوز کے حوالے سے اتنا ہی حساس تھا' لیکن وہ اس گھر میں آکر کسی سے بھی کچھ بھی سن لیتا تھا۔

"تو اب تم نے دیکھنا ہے کہ جس دن تم قرآن پاک پڑھ کر جاتے ہو۔۔۔ اس دن تمہارے اندر کیا تبدیلی آتی ہے۔۔۔ اس دن تم اپنی فیملی کے لیے اور دوسروں کے لیے کیا اچھا کام کرتے ہو۔" جبریل نے جیسے اسے چیلنج دیا تھا۔

"میں کوشش کروں گا۔" ایرک نے وہ چیلنج قبول کرلیا تھا۔ پھر اس نے جیسے اس کی مدد مانگی "تو آج میں گھر میں جاکر کیا کروں؟"

"تم آج ایک ایسا کام مت کرنا جس سے تمہیں پتا ہو کہ تمہاری ممی اپ سیٹ ہوتی ہیں۔"

جبریل نے اس سے کہا تھا۔ ایرک کچھ خجل سا ہو گیا۔ اسے اندازہ نہیں تھا جبریل اتنے بے دھڑک انداز میں اس کے بارے میں ایسی بات کہے گا۔

"تم مجھے عبداللہ کہا کرو۔" ایرک نے جان بوجھ کر بات کا موضوع بدلنے کے لیے اسے ٹوکا۔

"عبداللہ تو اللہ کا بندہ ہوتا ہے۔۔۔ سب سے kind (مہربان) سب سے زیادہ خیال رکھنے والا اور احساس کرنے والا۔۔۔ کسی کو تکلیف نہ دینے والا' میں تمہیں عبداللہ تب کہنا شروع کروں گا جب تم سب سے پہلے اپنی ممی کو تکلیف دینا بند کردو گے۔"

جبریل نے اس کی کوشش کو کامیاب نہیں ہونے دیا تھا۔ ایرک جیسے کچھ اور خجل ہوا۔ ایک لمحے کے لیے اسے لگا جیسے جبریل اس سے جو کچھ کہہ رہا تھا' وہ اس کی ممی کے کہنے پر کہہ رہا تھا' لیکن وہ اس سے بحث میں نہیں الجھا تھا اس نے خاموشی سے اس کی بات مان لی تھی۔

اس دن ایرک گھر جاکر پہلی بار رالف سے خوش دلی سے ملا تھا۔۔۔ کیرولین اور وہ دونوں سٹنگ ایریا میں بیٹھے فٹ بال میچ دیکھ رہے ہیں۔ رالف اور کیرولین کو ایک لمحے کے لیے لگا' شاید ایرک سے غلطی ہوئی تھی یا پھر انہیں وہم ہو رہا تھا۔ اس نے پہلی بار رالف سے خوش مزاجی کا مظاہرہ کیا تھا اور کیرولین اس بات پر شروع شروع میں اسے ڈھیروں بار ڈانٹ اور سمجھا چکی تھی۔ زچ ہو چکی تھی اور پھر اس نے ایرک کو کچھ کہنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ ایرک اور رالف کے درمیان کبھی کوئی تکرار نہیں ہوئی تھی' لیکن رالف یہ جانتا تھا کہ وہ اسے پسند نہیں کرتا اور اس نے بھی ایرک کے ساتھ فاصلے کم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

اس کا خیال تھا' ان دونوں کے درمیان فاصلہ رہنا ہی بہتر تھا تاکہ لحاظ ختم نہ ہو' لیکن وہ ذاتی حیثیت میں ایک اچھا سلجھا ہوا آدمی تھا اور وہ ایرک کے حوالے سے کیرولین کی پریشانی کو بھی سمجھتا تھا۔

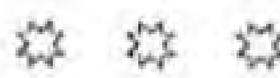
ایرک رکے بغیر وہاں سے چلا گیا تھا۔ رالف اور کیرولین نے ایک دوسرے کو حیرانی سے دیکھا۔

"اس کو کیا ہوا؟" رالف نے کچھ خوش گوار حیرت کے ساتھ کہا تھا۔

"پتا نہیں۔" کیرولین نے کندھے اچکا کر لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔

وہ پہلی تبدیلی نہیں تھی جو ایرک میں آئی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ مزید تبدیل ہوتا گیا تھا۔ ویسا ہی جیسا وہ پہلے ہوا کرتا تھا۔ قرآن پاک کا سبق ہفتے میں دو دن کے بجائے وہ اب ہر روز لینے جایا کرتا تھا۔۔۔ اگر کبھی جبریل یہ کام نہ کرسکتا تو حمین یا امامہ اسے سبق پڑھا دیتے' لیکن ایرک کو یہ اعتراف کرنے میں عار نہیں تھا کہ جیسے جبریل اسے پڑھاتا تھا' ویسے اور کوئی نہیں پڑھا سکتا تھا۔ اس کی آواز میں تاثیر تھی ایرک اس سے پہلے بھی متاثر تھا' لیکن اس سے قرآن پاک پڑھنے کے دوران وہ اس سے مزید قریب ہو گیا تھا۔

اس گھر میں ایرک کی جڑیں اب زیادہ گہری اور مضبوط ہو گئی تھیں۔ امامہ کی تمام تر احتیاط کے باوجود۔۔۔



جبریل لوگوں کو نہ سمجھ میں آنے والے انداز میں متاثر کرتا تھا۔ تیرہ سال کی عمر میں اس کا ٹھہراؤ اس کی عمر کے عام بچوں کے برعکس تھا۔ سالار کی بیماری نے امامہ کے ساتھ ساتھ دس سال کی عمر میں اسے بھی بدل دیا تھا۔ وہ ضرورت سے زیادہ حساس اور اپنی فیملی کے بارے میں زیادہ ذمہ دار ہو گیا تھا یوں جیسے وہ اسی کی ذمہ داری تھی اور سالار اور امامہ یقیناً "خوش قسمت تھے کہ ان کی سب سے بڑی اولاد میں ایسا احساس ذمہ داری تھا۔

اس نے امریکا میں سالار کی سرجری اور اس کے بعد وہاں امامہ کے بھی وہیں قیام کے دوران اپنے تینوں چھوٹے بہن بھائیوں کی پروا کسی باپ ہی کی طرح کی تھی۔

سکندر عثمان اور طیبہ، سالار کے بچوں کی تربیت سے پہلے بھی متاثر تھے، لیکن ان کی غیر موجودگی میں جبریل نے جس طرح ان کے گھر پر اپنے بہن بھائیوں کا خیال رکھا تھا۔ وہ ان کو مزید متاثر کر گیا تھا۔ امامہ نے اپنے بچوں سے کہا تھا کہ یہ ہمارا گھر نہیں ہے ہم یہاں مہمان ہیں اور مہمان کبھی میزبان کو شکایت کا موقع نہیں دیتے اور ان چاروں نے ایسا ہی کیا تھا۔ طیبہ اور سکندر کو کبھی ان چاروں بچوں کے حوالے سے کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا نہ ہی انہیں ان کے حوالے سے کسی اضافی ذمہ داری کا احساس ہوا تھا۔

وہ تینوں اپنا ہر کام خود ہی کر لینے کی کوشش کرتے تھے اور رئیسہ کی ذمہ داری ان تینوں نے آپس میں بانٹی ہوئی تھی کیونکہ ان چاروں میں سب سے چھوٹی اور کسی حد تک اپنے کاموں کے لیے، وہی دوسروں پر انحصار کرتی تھی۔ اپنے بہن بھائیوں کی ذمہ داریاں اس طرح اپنے سر پر لینے نے جبریل کو بہت بدلا تھا۔ ایک دس سالہ بچہ کئی مہینے اپنا کھیل کود، اپنی سرگرمیاں بھلا بیٹھا تھا اور یہی وہ وقت تھا جب جبریل ذہنی طور پر بھی بدلتا چلا گیا تھا۔

تیرہ سال کی عمر میں ہائی اسکول سے ڈسٹنکشن کے ساتھ پاس کر کے یونیورسٹی جانے والا وہ اپنے اسکول کا پہلا اسٹوڈنٹ تھا اور وہ یونیورسٹی صرف ڈسٹنکشن کے ساتھ نہیں پہنچا تھا وہ وہاں بل گیٹس فاؤنڈیشن کی ایک اسکالر شپ پر پہنچا تھا۔ وہ، وہ پہلی سیڑھی تھی جو میڈیسن کی طرف جاتے ہوئے اس نے چڑھی تھی سالار سکندر کے خاندان کا پہلا پرندہ یونیورسٹی پہنچ چکا تھا۔



گرینڈ حیات ہوٹل کا بال روم اس وقت نیشنل اسپیلنگ بی کے 93 ویں مقابلے کے فائنلسٹ کا پہلا راؤنڈ منعقد کروانے کے لیے تیار تھا۔ حمین سکندر اپنے ٹائٹل کا دفاع کر رہا تھا اور رئیسہ سالار اس مقابلے میں پہلی بار حصہ لے رہی تھی۔ وہ سالار سکندر کے گھر میں چوتھی ٹرافی لانے کے لیے پرجوش تھی اور صرف وہی تھی جو پرجوش تھی۔ گھر کے باقی افراد فکر مند تھے اور اس پریشانی کی وجوہات دو تھیں۔۔۔ اگر وہ نہ جیت سکی تو۔۔۔؟ اور اگر حمین سکندر جیت گیا تو۔۔۔؟

رئیسہ اس وقت اسٹیج پر اپنے پہلے لفظ کے بولے جانے کے انتظار میں تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)



کنگن

نیر کاشف

"باجی کنگن لے لو..."

گاڑی سگنل پر رکی تو ایک بچہ تیزی سے اس کی کھڑکی کی جانب بڑھا' جس تک آواز سے پہلے پھولوں کی خوشبو پہنچ چکی تھی۔ فلزا نے بے قراری سے کنگن اور پھر آس بھری نظروں سے عاصم کی جانب دیکھا' جس کی تمام تر توجہ سامنے لگے اشارے پر مرکوز تھی۔

"صاحب... صاحب..." بچے نے معاملہ فہمی کا ثبوت دیتے ہوئے عاصم کو پکارا تو اس نے کچھ اس قدر بے زاری سے کنگن دیکھے کہ فلزا کے الفاظ لبوں پر ہی دم توڑ گئے' کیا تھا جو میری چھوٹی سی فرمائش پوری کر دیتے۔ دل میں آتے منفی خیالات کو ڈپٹتے ہوئے اس نے چہرے پر مسکراہٹ سجائی کہ اس بار سواری کا رخ میکے کی جانب تھا۔

"میرا خیال ہے کہ سب لوگ آ ہی چکے ہوں گے' ہمیں دیر ہو گئی۔" عاصم نے لمحے بھر کے لیے اسٹیرنگ سے بازو ہٹا کر گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"چلیں خیر ہے... اب پہنچے دیر سے ہیں تو دیر تک رکیں گے۔" لفظ دیر کو اچھا خاصا کھینچ کر ادا کرتے ہوئے فلزا نے تائید طلب نظروں سے عاصم کی جانب دیکھا تو اس نے مسکرا کر گویا ہاں کی اور سسرال کے دروازے پر گاڑی روک دی۔

☼ ☼ ☼

"آ گئیں بھئی فلزا صاحبہ بھی..." کسی نے بہ آواز بلند اطلاع دی تو بھابھیاں اور تینوں بہنیں اس کے استقبال کے لیے صحن میں ہی چلی آئیں۔ "بڑی دیر کی مہرباں آتے آتے۔" چھوٹی کنزیٰ نے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر دہائی دی۔ "کوئی بات نہیں بنو' آتے آتے دیر لگائی ہے تو جاتے جاتے بھی دیر ہی لگائیں گے۔" اس نے مسکراتے ہوئے نئی شادی شدہ بہن کو گلے سے لگایا۔

"ارے واہ! کتنے خوب صورت بنے ہوئے کنگن ہیں۔" نظریں کنزیٰ کے کنگن سے سجے ہاتھوں پر ہی اٹک گئی تھیں۔

"ہاں... خوشبو' دیکھو کتنی پیاری ہے۔" کنزیٰ نے بھی اٹھلاتے ہوئے ہاتھوں کو اس کے چہرے کی جانب کیا۔

شکوہ بھری نظروں سے شوہر کی جانب دیکھتے ہوئے فلزا نے گویا بھولی ہوئی بات یاد آ جانے کا سگنل دیا۔ ڈھیر ساری باتیں کرتے امی کی گود میں سر رکھ کر آرام

سے آنکھیں موندتے‘ بھابھیوں کے ہاتھ کے بنے مزے دار کھانوں سے انصاف کرتے ایک لمحے کو بھی فلزا کی سوچ سے کنگن محو نہ ہوسکے‘ گیا تھا‘ جو مان لیتے میری چھوٹی سی خواہش‘ بار بار در آنے والے خیال کو وہ روک نہ سکی۔ ہمیشہ ایسا ہی کرتے ہیں‘ عجیب سی اداسی نے گھیرے میں لے لیا۔

’انس کو دیکھو‘ کتنا اچھا شوہر ہے‘ ایسے ہوتے ہیں شوہر‘ دل ہی دل میں انس کو سرٹیفکیٹ دے دیا گیا۔ میرے تو جیسے جذبات ہی نہیں ہیں کوئی‘ اپنے اوپر بے حد رحم آیا۔ بس بہت ہوگیا‘ آج تو میں صاف صاف بات کروں گی۔ آخر میرے بھی جذبات ہیں‘ خواہشات ہیں اور کون سی مہنگی مہنگی فرمائشیں کرتی ہوں میں جو محترم پوری نہ کرسکیں۔ بھلا بتاؤ دس‘ بیس روپوں کے کنگن بھی مانگ لو تو کنجوسی کا دورہ پڑجاتا ہے‘۔ دانت پیس کر دل ہی دل میں عہد کیا خوب ساری لڑائی کا اور من ہی من میں بن گئی پھولن دیوی.... ”اچھا بھئی فی امان اللہ“ امی نے گلے لگا کر ماتھا چومتے ہوئے اسے رخصت کیا۔

جبراً“ مسکراہٹ کے لیے پھیلائے ہوئے ہونٹ ایک دم سے سکڑ کر اپنی جگہ پر آگئے۔ دھڑام سے گاڑی کا دروازہ بند کرتے ہوئے دھپ کرکے سیٹ پر بیٹھ گئی۔ ”کیا ہوگیا ہے؟ آرام سے نہیں بند کرسکتیں دروازہ۔“ عاصم گاڑی کے معاملے میں ہمیشہ سے ہی حساس تھا‘ لیکن اس وقت جانتا نہیں تھا کہ بیگم کا دل کنگن کے معاملے میں بے حد حساس ہوچکا ہے اور یوں ایک بڑے معرکے کی ابتدا ہوچکی تھی۔



سر میں اٹھتی شدید ٹیسوں سے آنکھ کھلی تو عادتاً“ نظریں دیوار گیر گھڑی کی جانب اٹھیں‘ ارے نو بجنے والے ہیں۔ نماز بھی گئی۔ عاصم کو اتنی دیر ہوگئی‘ فلزا نے ہڑبڑا کر کمرے سے باہر کی جانب قدم بڑھائے تو ایک دم ہی خالی پن کا احساس ہوا۔

عاصم کمرے میں نہیں تھا۔ صرف عاصم ہی نہیں میز سے گھڑی اور والٹ اور الماری سے کوٹ بھی غائب تھا۔ وہ مجھے جگائے بغیر ہی دفتر چلا گیا۔ حیرت میں مبتلا ہونے سے پہلے ہی اسے رات گئے جاری رہنے والا معرکہ یاد آگیا اور یوں سر میں اٹھتی ٹیسوں میں یک دم اضافہ ہوگیا۔ بھوک لگنے کے باوجود اس کا ناشتا کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ چائے کا کپ زبردستی حلق میں انڈیل کر بے دلی سے گھر کے چھوٹے موٹے کام نپٹاتی رہی اور ذہن میں وہ جملے گونجتے رہے‘ جن میں دونوں‘ میاں بیوی نے ایک دوسرے کی محبت میں کمی کے ڈھیروں ڈھیر دلائل اور ثبوت پیش کیے تھے۔

ٹیلی فون کی گرد جھاڑ کر ابھی پلٹی ہی تھی کہ فون بج اٹھا۔ دوسری طرف کنزیٰ تھی‘ ظاہر ہے گزشتہ روز کی دعوت پر تبصرے بھی تو بنتے تھے نا۔

”اور سناؤ کنزیٰ! گھر میں سب خیریت ہے‘ تمہاری جٹھانی صاحبہ کیسی ہیں؟“ آدھا گھنٹہ دعوت کے تجزیے اور تبصرے میں لگ چکا تو فلزا کو خیال آیا کہ موقع سے فائدہ اٹھا کر بہن کے سسرال کی بھی کچھ سن گن لے لی جائے۔

”جٹھانی صاحبہ ٹھیک ٹھاک بلکہ بہت بہت اچھی ہیں فلزا۔“ کنزیٰ کا لہجہ اس کے سچ کی گواہی دے رہا تھا‘ بہت خیال رکھتی ہیں میرا‘ بالکل بہنوں کی طرح‘ ہر کام میں ساتھ دیتی ہیں۔ اب کل کی ہی بات لے لو‘ امی کے گھر دعوت میں آنے کے لیے میں تیار ہوئی تو وقاص سے خاص طور سے میرے لیے کنگن منگوائے۔ کہنے لگیں‘ ’انس تو دلائے گا نہیں‘ تم گھر سے ہی پہن کر جاؤ‘۔“ کنزیٰ جٹھانی کی تعریف میں رطب اللسان تھی۔

”تو.... وہ.... کنگن.... وہ تمہیں انس نے نہیں دلوائے تھے۔“ فلزا کے لبوں سے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہوئے تھے۔

”کہاں فلزا‘ انس تو ایسے معاملات میں بالکل ہی روکھے ہیں۔“ کنزیٰ اور بھی نہ جانے کیا کیا بولتی رہی‘ جبکہ فلزا۔ کا دل چاہا کہ فون کا ریسیور اپنے سر پر دے مارے۔





سارے خیال مٹ گئے سارے ملال دھو دیے
اس نے تو میرے پیار کے سارے نشاں کھو دیے

کچھ موسموں کا زعم تھا کچھ تھا غرورِ ضبط بھی
تیرے فراق میں مگر ہم آنسوؤں سے رو دیے

مدت کی آرزو کے بعد وہ سب ملے تو یوں ملے
کچھ بے رخی کے بیج تھے جو کشتِ جاں میں بو دیے

کتنا بدل گیا ہے وہ لہجہ ہی اس کا دیکھ لو
طعنے نئے نئے دیے، نشتر کئی چبھو دیے

آئیں گے جب نہ آج وہ کیسا چراغاں آج تب
روشن ہیں جن سے بام و در سارے اتار دو دیے

وجیہہ ثانی

دل کی بات لبوں پر لا کر اب تک ہم دکھ سہتے ہیں
ہم نے سنا تھا اس بستی میں دل والے بھی رہتے ہیں

بیت گیا ساون کا مہینہ، موسم نے نظریں بدلیں
لیکن ان پیاسی آنکھوں سے اب تک آنسو بہتے ہیں

ایک ہمیں آوارہ کہنا کوئی بڑا الزام نہیں
دنیا والے دل والوں کو اور بہت کچھ کہتے ہیں

جن کی خاطر شہر بھی چھوڑا، جن کے لیے بدنام ہوئے
آج وہی ہم سے بیگانے بیگانے سے رہتے ہیں

وہ جو ابھی اس راہ گزر سے چاک گریباں گزرا تھا
اس آوارہ، دیوانے کو جالب جالب کہتے ہیں

حبیب جالب

جانے کیا کچھ راکھ ہوا

محبّت کی اور اتنی کی
کہ
ہم نے اپنا
سب کچھ تم پر وار دیا
نفرت کی اور اتنی کی
کہ
ہم نے اپنی
نس نس میں زہر اتار دیا
اس تنگ و دو میں
جل کر ساجن
جانے کیا کچھ راکھ ہوا
پر اتنا ہے
اپنے اندر ہم نے تم کو مار دیا

نجمہ نسیم

دن بھر خاک اڑائی شب بیداری کی
مجھ میں ایک چراغ نے ماتم داری کی

تیرا شکوہ سر آنکھوں پر لیکن یار
میں نے اپنے ساتھ بھی وقت گزاری کی

دل کے ساتھ ہی رکھی ہے دُنیا یعنی
آدھا عشق اور آدھی دُنیا داری کی

روح کسی کو، جسم کسی کو سونپ گیا
وقت نے میرے ساتھ بڑی فن کاری کی

میرے عیب نہ دیکھ، مرے کردار کو چھوڑ
میں نے تیرے ساتھ کبھی غداری کی؟

نوحے پڑھنے والے مجھ کو بھول گئے
میں نے خود سے خود ہی پُرسہ داری کی

میثم علی آغا

شگفتہ گاہ



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ہر بیماری کی دوا ہے جب وہ دوا پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے شفا ہو جاتی ہے۔"

انصاف،

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بڑے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ایک اونٹ خریدا اور اسے سرکاری چراگاہ میں بھیج دیا۔ جب وہ موٹا تازہ ہو گیا تو اسے بیچنے بازار گئے۔ ادھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہوا تو وہ فوراً بازار پہنچے اور فرمانے لگے۔

"افسوس عبداللہ افسوس! امیرالمومنین کے بیٹے! تو نے انتہا کر دی افسوس!"

عبداللہ نے کہا "ابا جان بات کیا ہے؟"

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "یہ اونٹ کیسا ہے؟"

عبداللہ نے جواب دیا۔

"یہ اونٹ میرا ہے، میں نے اسے خریدا اور پھر سرکاری چراگاہ میں بھیج دیا۔ اب یہ موٹا تازہ ہو گیا ہے تو اسے بیچنا چاہتا ہوں جیسا کہ عام مسلمان کرتے ہیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"ہرگز نہیں۔ امیرالمومنین کے بیٹے کے لیے کسی بھی قسم کی رعایت ہرگز نہیں۔ عبداللہ! اپنے اونٹ کی اصل قیمت لو اور منافع بیت المال میں جمع کروا دو۔"

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حکم کی تعمیل کی۔

لاریب، ماہ زیب۔ چونیاں

اَن پڑھ کی دلیل،

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری اپنے بچپن میں والد صاحب کے ہمراہ مسجد میں جایا کرتے تھے۔ ایک دن دیکھا کہ دو اَن پڑھ نمازیوں میں مناظرہ ہو رہا تھا۔ ایک کہتا تھا کہ عذاب روح اور بدن دونوں کو ہوگا۔ دوسرا کہتا تھا کہ عذاب روح ہی کو ہوگا۔ جو کہتا تھا کہ عذاب روح اور بدن دونوں کو ہوگا اس نے مثال دی۔

"ایک باغ میں نابینا اور دوسرا لنگڑا چوری کے خیال سے گئے۔ لنگڑا کہنے لگا۔

میں ٹانگ سے چل نہیں سکتا، نابینا نے کہا۔ میں پھلوں کو دیکھ نہیں سکتا۔ آخر یہ فیصلہ ہوا کہ نابینا لنگڑے کو اپنے کاندھے پر اٹھائے اور لنگڑا پھل توڑے۔ انہوں نے یہی کیا۔ اتنے میں باغبان آگیا۔ اب وہ دونوں کو ہی گرفتار کرے گا نہ کہ ایک کو۔"

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے اس شخص کی بات سن لی۔ پھر بہت مدت بعد میں تذکرۃ القرطبی دیکھ رہا تھا۔ اس میں یہی مثال حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کی گئی۔ میں اسے پڑھ کر اس اَن پڑھ کی ذہانت پر حیران رہ گیا۔ کہ کیا جواب دیا تھا اس نے۔

شاہدہ ظفر، فرحین ظفر۔ کراچی

پیار،

کسی انسان کا پہلا پیار بننا کوئی بڑی بات نہیں۔ بننا ہے تو آخری پیار بنو اس لیے کبھی یہ مت سوچو کہ تم سے پہلے وہ کسی اور سے پیار کرتا تھا۔ کوشش

کرد کہ تمہارے بعد اسے کسی اور کے پیار کی ضرورت نہ رہے۔

(اشفاق احمد۔ زاویہ)

نیلی ظہیر۔ بھکر

دانت کا درد،

استاد نے بچے سے پوچھا "کل تم اسکول کیوں نہیں آئے تھے؟"

"کل میرے دانت میں درد تھا۔" بچے نے کہا۔

"آج تو درد نہیں ہے؟" استاد نے پوچھا۔

"معلوم نہیں سر!"

"کیا مطلب! تمہیں اپنے دانت کے درد کا علم نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔" استاد نے کہا۔

بچہ بولا۔ "نہیں سر! دراصل میرا دانت کل ہی ڈینٹل اسپیشلسٹ نے نکال کر اپنے پاس رکھ لیا تھا۔"

ساجدہ افتخار

پہیلی،

ایک عورت نے ہرن کا گوشت پکایا مگر اپنے بچوں سے اس کا ذکر نہیں کیا کہ یہ کس کا گوشت ہے لیکن ایک اشارہ دیا اور بولی۔

"یہ وہ ہے جو تمہارے پاپا پیار سے مجھے کہتے ہیں۔"

اچانک ایک بچہ زور سے بولا۔ "اوئے نہ کھاؤ کھوتی بچی ہے کھوتی۔"

نخبہ اکرم۔ گاؤں گولیکی

آخری فرمائش،

باپ کے مرنے کے بعد بیٹے نے ماں کو اولڈ ہاؤس میں داخل کروا دیا اور خود سال میں ایک بار چکر لگا لیتا۔ ایک دن اولڈ ہاؤس سے اس کو کال آئی کہ آپ کی ماں کی حالت بہت خراب ہے۔

بیٹا گیا تو اس نے دیکھا کہ ماں کی حالت واقعی خراب تھی۔ تقریباً مرنے والی تھی۔ بیٹے نے پوچھا۔

"ماں میں تیرے لیے کیا کر سکتا ہوں؟"

ماں بولی۔ "بیٹا! اس اولڈ ہاؤس میں پنکھے نہیں ہیں۔ تم یہاں پنکھے لگوا دو۔"

بیٹا حیران ہو کر بولا۔ "ماں! اتنے سال سے تم یہاں تھیں، اب آخری وقت میں یہ فرمائش کیوں؟"

ماں بولی۔ "بیٹا! میں نے تو جیسے تیسے وقت گزار لیا، ڈرتی ہوں کہ کل کو تیرے بچے تجھے یہاں چھوڑیں گے تو تو گرمی برداشت نہیں کر سکے گا۔"

ارم کمال۔ فیصل آباد

الفاظ کی پھوار میں کچھ دیر بھیگ لیجیے،

- اپنی آواز کے بجائے اپنی دلیل کو بلند کرو کیونکہ پھول بارش برسنے سے کھلتے ہیں بادل گرجنے سے نہیں۔
- لوگ چائے کی تھیلیوں کی طرح ہوتے ہیں جنہیں کھولتے ہوئے پانی میں ڈالے بغیر پتا نہیں چلتا ان کا اصل رنگ کیا ہے۔
- تہذیب کا آغاز اس وقت سے ہوا جب کسی نے غصے میں آکر "پتھر" کے بجائے "لفظ" سے وار کیا۔
- اپنے ماضی میں جھانکنا ایسے ہی ہے جیسے گاڑی کے ایرویو مرر میں پیچھے دیکھنا چند لمحوں کے لیے دیکھنے سے آپ کو اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کتنا آگے بڑھ گئے ہیں لیکن بہت دیر تک پیچھے دیکھنے سے آپ اپنے سامنے موجود چیزوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔
- اندر سے ٹوٹا ہوا انسان باہر کے لوگوں کے بھی کسی کام کا نہیں رہتا۔
- شہرت وہ ہے جو انسان ہمارے بارے میں سوچتے ہیں اور کردار وہ ہے جو خدا اور فرشتے ہمارے بارے میں جانتے ہیں۔
- آپ جب صبح اٹھیں تو پکا ارادہ کریں کہ آج کے دن کو کسی انسان کے لیے پرمسرت بنائیں گے۔

- یہ دُنیا اس جوشیلے آدمی کی ہے جو ٹھنڈا رہتا ہے۔

رضوانہ شکیل ڈاؤ۔ لودھراں

ظاہر نہیں، حقیقت دیکھو،

اشفاق احمد کہتے ہیں" میری بیوی یونیورسٹی میں پڑھاتی تھی۔ میں ہر روز گاڑی میں اسے چھوڑنے یونیورسٹی جاتا۔ یونیورسٹی کے گیٹ پر پہنچ کر گاڑی سے اترتا اور دوسری طرف سے آکر دروازہ کھولتا۔ میری بیوی اترتی اور سہیلیوں کے ساتھ یونیورسٹی کے گیٹ سے اندر داخل ہو جاتی۔ پھر چھٹی کے ٹائم دوبارہ آتا اور بیوی کو گاڑی میں بٹھا کر گھر واپس لے آتا تھا۔

میری بیوی کی سہیلیاں ہر روز یہ منظر دیکھتیں اور کہتیں کہ ان کے درمیان کتنی محبت اور رومانس ہے۔ وہ دعا کرتیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسا شوہر دے۔ یہ پریکٹس ہر روز جاری رہتی۔ میں شاہی نوکر کی طرح دروازہ کھولتا اور میری بیوی شہزادی کی طرح اتر کر یونیورسٹی میں داخل ہوتی۔ بیوی کی سہیلیاں یہ حسرت اور دعا کرتیں کہ ہر ایک کو ایسا ہی خاوند ملنا چاہیے۔

وہ لکھتے ہیں:"درحقیقت ہمارے درمیان کوئی ایسی ویسی محبت نہیں تھی۔ دراصل بات یہ تھی کہ گاڑی کا دروازہ خراب تھا۔ جو اندر سے نہیں کھلتا تھا۔ اس لیے مجھے اتر کر باہر سے کھولنا پڑتا تھا"

شاہدہ، سمی، فرمین۔ کراچی

چند باتیں زندگی کی،

- زندگی کی ہر خواہش پوری نہیں ہوتی مگر بعض چیزیں بغیر خواہش کے بھی تو مل جاتی ہیں۔
- جن کی نیت میں ایک دفعہ بھی کھوٹ آجائے تو وہ ساری زندگی سفر میں رہتے ہیں۔ زندگی ان کے لیے مسافرت بن جاتی ہے۔ دکھ، درد والی مسافرت۔
- بعض لمحے چاقو کی دھار جیسے ہوتے ہیں۔ غلط فیصلہ ہو جائے تو ان کی کاٹ سے نہ جان بچتی ہے اور نہ ایمان۔
- دوستی اور رشتے کی حدت اور تیزی ہی ان کی خوبی ہے نہ کہ حد درجہ مٹھاس۔
- حقیقت سے روشناس ہونا لازمی ہے اور یہ کوشش ہمیشہ جاری رہنی چاہیے لیکن حقیقت کا اظہار کبھی کبھار کرنا چاہیے۔
- انسان کسی کو شریک زندگی بنانے سے پہلے اس کے حال اور ماضی کو دیکھتا ہے لیکن یہ بھول جاتا ہے کہ اس کی رفاقت میں اس نے مستقبل گزارنا ہے۔
- ہم جب اللہ سے مانگتے ہیں تو بے حساب مانگتے ہیں لیکن جب عبادت کا وقت آئے تو نفل بھی گن گن کر ادا کرتے ہیں۔

سیدہ نسبت زہرا۔ کہروڑ پکا

ذرا سوچیے،

ہاتھی کے بچے کو پیر میں زنجیر ڈال کے پالا جاتا ہے۔ وہ کافی دن تک زنجیر توڑنے کی کوشش کرتا ہے لیکن ہمت ہار کے چھوڑ دیتا ہے۔ جب وہ بڑا اور طاقت ور ہو جاتا ہے تو وہی زنجیر ہوتی ہے جو ہلکی سی کوشش سے ٹوٹ سکتی ہے مگر ہاتھی کے دماغ میں وہی ہوتا ہے کہ زنجیر نہیں ٹوٹے گی اور وہ ساری زندگی غلام رہتا ہے۔ ہماری قوم کی طرح۔ ذرا سوچیے۔

عذرا ناصر۔ اقصیٰ ناصر۔ کراچی

موتی مالا،

- اگر خیالات میں گہرائی ہو تو کردار میں سادگی آجاتی ہے۔
- دو کل مل کر بھی آج کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔
- ہم یہ جانتے ہیں کہ ہم کیا ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ ہم کیا بن سکتے ہیں۔

شفاعت بتول نین تارا۔ جام پور



امت الصبور

خواتین کی ڈائری

سیدہ نسبت زہرا کی ڈائری سے

زندگی ایک مسلسل تھکا دینے والے سفر کا نام ہے۔ اس میں خواب و خیال بھی حقیقتوں سے قریب کر دیتے ہیں۔ یہ زندگی خوابوں سے مزین ہے جس میں ہر انسان اپنی خواہشات کے آئینوں کو سجاتا ہے۔ کھلتے رنگوں سے خوشبوؤں سے، پھولوں سے، دھنک رنگوں سے، بارشوں میں کھیلتے ہوئے زندگی سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ اسے پتا ہی نہیں چلتا کب یہ خوابوں کا آئینہ کرچی کرچی ہو کر بکھر گیا ہے، کب اس کے خواب کے تسلسل میں دراڑیں پڑ گئیں، کب، کیسے، کس طرح سے خوابوں کا جہاں ٹوٹ کر بکھرتا ہے ...... پروین شاکر کی یہ خوبصورت نظم۔ خواب سے حقیقت کا سفر تمام ہوتے منظر پیش کرتی ہے۔ آپ بھی پڑھیے اور محسوس کیجیے۔

میں رنگ میں دیکھتی تھی، خوشبو میں سوچتی تھی
مجھے گماں تھا
کہ زندگی اجلی خواہشوں کے چراغ لے کر
میرے دریچوں میں روشنی کی نوید بن کر اتر رہی ہے
میں گھر میں چاندنی پہن کر
بنفشی بادلوں کا ہاتھ تھامے
فضا میں پرواز کر رہی تھی
سماعتوں میں سحاب لہجوں کی بارشیں تھیں
بصارتوں میں گلاب چہروں کی روشنی تھی
ہوا کی ریشم رفاقتیں تھیں
صبا کی شبنم لطافتیں تھیں
حیات خوابوں کا سلسلہ تھا
کھلی جو آنکھ تو سارے منظر دھنک کے اس پار رہ گئے
نہ رنگ میرے، نہ خواب میرے
ہوئے تو بس کچھ عذاب میرے
نہ چاند راتیں، نہ پھول باتیں
نہ نیل صبحیں، نہ جھیل شامیں
نہ کوئی آہٹ، نہ کوئی دستک
حروف مفہوم ہو چکے ہیں
علامتیں بانجھ ہو گئی ہیں

گلابی خوابوں کے پیرہن راکھ ہو چکے تھے
حقیقتوں کی برہنگی
اپنی ساری سفاکیوں کے ہمراہ
جسم و جاں میں اتر رہی ہے
وہ مہرباں سایہ دار بادل
عذاب کی رت میں چھوڑ کر مجھ کو جا چکا ہے
زمین کی تیز دھوپ
آنکھوں میں چبھ رہی ہے۔

وشال فرحان، شاہینہ عارف کی ڈائری سے

زندگی میں کوئی نہ کوئی ایسا شخص ضرور ملتا ہے کہ جس کی شکل دل کو بہت بھلی لگتی ہے چاہے عام سی شکل ہو مگر دل کے معاملے عجیب ہوتے ہیں۔ ذرا سی بات پر راستے جدا ہو جاتے ہیں لیکن پھر بھی یہ دوستی مسلسل رات دن تو نہیں مگر کبھی کبھی ضرور یاد آتی ہے۔ ایسی ہی احمد فراز کی یہ خوبصورت سی نظم جس میں احمد فراز نے خوبصورت لفظوں کو موتیوں کی مانند پرو دیا ہے۔ آپ بھی پڑھیے اور لطف اٹھائیے۔

بھلی سی ایک شکل تھی،

بھلے دنوں کی بات ہے بھلی سی ایک شکل تھی
نہ یہ کہ حسن تام ہو نہ دیکھنے میں عام سی
نہ یہ کہ وہ چلے تو کہکشاں سی راہ گزر لگے
مگر وہ ساتھ ہو تو پھر بھلا بھلا سفر لگے
کوئی بھی رت ہو اس کی چھب فضا کا رنگ روپ تھی

وہ گرمیوں کی چھاؤں تھی وہ سردیوں کی دھوپ تھی
نہ ایسی خوش لباسیاں کہ سادگی گلہ کرے
نہ اتنی بے تکلفی کہ آئینہ حیا کرے
نہ عاشقی جنوں کی کہ زندگی عذاب ہو
نہ اس قدر کٹھور پن کہ زندگی خراب ہو
سو ایک روز کیا ہوا وفا کی بحث چھڑ گئی
میں عشق کو امر کہوں وہ میری ضد سے چڑ گئی
میں عشق کا اسیر تھا وہ عشق کو قفس کہے
کہ عمر بھر کے ساتھ کو وہ بدتراز ہوس کہے
نہ اس کو مجھ پہ مان تھا نہ مجھ کو اس پہ زعم ہی
جو عہد بھی کوئی نہ ہو تو کیا غم شکستگی
سو اپنا اپنا راستہ ہنسی خوشی بدل دیا
وہ اپنی راہ چل پڑی میں اپنی راہ چل دیا
بھلی سی ایک شکل تھی بھلی سی اس کی دوستی
اب اس کی یاد رات دن نہیں، مگر کبھی کبھی

ملائکہ کوثر کی ڈائری سے

میری ڈائری میں تحریر سادہ سی مگر پُراثر نظم قارئین بہنوں کے نام، جس میں تخلیق کار نے گزرے لمحوں کے چراغ گویا دلوں میں روشن کر دیے ہیں۔

یوں اکیلے میں اُسے اہل وفا یاد آئے
جیسے بندے کو مصیبت میں خدا یاد آئے
جیسے بھٹکے ہوئے پنچھی کو نشیمن اپنا
جیسے اپنوں کو بچھڑنے پہ دُعا یاد آئے
جیسے ڈھلتی شاموں کو سویرا کوئی
جیسے پنجرے میں پرندے کو فضا یاد آئے
جیسے بوڑھے کو خیالات میں بچپن اپنا
جیسے بچے کو شرارت پہ سزا یاد آئے
جیسے اُجڑی ہوئی بستی کو زمانہ اپنا
جیسے طوفانوں کو تھمنے پہ دیا یاد آئے
جیسے پلکوں کے جھپکتے ہی کنارے بھیگیں
جیسے اُس روز ہوا کون خدا یاد آئے
جیسے سورج کی تمازت میں گھٹا یاد آئے
یوں اکیلے میں اُسے اہل وفا یاد آئے





خط بھجوانے کے لیے پتا
خواتین ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔
Email: info@khawateendigest.com

ام طلحہ، نادیہ علی، ناز علی، نور آمنہ۔۔۔۔ نامعلوم شہر۔

ٹائٹل ہمیں پسند نہیں آیا۔ آپ کو بہت لوگ مشورہ دے چکے ہیں کہ سرورق تبدیل کریں۔ آپ نے اس بارے میں کیا سوچا ہے؟ عمیرہ احمد اچھا لکھ رہی ہیں لیکن اگر عنایہ اور رئیسہ کو گفتگو میں تھوڑا زیادہ شامل کریں تو اچھا ہوگا۔ ایسا لگتا ہے ان دونوں کو جواب ہی نہیں آتا۔ ''دشت جنوں'' آمنہ ریاض کا تو نام ہی کافی ہے کسی کہانی کی تعریف کے لیے۔ آمنہ جی سے ذرا پوچھ کر بتادیں کہ یہ بشام کہاں ہے؟ شہر آشوب امتہ العزیز شہزاد نے بہترین لکھا۔ چندا کو اس کی ہوس کی سزا ملی۔ مگر میں حیران ہوں کہ کوئی عورت خصوصاً ''ایک ماں اتنی منتقم مزاج ہو سکتی ہے کہ اپنی اولاد کی زندگی برباد کردے اور پچھتاوا بھی نہ ہو؟ بہرحال رائٹر کو اتنی اچھی کہانی لکھنے پر مبارک باد۔ سفر نا تمام بھی اچھا تھا۔ افسانے سارے پسند آئے۔ مگر مفاد پرست زیادہ اچھا تھا۔ اور ثمینہ آنٹی (ثمینہ اکرم لیاری) پلیز آپ ہر مہینے شامل ہوا کریں کیونکہ آپ کی طبیعت کا پتا چل جاتا ہے اگر آپ نہیں شامل ہوتیں تو غنوی سے کہا کریں۔ امتل آپی! آپ سے گزارش ہے کہ پلیز پرانی رائٹرز کو بھی بلائیں ' بہت کمی محسوس ہوتی ہے۔ کرن کرن روشنی میں آداب (کھانے ' پینے ' راستے میں چلنے) کے بارے میں احادیث شائع کریں۔

ج: ام طلحہ! آپ طلحہ کی ماں ہیں بہت اچھی بات ہے لیکن اچھا ہوتا کہ اپنا نام ہی لکھ دیتیں۔ آپ کی اپنی بھی تو ایک شناخت ہے۔

ٹائٹل کے بارے میں آپ کی رائے زیر غور ہے۔ کرن کرن روشنی کے سلسلے میں آپ کی فرمائش ضرور پوری کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

حنا احمد علی۔۔۔ کراچی

آپی میں نے تو بیس سے پہلے پوسٹ کردیا تھا پھر میرا خط شائع کیوں نہ ہوا؟ میں بھول گئی تھی کہ میں ' منا نکہ کوثر '

حنا گل ' عفت سعید ' مسرت الطاف احمد ' وغیرہ نہیں کہ میری ان کی طرح جگہ بن سکے ' آپی میں نے خط کو نہ پا کر جو آنکھوں میں بے اختیار آنسو آئے وہ کیسے روکے ' اللہ جانتا ہے۔ میں حساس ہوں ' آپی میں نے جس سے بھی آج تک محبت کی وہ کبھی مجھے اہمیت نہیں دیتا۔ میں بہت اکیلی ہوں۔ آپی مجھے بتائیں ' کیا وہ آپ کو موصول ہو چکا یا نہیں۔

ج: پیاری حنا! آپ نے ضرور خط بارہ کو لکھا ہوگا۔ مگر وہ ہمیں بہت تاخیر سے ملا تھا۔ یہ جو آپ نے ہماری چند قارئین کے نام تحریر کرکے شکوہ کیا ہے۔ آپ نے کیسے سوچ لیا کہ ان کی طرح آپ کی جگہ نہیں بن سکتی۔ ہر شخص کی اپنی جگہ ' اپنا مقام ہوتا ہے۔ کوئی کتنا ہی قابل کیوں نہ ہو ' وہ دوسرے کی جگہ نہیں لے سکتا اور ہماری سوچ تو یہ ہے کہ جو ذرہ جس جگہ ہے وہیں آفتاب ہے۔ کہانی کے لیے معذرت ' آپ صرف اور صرف مطالعہ پر توجہ دیں۔ اور ہاں۔ اس انسان پر زیادہ آزمائشیں آتی ہیں جن سے پروردگار زیادہ محبت کرتا ہے۔ آپ ہم سے زیادہ خود سے ناراض معلوم ہوتی ہیں۔ اتنی سی تو زندگی ملتی ہے ' اسے خوش خوش گزاریں۔

عائشہ رباب ... کراچی

سرورق کچھ خاص نہیں لگا۔ کہنی سنی سے پڑھنا شروع کیا۔ مدیر نے خوب لکھا ہے۔ لیکن شمارے سے شکایت ہو گئی۔ 23 مارچ یا پاکستان کے حوالے سے صرف ایک افسانہ شائع ہوا ہے۔ "کرن کرن روشنی" پڑھی۔ اللہ نے ہم مسلمانوں کے لیے محض ایک تسبیح میں کتنی نیکیاں رکھی ہیں۔ سبحان اللہ.... ابن انشاء کو پڑھا' طنزو مزاح میں لاجواب۔ ثمینہ احمد سے ملاقات اچھی رہی۔ "حرف سادہ کو" مصباح نوشین کے جوابات اچھے لگے۔ عمران اشرف کا انٹرویو اچھا لگا۔ اب آتے ہیں کہانیوں کی طرف "ناول" "دشت جنوں" بہت زبردست ہے' وسامہ پر بہت افسوس ہوا۔ منفرا اور معاویہ کی کہانی بہت انٹرسٹنگ ہے۔ خوش نصیب کی حرکتیں ایک آنکھ نہیں بھاتیں۔ عرفات ماموں کا ماضی زیادہ پر تجسس لگ رہا ہے۔ "آب حیات" بہت بہترین پلاٹ ہے لیکن کہانی میں ہر چیز کی زیادتی ہے۔ امامہ کی حساسیت' جبریل کی سنجیدگی' حمین کی شرارتیں۔ مکمل ناول "نمل" بہت عمدہ' پوری قسط سانس روک کر پڑھتی ہوں۔ ہر سطر بہترین ہے۔ آبدار فارس کو پسند کرنے لگی ہے۔ ہاشم اور فارس کے بیچ اب نئی جنگ شروع نہ ہو جائے۔ آبدار کی ماں کی کیا کہانی ہے؟ کچھ اندازہ نہیں لگا سکتی۔ "سفر نا تمام" بہت اچھی' بہت سبق آموز کہانی تھی۔ شادی شدہ بہنوں کو تو اس سے لازمی سبق حاصل کرنا چاہیے۔ "شہر آشوب" بہت اچھا اینڈ ہوا۔ صد شکر کہ اشعر فرشتہ بن کر اجیہ کے لیے نہیں آیا۔ میرب کی ہمدردی بہت بھائی۔ اور چندا کا انجام بھی بہت ہٹ کر تھا۔ اچھا کیا کہ آپ نے اس کی ٹانگیں تڑوا کر اسے اسپتال نہیں پہنچایا۔ اینڈ بہت اچھا تھا۔ "افسانہ" "خوشبو" کچھ خاص نہیں لگا۔ پر اینڈ اچھا تھا۔ "من کا گھاؤ" بہترین کہانی تھی۔ "جگمگاتا ماہتاب" اور نکی جی ہاں' بالکل بھی پسند نہیں آیا۔ "نین تارا" نے اچھا سبق دیا کہ اپنے اوپر اتنا ظلم سہنے کے بعد بھی جب اس کی باری آئی تو اس نے بدلہ نہیں لیا۔ یہی انسانیت کی معراج ہے۔ "مفاد پرست" شمارے کی سب سے بہترین کہانی لگی۔ ثمینہ اکرام نے خود کو شمارے کا حصہ بنالیا ہے۔ یہ نہ ہوں تو شمارہ ادھورا لگتا ہے۔

ج: عائشہ! بہت شکریہ کہ آپ نے اتنا تفصیلی اور اچھا تبصرہ کیا۔ کہانی ابھی پڑھی نہیں۔ قابل اشاعت ہوئی تو ضرور شائع ہوگی۔

ملائکہ کوثر.... بسم اللہ پور

"دشت جنوں" آمنہ ریاض کی پڑھنے کا زیادہ ارادہ نہیں تھا۔ طویل ناول پھر انتظار کی کوفت سے بچنے کے لیے۔ آپ نے جب ہلا شیری دی تو دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر پڑھا۔ زبردست سسپنس اور خوش نصیب کی لن ترانیاں' کیف کی پر مزاح باتیں' عرفات ماموں سے مل کر اچھا لگا۔ آیو شمتی کیا ہے بھئی۔؟ آئے کت نام بولنے میں کچھ عجیب سا لگتا ہے' کیا معنی ہیں اس کے' کس زبان کا ورڈ ہے یہ۔ فروری کے شمارے میں ایمل رضا کا "چن پردیسیاں" کچھ کچھ مزاح کا تڑکا لگائے پسند آیا تھا۔

ج: ملائکہ! آمنہ نے اب تک جو لکھا ہے' بہت خوب لکھا ہے۔ اچھا ہوا کہ آپ نے یہ ناول پڑھنا شروع کردیا ہے۔ آپ کو مایوسی نہیں ہوگی۔ ان شاء اللہ۔ آئے کت کے معنی ہیں "پورا چاند" یہ ترکی زبان کا لفظ ہے۔

آیو شمتی کیا ہے یہ آگے چل کر آپ کو پتا چلے گا۔ تھوڑا سا انتظار کرلیں۔

اقراء اشرف.... ملتان

"کرن کرن روشنی" جسے پڑھ کر دل روشنی سے بھر گیا۔ میں نے اپنی زندگی کا پہلا خط خواتین میں صرف "نمل" کی خاطر لکھا ہے۔ بہت عمدہ اور بہت ہی شاندار ناول ہے۔ جب یہ سوچتی ہوں کہ نمل ختم ہوجائے گا تو دل بہت اداس ہوجاتا ہے۔

"آب حیات" کی تو ہر ماہ کی طرح اس ماہ کی قسط بھی بہت اعلا تھی۔ مجھے "حنین" اور "جبریل" بے حد پسند ہیں۔ اس ماہ ایک اور کردار بھی بہت پسند آیا "اریک" کا۔ عمیرہ احمد کی تعریف کے لیے لفظ نہیں ہیں۔ اور ایسے شاہکار ناولز بلاشبہ ان ہی کے قلم سے لکھے جاسکتے ہیں۔

آمنہ ریاض کا "دشت جنوں" پڑھا۔ ابھی تو شروعات ہے' اس لیے بہت سی باتیں سمجھنا ذرا مشکل ہو رہا ہے۔ آیو شمتی کیا ہے؟ سمجھ سے باہر ہے۔ البتہ "کیف اور خوش نصیب" کے کردار بہت دلچسپ لگے۔ پڑھ کر بہت ہی مزہ آیا۔ معاویہ کو جاننے کا تجسس بھی ہے۔ ایمل رضا کی تحریر بہت عمدہ تھی "فرحت اشتیاق" کو پڑھنے کے لیے

بے قرار ہوں۔ کب آئے گا ان کا نیا ناول؟
ج:۔ پیاری اقرا! ہم بھی یہی سوچتے رہتے ہیں 'کب آئے گا فرحت کا ناولٹ'؟ انہوں نے وعدہ کیا تھا لکھنے کا۔ ہم منتظر ہیں کہ یہ وعدہ کب ایفا ہو گا۔

مصباح مقدر۔۔۔ گاؤں ترن تاری 45 گ ب سمندری

میں عمیرہ احمد اور نمرہ احمد کی شکر گزار ہوں جو اتنے سبق آموز ناول لکھتی ہیں۔ اس ماہ ۔ نمل کی قسط بہت اچھی تھی' آب حیات بھی اچھا جا رہا ہے۔ بی اے کر کے اب ایم اے کرنے کا سوچ رہی ہوں۔ میں ایم اے اکنامکس میں کرنا چاہتی ہوں۔ خواتین اور شعاع کے تمام سلسلے اچھے ہیں۔ رخسانہ جی کے بھائی کی وفات پر ان سے دلی تعزیت۔ خواتین ڈائجسٹ کی وجہ سے مجھے اسلام کے بارے میں بہت کچھ جاننے کا موقع ملا ہے۔ ہمارا دین بہت آسان ہے۔ اگر سب سعدی کی طرح سوچیں۔ بہت ہی خاص ناول "جنت کے پتے" سے مجھے پردے کے بارے میں جاننے کا موقع ملا ہے۔
ج: مصباح! یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہتے ہوئے آپ نے گریجویشن کیا اب ایم اے کی تیاری کر رہی ہیں۔ خواتین کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

قرۃ العین عباسی۔۔۔ کراچی

"من کا گھاؤ" پڑھ کر احساس ہوا کہ پاکستان لینے کے پیچھے کیا وجوہات کار فرما تھیں۔ شہر آشوب نے آخر تک اپنی گرفت میں لیے رکھا۔ سفرنامہ تمام بھی اچھا تھا۔ نگی جی ہاں ہلکی پھلکی تحریر تھی۔ نین تارا اور مفاد پرست بھی اچھی کہانیاں تھیں۔ ثمینہ احمد جیسی ورسٹائل فنکارہ سے ملاقات کر کے بہت اچھا لگا۔ کرن کرن روشنی تو ویسے ہی لاجواب ہے۔
ج: بہت شکریہ قرۃ العین! ان سطور کے ذریعے آپ کی تعریف مصنفین تک پہنچا رہے ہیں۔

سعدیہ شفیق۔۔۔ گوجرانوالہ

آپ اور آپ کی ٹیم اس فتنے کے دور میں جو نوجوان نسل کی رہنمائی کر رہی ہے۔ یقیناً" آپ کے لیے اجر کا باعث ہو گی۔ اللہ تعالی آپ سب کی کوششوں کو قبول فرمائے۔ "خواتین ہمیشہ کی طرح بہت زبردست تھا۔ خاص طور پر "نمل" اور "آب حیات" رسالے کی جان ہیں۔ نمرہ احمد جس طرح آیات کی تشریح اور وضاحت کر رہی ہیں۔ بہت زبردست۔ باقی تمام افسانے اور آپ کے سلسلے بہت خوب صورت ہیں۔ بس اک سرورق کو تھوڑا بدل دیں تو بہت اچھا ہو۔
ج:۔ سعدیہ! خط لکھنے کا شکریہ۔ سرورق کے لیے آپ کی تجویز پر غور کریں گے۔

شازیہ الطاف ہاشمی۔۔۔ شجاع آباد

ایمل رضا اس دفعہ بھی نمبر لے گئیں واہ بھئی واہ۔ آیو شمتی کی پراسراریت نے بھی خوب محظوظ کیا۔ عمیرہ احمد نے بھی کمال کر دیا۔
ج:۔ بہت شکریہ شازیہ! آپ کی کہانی ابھی پڑھی نہیں۔

عفیفہ فاطمہ۔۔۔ بھاول پور

سب سے پہلے "نمل" پڑھا۔ نمرہ جی آپ بہت اچھے طریقے سے ہم لڑکیوں "کو بہت اہم باتیں سکھاتی جا رہی ہیں۔ حنین کا کردار مجھے بہت پسند ہے۔

عمیرہ احمد کا ناول "آب حیات" سوچا تھا مکمل ہونے کے بعد پڑھوں گی۔ لیکن پھر صبر نہیں ہوا۔ پچھلی ساری قسطیں پڑھ لیں۔ بس پلیز سالار کے ساتھ کچھ برا نہ کریے گا۔ خواتین کے سارے سلسلے ہی مجھے بہت پسند ہیں۔
ج:۔ عفیفہ! صرف دو کہانیوں پر تبصرہ؟ بالکل مزا نہیں آیا۔ آمنہ ریاض کا ناول' امتہ العزیز شہزاد کا ناول' ایمل رضا کا افسانہ کسی کا ذکر تک نہیں؟

رلفہ حسین۔۔۔ کراچی

آب حیات کی اکتا دینے والی اور نمل کی مشن امپاسبل والی اقساط کے ساتھ مارچ کا شمارہ ملا۔ آب حیات کی یہ قسط تو نرا تعارفی پروگرام تھی۔ آگے کردار کم تھے جو مزید ڈال دیے۔ پھر بیانیہ انداز جیسے کہ کوئی نیوز رپورٹ ہو۔
احسن سعد کے خاندان کے تعارف میں لکھا کہ ان کی زندگی کا واحد مقصد آخرت کی سرخ روئی تھا۔ کیا مصنفہ بتا سکتی ہیں کہ ایک مسلمان کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ سالار

ایک لیبل 'مسلمان' ہے اس میں اور اس کے خاندان میں سب اچھا ہے اور اس کے متوازی سعد خاندان کا ہر رویہ منفی۔ یہ مصنفات ایسے انتہائی رویے کیوں دکھاتی ہیں؟

تسنیم شریف کا "من کا گھاؤ" 23 مارچ کے حوالے سے ایک یادگار اور چشم کشا تحریر تھی۔ مفاد پرست بھی اچھی تھی۔ باقی افسانے بھی گزارے لائق تھے۔

نمرہ احمد کو بہت سی قاریات تفسیر لکھنے کی ترغیب دیتی ہیں۔ غالباً" وہ فلسفے اور تفسیر میں امتیاز نہیں کرپاتیں۔ تفسیر لکھنے کے کچھ بنیادی اصول ہیں اور کچھ مخصوص علوم حاصل کرنے پڑتے ہیں۔

مریم کیمپر کے ناول میں عروج کو شادی سے ایک دن پہلے جس طرح زبردستی بھگایا گیا' اگر اس کردار کی زبان ہوتی تو وہ یقیناً" احتجاج کرتا۔

آج کل کئی افسانوں اور ناولوں میں ایک سین زبردستی گھسایا ہوا ہوتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے خاص طور پر مصنفات کو تاکید کی جاتی ہے کہ یہ سین ڈالیں۔ اس میں ہیروئن ہیرو کے کمرے میں آتی ہے اور وہ بغیر شرٹ کے ہوتا ہے۔ براہ کرم اپنی سنسر پالیسی سخت کریں۔ میڈیا کا پول تو کھل ہی چکا ہے۔ آپ سے فی الحال حسن ظن رکھتے ہیں۔

ج:۔ پیاری ربقہ! اپنی رائے کا اظہار آپ کا حق ہے' آپ کی تنقید سر آنکھوں پر عمیرہ احمد نے احسن سعد کے متعلق جو لکھا ہے۔ معذرت کے ساتھ آپ اسے سمجھ نہیں پائیں۔ احسن سعد کا رویہ تنگ نظری اور کوتاہ بینی کا مظہر ہے۔ ایک اچھا مسلمان پہلے ایک اچھا انسان ہوتا ہے۔ اسلام میں حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کی بھی تاکید کی گئی ہے۔

ہماری قارئین کی اکثریت ان دونوں ناولوں کو بے حد پسند کررہی ہے۔ ایک غلط فہمی دور کرلیں کہ ہماری رائٹرز اس طرح کے سین ہماری فرمائش پر لکھتی ہیں۔ ہماری سنسر پالیسی بہت سخت ہے۔ اس کی زد میں اکثر کئی کئی صفحات آجاتے ہیں۔ سہوا" کچھ ایسا چلا جائے' وہ علیحدہ بات ہے۔ اس ضمن میں ہم مزید احتیاط کریں گے۔ توجہ دلانے کا شکریہ۔

سائرہ نورین۔۔۔ شاہ عباس ملتان

میں نے پانچویں جماعت سے آپ کے شمارے پڑھنے شروع کیے۔

85 میں جب میں نے خواتین پڑھنا شروع کیا اس وقت میری بڑی بہن یہ پڑھتی تھیں۔ میری عمر کافی کم تھی اس لیے میں چھپ کر پڑھتی تھی۔ تھوڑا سا بڑا ہونے پر اولڈ بکس مارکیٹ جانے لگی اور وہاں سے 78 کے شمارے سے لے کر موجودہ سن تک پڑھے۔ اس وقت رضیہ جمیل اور رضیہ بٹ کے ناول شائع ہوتے تھے۔ کرن میں نگہت عبداللہ کا "مجھے روٹھنے نہ دینا" "تاروں سے سجا آنگن" "میرے خیال میں آسیہ سلیم قریشی کا تھا۔ عظمت عزمی کا "گیت گلاب اور تم" اور رفعت سراج کے ناولوں میں تو میری جان تھی "شاہکار" "دل دریا تن صحرا" "طائر لاہوتی" وغیرہ شائع ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ "زرنین آرزو" نبیلہ نقوی' آسیہ رزاقی' فرحت اشتیاق کے ناول شوق سے پڑھے۔

میری پسندیدہ رائٹرز کی فہرست بہت طویل ہے۔

اب جس ناول نے مجھے خط لکھنے پر مجبور کیا ہے۔ وہ ہے نمرہ احمد کا "نمل" شمارہ ہاتھ میں آتے ہی سب سے پہلے نمل پڑھتی ہوں پھر "آب حیات" اور پھر باقی سب ناول اور ناولٹ۔ پھر بعد میں افسانے۔ میں نے زندگی کے ہر موڑ پر ان کہانیوں سے سبق سیکھا ہے اور الحمدللہ ایک کامیاب زندگی گزار رہی ہوں میری تربیت میں بڑا ہاتھ آپ کے ادارے کا ہے' میں اس سب کے لیے آپ کی محمود ریاض صاحب کی اور ادارے کی شکر گزار ہوں جس کی وجہ سے میں دین اور دنیا کو سمجھ سکی۔

ج۔ سائرہ! آپ نے بہت اچھا خط لکھا' صفحات کی مجبوری نہ ہوتی تو پورا خط شائع کرتے۔ ہمیں اپنی قارئین پر فخر ہے اتنی سمجھ دار اور ذہین قارئین کا ملنا بلاشبہ ہماری خوش نصیبی ہے۔ خواتین کا اتنا طویل ساتھ نبھانے کے لیے تہ دل سے شکریہ۔

سائرہ عدنان۔۔۔ چکوال

خواتین کے ساتھ کا یہ سفر پندرہ سال پر محیط ہے' ہر کہانی میں ایک نئے سبق سے واسطہ رہا۔ بہت کچھ سیکھا ہے ان رسالوں سے میں نے۔ "آب حیات" عمیرہ احمد کا نام ہی کافی ہے۔ "نمل" پڑھ کر قرآن پاک ترجمے اور تفسیر سے پڑھنے کا شوق جاگا ہے' اللہ کرے کہ یہ شوق پایہ تکمیل کو پہنچے۔ "شہر آشوب" مزہ نہیں آرہا' ہاں مگر دشت

جنوں آمنہ ریاض نے باندھ لیا پہلی قسط سے ہی۔ ''کہنی سنی'' ''کرن کرن روشنی اور'' ''آپ سے کیا پردہ''بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ شاعری کچھ پسند نہیں آرہی ورنہ پہلے تو پھوپھو ثمینہ 'مدی اور میں باقاعدہ اپنی پسند کا شعر یاد کر کے ایک دوسرے کو سناتے تھے۔ ہماری پیاری پیاری رائٹرز جن سے رسالوں میں روشنی و تابناکی ہے 'کہاں کھو گئیں راحت جبیں 'ثمرہ بخاری 'انیسہ سلیم 'نگہت عبداللہ' فرحت اشتیاق اور فائزہ افتخار کہاں ہیں سب؟ بڑی بڑی حویلیاں 'شان دار ہیرو شان دار بزنس 'رج کے غریب 'مگر حسن کی ملکہ ہیروئن' انتہائی منہ پھٹ اور بد سلیقہ 'مگر محبتوں کے اعجاز سے اتنی سدھر جاتی ہے کہ کہاں تو میٹرک میں سپلی کے ساتھ پاس ہوئی ہوتی ہے تو کہاں ایم بی اے اور ایم بی بی ایس سے کم ڈگری نہیں لیتی اور سلیقہ تو ایسا کہ مختلف قسم کے پلاؤ' یخنیاں' چٹنیاں 'حلوے بنا لینا اور ان کے علاوہ وقت پڑنے پر ہیرو کی سوبرسی دادو کی نرس بن کر اور اچانک ہی بزنس ٹائیکون کے طور پر سامنے آتی ہے کہ ہیرو تو ہیرو ہم بھی حیران و پریشان رہ جاتے ہیں۔ قسم سے بڑا ساڑا پڑتا ہے 'کچھ ہتھ ہولا رکھا کریں اور ابھی تو ساسیں ڈائجسٹ نہیں پڑھتیں ورنہ تو.... جب ہیروئن اتنی نازک اندام ہو کر اتنے سارے کام بیک وقت کر سکتی ہے تو بہو کو موت پڑتی ہے۔ ایک درخواست رائٹرز کے نام خدارا اپنی فیروز اللغات سے متعارف کروائیں۔ چن چن کے ایسے انوکھے نام بر آمد کرتی ہیں جو ہم تو کیا ہماری 75 سالہ دادی جان نے بھی کبھی نہیں سنے ہوتے۔ نام مریخ و چاند کے بجائے زمین سے ہی ڈھونڈ لیا کریں یا پھر کسی نزدیکی سیارے کے تو ہوں کہ بندہ ڈھونڈ لے۔

ج۔ سائرہ! اشعار کے بارے میں آپ کا پہلا تجزیہ درست ہے۔ یقین کریں اتنی ساری ڈاک میں دو صفحے کے اشعار اور دو صفحے کی ڈائری کے لیے صحیح انتخاب نہیں ملتا۔ ہمیں خود حیرت ہوتی ہے کہ اشعار کا انتخاب کرتے ہوئے اتنے اچھے خطوط لکھنے والی قارئین کے ذوق کو کیا ہو جاتا ہے۔

رائٹرز یہ نام فیروز اللغات سے نہیں لیتیں بلکہ یہ ان کی ذہنی اختراع ہوتی ہے۔ آپ اپنے ذہن سے ان کے کچھ بھی معنی اخذ کرلیں اور یہ جو آپ نے کہانیوں کے متعلق لکھا ہے وہ خیالی کہانیاں آج سے تیس' پینتیس سال پہلے شائع ہوتی تھیں۔ اب تو رائٹرز ایسے تلخ حقائق لکھ رہی ہیں کہ پڑھتے ہوئے ہمارے ہوش اڑ جاتے ہیں' ان سے بار بار درخواست کرتے ہیں کہ تھوڑا سا ہاتھ ہولا رکھیں تاکہ ہم اور ہماری قارئین کچھ دیر کے لیے ان تلخ حقائق سے فرار حاصل کرکے کہانیوں کی دنیا میں پناہ لے سکیں۔

سائرہ! ایک بات تو بتانا رہ ہی گئی۔ آپ میں تو اچھی خاصی صلاحیت ہے آپ کہانیاں کیوں نہیں لکھتیں؟۔

قارئین متوجہ ہوں!

1- خواتین ڈائجسٹ کے لیے تمام سلسلے ایک ہی لفافے میں بھجوائے جاسکتے ہیں، تاہم ہر سلسلے کے لیے الگ کاغذ استعمال کریں۔

2- افسانے یا ناول لکھنے کے لیے کوئی بھی کاغذ استعمال کرسکتے ہیں۔

3- ایک سطر چھوڑ کر خوش خط لکھیں اور صفحے کی پشت پر یعنی صفحے کی دوسری طرف ہرگز نہ لکھیں۔

4- کہانی کے شروع میں اپنا نام اور کہانی کا نام لکھیں اور اختتام پر اپنا مکمل ایڈریس اور فون نمبر ضرور لکھیں۔

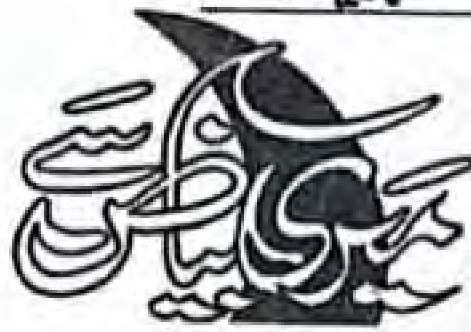
5- مسودے کی ایک کاپی اپنے پاس ضرور رکھیں، ناقابل اشاعت کی صورت میں تحریر واپسی ممکن نہیں ہوگی۔

6- تحریر روانہ کرنے کے دو ماہ بعد صرف پانچ تاریخ کو اپنی کہانی کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔

7- خواتین ڈائجسٹ کے لیے افسانے، خط یا سلسلوں کے لیے انتخاب، اشعار وغیرہ درج ذیل پتے پر رجسٹری کروائیں۔

خواتین ڈائجسٹ
37-اردو بازار کراچی

خالدہ جیلانی



اقرا صادق ____________ بہاول پور

ہر چند کہ حالات موافق نہیں پھر بھی
دل تیری طرف داری میں سفاک بہت ہے

گڑیا شاہ ____________ کہروڑ پکا

یہ مجھے چین کیوں نہیں پڑتا
ایک ہی شخص ہے جہاں میں کیا

فرحت ناز ____________ گاؤں ہڈالی

یہاں خاموش نظروں کا نظارہ کون بنتا ہے
بہت گہرے سمندر کا کنارا کون بنتا ہے
چلو ہم دیکھتے ہیں خود کو اب برباد کرکے بھی
کہ ان بربادیوں میں بھی ہمارا کون بنتا ہے

تحمیہ اکرم ____________ گاؤں گوریکی

میں لغزشوں سے الٹے راستوں پہ چل نکلا
تجھے گنوا کے مجھے پھر کہاں سنبھلنا تھا
عجب نصیب تھا محسن کہ بعد مرگ مجھے
چراغ بن کے خود اپنی لحد پہ جلنا تھا

نمرہ، اقراء ____________ کراچی

دریا سمجھ رہے تھے جسے وہ سراب تھا
ظاہر ہوا کہ تشنہ لبی کا عذاب تھا
جن کو تھا پاس عشق وہ خلوت نشیں رہے
اس انجمن میں جو تھا فضیلت مآب تھا

فرمین اکرام ____________ کراچی

مگر یہ نشۂ یکتائی ٹوٹتا ہی نہیں
اگرچہ دیکھ لیا دور تک بکھر کے بھی
عجب کشش تھی رہا ہو کے ہم رہا نہ ہوئے
اسیر ذات رہے، ذات سے نکھر کے بھی

ثروت راشد ____________ کراچی

ہم دوستی میں درختوں کی طرح ہیں محسن
جہاں کھڑے ہوں، مدتوں قائم رہتے ہیں

سمی ظفر ____________ کراچی

تم یہ کیسے جدا ہو گئے
ہر طرف ہر جگہ ہو گئے

عذرا ناصر، اقصیٰ ناصر ____________ کراچی

مٹھی بھر لوگوں کے ہاتھوں میں لاکھوں کی تقدیریں ہیں
جدا جدا ہیں دھرم علاقے ایک ہی لیکن زنجیریں ہیں
آج اور کل کی بات نہیں ہے صدیوں کی تاریخ یہی ہے
ہر آنگن میں خواب ہیں لیکن چند گھروں میں تعبیریں ہیں

آسیہ ارم ____________ کراچی

ڈھونڈتی پھرتی ہے دشت و بیاں میں ہمیں
زندگی ہم سے بچھڑ کر خود بھی پچھتائی بہت

شائستہ اکبر ____________ گڈو کالونی

ایسا سفر ہے جس میں کوئی ہمسفر نہیں
رستہ ہے اس طرح کا کہ دیکھا نہیں ہوا

وشال فرحان ____________ کراچی

اک عہد زیاں خواب سا ہو گیا مجھ میں
اک اور برس آ کے فنا ہو گیا مجھ میں
اب تیرا کوئی بھی رنگ مجھ پر نہیں کھلتا
اے شہر خرابات یہ کیا ہو گیا مجھ میں

سیدہ نسبت زہرا ____________ کہروڑ پکا

اک روگ ہے کہ روح میں اتر گیا ہے
اک درد ہے کہ دل کو کھا گیا ہے

مدیحہ نورین مہک ____________ برنالی

ہوا کے دوش پہ رکھے ہوئے چراغ ہیں ہم
جو بجھ گئے تو ہوا سے شکایتیں کیسی
نہ صاحبان جنوں ہیں نہ اہل کشف و کمال
ہمارے عہد میں آئیں کثافتیں کیسی



8 "گھر والوں نے حوصلہ افزائی کی....؟"
"امی نے بہت زیادہ.... اس فیلڈ میں بھی اور پڑھائی میں بھی۔"

9 "شادی....؟"
"ایک ٹائم آئے گا کہ شادی ہو جائے گی۔ انسان کے ارادے کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہوگا۔"

10 "شوبز میں آمد؟"
"اپنی ایک دوست کے ذریعے.... اور کینیڈا میں ہی آڈیشن دیا تھا۔"

11 "آپ کو شہرت دی؟"
"دنکر' دوسری بیوی۔"

12 "پہلی کمائی؟"
"جب میں سولہ سال کی تھی تو ہماری یونیورسٹی کے پاس "پیزا ہٹ" تھا وہاں میں نے ویٹرس کی جاب کی تھی۔"

باتیں ماہا وارثی سے

شاہین رشید

1 "اصلی نام؟"
"ماہا وارثی۔"

2 "پیار کا نام؟"
"ماہی۔"

3 "تاریخ پیدائش / شہر؟"
"18 مئی / سعودی عرب' مدینہ۔"

4 "تعلیم....؟"
"گریجویشن' کینیڈا۔"

5 "بہن بھائی؟/ آپ کا نمبر؟"
"بڑی بہن / چھوٹا بھائی اور میں بیچ کی ہوں۔"

6 "قد؟.... ستارہ؟"
"5 فٹ 3 انچ/ ٹورس (ثور)۔"

7 "آپ سے متاثر ہیں؟"

14 "کبھی یہ فیلڈ بری لگی؟"
"نہیں بری تو کبھی نہیں لگی۔ ہاں کبھی کبھی پے منٹ کے لیے بہت انتظار کرنا پڑتا ہے۔"

17 "صبح اٹھ کر کس چیز کی طلب ہوتی ہے؟"
"کچھ کھانے کی' مجھے بہت بھوک لگتی ہے۔"

18 "گھر کے کاموں سے لگاؤ؟"
"نہیں بالکل بھی نہیں.... اور ہاں اگر اچھے موڈ میں ہوں تو سب کچھ کر لیتی ہوں۔"

19 "وہ کام جو سال میں ایک بار ہی کرتی ہوں؟"
"قہقہہ.... گھر کے کام.... گانے شانے لگا کر سارا گھر صاف کر دیتی ہوں۔"

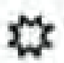
"کوئی بات بری نہیں لگتی۔ امی ابو بہت سپورٹر ہیں۔"

22 "بچوں میں والدین کا پسندیدہ بچہ؟"
"ہم تینوں کو ہی بہت پیار کرتے ہیں۔ لیکن پھر بھی جب بڑی بہن اور چھوٹے بھائی کو زیادہ پیار ملے تو مجھے برا لگتا ہے۔"
23 "وقت پر کھانا نہ ملے تو؟"
"میں رو تی ہوں اور یہ بات سب کو پتا ہے۔"
25 "رات سوتے وقت دعا کرتی ہیں؟"
"کہ اللہ کل خیریت کے ساتھ صحت کے ساتھ اٹھانا تاکہ میں کام کر سکوں۔"
26 "کہاں جانے کے لیے ہمیشہ تیار رہتی ہیں؟"
"شاپنگ اور صرف شاپنگ۔"
27 "بچپن کی بری عادت، جو ابھی بھی ہو؟"
"بہت بری عادت ہے کہ سونے سے پہلے ایک کاٹن کا کپڑا ہاتھ میں پکڑ کر سوتی ہوں۔"
28 "طبیعت میں ضد ہے؟"
"ویسے تو نہیں ہے۔ لیکن جب کچھ کھانے کا موڈ ہو تو ضد کر کے بھی کھا لیتی ہوں.... پر ایسا کم ہوتا ہے۔"
29 "سائنس کی بہترین ایجاد؟"
"دوائیاں"
30 "غصہ آتا ہے؟"
"بھوک میں.... اور بہت سارے کام رکے ہوئے ہوں تو ٹینشن اور غصہ آتا ہے۔"
31 "سات دنوں میں کون سا دن پسند ہے؟"
"چھٹی کا دن۔"
32 "بارہ مہینوں میں پسندیدہ مہینہ؟"
"مئی.... میری سالگرہ کا مہینہ ہے اور بہت سارے گفٹ ملتے ہیں۔"
33 "مردوں میں کیا بات اچھی لگتی ہے؟"
"جو بات میرے ابو میں ہے، ہر وہ بات، مجھے مردوں میں اچھی لگتی ہے۔ صبر و شکر، غصہ کم کرنا، فراغ دل و دماغ یہ سب باتیں میرے ابو میں ہیں۔"
34 "کب بات برداشت سے باہر ہو جاتی ہے؟"
"جب کوئی لڑکا بلاوجہ گھورے یا بری نظر سے دیکھے تب۔"

36 "گھر میں کس کے غصے سے ڈر لگتا ہے؟"
"امی کے.... کیونکہ وہ کبھی کبھار ہی کرتی ہیں اور جب وہ کرتی ہیں تو پھر انہیں کوئی نہیں روک سکتا۔"
37 "رقم کو کس شکل میں محفوظ کرتی ہیں؟"
"کیش کی شکل میں ہی محفوظ کرتی ہوں۔"
38 "کرائسس میں وقت گزرا؟"
"ہر انسان پہ گزرتا ہے، مجھ پر بھی گزرا۔"
39 "پیسہ خرچ کرتے وقت سوچتی ہیں کہ....؟"
"کیا مجھے اس کی ضرورت ہے؟ یا جس کے لیے لے رہی ہوں اسے ضرورت ہے۔"
41 "ونڈو شاپنگ کرتی ہیں؟"
"نہیں.... ونڈو شاپنگ کا کوئی شوق نہیں ہے۔"
42 "آنکھ کھلتے ہی بستر چھوڑ دیتی ہیں؟"
"نہیں نہیں.... اٹھنے میں آدھا ایک گھنٹہ تو لگتا ہی ہے۔"
43 "مخلص کون ہوتا ہے، اپنے یا پرائے؟"
"اپنے ہی ہوتے ہیں۔ مگر کبھی کبھی اپنے بھی مخلص نہیں ہوتے، بلکہ پرائے ہی کبھی بہت اچھے ہو جاتے ہیں۔ بس کچھ کہہ نہیں سکتے۔"
44 "پسندیدہ فوڈ اسٹریٹ؟"
"ہائی وے پہ جو ریسٹورنٹ ہوتے ہیں۔ وہاں بڑا مزہ آتا ہے۔"
45 "کھانے میں کیا پسند نہیں ہے؟"
"سب کچھ پسند ہے۔ پائے، نہاری ٹائپ کے کھانے بھی بہت شوق سے کھاتی ہوں۔"
46 "چھٹی کا دن کہاں گزارتی ہیں؟"
"گھر.... اپنی فیملی کے ساتھ۔"
47 "کسی کی سچی محبت دیکھنی ہو تو؟"
"تو یہ دیکھیں کہ وہ بندہ یا بندی آپ کے والدین کی کتنی عزت و احترام کرتا ہے۔"
48 "عورتوں میں کیا خوبی لازمی ہونی چاہیے؟"
"ذہانت.... کیونکہ حسن ہمیشہ نہیں رہتا لیکن ذہانت ہمیشہ رہتی ہے۔"

49 "گھر کے کس کونے میں سکون ملتا ہے؟"
"گھر کے تو ہر کونے میں سکون ملتا ہے' خواہ وہ گھر کا باتھ روم ہی کیوں نہ ہو۔"
50 "کس کے ایس ایم ایس کے جواب فوراً" دیتی ہیں؟"
"بہن' بھائی کے اور امی ابو کے۔"
51 "بوریت کس طرح دور کرتی ہیں؟"
"اگر گھر میں گاڑی ہو تو لانگ ڈرائیو پہ چلی جاتی ہوں۔ ورنہ اپنے ادھورے کام مکمل کرتی ہوں۔"
52 "کسی کو فون نمبر دے کر پچھتائیں؟"
قہقہہ.... "واہ آپ کے سوال بہت اچھے ہیں۔ بہت دیر میں یہ بات سمجھ میں آئی کہ ہر ایک کو نمبر نہیں دیتے۔ کوئی مانگے تو بھائی کا نمبر دے دینا چاہیے۔"
53 "آپ کے بیگ کی تلاشی لیں تو کیا کیا نکلے گا؟"
"بہت زیادہ گند نکلے گا۔ میں بالکل آرگنائزڈ نہیں ہوں۔ کیش بھی ایسے ہی بکھرا ہوا ملے گا۔ میک اپ نہیں ہوتا۔"
54 "اچانک آئے مہمانوں کی کس چیز سے تواضع کرتی ہیں؟"
"پوچھ لیتی ہوں کہ کیا کھانا پینا پسند کریں گے۔ مہمان پسند کے ہوں تو پھر تو بہت کچھ خود بھی بنالیتی ہوں۔"
55 "اگر پاور میں آجائیں تو؟"
ہنستے ہوئے "پتا نہیں.... بچارا عمران خان بھی کچھ نہیں کرسکا۔ کرپشن کو ختم کروں گی' پولیس کو اچھا کروں گی۔ ٹریفک کا نظام ٹھیک کروں گی۔"
56 "کیا چیزیں جمع کرنے کا شوق ہے؟"
"بچپن میں کرتی تھی سکے وغیرہ۔ اب پوسٹ کارڈز جمع کرتی ہوں۔"
57 "نصیحت جو بری لگتی ہے؟"
"کہ شادی کرلو.... پھر ٹائم گزر جائے گا۔"
58 "انسان کی زندگی کا بہترین دور؟"
"جب وہ خوش ہوتا ہے۔ چاہے وہ عمر کا کوئی بھی دور ہو۔"
59 "وقت کی پابندی کرتی ہیں؟"
"ہاں.... بالکل بہت پابند ہوں۔ کسی کو انتظار نہیں کرواتی۔"
60 "کن پر دل کھول کر خرچ کرتی ہیں؟"
"جو لوگ اچھے لگتے ہیں دل کو۔"
61 "اپنے لیے قیمتی چیز کیا خریدی؟"
"ایک پرس خریدا تھا۔ وہ بھی اپنی کمائی سے۔"
62 "کھانے کے لیے بہترین جگہ' اپنا بیڈ' چٹائی یا ڈائننگ ٹیبل؟"
"موڈ پر منحصر ہے۔ مگر اپنے بیڈ کی تو کیا ہی بات ہے۔"
63 "کھانے کے لیے کیا استعمال کرتی ہیں۔ اپنے ہاتھ یا چھری کانٹے؟"
"امی کے ہاتھ کی پکی ہوئی بریانی ہاتھ سے کھاتی ہوں اور باقی کے لیے چھری کانٹے سے" قہقہہ۔
64 "انٹرنیٹ اور فیس بک سے دلچسپی؟"
"اتنی نہیں.... بس تھوڑی فارغ ہوتی ہوں تو اپنا پیج اپ ڈیٹ کردیتی ہوں۔"
65 "اپنے آپ کو ساتویں آسمان پہ کب محسوس کرتی ہیں؟"
"جب میرے سارے گھر والے میرے پاس ہوتے ہیں۔ تو بہت خوشی ہوتی ہے۔"
66 "دیسی کھانے پسند ہیں یا بدیسی؟"
"دیسی اور صرف دیسی۔"
67 "اپنی آگے کی زندگی کی پلاننگ؟"
"انشاء اللہ کام کرنا ہے' اپنی عزت میں مزید اضافہ کرنا ہے اور بزنس بھی کرنا چاہتی ہوں۔"
68 "کیا محبت اندھی ہوتی ہے؟"
"اندھی بہری سب ہوتی ہے۔ مگر ایک دو سال کے بعد نارمل ہوجاتی ہے۔"
69 "انٹرویو کے دوران کوئی سوال جو لازمی کیا جاتا ہے؟"
"جی.... شادی کب کر رہی ہیں۔"
70 "رویے جو دکھ کا باعث بنتے ہیں؟"
"اگر آپ کسی سے امیدیں رکھیں۔"

71 "شادی میں پسندیدہ رسم؟"
"نکاح۔"
72 "تحفہ دینا چاہیے یا کیش؟"
"کیش دینا چاہیے اور میں سب کو ہوشیار کر رہی ہوں کہ مجھے بھی اپنی شادی میں کیش چاہیے۔"
73 "ناشتہ اور کھانا کس کے ہاتھ کا پسند ہے؟"
"آج کل تو مجھے اپنی چچی کے ہاتھ کا پسند ہے اور جب گھر میں ہوتی ہوں تو امی ابو کے ہاتھ کا پسند آتا ہے۔ دونوں بہت اچھی کوکنگ کرتے ہیں۔"
74 "کس تاریخی شخصیت سے ملنا چاہتی ہیں؟"
"شکسپیئر سے ملنا چاہتی ہوں۔"
75 "اپنا فون نمبر کتنی بار تبدیل کیا؟"
"تبدیل نہیں کرتی بلکہ ناپسندیدہ لوگوں کو بلاک کر دیتی ہوں۔"
76 "آپ کو فوبیا ہے؟"
"ہاں.... مجھے جہاز کے سفر سے ڈر لگتا ہے۔ مجھے پانی سے ڈر لگتا ہے غبارے نہیں پسند مجھے کہ پھٹ جائیں گے۔"
77 "کن چیزوں کو لیے بغیر گھر سے نہیں نکلتیں؟"
"پیسے 'کارڈز.... سن بلاک۔"
78 "زندگی میں اتار چڑھاؤ ہے یا بس چلی آرہی ہے؟"
"اتار چڑھاؤ ہے.... کبھی یہاں کبھی وہاں.... سسپنس کا فیکٹر بھی ہے۔"
79 "ماں ناراض ہو جائے تو؟"
"جا کر دیکھتی ہوں کہ کتنی نارمل ہوئی ہیں 'ہلکی ہلکی بات کرتی ہوں۔ رسپانس اچھا ہو تو گلے لگا لیتی ہوں۔"
80 "اپنی غلطی کا اعتراف کر لیتی ہیں؟"
"ہاں.... امی 'ابو کے ساتھ کر لیتی ہوں۔"
81 "دل کی سنتی ہیں یا دماغ کی؟"
"دل کی سنتی ہوں۔"
82 "آپ کی اچھی اور بری عادت؟"
"جہاں بھی ہوتی ہوں ایڈجسٹ کر لیتی ہوں۔ فرینڈلی ہوں اور بری عادت یہ کہ ہر ایک پر بھروسا کر لیتی ہوں۔"
83 "کبھی دھوکا کھایا؟"
"بالکل کھاتی ہوں.... اور بعد میں اندازہ ہوتا ہے کہ ہر کوئی اپنا کام نکالنے کے لیے ایسا کر رہا تھا۔"
84 "غصے میں کھانا پینا چھوڑا؟"
"ارے نہیں .... غصے میں تو کھانا پینا زیادہ ہی ہو جاتا ہے۔"
85 "پہچان کب مسئلہ بنتی ہے؟"
"جب آپ اس کو سر پر سوار کر لیں۔ ہمیشہ اپنے پاؤں زمین پر رکھیں۔"
86 "بستر پر لیٹتے ہی نیند آجاتی ہے؟"
"نہیں جلدی نیند نہیں آتی 'کروٹیں بدلتی ہوں۔"
87 "سائیڈ ٹیبل پہ کیا کیا رکھ کر سوتی ہیں؟"
"چشمہ 'فون اور پانی۔"
88 "کس رنگ کے لباس زیادہ پسند ہیں؟"
"موڈ پر.... کراچی میں گرمی ہوتی ہے تو وائٹ اور آف وائٹ زیادہ پسند آتے ہیں.... موسم کے لحاظ سے رنگ پہنتی ہوں۔"
89 "زندگی کب بری لگتی ہے؟"
"کبھی بھی بری نہیں لگتی کہ یہ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اللہ کا شکر ہے۔"
90 "کھانے کی ٹیبل پہ کیا ضرور ہونا چاہیے؟"
"اچار اور پانی۔"
91 "کوئی گہری نیند سے جگا دے تو؟"
"تو جناب پھر بہت زیادہ غصہ آتا ہے۔"
92 "پیسہ قسمت سے ملتا ہے یا محنت سے؟"
"دونوں کا ساتھ ساتھ ہونا ضروری ہے۔"
93 "پسندیدہ تہوار؟"
"عید۔"
94 "جھوٹ کب بولتی ہیں؟"
"کسی کا دل رکھنے کے لیے۔"
100 "اگر آپ کی شہرت کو زوال آجائے تو؟"
"تو عروج و زوال تو زندگی کا حصہ ہیں۔"



خبریں گی و بریں

واصفہ سہیل



اہمیت

گاجر کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں کہ یہ نظر کو تیز کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے لیکن ایک نئی تحقیق کے مطابق پتا چلا ہے کہ جو خواتین گاجر کا استعمال کرتی ہیں وہ مخصوص قسم کے بریسٹ کینسر سے محفوظ رہتی ہیں یا ان میں اس کے امکانات ساٹھ فیصدی کم ہو جاتے ہیں۔ کیوں کہ اس میں "بیٹا کروٹین" موجود ہوتا ہے (بیٹا کیروٹین ایک ایسا کیمیائی مادہ ہے جو پھلوں اور سبزیوں کو روشن چمک دار رنگ فراہم کرتا ہے۔) پالک، سرخ شملہ مرچ اور آم میں یہ مادہ موجود ہوتا ہے۔ طبی ماہرین ایک عرصے سے لوگوں پر زور دے رہے ہیں کہ وہ اپنی خوراک میں ایک حصہ ایسی غذاؤں کا بھی رکھیں تاکہ زندگی کو خطرے میں ڈالنے والی بیماریوں مثلاً" امراض قلب اور کینسر سے محفوظ رہ سکیں۔ تازہ ترین طبی تحقیق سے یہ بات سامنے آئی جو کہ — خواتین — بیٹا کیروٹین سے لبریز غذائیں یعنی گاجر اور شملہ مرچ زیادہ کھاتی ہیں وہ چھاتی کے کینسر سے ساٹھ فیصد تک بچ سکتی ہیں۔ خیال رہے کہ بیٹا کیروٹین غذاؤں کے ذریعے لیا جائے تو بہتر ہے اس سے بنی دوائیں اور سپلی منٹ استعمال نہ کی جائیں کیوں کہ اس سے پھیپھڑوں کا کینسر ہونے کا امکان ہے۔

خود آگہی

انوشے اشرف وی جے اور ہوسٹ کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ آج کل پاکستانی کھانوں کے بارے میں پروگرام کرتے ہوئے شہر شہر گھوم رہی ہیں۔ خوب صورتی کے بارے میں انوشے کہتی ہیں کہ "جب ہماری عمر بڑھتی ہے تو ہمیں احساس ہوتا ہے کہ زندگی جوان نظر آنے 'پارٹی کرنے اور لوگوں کی توقعات کے مطابق بننے سے کہیں زیادہ قیمتی چیز ہے۔ تب ہم خود کو اسی طرح پسند کرتے ہیں۔ جیسے ہم ہوتے ہیں۔ (انوشے! آپ واقعی سمجھ دار ہیں۔ کم عمری میں ہی حقیقت سمجھ لی) انوشے نے مزید کہا کہ ہولی وڈ اداکارہ کیٹ ونسلٹ نے نیچرل انداز کی تصاویر کی جو ہم شروع کی ہے' وہ مجھے بہت پسند آئی ہے۔ (اچھا۔!



آپ متاثرین میں سے ہیں) گوری 'کالی' دبلی وغیرہ نظر آنے کے بارے میں سوچنے والی لڑکیاں احساس کمتری کا شکار ہو جاتی ہیں۔ (لوجی سارا پاکستان ہی پھر تو احساس کمتری کا شکار ہوا نا؟) کیوں کہ نوجوانی میں لڑکیوں کو اپنے اندر کی خوب صورتی کے بارے میں زیادہ سمجھ نہیں ہوتی۔ لوگ انہیں کالی' بڈھی' موٹی جیسے خطابات دیتے ہیں (انوشے! یہ تجربہ تو نہیں جو اتنی گہرائی۔۔۔؟)

محبت

دشت سیریل سے شہرت حاصل کرنے والی خوب صورت اداکارہ عتیقہ اوڈھو کے کریڈٹ پر کئی مشہور سیریلز ہیں' ان کی سیاسی شہرت بھی خوب رہی پھر اچانک وہ منظر سے غائب ہو گئی تھیں' اب عتیقہ اوڈھو فن کی دنیا میں واپس آگئی ہیں اور انہوں نے کئی پروجیکٹ سائن کر لیے ہیں اور مہرین جبار کی ایک فلم بھی مکمل کرائی ہے۔ اس بارے میں عتیقہ اوڈھو کہتی ہیں کہ "بطور اداکارہ یہ سال میرے لیے بہت اچھا ہے۔ کیوں کہ میں نے اس سال بہت سے پروجیکٹ لیے ہیں' مختلف کرداروں کو زندگی دینے میں بہت مزا آتا ہے۔ (تو اتنا عرصہ پھر آپ اس سے دور کیوں رہیں؛) کسی بھی کردار کو بہترین انداز میں ڈھالنے کے لیے پریکٹس بہت اہم ہے (پریکٹس سے آپ کی مراد شاید ریہرسل ہے جواب۔۔۔ بھئی نہیں ہوتی ناں۔) میں خوش نصیب ہوں کہ میں وہ کام کر رہی ہوں کہ جس سے مجھے محبت ہے۔" (یعنی اس کے علاوہ جو کام آپ نے کیے وہ نفرت سے کیے تھے کیا؟)

ادھر ادھر سے

☆ دہشت گردوں کے بارے میں ہمارے اخبارات میں جو اشتہار شائع ہوا ہے اس میں کسی مصور نے بڑی مہارت اور چابک دستی سے دہشت گردوں کے حلیے اور لباس کو کسی مدرسے کے طالب علم یا مولوی اور پختون قوم سے ملا دیا ہے۔ آرٹسٹ کو تصویر بناتے



وقت بلوچستان کے وہ لوگ یاد نہ آئے جنہوں نے شناختی کارڈ دیکھ کر اس ملک میں قتل کرنے کی رسم کا آغاز کیا۔ بلدیہ فیکٹری کے وہ ظالم بھول گئے جنہوں نے پاکستان کی تاریخ کے ظالم ترین فعل کا ارتکاب کیا اور چار سو معصوم اور بے گناہ لوگوں کو زندہ جلا دیا۔ اس لیے کہ اگر مصور ایسا کرتا تو لوگ پتلون اور شرٹ پہننے والے ہر شخص کے بارے میں یہ تاثر لیتے کہ اس کے ہاتھوں میں کیمیکل ہے اور وہ کسی گھر پر چھڑکنے والا ہے۔ لیکن یہ تو صرف ان لوگوں کے لیے ہے۔ جن کے چہرے سنت رسول سے مزین ہیں' ماتھے پر سجدے کا نشان ہے اور لباس مقامی یا پھر وہ جو پشتون پگڑی یا ٹوپی اور لباس پہنتے ہیں۔

(اوریا مقبول جان۔ دانائے راز)

☆ نادرا کا پاکستانی عوام کے لیے ایک خوب صورت اور قیمتی تحفہ بم پروف اور آگ پروف شناختی کارڈ!

(سوشل میڈیا)



گردش ماہ و سال کی نیرنگیوں میں کئی راستوں سے گزرے' کئی اتار چڑھاؤ دیکھے' لیکن قافلۂ شوق رکنے نہیں پایا۔

اس طویل سفر میں ہماری مصنّفین نے ہمارا بھرپور ساتھ دیا' ان کی سوچ اور فکر کے رنگ لفظوں میں ڈھلے تو ان میں زندگی کے سارے منظر سمٹ آئے' ان کی تحریروں میں عہد حاضر کی کرب ناک حقیقتوں کی آگہی کے ساتھ ساتھ شگفتگی' دل آویزی اور خوابوں کے دلکش رنگ بھی شامل تھے۔ انہوں نے اپنی تحریروں کے ذریعے لاکھوں قارئین کے جذبات و احساسات کی ترجمانی کی' ان کے دلوں میں امید کے چراغ روشن کیے' یہی وجہ ہے کہ خواتین ڈائجسٹ کے ذریعے مصنّفین کو اپنی پہچان کے ساتھ ساتھ قارئین کی بے پایاں محبت و تحسین بھی ملی۔

فطری بات ہے' ہم جن کو پسند کرتے ہیں' جن سے لگاؤ رکھتے ہیں ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننا چاہتے ہیں' ہماری قارئین بھی مصنّفین کے بارے میں' ان کی ذات کے حوالے سے جاننا چاہتی ہیں۔ اس لیے ہم نے مصنّفین کے لیے ایک سروے ترتیب دیا ہے۔ جس کے سوالات یہ ہیں۔

س 1۔ لکھنے کی صلاحیت اور شوق وراثت سے منتقل ہوا؟ یا صرف آپ کو قدرت نے تخلیقی صلاحیت عطا کی۔ گھر میں آپ کے علاوہ کسی اور بہن بھائی کو بھی لکھنے کا شوق تھا؟

س 2۔ آپ کے گھر والے' خاندان والے آپ کی کہانیاں پڑھتے ہیں؟ ان کی آپ کی تحریروں کے بارے میں کیا رائے ہے؟

س 3۔ آپ کی کوئی ایسی کہانی جسے لکھ کر آپ کو اطمینان محسوس ہوا ہو؟ اب تک جو لکھا ہے' اپنی کون سی تحریر زیادہ پسند ہے؟۔

س 4۔ اپنے علاوہ کن مصنّفین کی تحریریں شوق سے پڑھتی ہیں؟۔

س 5۔ اپنی پسند کا کوئی شعر یا اقتباس ہماری قارئین کے لیے لکھیں۔

آیئے دیکھتے ہیں' مصنّفین نے ان کے سوالات کیا جوابات دیے ہیں۔

حرفِ سادہ کو دیا اعجاز کا رنگ

امت الصبور

بشریٰ احمد

خواتین ڈائجسٹ ایک اور سالگرہ نمبر مبارک ہو۔ بھیجے گئے سوالات کے جوابات حاضر ہیں۔

1 ۔ بالکل جی۔ لکھنے کی صلاحیت اور شوق وراثتی ہے۔ کتاب اور قلم سے رشتہ گزشتہ دو نسلوں سے ہے۔ بچپن سے ہی ابو' نانا اور دادا کو اسی ایک شغل میں مصروف دیکھا۔ نانا نے ادب کا چسکا ڈالا۔ ابو نے سیاسی پختگی اور شاعرانہ ذوق پیدا کیا۔ دادا کا رجحان مذہب کی طرف تھا۔ حافظ شیرازی اور مولانا رومی کو انہوں نے گویا حفظ کر رکھا تھا۔ لہٰذا تین پہلوؤں کی طرف سے بیک وقت نشوونما ہوئی۔

میں ہمیشہ اپنے لکھنے کا کریڈٹ ان ہی تین ہستیوں کو دیتی رہی لیکن تین برس قبل امی کی وفات کے بعد ابو نے ان کی ذاتی ڈائری پڑھنے کے لیے دی تو پتا چلا کہ روز مرہ کے واقعات کو قلم بند کرتے ہوئے الفاظ کا چناؤ یقیناً ایسا تھا کہ چونکا گیا۔

"پیاری امی! آپ کی یہ ڈائری اگر آپ کی زندگی میں پڑھنے کو مل جاتی تو ہم لوگوں نے ایک آدھا افسانہ تو آپ

سے ضرور لکھوالیناتھا۔"

بہرحال اولاد کی کامیابی یقیناً والدین کی ہی مرہون منت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ میرے لکھنے میں راشدہ کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔ وہ اکثر میری رف کہانیاں فیئر تک کردیتی ہے۔ (وجہ میری سستی نہیں بلکہ ملازمت ہے) جبکہ راشدہ رف ورک کا تردد نہیں کرتی بلکہ وہ ڈائریکٹ لکھ کر پوسٹ کردیتی ہے۔ (بھئی وہ بڑی رائٹر ہے)

لکھنے کی صلاحیت ہم چاروں بہنوں اور ہمارے اکلوتے بھائی میں بھی ہے۔ میں اور راشدہ تو آپ کے ادارے سے وابستہ ہیں ہی۔ تابندہ بھی ہلکا پھلکا لکھ لیتی ہے۔ معین انگریزی اخبار میں لکھتا رہا ہے۔ بوجوہ سرکاری ملازمت اس کا یہ سلسلہ فی الحال تعطل کا شکار ہے۔ حمیرا باجی کا بھی لکھنے سے گہرا تعلق ہے۔ وہ اپنے بچوں کے ساتھ مل کر ان کی اسائنمنٹس لکھتی ہیں۔ ان کے بچے جو ملک کے معروف نجی اسکول میں زیر تعلیم ہیں' ان کو پڑھانے کے لیے ماں کو ان کے ساتھ نئے سرے سے پڑھنا پڑھ رہا ہے۔ (لگتا تو یہی ہے)

2 ۔ گھر والے ہی تو کسی بھی رائٹر کے لیے پہلا فیڈ بیک فراہم کرتے ہیں۔ امی جب تک زندہ رہیں' بہت خوش ہو کر پڑھتی تھیں۔ ابو کہانیاں پڑھتے تو نہیں بس سرسری دیکھتے ہیں لیکن ظاہر ہے خوش ہوتے ہیں۔ ابو کو زیادہ خوشی ان دنوں ہوتی تھی جب میں روزنامہ نوائے وقت میں سیاسی آرٹیکل لکھا کرتی تھی۔ باقی بھی خاندان میں سب لوگ ہی یعنی خالہ' پھپھو' کزنز بمعہ میری نندیں اور اکلوتی بھابھی مہو۔ سب ہی پڑھتے بھی ہیں اور سراہتے بھی ہیں۔ ان سب کے علاوہ مجھے پڑھنے والوں میں میری کولیگز بھی شامل ہیں۔ بلکہ مجھے اکثر "قمر" سے پتا لگتا ہے کہ میری کوئی کہانی کس شمارے میں لگ چکی ہے۔

3 ۔ میں نے ایک کہانی عراق وار کے پس منظر میں لکھی تھی لیکن اس میں کچھ سنسرڈ ایشوز تھے لہٰذا میں نے وہ پوسٹ نہیں کروائی۔ وہ مسودہ ایک عرصہ میرے پاس پڑا رہا۔ اس کو پڑھ کر مجھے اطمینان ہوتا تھا کہ میں نے بامقصد لکھا ہے۔ اس کے علاوہ چند ماہ پیشتر شائع ہونے والا میرا ناول "زندگی کبھی تیرگی کبھی روشنی" پسند ہے۔

4 ۔ اپنے علاوہ میں تمام مصنفین کو شوق سے پڑھتی ہوں۔ اسی حساب سے پسندیدہ مصنفین کی فہرست بھی بہت طویل ہے۔ مجھے راشدہ رفعت کے مزاح پر مبنی افسانے پسند ہیں۔ صائمہ اکرم کی تحریر کی شگفتگی دل کو بھاتی ہے۔ آسیہ رزاقی کی "معصوم" ہیروئین' عالیہ حیرا کے گھریلو ماحول' جبیں سسٹرز کے موسم وغیرہ وغیرہ۔ پرانی رائٹرز میں رفعت ناہید سجاد' غزالہ نگار اور کزنی اور اقبال آپا (جن سے مختصر ملاقات بھی خوب رہی) زبردست لکھتی ہیں۔

5 ۔ شعر بہت سے ہیں۔ سب سے پہلے اقبال۔ پھر غالب' فیض وغیرہ ان کی ساری شاعری ہی دل کو چھولیتی ہے۔ بہت پہلے ایک کتاب پڑھی تھی "الکیمسٹ" اس کی ہر لائن پڑھ کر انسان قسمت کے متعلق بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ اس کے علاوہ الطاف فاطمہ کی "نشان محفل" میں سے کچھ بھی پڑھ لیں۔ آخر میں پسندیدہ شعر حاضر خدمت ہے۔

بارے دنیا میں رہو غمزدہ یا شاد رہو
ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو



بقیہ سروے

ہے پر لڑنے والے یوں ہاتھ ہلا ہلا کر لڑ رہے ہوتے ہیں جیسے سیاست دان نہیں۔ پھڈے دان "لڑائی دان" ہاتھاپائی دان' الزام دان 'گالی دان' بٹھا دیے ہوں..... کسی اینکر کا نام نہیں لوں گی اپنی برقی حرارت کو دیکھتے ہوئے سمجھنے والے

خود سمجھ جائیں گی۔ بھئی سائرہ رضا کو بھی مبارک ہو "اب کر میری رفوگری" اے ون.....

4۔ اس سوال کا جواب اگر میں لکھنے بیٹھوں تو صفحے پر صفحے بھر جائیں..... "یارم" کی امرحہ میں مجھے کافی حد تک اپنی جھلک نظر آئی..... اس کے علاوہ جو کردار مجھے سب سے زیادہ پسند آیا اور بھایا وہ رضیہ بٹ کے ناول "بانو" کا بانو تھی ۔ میں بیان نہیں کر سکتی اس ناول کو پڑھ لینے کے بعد میں کتنا روئی۔ میں نے اپنے گریبان میں جھانکنے کی لاحاصل سی کوشش کی کہ میں بھی اپنے وطن سے اتنی ہی محبت کرتی ہوں جتنی بانو کو تھی!

اس کے علاوہ "اب کر میری رفوگری" کی تاباں مجاہد جیسی صفات اگر ہر لڑکی اپنے اندر پیدا کرے تو کوئی بھی مرد اسے نیچا نہیں دکھا پائے گا۔

ام ہالہ۔ کراچی

1۔ یہ تو آپ نے درست کہا..... واقعی ادارہ خواتین کے تحت نئی نئی لکھاری بہنوں نے اپنی صلاحیتوں کو نکھارا ہے۔ نئے نام بھی کئی سامنے آئے۔ سب نے اچھا لکھا۔ ان میں سے مجھے بنت سحر کا انداز تحریر زیادہ بھایا ہے۔ اب یہ مجھے معلوم نہیں کہ انہیں لکھتے ہوئے کتنا عرصہ ہوا ہے! ام ایمان قاضی سے بھی متاثر ہوں۔

2۔ نہیں جی! میں اتنی صاف گو نہیں ہوں۔ اگر کوئی بات بہت زیادہ ہی چبھے اور سامنے والے کے منہ پہ کہہ دوں تو اسے تو تکلیف ہو نہ ہو۔ میں تو خود ایک لمبے عرصے کے لیے عجیب سی گلٹی فیلینگز میں مبتلا ہو جاتی ہوں کہ کیا ضرورت تھی کہنے کی؟ چپ ہی رہتی تو اچھا تھا۔ بس سوچتی رہتی ہوں اور افسوس کرتی رہتی ہوں۔

3۔ ماشاء اللہ سے میرے گھر میں ٹی وی نہیں ہے۔ اس لیے نہایت سکون ہے۔ نہ یہ شیطانی ڈبہ کھلے اور نہ ہی برساتی مینڈکوں کی طرح اگتے چینلز اور چیختے چلاتے' سیاست دانوں کے بیچے ادھیڑتے اینکرز نظر آئیں اور میں یہ بات بھی کہوں گی کہ ٹی وی گھر میں نہ ہونے کی وجہ سے الحمدللہ ہم کسی قسم کے کمپلیکس میں مبتلا نہیں ہیں اور نہ ہی ہمارے بچے۔ جیسا کہ عام تاثر ہے کہ ٹی وی تو گھر میں رکھنا ہے جی ورنہ بچے احساس کمتری کا شکار ہو جائیں گے۔ میرے بچے الحمدللہ مثبت اور تعمیری سرگرمیوں میں مصروف نظر آتے ہیں۔

4۔ واقعتاً" ہماری مصنفین ایسے ایسے کردار تخلیق کرتی ہیں کہ ہم حیران رہ جاتے ہیں۔ بہت سے کردار دل و دماغ پہ نقش ہیں۔ پیر کامل اور آب حیات کا سالار سکندر ایسا کردار ہے جس سے خود بخود محبت محسوس ہوتی ہے۔ "اے وقت گواہی دے" کا زین العابدین بھی آج تک نہیں بھولا۔ یارم کے عالیان اور امرحہ۔ اب نمل کا فارس غازی' سعدی اور حنہ پسندیدہ کردار ہیں۔ بہت دلچسپ اور اٹریکٹیو۔ رہی یہ بات کہ ہم بھی کسی کردار کی طرح ہوتے ؟ تو یہ سب تو ٹین ایج کے قصے ہیں۔ اب تو ہم عملی زندگی میں قدم رکھے ہوئے ہیں' بال بچوں والے ہیں۔ ایسی کوئی خواہش نہیں ہوتی۔ ہاں آب حیات کا جبرئیل بہت اچھا لگتا ہے۔ دعا ہے کہ ہمارا بیٹا بھی ایسا ہی ہوا۔ ارے! میں سائرہ رضا کا ذکر کرنا تو بھول ہی گئی۔ میری فیورٹ فیورٹ موسٹ فیورٹ مصنفہ..... ان کا ہر ہر کردار..... اف! میں ان کی فین ہوں بہت بڑی۔ عمیرہ اور نمرہ احمد کے بعد اگر کسی کے لیے میرا دل چاہتا ہے کہ میں ان جیسا لکھوں' تو وہ سائرہ رضا ہی ہیں۔

ڈاکٹر عائشہ جمیل..... لیک سٹی لاہور

1۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جب کسی نئی رائٹر کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے اس کے بعد ہی وہ کچھ بہت اچھا لکھ پاتی ہے۔ اب تو خیر میں بھی انتظار میں ہوں کب مجھے بھی مصنفین کی فہرست میں شامل کیا جائے گا۔ حاجرہ ریحان اچھی لگیں۔

2۔ صاف گوئی۔ میں ایک حد تک صاف گو ہوں۔ مگر اکثر دوسرے ___ کے خیال سے چپ کر جاتی ہوں۔ مگر چھوٹے بھائی کو اکثر کچھ نہ کچھ سناتی رہتی ہوں۔ جس پر بعد میں پچھتاتی بھی ہوں کہ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

3۔ نہ نیوز چینل نہ تفریحی چینل۔ ہمارے گھر تو سرے

سے ٹی وی ہی نہیں ہے۔ تو ایسے میں پسند ناپسند کی کیا بات۔ ویسے آپس کی بات ہے۔ میں تو ان کی باتوں پہ یقین نہیں کرتی۔ ان دا سکرین جن کے بخیے ادھیڑ رہے ہوتے ہیں' آف دا سکرین ان سے گپیں ہانک رہے ہوتے ہیں۔

4۔ یہ بہت دلچسپ سوال ہے۔ بہت سے کردار ہیں جو پسند آئے' بہت اچھے لگے جیسے سعد سلطان اور بلال سلطان' جیسے بشائر' مامون ابصار اور بخت' جیسے ماہین وجدان' جیسے رابیل احسان' ایبک شیردل' سالار سکندر' جہان سکندر' حیا' شیردل اور عکس' فرزام' ولید حسن اور شہرین' تقی اور اس کی بیوی (ماہ تمام والی)' کرن شہزاد سلمان حیدر' عمر' سفال گر والا عمر' نوال ضمیر خان' زبدہ' عروہ' وانیہ عبیداللہ اصل میں سائرہ رضا کے قلم سے لڑکی جس کردار میں ڈھلتی ہے وہ من کو بھاتا ہے۔ ضوفی' ڈاکٹر اتباع فاطمہ' اور' اور آج کل حمین' سکندر ہاہاہا۔۔۔ یہ کس کو اچھا نہیں لگا ہوگا۔ سعدی یوسف' زمر یوسف اور سب سے زیادہ فارس غازی یہ سب کردار اچھے لگے اور بھی ہیں۔ مگر پھر فہرست طول پکڑ لے گی۔

5۔ مگر ایسا ہے کہ ان جیسا ہونے کی خواہش شاید کبھی نہ کی ہو۔ کیونکہ میں جو ہوں' کسی سے کم ہوں کیا؟ (ہاہاہا) یہ سب تصوراتی دنیا کے کردار ہیں اور میں حقیقی دنیا کی جیتی جاگتی حقیقت۔ ہاں یہ ہے کہ مجھے جو بات اچھی لگتی ہے اسے اپنانے کی کوشش کرتی ہوں۔ جیسے کرن شہزاد کی طرح باوضو رہنے کی کوشش' بشائر سجاد کی طرح اللہ پر بھروسہ اور یقین کامل' زمر کی طرح نماز میں مسنون دعائیں پڑھنے کی کوشش۔ میں اچھی باتوں کو اپنا لیتی ہوں اور بری باتوں سے مزید دور ہو جاتی ہوں۔

میں نے ان کہانیوں سے' رسالوں سے بہت کچھ اچھا سیکھا اور الحمدللہ کچھ برا نہیں سیکھا۔

شازیہ الطاف ہاشمی۔۔۔ شجاع آباد

1۔ اس سال بہت سے نئے نام سامنے آئے ہیں انہوں نے لکھا بھی کمال کا ہے مگر ایمل رضا سب سے اچھا لکھ رہی ہیں۔ ان کی تحاریر بہت خوب صورت ہوتی ہیں اور وہ خود بھی یقیناً" خوب صورت ہوں گی" اپنی تحریروں جیسی ہی۔ ان کے الفاظ بہت گہرائی خود میں سموئے ہوئے ہوتے ہیں۔ مجھے ان کا انداز تحریر بہت پسند ہے۔ سو پہلے نمبر پہ آئی ہیں ایمل رضا۔

2۔ لوگ ایک دوسرے کی سرعام عزتیں اچھال کر اسے صاف گوئی کا نام دے دیتے ہیں حالانکہ یہ سراسر بدتمیزی ہے کہ ہم دوسروں کے منہ پر انہیں برا بھلا یا تلخ باتیں کہیں اور صاف گوئی کا لبادہ اوڑھ لیں۔ یہ بہت ہی غلط عادت ہے۔ اگر کسی کو کوئی بات کہنی ضروری ہے تو اسے تنہائی میں بھی تو کہی جا سکتی ہے تاکہ سننے والے کی عزت نفس بھی مجروح نہ ہو۔ میں نے کبھی کسی کو ایسی کوئی بات نہیں کہی بلکہ کوئی بات ناگوار گزرے تو خاموش ہو جاتی ہوں۔

3۔ میرے پاس چینلز دیکھنے کی چوائس نہیں ہے۔ صرف پی ٹی وی ہی دیکھا جاتا ہے۔ کیبل موجود نہیں ہے۔ ویسے سیاست دان تو سارے کے سارے ہی جھوٹے ہیں۔ اینکر پرسنز بھی پیسے لے کر جھوٹ کو پروموٹ کر رہے ہیں۔ میڈیا تو ہے ہی بکاؤ مال' سب بکے ہوئے ہیں ڈالروں کے بھوکے ہیں اور اس دوڑ میں آگے آگے بھاگ رہے ہیں۔ یہ قائداعظم کا پاکستان نہیں ہے' پینٹ کوٹ والے بھکاریوں نے یرغمال بنالیا ہے۔ میں سیاست میں بالکل دلچسپی نہیں لیتی۔ ٹی وی پہ کوئی اچھا ڈرامہ چل رہا ہو تو دیکھ لیتی ہوں یا پھر روڈ شوز وغیرہ پسند ہیں۔

4۔ فارغ اوقات میں مطالعہ کرنے کے علاوہ کوئی چیز خوشی دیتی ہے تو وہ ہے میاں صاحب کے ساتھ باہر نکلنا' گھومنا' پھرنا سیر کرنا بہت خوش کر دیتا ہے اور مختلف ذائقوں کے کھانے ٹرائی کرنا بھی اچھا لگتا ہے اور شاپنگ کرنا کسے پسند نہیں ہوتا۔ شاپنگ اور وہ بھی میاں کے سنگ سنگ ہو اور کوئی روک ٹوک نہ ہو تو کیا ہی بات ہے۔

5۔ ہر انسان اپنی ذات میں مضبوط بھی ہے دلچسپ بھی اور اس کا کردار جاندار بھی ہے۔ مجھے اپنا آپ کسی کردار میں نظر آیا بھی ہوگا تو اب یاد نہیں آرہا۔ کبھی مثال کی خاموشی اور صبر میں اسے دیکھتی ہوں۔

کیونکہ والد کی وفات اور پھر بگڑتے میکے کے حالات اور پھر میری اپنی ذات سسرال والوں کے ناشائستہ رویے' دل دکھاتے لہجوں نے مجھے مضبوط ہی کیا ہے توڑا نہیں اور اس سارے سلسلے میں میرے محبوب شوہر کا ساتھ میرے لیے باعث تسلی رہا۔ بہت سے مسائل کے باوجود جس طرح میرا ہاتھ تھامے رکھا اور میں نے کبھی کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا اور اس کے لیے میں اپنے شوہر اور اللہ کی شکر

گزار ہوں۔ دنیا میں اگر آپ کو آپ کے شوہر کی محبت اور ساتھ میسر ہے تو دنیا آپ کی ہے۔

شاہانہ بلوچ..... خان پور

1۔ مجھے صرف خواتین ڈائجسٹ ہی پسند تھا۔ مگر اب اس نے اپنا معیار کھو دیا ہے۔ مجھے کوئی بھی رائٹرز پسند نہیں جو اس شمارے کو واپس اسی جگہ کھڑا کردے جہاں پر یہ معیار کے عروج پر تھا اور یہ صرف آپ لوگوں کی وجہ سے ہوا ہے۔

2۔ ایک دفعہ صاف گوئی نے پچھتاوا دیا تھا اور وہ بھی کافی ٹائم کے بعد پتا چلا کہ شرمندگی کیا ہوتی ہے۔ ریاض صاحب نے مجھے۔ ایک مصنف کا ناول دیا کہ آپ یہ پڑھیں۔ میں نے کہا میں اس رائٹر کو نہیں پڑھتی (میں ان کی محبتوں 'شفقتوں کی مقروض ہوں) بعد میں مجھے پتا چلا کہ میں نے کتنا غلط کیا۔ مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔

4۔ میں نیوز چینل نہیں دیکھتی۔ مجھے خبریں بچپن سے ہی سخت ناپسند ہیں۔ میرے بابا 'بی بی سی' کی خبریں شوق سے سنتے تھے۔ کبھی کبھی جب میری پسند کا ڈرامہ آرہا ہوتا تھا۔ تو میں ریڈیو بند کردیتی تھی۔ اور پاکستانی خبریں تو زہر لگتی تھیں۔ اب بھی سارے نیوز چینل اینکر برے لگتے ہیں۔

4۔ پرانی مصنفین نے بہت خوب صورت جامع مکمل کردار تخلیق کیے۔ جو بہت دلچسپ۔ جاندار اور مضبوط تھے۔ مگر میں نے ان کو صرف پڑھا اور پسند کیا۔ کبھی ان کو اپنے اوپر طاری نہیں کیا۔ بس ان کے دکھوں کو محسوس کیا۔ مجھے اقبال بانو کا ہر کردار بہت پسند ہے۔ رفعت سراج کے ناول شاہکار کا طارق ہو یا دل دیا دہلیز کا تیمور علی خان ہو۔ یا فریدہ اشفاق کے ناول موسم تھا بے قرار کی شائلہ 'سب کے دکھ بہت بڑے لگتے تھے۔ بس یہی دکھ تھے میری زندگی میں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ کرداروں کے دکھوں کو محسوس کرنے والی کے لیے میرے رب نے کون سا دکھ رکھا ہے۔

میرے شوہر کا دکھ۔ میرے چھوٹے چھوٹے معصوم سے بچوں کی ہنسی کا دکھ۔ 20 ستمبر 2015ء کو میرے شوہر کا انتقال ہوگیا۔ پتا چلا کہ دکھ کی انتہا کیا ہوتی ہے۔ راستے ویران 'اور زندگی کھنڈر کیسے ہوتی ہے۔ بس اب آنکھوں نے دکھوں کو اپنے اندر سمو لیا ہے۔ خدا اس دکھ کے بعد اب کوئی تکلیف مجھے نہ دے۔ میرے بچوں کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ اور وہ زندگی میں کامیابیاں اور کامرانیاں سمیٹیں۔ آمین۔ آپ لوگوں سے بھی دعا کی گزارش ہے۔

ارم کمال..... فیصل آباد

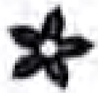
1۔ واقعی اس میں تو کوئی شک نہیں کہ خواتین ڈائجسٹ نے چھوٹے چھوٹے ستاروں کو چمکتا ہوا چاند بنانے میں سب سے اہم کردار ادا کیا۔ جہاں تک نئے مصنفین کی بات ہے ویسے تو مجھے نام یاد نہیں رہتے لیکن اس سال میں نے مریم فضل عباسی کی تحاریر پڑھیں جو دل و دماغ کو چونکا گئیں اور سوچوں کے کئی بند کواڑ کھولنے کا سبب بنیں۔

2۔ ایسی کچھ باتیں زندگی میں وقوع پذیر ہوتی ہیں جن کو سوچ کر بعد میں ہم پشیمان ہوتے ہیں کہ ہمیں فلاں ٹائم ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔

یہ میری شادی سے پہلے کی بات ہے۔ ہوا کچھ یوں کہ ایک غریب عورت کو مدد کی ضرورت تھی تو میری امی جان نے اسے صفائی پر رکھ لیا۔ ایک دن میں نے اسے چاول اور چینی چراتے دیکھا تو فوراً" امی جان کو جا کر بتایا اور اس کے بعد امی نے اس کی خوب گوشمالی کی لیکن پتا نہیں کیا ہوا جب وہ عورت گھر سے جارہی تھی تو اس کی روتی آنکھیں اور بھیگا لہجہ اپنی مجبوری کی کہانی سنا رہا تھا۔ کافی عرصے تک میرے دل کو بہت تکلیف رہی کہ کاش میں ایسا نہ کرتی۔

3۔ سیدھی اور صاف بات ہے کہ زندگی میں پہلے ہی اتنی پریشانیاں اور ٹینشنز کیا کم ہیں کہ مزید نیوز چینل دیکھ کر سر اور آنکھوں میں درد کروایا جائے۔ ذہن کو ریلیکس کرنے کے لیے میں کبھی کبھار تفریحی چینل دیکھتی ہوں۔ تیز تیز بولتے اینکرز اور سیاست دانوں میں کوئی فرق نہیں۔ یہ اینکر کبھی ایک سیاست دان کی شان میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے نظر آتے ہیں تو کچھ دن بعد ہی اسی سیاست دان کی زور و شور سے برائی میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ اس طرح کے سارے اینکرز مجھے بہت برے لگتے ہیں۔ نام پوچھ کر آپ نے مجھے پھنسوانا ہے کیا۔

4۔ ہماری باصلاحیت مصنفین نے کئی شاہکار تحریریں تخلیق کی ہیں اور ان کے دلچسپ و جاندار کردار زندہ جاوید بن گئے ہیں۔ میں عنیزہ سید کے ناول "جو رکے تو کوہ گراں تھے ہم" کی ماہ نور بننا چاہتی ہوں۔ "زمین کے آنسو" کی ہیروئن اریب فاطمہ کی طرح حیا کا آنچل اوڑھنا چاہتی ہوں اور "میرے خواب لوٹا دو" کی اریبہ جلال کا کردار 'لگتا ہے' میرا ہی ہے۔



آپ کا باورچی خانہ

عظمیٰ شفیق

س 1۔ کھانا پکاتے ہوئے کس بات کا خیال رکھتی ہیں پسند ناپسند' غذائیت یا صحت؟

ج : کھانے پکاتے ہوئے پسند سے زیادہ غذائیت کا دھیان رکھتی ہوں اور صحت کا بھی' زیادہ تر سادہ کھانا پکانے کو ترجیح دیتی ہوں۔ میری رائے میں سادہ کھانا ہی غذائیت سے بھرپور اور صحت بخش ہے۔ لیکن کبھی چٹ پٹا بھی چل جاتا ہے۔

س 2۔ گھر میں اچانک مہمان آگئے۔ ایسی ڈش کی ترکیب بتائیں جو فوری تیار کر سکیں؟

ج : مہمان اچانک تو کم ہی آتے ہیں۔ آ بھی جائیں تو کوئی اتنا سا مسئلہ نہیں کافی بڑا مسئلہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے بن بلائے مہمانوں کی آمد مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ "اُف کتنی صاف گو ہوں میں۔" لیکن اگر مہمان اطلاع دے کر آئیں تو دونوں آنکھوں سے بھاتے ہیں' تو ان کی خاطر تواضع میں پلاؤ' قورمہ' کباب وغیرہ تو بنتا ہے میٹھے میں "اسپیشل ربڑی کھیر" ضرور بناتی ہوں۔ ترکیب نوٹ کریں۔

اسپیشل ربڑی کھیر

ضروری اجزا :

چاول پسے ہوئے	ایک پیالی
تازہ دودھ	دو لیٹر
چینی	ایک پیالی
ربڑی	ایک پیالی
الائچی پسی ہوئی	چٹکی بھر
خشک میوے	آدھی پیالی
بادام' پستے	سجانے کے لیے

ترکیب :

دیگچی میں دودھ گرم کریں۔ چینی ڈالیں۔ دو منٹ بعد چاول ڈال کر ہلکی آنچ پر چاول گلنے تک پکائیں۔ الائچی ڈال کر گاڑھا ہونے تک پکائیں۔ پھر اتار لیں۔ نیم گرم ہو تو ربڑی ملا دیں۔ ڈش میں نکال کر بادام پستے سے سجائیں۔

س 3 ۔ آپ کچن کی صفائی کے لیے کیا خصوصی اہتمام کرتی ہیں؟

ج : کچن کی صفائی میرے لیے بہت اہم ہوتی ہے اس لیے کوکنگ کے دوران صفائی کا عمل جاری رہتا ہے۔

س 4 ۔ آپ ناشتے میں کیا بناتی ہیں؟ ایسی خاص ڈش کی ترکیب جو آپ اچھی بناتی ہیں؟

ج : صبح کا ناشتہ عموماً "پراٹھا' فرائی انڈا' اچار' چائے" پر ہی مشتمل ہوتا ہے۔ چھٹی کے دن قیمہ بھرے پراٹھے بناتی ہوں۔ ملاحظہ کریں۔

س 5 آپ مہینے میں کتنی بار باہر کھانا کھاتی ہیں؟

ج : ہائے کیا پوچھ لیا بقول شوہر جی کے باہر کھانا پیسے اور وقت کا زیاں ہے تو جناب ابھی ایسی عیاشی نصیب نہیں ہوئی۔

س 6 کھانا پکانے میں موسم کو مد نظر رکھتی ہیں؟

ج : بالکل جی! موسم کے مطابق ہی کھانے کا مزہ ہے جیسا کہ ٹھٹھرتی سردی میں پائے' ساگ' گاجر کا حلوہ اور سوپ وغیرہ اور شدید گرمی میں کڑھی چاول' دال چاول' قیمہ کریلے کے ساتھ دودھ کی کچی لسی مزہ دے جاتی ہے۔

س 7 کھانا پکانے میں کتنی محنت کی قائل ہیں؟

ج : میں کھانا پکانے میں زیادہ محنت کی قائل نہیں' بھئی سارے دن کے کاموں سے جو فرصت ملے اب کیا پکانے میں لگا دیں اور بھی کام ہیں دنیا میں پکانے اور کھانے کے سوا لیکن کبھی بہت اچھا سا موڈ ہو تو محنت سے پکاتی ہوں۔

س 8 کچن کی کوئی ٹپ جو دینا چاہیں؟

ج : بعض اوقات سالن بھونتے ہوئے تھوڑا جل جاتا ہے اگر پانچ کھانے کے چمچے دودھ ڈال دیں تو جلنے کی بو نہیں آئے گی نہ ہی ذائقے میں فرق آئے گا۔

آج لنچ میں کیا ہے

خالدہ جیلانی

ہمارے ہاں تقریباً" سب ہی گھرانوں میں عام رواج ہے کہ دوپہر کا کھانا ہلکا پھلکا ہی کھایا جاتا ہے۔ اس لیے خواتین دوپہر کے کھانے پر زیادہ اہتمام نہیں کرتیں کیوں کہ عموماً" گھروں میں اس وقت مرد حضرات نہیں ہوتے۔ اب مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ کیا پکایا جائے تو ہم نے آپ کی اس مشکل کو آسان کرنے کے لیے کچھ ایسے کھانے ترتیب دیے ہیں جو گھر کے بچے بھی شوق سے کھانا پسند کریں گے۔

مٹر پلاؤ

اجزا :

چاول	ایک کلو
مٹر	ایک کلو
پسا ہوا لہسن	ایک کھانے کا چمچہ
ادرک	ایک ٹکڑا
ہری مرچیں	چار سے پانچ عدد
چکن کیوبز	دو عدد
ثابت گرم مسالا	ایک چمچہ
نمک	حسب ضرورت
گھی	حسب ضرورت
پیاز	ایک چھوٹی گٹھی

ترکیب :

گھی میں لہسن، ادرک اور ـــــ مٹر ڈال کر بھون لیں پھر اس میں چکن کیوبز، ہری مرچیں، ثابت گرم مسالا اور نمک ڈال کر مٹر گلنے تک پکائیں۔ چاولوں کو الگ پتیلے میں پانی ڈال کر ابال لیں پھر اس کا پانی پھینک کر چاولوں کو بھنے ہوئے مسالے میں ملا دیں اور پھر دم آنے پر پیاز کا بگھار دے دیں۔ مزے دار مٹر پلاؤ تیار ہے۔

چٹ پٹا چکن دلیہ

دلیہ غذائیت سے بھرپور ہوتا ہے اور کھانے میں بھی ہلکا پھلکا ہوتا ہے۔

اجزا :

گیہوں کا دلیہ	آدھا کلو
مونگ کی دال	ایک پاؤ
مرغی	حسب ضرورت
پیاز	ایک گٹھی
ٹماٹر	دو عدد
ہری مرچ	تین سے چار
نمک	حسب ذائقہ
لال کٹی مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
ہلدی	آدھا چمچہ
چاٹ مسالا	حسب پسند
لیموں، پودینہ، ادرک	سجاوٹ کے لیے

ترکیب :

گیہوں اور دال دھو کر اس میں خوب سارا پانی ڈال کر چڑھا دیں پھر اس میں پیاز، ٹماٹر، ہری مرچیں، لال کٹی مرچ، نمک، ہلدی ڈال کر گلنے کے لیے رکھ دیں جب دال اور گیہوں یک جان ہو جائیں تو اس میں ابلی ہوئی مرغی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے ڈال دیں پھر اس کو گھوٹ لیں۔ جب دلیہ گاڑھا ہو جائے تو پیاز کا بگھار لگا دیں۔ پودینہ، چاٹ مسالا لیموں اور کٹی ہوئی ادرک اوپر سے ڈال کر نوش فرمائیں۔

کھچڑی

اجزا :

چاول	آدھا کلو
مونگ کی دال	ایک پاؤ
ہری مرچیں	تین سے چار عدد
کالی مرچ	تین سے چار عدد
لونگ	دو سے تین عدد
نمک	حسب ذائقہ
زیرہ	ایک چمچہ
پیاز	ایک چھوٹی گٹھی
تیل	حسب ضرورت

ترکیب :

دیگچی میں تیل گرم کرکے اس میں ثابت کالی مرچ، لونگ، زیرہ اور ہری مرچیں ڈال لیں پھر اس میں دال چاول دھو کر ڈال دیں پانی خشک ہونے پر بگھار لگا کر دم پر رکھ دیں۔ پیاز، ٹماٹر کے کچومر کے ساتھ مزے سے کھائیں۔

لوکی کا رائتہ

گرمیوں میں خاص طور پر لوگ دہی کھانے کو ترجیح دیتے ہیں ایسے میں اگر دہی میں کسی سبزی یا کوئی اور مسالا وغیرہ ملا کر اسے نئی شکل دے دی جائے تو لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔

اجزا :

لوکی	ایک پاؤ
دہی	ایک پاؤ
پسا لہسن، ادرک	ایک چائے کا چمچہ
لال کٹی مرچ	ایک چائے کا چمچہ
نمک	ایک چٹکی
زیرہ	حسب ضرورت
ثابت لال مرچ	چار سے پانچ

ترکیب :

لوکی چھیل کر کدوکش کرلیں پھر ابال کر اس کا پانی پھینک دیں۔ اب لوکی کو دہی میں شامل کرکے اس میں لال کٹی مرچ، نمک اور لہسن ادرک ڈال کر اچھی طرح یک جان کرلیں۔ پھر اس پر زیرہ اور ثابت لال مرچ کا بگھار دے دیں اور اسے پھلکے یا چاولوں کے ساتھ نوش فرمائیں۔

جلیبی

اشیاء :

میدہ	ڈیڑھ کپ
بیکنگ سوڈا	ایک چائے کا چمچہ
چینی	ڈھائی کپ
الائچی (پسی ہوئی)	نصف چائے کا چمچہ
گھی	تلنے کے لیے
زرد رنگ یا زعفران	ایک چٹکی

میدہ اور بیکنگ سوڈا ملائیں پھر کچھ پانی ڈالیں اور آمیزہ بنائیں۔ یہ دیکھیں کہ گٹھلی نہ بننے پائے۔ خمیر اٹھنے کے لیے رات بھر چھوڑ دیں۔

اسے دوبارہ ملائیں۔ اگر ضروری ہو تو تھوڑا سا پانی ڈالیں یہاں تک کہ برابر ہو جائے۔

برابر کی چینی اور پانی ملا کر چینی کا شیرہ تیار کریں۔ چھوٹی الائچی (پسی ہوئی) ڈالیں اور اسے بیس منٹ تک پکائیں۔

چپٹی کڑاہی یا فرائی پین میں گھی گرم کریں۔ آمیزہ کو کپڑے میں ڈالیں پھر اسے درمیانے گرم گھی میں اس طرح ڈالیں کہ جلیبی کی شکل بن جائے۔

دونوں طرف سے پکائیں تاکہ یہ خستہ ہو جائے۔ اسے نکالیں اور چینی کے شیرے میں کم از کم پانچ منٹ تک رکھیں پھر پیش کریں۔

نوٹ : جلیبی کے کپڑے کے لیے کچھ کپڑا لیں اور درمیان میں سوراخ کریں۔ جلیبی بنانے کے لیے پریکٹس اور صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ شروع میں الگ الگ جلیبی بنائیں اور پریکٹس ہو جائے تو پھر قطار میں بنائیں۔ جلیبیوں کو خستہ بنانے کے لیے میدے میں تھوڑے سے پسے ہوئے چاول ڈال لیں۔



عفت سحر طاہر

نفسیاتی ازدواجی الجھنیں

الف۔ فیصل آباد

اچھی بہن! آپ کی والدہ نے سمجھ داری کا ثبوت نہیں دیا۔ جب ان کو پتا تھا کہ اس لڑکے کے گھر والے رضا مند نہیں ہیں تو انہیں اس لڑکے پر زور نہیں دینا چاہیے تھا۔ کہ "تم اپنی امی کو مناؤ جیسے بھی وہ مانیں۔" آپ کی امی نے اس لڑکے کی حوصلہ افزائی کی، بقول آپ کے "اسے ماں کا پیار دیا۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح لڑکا ان کے قابو میں آجائے گا اور وہ جو کہیں گی، کرے گا اور ہوا بھی یہی۔ لڑکے نے اپنے گھر والوں کو رشتہ لانے پر مجبور کیا تو انہوں نے آپ کی والدہ سے رشتے کی بات تو کرلی لیکن وہ دل سے رضا مند نہیں تھے۔ لڑکے کی والدہ نے رشتہ کرتے ہوئے "آپ کی والدہ سے کہا کہ" آپ کا کوئی رشتہ دار گھر نہ آئے نہ میں اپنے کسی رشتہ دار کو آپ کے گھر لاؤں گی۔" اس کا مطلب یہ تھا کہ انہیں باقاعدہ منگنی نہیں کرنی تھی۔ نہ اپنے خاندان میں کسی کو یہ بات بتانا تھی۔

اب صورت حال یہ ہے کہ اس زبانی رشتہ کی بات کو تین سال گزر گئے ہیں۔ لڑکے کے گھر والے شادی کو ٹال رہے ہیں، صاف انکار بھی نہیں کرتے کیونکہ ان کا لڑکا آپ کو چاہتا ہے لیکن وہ آپ کے گھر والوں کے ساتھ ہتک آمیز رویہ رکھتے ہیں۔ آپ کو غریبی کی بنا پر کمتر سمجھتے ہیں۔

بظاہر ایسا لگتا ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ آپ لوگ زچ آکر خود ہی رشتہ ختم کردیں۔

آپ کے لیے مشورہ یہ ہے کہ اگر لڑکا کسی اچھی جاب پر ہے یا اس کا علیحدہ کاروبار ہے تو تھوڑا عرصہ انتظار کر لیں، ممکن ہے وہ اپنے گھر والوں کو منا کر شادی کرلے۔

لیکن اگر لڑکا اپنے گھر والوں پر انحصار کرتا ہے اور خود کمانے کے قابل نہیں ہے تو پھر آپ کی والدہ کو چاہیے کہ وہ ان لوگوں سے صاف بات کریں کہ وہ شادی کرنا چاہتے ہیں یا نہیں۔

جانیہ ملک

اچھی بہن! بہتر ہو گا کہ اس مسئلہ پر خاموشی اختیار کی جائے۔ اچھی بات یہ ہے کہ آپ کی دوست کے گھر والے تمام معاملات سے واقف ہیں اگر اس لڑکے نے کوئی مسئلہ کھڑا کرنے کی کوشش کی تو وہ خود سنبھال لیں گے۔ آپ کی دوست اپنی والدہ کو بھی اس بات سے آگاہ کردے تو بہتر ہے۔

ویسے آج کے دور میں تصویر کا کسی کے پاس ہونا کوئی ایسی اچنبھے کی بات نہیں ہے کیونکہ تصویر کسی بھی طرح حاصل کی جاسکتی ہے۔ موبائل فون میں کیمرے کے ذریعے کسی کی بھی تصویر لی جاسکتی ہے، تعلیمی دور میں دوست ایک دوسرے کی تصویر لیتے رہتے ہیں۔ تصویر سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کسی کے ساتھ کوئی خاص تعلق بھی رہا ہے۔

اندازہ تو یہی ہے کہ وہ لڑکا کوئی اوچھی حرکت نہیں کرے گا۔ آپ کی دوست بے فکر ہو کر شادی کرلیں۔ اور ایک بات کا خیال رکھیں کہ شادی کے بعد اس لڑکے سے ہرگز کوئی رابطہ نہ رکھیں۔ یہ خطرناک ثابت ہو گا۔

ح.... کراچی

میں دین سے بہت قریب ہوں اور اپنے اوپر جو کچھ فرض اور واجب ہے دین اسلام کی جانب سے اس پر کماحقہ چلنے کی کوشش بھی کرتی ہوں مگر مجھے بہت ہی زیادہ وہم ہوتے ہیں۔ نجاستوں کے متعلق میں گھر والوں کے کپڑے خود ہی دھوتی ہوں۔

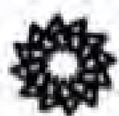
اتنے پیسے نہیں کہ لگ کر علاج کرا سکوں میری چھوٹی بہن مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔ کچھ دنوں سے وہ ضد میں کوئی بھی کام نہیں کرتی۔ آج کل وہ یوں کر رہی ہے کہ اگر میں کھڑکی بند کروں (مجھے سردی لگ رہی ہوتی ہے۔) تو ضد میں فوراً" اٹھ کر کھول دیتی ہے اور پنکھا آہستہ کروں تو بھی فوراً" اٹھ کر فل کر لیتی ہے اس کے یوں کرنے سے مجھے بہت زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ بہن مجھے بہت اذیت دے رہی ہے۔ سب سے بری بات جو مجھ میں ہے وہ یہ کہ میں کسی مصیبت، کسی آزمائش میں صبر نہیں کرتی ہوں۔ علم نیک بختوں کو عطا کیا جاتا ہے بد بخت اس سے محروم کر دیے جاتے ہیں ——— میں بھی بد بختوں میں سے ہوں۔ علم حاصل تو کر رہی ہوں مگر عمل نہ ہونے کے برابر ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں علم پر عمل کیوں نہیں کر پا رہی۔

ج : پاکی کا اصول یہ ہے کہ ہر چیز کو پاک سمجھا جائے جب تک اس کی ناپاکی کے بارے میں یقینی طور پر معلوم نہ ہو۔ یہ محض آپ کا وہم اور وسوسہ ہے کہ آپ ہر چیز کو ناپاک سمجھتی ہیں۔ جب تک چار گھنٹے لگا کر اسے پاک نہ کرلیں۔ اپنے شکوک و شبہات پر توجہ نہ دیں۔ انہیں نظر انداز کرنے کی کوشش کریں۔ شک، وہم اور وسوسے شیطان ڈالتا ہے تاکہ بندے کو نیک عمل سے روک سکے۔ مثلاً" نماز میں آپ کو جو وہم آتے ہیں وہ صرف اس لیے کہ آپ کا دھیان نماز سے ہٹ جائے۔ جب بھی دل میں ناپاکی کا وہم یا کوئی وسوسہ آئے تو تعوذ پڑھ لیا کریں اور خود سے کہیں کہ میں شیطان کی کوئی بات نہیں مانوں گی۔ بار بار یہ دہرائیں گی تو آپ کو فرق محسوس ہوگا۔

وہم آنے کا ایک بڑا سبب قبض ہے۔ قبض کے لیے آپ دن بھر میں بارہ گلاس پانی پئیں۔ صبح فجر کی نماز کے بعد دو سے تین گلاس پانی پئیں۔ منقیٰ کے پانچ دانے آدھی پیالی دودھ میں بھگو دیں اور رات سونے سے پہلے کھالیں۔ امرود، کچی گاجریں، پپیتہ اور خربوزہ کھانے سے قبض رفع ہو جاتا ہے۔ قبض کے لیے انجیر بھی بہترین ہے۔ اگر ممکن ہو تو روزانہ انجیر کھائیں۔ قبض ختم ہو گا تو آپ کو بہت سے مسئلوں سے خود بخود نجات مل جائے گی۔ وہم اور وسوسے ختم ہو جائیں گے۔

لیکوریا کے لیے سنگھاڑے کھائیں۔ اس کا علاج کسی بھی حکیم سے کرایا جا سکتا ہے۔ زیادہ مہنگا علاج نہیں ہے۔ ویسے یہ کوئی بیماری نہیں ہے۔ خواتین کا عام مسئلہ ہے۔ بہن کی باتوں کو دل پر لینے کی ضرورت نہیں۔ نظر انداز کر دیں۔ نو عمری میں اس طرح کے ادوار آتے ہیں کہ بلاوجہ کی جھنجلاہٹ اور ضد طاری ہو جاتی ہے۔ اگر آپ توجہ نہیں دیں گی تو وہ خود بخود ٹھیک ہو جائے گی۔

علم پر اگر عمل نہیں کر پا رہی ہیں تو پریشان نہ ہوں۔ اللہ سے دعا مانگتی رہیں۔ وہی عمل کی توفیق عطا کرتا ہے۔ زیادہ عمل پڑھنے سے ذہن متاثر ہوتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ کسی کے کہنے پر کوئی عمل نہ پڑھیں۔



امت الصبور

بیوٹی بکس

سعدیہ فاطمہ۔۔۔ کراچی

س : میرا سب سے بڑا مسئلہ موٹاپا نہیں 'پیٹ ہے۔ میرا قد پانچ فٹ دو انچ اور وزن 55 کے جی ہے۔ جسم بظاہر متناسب نظر آتا ہے لیکن پیٹ کی وجہ سے میں بہت موٹی لگتی ہوں۔ میری شادی نہیں ہوئی لیکن پیٹ کی وجہ سے شادی شدہ لگتی ہوں مجھے کوئی آسان ورزش بتائیں جو میں گھر میں کر سکوں؟

ج : سعدیہ! صرف آپ کا بڑھا ہوا پیٹ ہی مسئلہ نہیں ہے۔ قد کے لحاظ سے آپ کا وزن بھی تھوڑا زیادہ ہے۔ آپ کم از کم تین سے چار کے جی تک وزن کم کریں۔ وزن کم کرنے کے لیے آدھا گھنٹہ پیدل چلیں۔ عشاء کی نماز رات کا کھانا کھانے کے بعد پڑھیں تاکہ سونے سے پہلے کھانا ہضم ہو جائے۔ کھانے میں سبزیاں اور پھل زیادہ استعمال کریں۔ مٹھائی کیک اور بیکری کی اشیاء کم کر دیں۔ کولہے اور پیٹ کم کرنے کے لیے یہ ورزش بہت فائدہ مند ہے۔ سیدھی لیٹ جائیں۔ دونوں بازو سائڈ میں رکھیں پھر پیٹ کے بل اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے پاؤں چھونے کی کوشش کریں۔ اس دوران آپ کی ٹانگیں سیدھی رہنی چاہئیں۔ روزانہ یہ عمل بیس دفعہ کریں۔ ایک ماہ میں نمایاں فرق محسوس کریں گی۔

ثمینہ بخت شاہ۔۔۔ میانوالی

س : میرا چہرہ بے رونق ہے 'چہرے کی جلد پھیکی اور بے جان سی نظر آتی ہے۔ کوئی ایسا گھریلو نسخہ بتائیں جس سے چہرہ چمک دار اور دلکش نظر آئے اور رنگ نکھر آئے۔

ج : ایک بہت آسان نسخہ لکھ رہی ہوں۔ روزانہ دن میں ایک بار استعمال کریں۔ چہرہ نکھر آئے گا ایک چمچہ بیسن میں ایک چٹکی ہلدی اور تھوڑی سی بالائی ملا کر پیسٹ بنالیں اور چہرے پر کریم کی طرح لگائیں۔ پندرہ منٹ بعد چہرہ دھولیں۔ شہد اور لیموں کا رس ملا کر چہرے پر لگانے سے بھی جلد چمک دار ہو جاتی ہے۔

بلقیس شہزادی۔۔۔ سمندری

س : میرے بال بہت خشک اور روکھے نظر آتے ہیں اور آج کل تیزی سے گر بھی رہے ہیں۔ بالوں میں چمک نہیں، بالکل بے رونق ہیں۔ کوئی ایسا نسخہ بتائیں جس سے بال چمک دار اور صحت مند نظر آئیں؟

ج : بالوں میں چمک کے لیے سب سے پہلے اپنی صحت پر توجہ دیں۔ آئرن کی کمی کی وجہ سے بھی بال خشک اور بے رونق نظر آتے ہیں۔ آج کل سیب کا موسم ہے آپ چھلکوں سمیت سیب کھائیں۔ ڈاکٹر کے مشورے سے آئرن ٹیبلٹ بھی استعمال کی جا سکتی ہیں دوسری اور اہم بات یہ ہے کہ آپ باقاعدگی سے ہفتے میں دو بار بالوں میں تیل لگائیں اور انگلیوں سے اچھی طرح مساج کریں۔

زیادہ صابن یا شیمپو استعمال نہ کریں۔ سردیوں میں ہفتے میں ایک بار اور گرمیوں میں ہفتے میں دو بار شیمپو کریں۔ شیمپو یا صابن لگانے کے بعد بالوں کو اچھی طرح دھوئیں کیونکہ شیمپو بالوں میں رہ جائے تو بالوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔ بالوں کو چمک دار بنانے کے لیے بال دھونے کے بعد ایک مگ پانی میں ایک لیموں کا رس ملائیں اور اس سے بال دھولیں بال چمک دار ہو جائیں گے۔

ایلوویرا کا گودا بالوں میں لگانے سے بھی بال چمک دار ہو جاتے ہیں۔

ایک انڈے کی زردی اچھی طرح سے بالوں میں لگالیں اور نیم گرم پانی سے دھولیں تو بالوں میں قدرتی چمک آجاتی ہے۔ چاہیں تو انڈے کی زردی میں دہی ملا کر بھی بالوں میں لگا سکتی ہیں۔

عصمت ریاض۔۔۔ ڈاہرانوالہ

س : میرے چہرے پر بال ہیں۔ کوئی گھریلو طریقہ بتائیں جس سے بال صاف کیے جا سکیں۔ ہمارے گاؤں میں بیوٹی پارلر کی سہولت نہیں ہے نہ ہی مجھے تھریڈنگ کرنا آتی ہے۔

ج : چہرے کے بالوں کے لیے سب سے آسان اور محفوظ طریقہ تھریڈنگ ہے لیکن اگر آپ کو تھریڈنگ کرنا نہیں آتی یا آپ تکلیف برداشت نہیں کر سکتیں تو آپ بازار میں ملنے والی کسی اچھی کمپنی کی بلیچ کریم خرید کر چہرے پر لگائیں دس سے پندرہ منٹ کے بعد منہ دھولیں۔ اگر چہرے پر جلن زیادہ محسوس ہو تو آپ بلیچ جلدی صاف کریں۔ اس طرح آپ کے بال سنہری ہو جائیں گے اور نمایاں نہیں ہوں گے۔

